لاش سے
ملاقات

ناگ ماریا اور عنبر کی واپسی

کے پانچ پر اسرار سفر کی سنسنی خیز داستان

لاش سے ملاقات

اے۔حمید

قوس پبلی کیشنز

۱۴۔بی شاہ عالم مارکیٹ۔لاہور۔۸

قیمت : ۵/- روپے

ناشر: مبارک انور - قوس پبلی کیشنز - لاہور
طابع: تاج دین پرنٹرز لاہور

پیارے بچو،

اب عنبر، ماریا اور ناگ کی واپسی کا سفر شروع ہوتا ہے۔ آپ نے آخری بار عنبر، ماریا اور ناگ سے اس وقت ملاقات کی تھی جب یہ تینوں بہن بھائی اور مخلص دوست ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے تھے۔ ماریا غائب ہو کر سمندر میں گم ہو گئی۔ ناگ پھر سے سانپ بن کر زمین کے اندر چلا گیا اور عنبر اپنے پیارے دوستوں کی یاد دل میں لیے کراچی شہر سے دور ایک ٹیلے کے پاس ویران کھنڈر میں آگیا۔ یہاں سے وہ ملکہ مصر کی لاش سے ہدایت لینے مصر کے پرانے اہرام میں جاتا ہے۔ کیونکہ وہ مصر کی ملکہ کی راہنمائی میں ہی واپسی کا پانچ ہزار برس کا سفر طے کر سکتا ہے۔ وہ کراچی سے ہوائی جہاز میں بیٹھ کر قاہرہ پہنچتا ہے اور اہرام مصر میں جا کر اسے معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ مصر کی لاش وہاں موجود نہیں ہے۔ اس کی لاش پیرس کے بڑے عجائب گھر میں ہے۔ عنبر قاہرہ سے پیرس کو روانہ ہوتا ہے۔ پیرس کے عجائب گھر میں وہ ملکہ مصر کے تابوت کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ ملکہ مصر کی لاش عنبر کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ دلی کے لال قلعے میں جائے۔ کیونکہ ان کا واپسی کا تاریخی سفر بہادر شاہ ظفر کے زمانے سے شروع ہوگا۔ عنبر واپس دلی آتا ہے اور یہاں عجیب

غریب اور پر اسرار حالات میں پھنس جاتا ہے۔ آخر وہ قید کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ایک روز جیل سے بھاگتا ہے اور بھاگتے بھاگتے سڑک پر گر پڑتا ہے اور جب اسے ہوش آتا ہے تو وہ بہادر شاہ ظفر کی دلی میں سانس لے رہا تھا اور دلی میں غدر پڑا ہوا تھا۔ انگریزی فوج شہر کی دیوار پر گولے برسا رہی تھی۔ عنبر اپنے ساتھ سائنسی زمانے کی یادگار کے طور پر ایک کیسٹ پلیئر، واٹر اور پستول بھی لے گیا ہے۔ مغل بادشاہ اور ملکہ کیسٹ پلیئر پر گانے سُن کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ اس کے بعد عنبر کا طویل سنسنی خیز سفر شروع ہوگا اور بڑے ڈرامائی حالات میں اس کی ملاقات ناگ اور ماریا سے ہوگی۔ امید ہے کہ آپ اسے بھی عنبر کے پہلے سفر کی طرح دلچسپی سے پڑھیں گے اور پسند کریں گے۔

اے حمید

خالی تابوت

بارش، بجلی کی چمک اور تیز ٹھنڈی ہوا۔

بادلوں میں بجلی چمکتی تو گرج کی آواز سے پُرانے کھنڈر کی دیواریں اور چھت کانپ جاتی۔ عنبر اس ٹوٹی ہوئی پرانی تاریخی عمارت میں دو روز سے ٹھہرا ہوا تھا۔ اس عمارت کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ چھت محراب دار گول تھی۔ درمیان میں پتھر کا ایک چبوترہ تھا جس پر عنبر چپ چاپ لیٹا اپنے واپسی کے سفر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ماریا اور ناگ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جانے کے بعد وہ اتنی بڑی دنیا میں اکیلا رہ گیا تھا۔ اب وہ واپس اپنے وطن مصر جا رہا تھا۔ پانچ ہزار سال گزرے کہ وہ ایک پر اسرار شام کو اپنے وطن مصر کے دریائے نیل سے اپنے سنسنی خیز حیرت انگیز سفر پر نکلا تھا اور پھر رونگٹے کھڑے کر دینے والے حالات میں پھنس گیا اور اسے دعا یا بد دعا دی گئی تھی کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ کبھی نہیں مرے گا اور اس کے جسم پر تلوار یا گولی کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

پھر وہ زندہ رہا اور سفر کرتا چلا گیا۔ سلطنتیں بنیں اور مٹ گئیں۔ بادشاہ تخت پر بیٹھے اور مر گئے۔ حمورابی، فرعون، یونانی بادشاہ اور رومن حکمران آئے اور ختم ہوتے چلے گئے، لیکن عنبر زندہ رہا۔ موت

اس کے قریب نہ آ سکی۔ وہ اس سے دُور بھاگتی رہی۔ پھر اس کی ملاقات اپنی زندگی کے بہترین دوست اور بھائی ناگ سے ہوئی جو ایک سانپ تھا اور ایک ہزار سال تک زندہ رہنے کے بعد انسان کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اس میں اتنی طاقت آ گئی تھی کہ وہ جو شکل چاہے اختیار کر لیتا تھا۔ پرندہ بن کر اڑ سکتا تھا، درندہ بن کر دھاڑ سکتا تھا۔ ناگ اور عنبر نے مل کر تاریخ کے ایوانوں میں سفر شروع کیا۔ اور بڑی بڑی مہمیں سر کرتے، دل ہلا دینے والے واقعات اور مصیبتوں سے گزرتے آگے بڑھتے چلے گئے۔

پھر عنبر اور ناگ کو ان کی پیاری بہن ماریا مل گئی۔ ماریا جو ایک شہزادی تھی لیکن جسے مصر کی ایک زبردست جادوگرنی نے جادو کے زور سے غائب کر دیا تھا۔ وہ غائب تھی۔ کسی کو نظر نہیں آ سکتی تھی مگر خود سب کو دیکھ سکتی تھی۔ تینوں مل کر اپنے سفر پر چل کھڑے ہوئے اور پانچ ہزار سال تک سفر کرتے رہے۔ آخر ایک روز وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ ناگ پھر سے سانپ بن گیا۔ ماریا غائب ہو گئی۔ بچھڑتے وقت ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ماریا نے بھیگی پلکوں سے کہا تھا:

"عنبر بھائی، ہم نے ایک بے حد لمبا عرصہ ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر بسر کیا ہے۔ میں تم دونوں بھائیوں کو کبھی نہ بھلا سکوں گی"

ناگ بھی اداس تھا۔ اس نے عنبر کو گلے لگایا اور کہا:

"عنبر، ہم شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے جدا ہو رہے ہیں۔ لیکن اگر کبھی زندگی میں ایسا ہوا کہ تمہیں میری ضرورت پڑی تو ہو سکتا ہے، میں زمین کے نیچے اپنی دنیا سے نکل کر تمہاری مدد کو آؤں"

اس کے بعد تینوں بہن بھائی ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔ ان کا حیرت انگیز سفر ختم ہو گیا۔ ناگ سانپ بن کر ہمیشہ کے لیے زمین کے اندر چلا گیا۔ ماریا غائب ہو گئی اور عنبر دنیا میں اکیلا رہ گیا۔

اس وقت وہ کراچی شہر سے باہر ایک پرانی کھنڈر بنی عمارت میں اکیلا بیٹھا تھا۔ اس کے پاس پاکستانی کرنسی میں صرف پچاس روپے باقی رہ گئے تھے۔ اس کے پاس جتنے پیسے تھے اس نے کراچی سے قاہرہ تک کے لیے ہوائی جہاز کا ٹکٹ خرید لیا تھا۔ یہ ٹکٹ اس کی جیب میں تھا۔

تیز ٹھنڈی ہوا میں اسے سردی بالکل نہیں لگ رہی تھی۔ کیونکہ نہ اُسے سردی لگتی تھی اور نہ گرمی۔ وہ موسموں اور زندگی کی دوسری ضروریات کی قید سے آزاد تھا۔ پھر بھی لوگوں کو دکھانے کے لیے اس نے پتلون کوٹ پہن رکھا تھا۔ ایک مختصر سا بریف کیس تھا جس میں اس کا پاسپورٹ، ٹکٹ کا سامان، دو قمیصیں، ایک پتلون اور چند ایک سادہ کاغذ اور قلم تھا۔ عنبر نے گھڑی دیکھی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ اس کا جہاز کراچی ایئرپورٹ سے ٹھیک تین بجے اُڑنے والا تھا۔ عنبر نے چلنے کی تیاری شروع کر دی۔ بارش اب بوندا باندی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ تھوڑی دور

ایک سڑک ہوائی اڈے کو جاتی تھی۔ عنبر کسی ہوٹل میں اس لیے نہیں ٹھہرا تھا کہ اس کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے اور چونکہ اسے نہ سردی لگتی تھی، نہ گرمی — اور نہ اسے کوئی سانپ یا کیڑا مکوڑا کاٹ کر نقصان پہنچا سکتا تھا، اس لیے وہ بڑا بے فکر ہو کر اس پرانے تاریخی کھنڈر میں ہی لیٹ گیا تھا۔

عنبر نے ہاتھ باہر نکال کر دیکھا، بوندا باندی ہو رہی تھی — بجلی چمکی تو دور سامنے رات کے اندھیرے میں سڑک کی گیلی لکیر دکھائی دی — وہ چاہتا تھا کہ اس کھنڈر سے نکل کر سڑک پر کھڑا ہو کر ٹیکسی کا انتظار کرے۔ کیونکہ اس سڑک پر سے کبھی کبھی کوئی ٹیکسی گزر جاتی تھی — عنبر نے بریف کیس اٹھایا — خدا کا نام لیا اور کھنڈر میں سے نکل کر سڑک کی جانب چل پڑا — بارش کی وجہ سے ریت گیلی ہو گئی تھی۔ خشک جھاڑیاں مینہ میں بھیگ رہی تھیں — عنبر سڑک پر آ کر ایک درخت کے نیچے کھڑا ہو گیا اور ٹیکسی کا انتظار کرنے لگا —

اس نے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد گھڑی دیکھی — رات کے دو بج کر پندرہ منٹ ہو چکے تھے — جہاز کے اڑنے میں صرف پون گھنٹہ ہی باقی تھا۔ اُسے اب ایئر پورٹ کے لیے روانہ ہو جانا چاہیے تھا — مگر ٹیکسی یا کسی دوسری سواری کا دور دور تک نام و نشان تک نہ تھا — آخر دور امید کی کرن دکھائی دی۔

کسی کار کی روشنیاں سڑک پر پڑ رہی تھیں اور بارش میں بھیگتی سڑک چمک رہی تھی — عنبر نے سوچا وہ اس کار میں لفٹ لینے کی کوشش کرے گا اور اگر ٹیکسی ہوئی تو پھر اس پر سوار ہو کر ایئر پورٹ پہنچ جائے گا — کار قریب آ رہی تھی۔ عنبر نے دور ہی سے ہاتھ ہلا کر کار کو رکنے کا اشارہ کیا۔ کار اس کے قریب آ کر رک گئی۔ ایک آدمی نے اگلی سیٹ سے باہر جھانک کر پوچھا: "کہاں جانا ہے؟"

اور پھر وہ پیچھے دیکھ کر مسکرایا۔ عنبر نے ایک ڈراؤنی مونچھوں والے ہٹے کٹے آدمی کو دیکھا جو پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

"کیا آپ مجھے ایئر پورٹ تک لفٹ دیں گے؟" "اندر آ جاؤ۔" پچھلا دروازہ کھل گیا — عنبر ہٹے کٹے مونچھوں والے آدمی کے پاس جا کر بیٹھ گیا — کار آگے روانہ ہو گئی — وہاں سے ایئر پورٹ زیادہ دور نہیں تھا — زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ کا راستہ تھا۔ عنبر نے محسوس کیا کہ اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی نے ایک پر اسرار اشارہ اپنے ساتھی کو کیا — عنبر کے پاس بیٹھا ہوا خطرناک آدمی بولا: "کہاں جاؤ گے بابو؟"

عنبر نے کہا "میں قاہرہ جا رہا ہوں۔"

"اور یہاں جنگل میں کیوں کھڑے تھے؟"

"اصل میں میری گاڑی خراب تھی، میں پیدل ہی ایئر پورٹ کی طرف چل پڑا — میرا گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے — مگر بارش آ گئی —" اچانک گاڑی رک گئی — مونچھوں والے نے کہا

"پھر خراب ہوگئی یہ کم بخت ؟"

اگلی سیٹ والے آدمی نے پیچھے مڑ کر عنبر کی طرف دیکھا اور کہا : "بابو' تمہارے پاس جتنی رقم ہے' نکال کر یہاں رکھ دو اور اتر کر چپ چاپ واپس چلے جاؤ۔"

عنبر نے اگلے آدمی کے ہاتھ میں پستول دیکھ لیا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ ڈاکو ہیں اور اسے لوٹنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ ان سے الجھ کر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا :

"میرے بریف کیس میں میرا پاسپورٹ ہے اور پچاس روپے ہیں اور اس سے زیادہ میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن میں درخواست کروں گا کہ مجھے یہاں اتارنے کی بجائے ایئر پورٹ پہنچا دیا جائے۔"

اس پر ڈرائیور نے پستول عنبر کے سینے پر رکھ دیا۔

"بریف کیس ہمارے حوالے کرو۔ ہم تمہارا پاسپورٹ ہی چاہتے ہیں ہم اس پر کسی دوسرے کی فوٹو لگا کر اسے فروخت کریں گے۔"

عنبر نے ان کی بہت منت سماجت کی مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ عنبر کا مذاق اڑاتے رہے بلکہ مونچھوں والے نے تو عنبر کی گردن پر ایک مکا بھی مار دیا۔ مکا مارتے ہوئے اسے عنبر کی گردن کچھ سخت لگی لیکن اس نے کوئی خیال نہ کیا۔

عنبر نے کہا : "کیا آپ لوگ مجھے معاف نہیں کریں گے ؟"

مونچھوں والے نے عنبر کو ایک زوردار تھپڑ مار کر کہا :

"نکل جاؤ' گاڑی میں سے۔۔ نہیں تو گولی مار دیں گے۔"

اس نے عنبر کا بریف کیس چھین کر باہر دھکا دے دیا۔ عنبر کھلے دروازے میں سے باہر گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی گاڑی کا انجن سٹارٹ ہو گیا۔ عنبر یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ اس کا پاسپورٹ چھین لیا جائے۔۔ اس کا قاہرہ پہنچنا بہت ضروری تھا۔ اب اس نے ان ڈاکوؤں کو مزہ چکھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ عنبر تیزی کے ساتھ زمین سے اٹھا اور کار کی کھڑکی میں ہاتھ ڈال کر اس نے دروازے کو زور سے اپنی طرف کھینچا۔ کار کا دروازہ الگ ہو کر سڑک پر گر پڑا۔ ڈرائیور نے جب یہ حال دیکھا تو سوچے سمجھے بغیر عنبر پر گولی چلا دی۔ گولی عنبر کے ماتھے پر لگی اور اس کے ماتھے سے ٹکرا کر کار کے اندر گر پڑی۔ نہ زخم ہوا نہ خون نکلا۔ غنڈے نے سوچا کہ وار خالی گیا ہے اور گولی عنبر کو نہیں لگی۔ اس نے ایک اور فائر کر دیا۔ یہ گولی عنبر کے سینے سے ٹکرا کر اس کے کوٹ کی جیب میں گر گئی۔ غنڈے نے مونچھوں والے کو حملہ کرنے کے لیے کہا۔

مونچھوں والے غنڈے نے جیب سے چاقو نکال کر کھولا اور عنبر پر وار کر دیا۔ لیکن چاقو عنبر کے پتھر ایسے سخت پیٹ سے ٹکرا کر دوہرا ہو گیا۔ عنبر نے کہا :

"تم لوگ اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ میں تمہیں قتل نہیں کروں گا' تمہاری سزا یہی ہے کہ گاڑی میرے حوالے

یہی سمجھا کہ کوئی پاکستانی سیاح ہے اور اہرام مصر کی سیر کرنے کے لیے جا رہا ہے۔ ٹیکسی جب دریائے نیل کے پل پر سے گزر کر دوسری طرف صحرا میں پانچ ہزار برس پرانے شہر تھیبز کے کھنڈرات کے قریب سے گزری تو عنبر کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا۔ یہ اس شہر کے کھنڈر تھے جہاں اُسے پہنچنا تھا۔ یہ اس کے وطن کے کھنڈر تھے۔ اس شہر میں وہ پانچ ہزار سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ اسی شہر کی گلیوں اور دریائے نیل کے کنارے کھیل کود کر وہ پلا بڑھا تھا۔ اب یہ شہر کھنڈر بنا ہوا تھا۔ ٹوٹے پھوٹے گنبد تھے۔ چند ایک گرے ہوئے ستون تھے اور ریت پر بکھرے ہوئے پتھروں کے ٹکڑے تھے۔ اس کے اپنے وطن اور اس شہر میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔

ٹیکسی آگے نکل گئی۔ اب وہ صحرا میں سے گزر رہی تھی۔ دونوں طرف ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے اور دھوپ میں سخت تیزی تھی۔ گرمی کے مارے ڈرائیور کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ مگر عنبر کو ذرا بھی گرمی نہیں لگ رہی تھی۔ اسے پسینہ بھی نہیں آ رہا تھا۔ وہ بڑے سکون سے بیٹھا اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ دور سے اہرام مصر نظر آئے۔ عنبر کا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ ایک مدت کے بعد وہ اپنے وطن کی چیزیں دیکھ رہا تھا۔ یہ اہرام پانچ ہزار سال پرانے تھے اور ان میں مصر کے پُرانے بادشاہ دفن تھے۔ یہ اہرام عنبر کی آنکھوں کے سامنے تعمیر ہونا شروع ہوتے تھے۔

اس نے اپنی آنکھوں سے مصری، یونانی، یمنی اور حبشی مزدوروں کو جو غلام تھے بڑے بڑے ریڑھوں پر پتھر لاد کر اہراموں کی طرف لے جاتے دیکھا تھا۔ ہزاروں مزدور ان پتھروں میں دب کر عنبر کے سامنے ہلاک ہو گئے تھے۔

اور اب ان اہراموں کے کھنڈر اس کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ کونی دیواروں کے پتھروں میں جگہ جگہ خشک زرد گھاس اُگی ہوئی تھی اور کئی جگہوں سے پتھر اکھڑ چکے تھے۔ کبھی ان اہراموں میں فرعون کی لاشوں کے ساتھ بے بہا سونا چاندی اور ہیرے جواہرات دفن تھے۔ پھر لٹیروں اور سیاحوں نے یہ سب کچھ لوٹ لیا۔ اب صرف چند ایک پرانے مصری فرعونوں کی بے یار و مددگار لاشیں ہی پڑی تھیں۔ ان کا سارا سونا اور جواہرات لائے جا چکے تھے۔ کئی فرعونوں کی لاشیں لندن اور پیرس کے عجائب گھروں میں بے وطن ہو کر پڑی تھیں۔

ٹیکسی جب ملکہ نفرتیتی کے اہرام کے پاس پہنچی تو عنبر نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ ٹیکسی سے اتر پڑا۔ اسے پیسے دیے، اور واپس بھیج دیا۔ اب وہ اہرام کے سائے میں اکیلا رہ گیا تھا۔ اس نے اونچے اہرام کے چھوٹے سے تنگ دروازے کو دیکھا جس کے اندر ہلکا اندھیرا چھایا تھا اور ٹھنڈی ہوا باہر آ رہی تھی۔ عنبر اب مسلمان ہو چکا تھا اور خدا اور اس کے رسولؐ پر اس کا پکا ایمان تھا۔ اس نے خدا کا نام لیا اور اہرام کے اندر

داخل ہوگیا۔ ٹھنڈے ٹھنڈے اندھیرے میں عجیب قسم کی
پر اسرار سی بُو رچی ہوئی تھی۔۔ اس قسم کی بُو پرانی کرم خوردہ
لائبریریوں میں سے آیا کرتی ہے۔

راستہ تنگ تھا اور کالی محراب دار چھت زیادہ اونچی نہیں
تھی۔ آگے جا کر عنبر بائیں جانب مڑ گیا، سامنے ایک کھلا نیچی
چھت والا دالان سا آگیا جو ستونوں کے سہارے کھڑا تھا۔ دالان
کے آگے دیوار میں ایک دروازہ تھا جس کے دونوں جانب مصری
سپاہیوں اور غلاموں کی تصویریں کھدی ہوئی تھیں۔ دروازے کے
اوپر ایک سانپ کنڈلی مارے بیٹھا دکھایا گیا تھا۔۔ یہ ملکہ
نفریتی کے اہرام کا دروازہ تھا۔ اس کے اندر ملکہ کی ممی رکھی
تھی۔ عنبر دروازے میں سے گزر کر اندر آگیا۔ تنگ کمرہ تھا۔
درمیان میں تابوت رکھا تھا جس میں ممی کی لاش نہیں تھی۔۔ عنبر
دھک سے رہ گیا۔ یہاں تو ملکہ کی لاش ہی نہیں تھی۔ اب وہ کس
سے رہنمائی حاصل کرے گا۔۔ ملکہ نفریتی ہی اس کے پانچ ہزار سال
پرانے تاریخی سفر کے بارے میں مدد کر سکتی تھی۔

ملکہ کے خالی تابوت کے ارد گرد دیواروں پر نقش بنے تھے۔
عنبر نا امید ہو کر خالی تابوت کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے دوست
ناگ اور بہن ماریا کو یاد کرنے لگا۔۔ اس وقت اگر وہ اُس
کے پاس ہوتے تو اس کی حوصلہ افزائی کرتے کیونکہ وہ ایک
بار پھر بھری دنیا میں اکیلا رہ گیا تھا۔۔ ملکہ نفریتی اس کی امید

کا آخری سہارا تھا جس سے اُسے رہنمائی حاصل کرنے کی توقع
تھی۔ کیونکہ وہ قدیم مصر کی پُر اسرار اور بے حد طاقت والی ملکہ
تھی اور جادوگری میں بھی اُسے کمال حاصل تھا۔ اب یہ سہارا
بھی ڈوب چکا تھا۔

عنبر نے تابوت میں نگاہ ڈالی۔ کونے میں لکڑی کی ایک
چھوٹی تختی پڑی تھی۔۔ اس پر قدیم مصری زبان میں کچھ لکھا ہوا
تھا۔ یہ عنبر کی مادری زبان تھی۔ اس زبان کو وہ اسی روانی سے
پڑھ سکتا تھا جس طرح ہم لوگ اپنی پیاری زبان اردو کو پڑھ
لیتے ہیں۔۔ عنبر نے تختی اٹھا کر پڑھا۔ اس پر لکھا تھا:

"عنبر، یہ لوگ میری لاش کو پیرس لے جا رہے ہیں میں
جانتی ہوں، ایک دن تم میرے مقبرے میں آؤ گے۔۔ تم میری مدد
کے بغیر واپسی کا سفر طے نہیں کر سکتے۔۔ مجھ سے ملنے کے لیے
پیرس کے عجائب گھر میں آؤ۔۔ میں تمہیں بتاؤں گی کہ تمہیں کیا
کرنا چاہیے۔
ملکہ نفریتی"

عنبر نے یہ تحریر پڑھی تو اس کے دل کو کچھ حوصلہ ہوا۔ تختی
اس نے وہیں تابوت میں رکھی اور مقبرے سے باہر نکلنے لگا۔
تو اسے محسوس ہوا کہ تختی کے دوسری طرف بھی کچھ لکھا تھا۔
اس نے دوبارہ تختی اٹھا کر پڑھا۔ تختی کے دوسری طرف لکھا تھا:

"میرے تابوت کے درمیان لکڑی اکھاڑ کر دیکھو۔ تمہیں
سفر کے لیے کافی رقم مل جائے گی۔"

لاش سے ملاقات

تابوت کی تہہ میں چوکور نشان بنا ہوا تھا۔

عنبر نے وہاں سے لکڑی کو اکھاڑ دیا۔ نیچے ایک چھوٹا سا خانہ تھا۔ جس میں سونے کی دس بارہ چوکور ڈلیاں پڑی تھیں۔ عنبر نے انہیں سمیٹ کر جیب میں رکھا اور دل ہی دل میں ملکہ نفریتی کا شکریہ ادا کرتا ہوا اہرام سے باہر آ گیا۔ باہر صحرا کی دھوپ خوب چمک رہی تھی ـــــ اگرچہ عنبر کو گرمی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اُس کے سامنے اب یورپ کا سفر تھا۔ اسے پیرس پہنچ کر ملکہ نفریتی کی لاش سے اپنی واپسی کے سفر کے بارے میں ہدایات حاصل کرنا تھیں۔ عنبر ریت کے صحرا میں اس چھوٹی سی سڑک پر تنہا کھڑا تھا جو قاہرہ شہر کو جاتی تھی۔ یہاں سے کسی سواری کے ملنے کی امید فضول تھی۔ پاس ہی تھوڑے فاصلے پر ابوالہول کا بُت تھا، وہاں ایک چھوٹا سا چائے خانہ بھی تھا۔ سیاح یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔

عنبر کا خیال تھا کہ وہاں سے اُسے کوئی ٹیکسی وغیرہ مل جائے گی؛ چنانچہ وہ اہرام کے عقب سے ہو کر ابوالہول کے بُت کی طرف چل دیا۔

یہاں اُسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ ٹیکسی ڈرائیور بڑا باتونی تھا۔ قاہرہ تک وہ عنبر کا سر کھاتا آیا۔ قاہرہ پہنچ کر عنبر نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ صرافہ بازار میں جا کر سونے کی ایک ڈلی فروخت کر کے ڈالر کی کرنسی میں رقم حاصل کی اور ریڈی میڈ کپڑے، اوور کوٹ، بوٹ اور دوسری ضروری چیزیں خریدیں۔ پھر وہ ایئر فرانس کے دفتر میں گیا۔ اور قاہرہ سے فرانس جانے والے جہاز پر اپنی سیٹ بک کرائی۔ ایئر پورٹ کے پاس ہی ایک ہوٹل میں اس نے رات گزارنے کے لیے ایک کمرہ کرائے پر لے لیا۔

آدھی رات تک وہ پیرس میں ملکہ نفریتی سے اپنی ملاقات کے بارے میں سوچتا رہا۔ پچھلے پہر جا کر اُسے نیند آ گئی۔ صبح اٹھ کر اس نے ناشتا کیا۔ اگرچہ وہ مصیبت کے وقت ایک برس بھی بغیر کچھ کھائے پیئے گزار سکتا تھا لیکن عام حالات میں وہ ہر شے کھا پی لیتا تھا۔ نیا سوٹ اور اُس کے اوپر چیک ہلکا رین کوٹ پہن کر وہ ہوائی اڈے پہنچ گیا۔ پیرس جانے والا جہاز بالکل تیار کھڑا تھا۔ عنبر اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔ ٹھیک وقت پر جہاز فضا میں اُڑ گیا اور اس نے بڑے سکون کے ساتھ پیرس کی طرف پرواز شروع کر دی۔

عنبر رات کافی دیر تک جاگتا رہا تھا، اسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔ اس کی آنکھ کھلی تو ان کا جہاز ویانا کے ہوائی

اڈے پر اترا رہا تھا۔ یورپ عنبر کے لیے نیا نہیں تھا۔ اس سے پہلے وہ ماریا اور ناگ کے ساتھ یورپ میں بڑے معرکے سر کر چکا تھا۔ پیرس میں بھی وہ کئی مہینے رہا تھا۔ اس شہر کا چپا چپا اس کا دیکھا بھالا تھا۔ وہاں سے اڑ کر جہاز سیدھا پیرس جا کر رُکا۔

پیرس میں بادل چھائے ہوئے تھے اور شام ہو رہی تھی۔ ہوائی اڈے سے نکل کر سب سے پہلے عنبر نے ایک ہوٹل میں جا کر کمرہ لیا۔ سفر کی تھکان دور کرنے کے لیے منہ ہاتھ دھو کر کافی کا ایک پیالہ پیا۔ پھر شہر میں گھوم پھر کر کچھ سیر کی۔ وہ اصل میں رات کے وقت عجائب گھر جا کر ملکہ نفریتی کی لاش سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ عجائب گھر رات کے دس بجے تک کھلا رہتا ہے۔ رات کا کھانا اس نے ہوٹل میں کھایا۔ کچھ دیر تک ہوٹل کی لابی میں ٹہلتا رہا۔ پھر جب رات کے نو بج گئے تو وہ پیرس کے سب سے بڑے عجائب گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

عجائب گھر کے دروازے پر صرف ایک سیاح کھڑا ایک سائن بورڈ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عنبر عجائب گھر میں داخل ہو گیا۔ سب سے مشکل بات یہ تھی کہ وہ پہرے داروں کے ہوتے ہوئے ملکہ نفریتی کی لاش سے کیسے بات کر سکے گا؟ کیونکہ جہاں ملکہ مصر کی ممی کا تابوت پڑا تھا اس کمرے کے

دروازے پر پہرہ دار چلتا پھرتا رہتا تھا۔ بہرحال عنبر اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں ملکہ کا تابوت تھا۔ یہ تابوت دیوار کے ساتھ ایک چبوترے پر رکھا ہوا تھا۔ تابوت کے اوپر چوکور شیشہ تھا، جس میں سے ملکہ مصر نفریتی کا چہرہ گردن تک نظر آ رہا تھا۔

عنبر نے جھک کر ملکہ کا خوب صورت چہرہ دیکھا۔ اُسے عجیب سنسنی سی محسوس ہوئی۔ یہ اس کے اپنے دیس کی ملکہ تھی۔ کبھی اس کے حکم کے بغیر کوئی چڑیا بھی نہیں اڑتی تھی اور آج بے جان پتھر کی طرح تابوت کے اندر پڑی تھی۔ ملکہ مصر کی آنکھوں کے گرد سیاہ لکیریں ڈالی گئی تھیں اور ماتھے پر سانپ کی تصویر بنی تھی۔ یہ سانپ فرعونوں کا قومی نشان تھا۔ عنبر جب جھک کر ملکہ کو دیکھ رہا تھا تو اس نے محسوس کیا کہ ملکہ نے بڑی شفقت سے آنکھیں کھول کر عنبر کی طرف دیکھا اور ذرا سا مسکرائی۔ کوئی اور ہوتا تو وہیں غش کھا کر گر پڑتا۔ مگر چونکہ عنبر اس قسم کے واقعات کا خود ایک حصہ تھا، اس لیے اسے ذرا بھی ڈر محسوس نہ ہوا۔

ملکہ نفریتی نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں اور وہ پھر ایک لاش کی طرح نظر آنے لگی۔ عنبر گہری سوچ میں گم ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ وہ ملکہ سے کس طرح بات کرے؟ سامنے دروازے میں پہرے دار گارڈ ٹہل رہا تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد آنکھ اٹھا

کر اندر دیکھ لیتا تھا — عنبر کو ایک بات کی تسلی ہو گئی تھی کہ
کم از کم ملکہ مصر کو اس کے آنے کی خبر تو ہو گئی ہے۔ شاید اب
وہ خود اس سے بات کرنے کی کوشش کرے۔ وقت گزرتا جا
رہا تھا — عنبر کو معلوم تھا کہ ٹھیک دس بجے گارڈ کمرے کا دروازہ
بند کر دے گا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جو بات بھی کرنی تھی اُسے
دس بجے سے پہلے پہلے کر دینی چاہیے تھی اور دس بجنے میں صرف
دس منٹ باقی تھے۔

عنبر ایک بار پھر تابوت کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ ملکہ کا
خوب صورت بنا سنورا چہرہ لاش کی طرح بے حس اور خاموش
تھا۔ وہ کچھ پریشان سا ہوا کہ آخر ملکہ مصر اس کے ساتھ بات
کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتی؟ اس سوچ بچار میں دس بج
گئے اور گارڈ نے کمرے میں سے سیاحوں کو باہر نکالنا شروع کر دیا۔
عنبر پریشان ہو گیا، وہ باہر نہیں جانا چاہتا تھا لیکن مجبوراً اُسے
باہر جانا پڑ رہا تھا۔ تابوت میں لاش خاموش تھی — اتنے میں
گارڈ نے عنبر کے پاس آ کر کہا کہ وقت ہو گیا ہے اُسے باہر
جانا چاہیے — عنبر ایک لمحے کے لیے ٹکٹکی باندھے گارڈ کے
چہرے کو تکتا رہا — چونک کر بولا:

"جی ہاں، جی ہاں — ضرور ضرور۔"

اور وہ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے تابوت میں ایک بار پھر
جھانکا — ملکہ مصر نے آنکھیں کھول کر عنبر کو دیکھا اور جیسے آنکھوں

ہی آنکھوں میں کہا:

"آدھی رات کو آنا۔"

عنبر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس نے اپنے کانوں میں ملکہ مصر
کی آواز سنی تھی — وہ پانچ ہزار سال پرانی مصری زبان میں کہہ
رہی تھی:

"آدھی رات کو آنا۔"

عنبر کمرے سے باہر آ گیا — عجائب گھر کے دروازے بند کیے
جا رہے تھے — سڑک پر آ کر عنبر نے سوچا کہ وہ کسی چائے خانے
میں بیٹھ کر دو گھنٹے گزار دے اور پھر ٹھیک رات کے بارہ بجے
عجائب گھر میں داخل ہونے کی کوشش کرے۔ یہ ایک نازک مرحلہ
تھا — کیونکہ عجائب گھر میں رات کے وقت کوئی انسان داخل نہ ہو
سکتا تھا۔ اندر ایسا زبردست خودکار الارم سسٹم تھا کہ انسان
کے جسم کی لہروں سے الارم بج اٹھتا تھا۔

لیکن عنبر کو ہر حال میں آدھی رات کے وقت ملکہ مصر سے
ملاقات کرنا تھی۔ یہ اس کی زندگی اور شاید موت کا سوال تھا۔
وہ پانچ ہزار سال سے زندہ چلا آ رہا تھا — اور ویسے کا ویسا
ہی نوجوان تھا۔ بڑھا ہوا تھا اور نہ موت اس سے ملاقات کرنے
آئی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ جب وہ پانچ ہزار سال کے سفر کو طے
کر کے واپس اپنے پرانے وطن مصر جاتے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے
سکون کی نیند سو جائے اور اس کی زندگی کی سنسنی خیز کتاب بند

ہو جائے — اس کی زندگی کے حیرت انگیز واقعات الف لیلے کے واقعات سے کم دلچسپ اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے نہیں تھے — لیکن ابھی اسے اس سے بھی زیادہ بھیانک اور حیرت ناک واقعات کا سامنا کرنا تھا۔ یہ بات اسے خود بھی معلوم نہیں تھی —

عنبر عجائب گھر کے قریب ہی ایک چائے خانے میں جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے چائے منگوائی اور اس کی ہلکی ہلکی چسکیاں لیتا غور کرنے لگا کہ عجائب گھر میں داخل ہونے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے۔ اس عمارت سے وہ اچھی طرح واقف تھا اور کئی بار یہاں آ چکا تھا۔ عمارت کی چھت پر ایک روشندان تھا، جس کے چاروں جانب شیشے لگے تھے۔ اگر کسی طرح وہ چھت پر پہنچ جائے تو اس روشندان میں سے نیچے اترنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ عنبر کو یہی ترکیب پسند آئی۔ اس طرح سے وہ عجائب گھر کے دروازوں سے گزرنے اور الارم کے بج اٹھنے کے خطرے سے محفوظ رہ سکتا تھا — عنبر نے گھڑی دیکھی ابھی گیارہ ہی بجے تھے۔

وہ چائے خانے سے نکل آیا اور پیرس کی خوبصورت مگر دھند میں ڈوبی ہوئی سڑکوں پر چہل قدمی کرنے لگا — ان سڑکوں پر راتوں کو ڈاکے کا بڑا خطرہ ہوتا ہے — اگرچہ عنبر کو کوئی بھی ڈاکو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا، پھر بھی اس نے سونے کی ڈلیاں ہوٹل کے کمرے میں رکھ چھوڑی تھیں — جب پیرس کے ایک گھڑیال

نے ٹھیک رات کے بارہ بجنے کا اعلان کیا تو عنبر کے قدم خود بخود عجائب گھر کی عمارت کی طرف اٹھتے چلے گئے۔

عجائب گھر کی عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ صرف کہیں کہیں دھیمی دھیمی روشنی ہو رہی تھی — گیٹ پر دھندلی روشنی میں گارڈز پہرہ دے رہے تھے — عنبر عمارت کے پیچھے کی جانب آ گیا۔ یہاں لوہے کی سیڑھی تھی جو دیوار کے ساتھ ساتھ عمارت کی چھت تک چلی گئی تھی — عنبر نے سیڑھی کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا۔ رات بڑی گہری تھی اور شدید سردی اور دھند کی وجہ سے سڑکیں سنسان پڑی تھیں — عنبر نے خدا کا نام لیا اور سیڑھی پر قدم رکھ کر اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

وہ بڑے اطمینان کے ساتھ چھت پر پہنچ گیا۔ اُسے کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا — چھت سڑک سے زیادہ سنسان تھی اور اس کا فرش سردی میں سکڑا ہوا محسوس ہوتا تھا — عنبر کو ایک پل کے لیے بھی سردی نہیں لگ رہی تھی، پھر بھی اس نے اوور کوٹ پہن رکھا تھا اور اس کے کالر اوپر اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ چھت کے درمیان میں بنے ہوئے گول روشندان کے پاس آ گیا، جس کی چھت ڈھلوان تھی اور چاروں طرف شیشے لگے تھے۔ عنبر نے جھک کر شیشے میں سے نیچے دیکھا۔ ہال بھرو خالی تھا اور دیوار کے ساتھ ایک جانب دھیما سا بلب جل رہا تھا۔ شو کیسوں میں قیمتی تاریخی چیزیں پڑی تھیں — عنبر نے کوٹ کی جیب سے

نائیلون کی پتلی رسی اور شیشے کاٹنے والا کٹر نکالا — یہ چیزیں وہ ہوٹل سے لے کر چلا تھا — اسے شبہ تھا کہ شاید ان کی ضرورت پڑ جائے۔

کٹر کی مدد سے عنبر نے شیشے پر ایک چوکور نشان بنایا اور انگلی کی ہلکی سی ٹھوکر سے شیشہ الگ ہو گیا۔ شیشہ چھت پر ایک طرف رکھ کر عنبر نے نائیلون کی رسی روشندان کے لوہے کے جنگلے کے ساتھ باندھ کر نیچے پھینک دی۔ اب اسے اس رسی کے ذریعے نیچے اترنا تھا — یہ کام مشکل بھی تھا اور آسان بھی۔ مشکل اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ نیچے پہنچ کر جب وہ فرش پر پاؤں رکھے تو الارم یکایک چیخ اُٹھے اور گارڈز اندر آ جائیں — اس طرح وہ ملکہ مصر سے کوئی بات نہ کر سکے گا اور اس کا مقصد ختم ہو کر رہ جائے گا۔

اس کے سوائے کوئی چارہ بھی نہیں تھا کہ وہ رسی کے ذریعے نیچے اتر جائے — پس عنبر نے خدا کا نام لیا اور رسی کو پکڑ کر نیچے لٹک گیا — رسی بے حد مضبوط تھی اور اگر ٹوٹ بھی جاتی تو عنبر کو فرش پر گرنے سے کوئی چوٹ نہیں آ سکتی تھی۔ فرش ہی ٹوٹ سکتا تھا۔ مگر وہ اس دھماکے سے بچنا چاہتا تھا۔ جو اس کے فرش پر گرنے سے پیدا ہوتا — عنبر آہستہ آہستہ کمرے میں اترنا شروع ہوا — چھت کافی بلند تھی — چنانچہ عنبر کو فرش تک پہنچنے میں دس پندرہ منٹ لگ گئے۔ اب وہ زمین پر پاؤں

رکھتے ہوئے گھبرا رہا تھا کہ کہیں ایک دم سے عجائب گھر کے خطرے کے الارم نہ شور مچا دیں مگر قدم تو اسے ہر حالت میں فرش پر رکھنا تھے —

عنبر نے ایک بار پھر خدا کو یاد کیا — اس کے حضور کامیابی اور مدد کی دعا مانگی اور آنکھیں بند کر کے دایاں پاؤں بڑے آرام کے ساتھ فرش پر رکھ دیا۔ کوئی الارم نہ بجا — عنبر نے دوسرا پیر بھی فرش پر رکھ دیا — نائیلون کی رسی کو اس نے اسی طرح لٹکتے رہنے دیا اور ہال کمرے کے بغلی دروازے سے نکل کر اس جگہ آ گیا جہاں سامنے تابوت والے کمرے کا دروازہ تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ دروازہ بند تھا — اب اس دروازے کے کھلنے سے خطرے کی گھنٹی بج سکتی تھی۔ عنبر کچھ دیر خاموش کھڑا سوچتا رہا۔ کہ اُسے کس طریقے سے دروازہ کھولنا چاہیے کہ اگر الارم اس دروازے کے ساتھ بندھا ہوا ہے تو وہ خاموش رہے اور بالکل نہ بولے —

یہ کام تو کوئی جادوگر ہی کر سکتا تھا — عنبر کو اس وقت اپنا پیارا دوست، بھائی اور ساتھی بہت یاد آیا — اگر وہ ہوتا تو وہ سانپ بن کر کمرے کے دروازے کو کھول سکتا تھا — اگر اس کی بہن اور ساتھی ماریا ہوتی تو وہ غائب ہو کر بڑے آرام سے اندر جا سکتی تھی — عنبر نے سوچا کہ شاید انھیں ایک بار پھر بلانا پڑے — اب تو اسے یہ کام اکیلے ہی کرنا تھا۔ وہ دروازہ

کے ساتھ لگا قدم قدم دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ دروازے
کے پاس پہنچ کر وہ رک گیا۔ اب دروازے کو اس نے آہستہ
سے کھولا۔ دروازہ کھل گیا اور کوئی الارم نہ بجا۔ عنبر خوش ہوا
کہ سب کام ٹھیک ٹھاک طریقے سے ہوگیا تھا، لیکن یہ اس
کی خوش فہمی تھی۔ کیونکہ جب اس نے ملکہ نفریتی کے کمرے کا
دروازہ کھولا تھا تو ایک خفیہ الارم نے چیخ کر وہاں سے دور
گارڈ کو خبردار کر دیا تھا۔

عنبر دروازہ بند کر کے کمرے میں تابوت کے پاس آگیا۔ اس
نے جھک کر ملکہ کو دیکھا اور پانچ ہزار سال پرانی مصری زبان
میں کہا۔

"ملکہ نفریتی۔ خدا تمہیں جنت میں خوش رکھے۔ میں تمہارے
حکم کے مطابق آدھی رات کو آگیا ہوں، اب میری رہنمائی کرو۔"

ملکہ نفریتی نے آنکھیں کھول کر عنبر کی طرف دیکھا اور ایک
ہاتھ اٹھا کر انگلی سے تابوت کی چھت پر ایک لکیر ڈالی جس
کے ساتھ ہی تابوت کا ڈھکنا آرام سے اوپر اٹھ گیا اور ملکہ
نفریتی تابوت میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ عنبر نے دیکھا کہ وہ عظیم ملکہ
مصر لگ رہی تھی۔ اس کے سر پر سونے کا تاج تھا۔ گلے میں
ہیرے موتی جڑا سونے کا سانپ تھا اور بالوں کی جگہ سونے کی
لڑیاں شانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ پلکیں سیاہ کمانوں کی
طرح کھنچی ہوئی تھیں۔ اس کا چہرہ ضرور زرد اور موت کی

طرح بے جان اور ساکت تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سینے
پر باندھے ہوئے تھے اور عنبر کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی
تھی۔ عنبر نے ادب سے تعظیم کی اور کہا:

"اے عظیم ملکہ، میری رہنمائی کرو۔ تم جانتی ہو کہ میں
پانچ ہزار سال گزرے، دریائے نیل کے کنارے اپنے گاؤں سے
ایک رات نکلا تھا اور اس کے بعد آج تک اپنے گاؤں واپس
نہیں جا سکا۔ اب میرا واپسی کا سفر شروع ہو رہا ہے۔ میں
ایک بار پھر اپنے پیارے وطن اپنے پرانے زمانے میں واپس
جانا چاہتا ہوں، میری مدد کرو۔"

ملکہ مصر نے سرگوشی ایسی آواز میں اپنے نازک ہونٹوں کو
ذرا سی جنبش دے کر کہا:

"عنبر! میں تمہاری زندگی کی ساری کہانی جانتی ہوں۔
مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم اپنے گھر سے بچھڑے پانچ ہزار سال
گزر چکے ہیں اور تم اب واپس جانا چاہتے ہو۔ لیکن میرے
بچے یاد رکھو۔ تم ایک دم سے ایک ہی چھلانگ لگا کر پانچ
ہزار سالوں کی مدت کو نہیں پھلانگ سکتے۔"

عنبر کے چہرے پر پریشانی کے آثار پیدا ہوئے۔ اس
نے پوچھا:

"تو کیا میں ایک دم واپس اپنے قدیم زمانے میں نہیں
پہنچ سکوں گا؟"

ملکہ فقریتی نے کہا:

"نہیں، دنیا میں ایسا کوئی جادو نہیں ہے جس کے زور سے تم چھلانگ لگا کر پانچ ہزار سالوں کے فاصلے کو طے کر سکو۔"

"تو پھر مجھے کیا کرنا ہوگا عظیم ملکہ؟"

"تمہیں اسی طرح تاریخ کے ساتھ ساتھ واپسی کا سفر طے کرنا ہوگا جس طرح تم اس کے ساتھ ساتھ سفر کرتے اس زمانے تک پہنچے ہو۔"

عنبر نے اپنا سر تھام لیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ مجھے ایک بار پھر پانچ ہزار سال گذار کر واپس جانا ہوگا؟"

"ہاں، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ تمہیں پانچ ہزار سالوں کے ساتھ سفر کر کے واپس اپنے پرانے زمانے میں جانا ہوگا۔"

عنبر گہری سوچ میں گم ہوگیا۔ اس کے سامنے ایک لمبا سفر منہ پھاڑے کھڑا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر ملکہ مصر سے پوچھا:

"مجھے واپسی کا یہ طویل سفر کہاں سے شروع کرنا ہوگا؟"

ملکہ مصر نے کہا:

"تمہیں واپسی کا یہ سفر مغل عہد کے زوال سے شروع کرنا ہوگا۔ تم یہاں سے سیدھا ہندوستان کے شہر دلی جاؤ۔ تمہارے سفر کی پہلی منزل، تمہارے سفر کی پہلی سیڑھی وہاں تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ جب تم وہاں جاؤ گے تو غدر ہو رہا ہوگا۔ یعنی تم دلی پہنچ کر سن ۱۸۵۷ء میں داخل ہو جاؤ گے۔ پھر وہاں سے اٹھارویں اور پھر سترھویں صدی کی طرف واپس سفر شروع کرو گے۔"

عنبر نے گہرا سانس بھر کر پوچھا:

"عظیم ملکہ، اگر میری قسمت میں ایک بار پھر تاریخ کے صحراؤں، جنگلوں اور ویرانوں کی خاک چھاننا لکھی ہے تو میں اسے قبول کرتا ہوں۔ میرا سفر خطرناک بھی ہے اور مصیبتوں سے بھرا ہوا بھی۔ لیکن تم اس سلسلے میں میری کیا مدد کر سکتی ہو۔ کیونکہ میں ناگ اور ماریا سے بھی جدا ہو چکا ہوں۔"

ملکہ مصر نے کہا:

"گھبراؤ نہیں، ایک وقت آئے گا کہ ناگ اور ماریا اس سفر میں تمہارے ساتھ آن شامل ہوں گے۔ کیونکہ وہ بھی تمہارے بغیر اداس ہیں۔ ناگ زمین کے اندر اداس ہے اور ماریا سمندروں میں پریشان ہے۔ تم تینوں دوست اور بہن بھائی وقت آنے پر ایک دوسرے سے مل جاؤ گے اور ایک بار پھر اکٹھے مل کر واپسی کا سفر کرو گے اور اس مقام پر پہنچ کر جدا ہو جاؤ گے جہاں سے پانچ ہزار سال پہلے تم لوگوں نے اپنے سفر کو شروع کیا تھا۔"

اس خبر سے عنبر بڑا خوش ہوا کہ اب اس کا سفر اکیلے

نہیں کٹے گا۔ ملکہ کسی نہ کسی مقام پر ناگ اور ماریا بھی اس کے ساتھ آن شامل ہوں گے۔ وہ ملکہ تفریتی سے کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا کہ ملکہ نے اپنے آپ کہا:

"تم اس وقت ۱۹۸۰ء میں زندہ ہو۔ تم نے تاریخ میں پیچھے کو سفر کرنا ہے۔ یہ ٹیلی ویژن، راکٹ، وائرلیس اور کمپیوٹر کا زمانہ ہے۔ تم تاریخ کے جس زمانے میں جا رہے ہو، وہاں یہ چیزیں نہیں ہوں گی۔ وہاں صرف تلواریں اور تیر کمان ہوں گے۔ میں چاہتی ہوں کہ واپس جاتے ہوئے تم اپنے ساتھ آج کے سائنسی دور کی کچھ چیزیں لیتے جانا۔ یہ چیزیں تمہیں پرانے بادشاہوں اور بحری ڈاکوؤں اور آدم خور وحشیوں سے دوستی کرنے میں اور ان سے بچنے میں بڑی مدد دیں گی۔ اگرچہ موت تمہیں ابھی ہاتھ نہیں لگا سکتی، لیکن پھر بھی یہ چیزیں اپنے ساتھ رکھنا۔ اور ہاں میرے بائیں بازو کے ساتھ ایک چھوٹا سا تعویذ بندھا ہے۔ اس تعویذ کو کھول کر اپنے بازو پر باندھ لو۔ یہ تعویذ تمہیں مصیبت کے وقت ہوا میں اڑنے میں مدد دے گا۔ جلدی کرو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

عنبر نے ملکہ تفریتی کے بائیں بازو سے چھوٹا سا تعویذ اتار کر اپنے بازو کے ساتھ باندھ لیا۔ ملکہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اچانک کمرے کا دروازہ دھڑن سے کھلا اور دو سپاہی مشین گنیں تانے عنبر کی طرف بڑھے:

"خبردار، اپنی جگہ سے مت ہلو۔"

کہنے کو تو سپاہیوں نے کہہ دیا تھا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ایک سوٹ بوٹ والا نوجوان تابوت کے پاس بیٹھا ہے اور تابوت میں ملکہ مصر کی لاش بیٹھی اس سے باتیں کر رہی ہے تو ایک بار تو وہ دہشت زدہ ہو کر اپنی جگہ پر پتھر بن کر رہ گئے۔ ملکہ مصر اس وقت اپنے تابوت میں لیٹ گئی اور تابوت کا ڈھکنا اس کے اوپر آ گیا۔ ملکہ مصر دوبارہ لاش بن چکی تھی۔

سپاہی آگے بڑھے۔ انہوں نے عنبر کو گرفتار کر لیا۔ پھر ایک سپاہی نے جھک کر ملکہ مصر کے تابوت کو دیکھا اور آنکھیں ملتا ہوا اپنے ساتھی سے فرانسیسی زبان میں بولا:

"میرا خیال ہے یہ ہمارا وہم تھا۔ ملکہ مصر تو مردہ پڑی ہے اپنے تابوت میں۔"

دوسرے سپاہی نے کہا:

"تم ٹھیک کہتے ہو، ہمارا وہم تھا یہ۔"

اور پھر وہ عنبر کو آگے لگا کر باہر لے آئے۔ باہر پولیس کی ویگن کھڑی تھی۔ انہوں نے عنبر کو ویگن میں سوار کرایا اور سیدھے پولیس سٹیشن پہنچ گئے۔ عنبر کو حوالات میں بند کر دیا۔ عنبر کو کسی قسم کا فکر نہیں تھا۔ ملکہ تفریتی سے اس نے ہدایات حاصل کر لی تھیں۔ اس نے باقی رات اطمینان سے کوٹھڑی کے کونے پہ بچھے ہوئے پرانے گدے پر سو کر گزار دی۔ دوسرے روز عنبر کو عدالت

میں پیش کیا گیا۔ عنبر نے بتایا کہ وہ قاہرہ کا رہنے والا ہے اور تاریخ کا طالب علم ہے اور مصر کی تاریخ پر ڈاکٹریٹ کے لیے مضمون لکھ رہا ہوں۔ جس کی ریسرچ کے لیے وہ عجائب گھر میں گیا تھا اور وہاں اسے زیادہ دیر ہو گئی۔

عدالت کے جج نے پوچھا: "یہ بات کہاں تک صحیح ہے کہ تم ملکہ مصر سے باتیں کر رہے تھے؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا: "مائی لارڈ، کیا کبھی کسی شخص نے کسی لاش سے بھی باتیں کی ہیں؟"

عدالت میں بیٹھے ہوئے لوگ اور جیوری کے ارکان بھی ہنسنے لگے۔ عدالت نے عنبر کو پانچ سو روپے کے قریب جرمانہ کر دیا جسے عنبر نے اسی وقت ادا کر دیا اور وہاں سے سیدھا اپنے ہوٹل آگیا۔ ہوٹل میں آتے ہی اس نے ایئر فرانس کے دفتر فون کر کے ایک جہاز میں دلی کے لیے اپنی سیٹ بک کروا لی۔ عنبر وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جلدی سے دلی پہنچ کر اپنا واپسی کا سفر شروع کرنا چاہتا تھا۔ ملکہ مصر نے کہا تھا کہ جب وہ دلی جائے گا تو غدر کا زمانہ ہوگا اور وہ ۱۸۵۷ء کے سن میں پہنچ جائے گا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ دلی ایئر پورٹ پر اترنے کے بعد وہ اچانک کس طرح سے سو سال پیچھے چلا جائے گا۔

دوسرے روز رات کی پرواز میں وہ ایئر فرانس کے جہاز میں بیٹھ کر دلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

اشوکا ہوٹل کا بھوت

عنبر نے سونے کی ڈلیاں اپنے پاس رکھ لی تھیں۔

اسے معلوم تھا کہ جس طویل سفر پر وہ روانہ ہونے والا ہے اس میں سونے کی ڈلیاں کچھ دور تک ضرور اس کے کام آئیں گی۔ اس کے بعد معاملہ اس نے اللہ کے سپرد کر دیا تھا۔ جہاز جس وقت دلی کے ہوائی اڈے پر پہنچا اس وقت سورج نکل چکا تھا اور دلی شہر دھوپ میں چمک رہا تھا۔ ابھی تک یہ ۱۹۶۰ء کا ہی زمانہ تھا۔ غدر کے زمانے کے فسادات اور افراتفری اور ۱۸۵۷ء عیسوی کے آثار اسے کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ابھی تک دلی کا پارلیمنٹ ہاؤس، گیٹ آف انڈیا اور آل انڈیا ریڈیو کی عمارت اپنی جگہ پر اسی طرح قائم تھی۔ عنبر نے سوچا کہ کیسی عجیب بات ہے کہ کچھ ہی وقت کے بعد یہ ساری چیزیں ختم ہو جائیں گی آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں گی اور وہ ایک دم سے ایک سو سال پیچھے چلا جائے گا۔ پھر نہ یہ پارلیمنٹ ہاؤس ہوگا نہ گیٹ آف انڈیا کی اونچی عمارت ہوگی، نہ سڑکوں پر موٹر کاریں چل رہی ہوں گی اور نہ دلی کا ہوائی اڈا ہوگا۔ دلی ایک دم سے پرانا شہر

بن جائے گا۔ جس کے گرد پکی سڑک ہو گی اور شہر کی فصیل پر انگریزوں کی پرانی طرز کی توپیں گولے چلا رہی ہوں گی۔ قلعے کے اندر آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر تخت پر پریشان حال بیٹھا گولوں کے دھماکے سُن رہا ہو گا اور دربار میں انگریزوں کے جاسوس سازشیں کر رہے ہوں گے۔ عنبر ایئر پورٹ سے نکل کر باہر سڑک پر آ گیا۔

ملکہ مصر کی پیش گوئی کب اور کس جگہ سے سچی ثابت ہونے والی تھی۔ اس کی عنبر کو کچھ خبر نہیں تھی۔ اس نے دو ایک بار آنکھیں بند کر کے دوبارہ کھول کر دیکھا کہ شاید زمانہ بدل چکا ہو، اور وہ سو سال پیچھے چلا گیا ہو، مگر وہ ابھی تک ۲۰۰۰ء میں ہی سانس لے رہا تھا۔ دلی شہر پہلے سے بہت زیادہ ترقی کر چکا تھا۔ کشادہ سڑکوں پر موٹر کاریں دوڑی جا رہی تھیں۔ عنبر کے بریف کیس میں کم از کم دو لاکھ روپے کا سونا تھا جسے وہ ہوائی اڈے والوں کی آنکھوں سے چھپا کر لے آیا تھا۔ اس کی جیب میں انڈین کرنسی کی شکل میں دس ہزار روپیہ موجود تھا۔ سو سال پیچھے جانے سے پہلے عنبر ان روپوں کو خرچ کر دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء میں جانے کے بعد یہ روپے بے کار تھے اور کاغذ کے پرزوں کے سوا ان کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ سکتی تھی۔ عنبر نے ایک ٹیکسی والے کو روکا اور شہر کے سب سے اعلیٰ ہوٹل "اشوکا" آ گیا۔ یہاں اُس نے ایک کمرہ کرائے پر لے لیا۔ بریف کیس

میں سے سونے کی ڈلیاں نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیں کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جب ایک دم سے تاریخ کا زمانہ بدلے۔ تو اس کے ساتھ ہی بریف کیس بھی سونے کی ڈلیاں لے کر غائب ہو جائے۔ کیونکہ پھر ہر ایک شے کو غائب ہو جانا تھا۔

ملکہ مصر کی ہدایت کے مطابق عنبر نے ایک مارکیٹ میں جا کر اپنے واپسی کے سفر کے لیے چند ایک ضروری چیزیں خریدیں۔ اس نے جو چیزیں خریدیں۔ وہ یہ تھیں۔ ایک پتھر کا سگریٹ لائٹر ایک پستول اور گولیوں کا ایک بڑا پیکٹ۔ اس کے پاس مصر میں بنوایا ہوا اسلحے کا لائسنس موجود تھا۔ بیٹری کا ایک کیسٹ پلیئر اور ایک درجن گانوں کے کیسٹ۔ ان میں جانوروں اور بموں کے دھماکوں کی آوازیں بھی تھیں۔ اس نے بیٹری کے اتنے فالتو سیل بھی ساتھ خرید لیے جو دیر تک اس کے کام آ سکتے تھے۔ عنبر ایک وی سی آر اور کچھ انگریزی اور اردو فلمیں بھی خریدنا چاہتا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ وہ اتنے بھاری وی سی آر کو سو سال پیچھے کے زمانے میں کیسے لے جا سکتا تھا۔ کیونکہ جب زمانے کو بدلنا تھا۔ تو وہی شے اُس کے ساتھ سو سال پیچھے جا سکتی تھی جو اس کے ہاتھ میں ہو اور وی سی آر جیسی بھاری شے کو وہ ہر وقت اپنے ہاتھ میں اٹھائے اٹھائے پھر سکتا تھا۔ پستول، کیسٹ اور کیسٹ پلیئر کو تو وہ اپنے ہاتھ میں اٹھائے رکھ سکتا تھا۔

عنبر نے ایک کیلکولیٹر بھی خریدا جس پر وقت کے ہندسوں

کو جمع تفریق کیا جا سکتا تھا — ان چیزوں سے وہ پرانے زمانے کے غیر ترقی یافتہ لوگوں اور بادشاہوں اور ان کی ملکاؤں کو حیران بھی کرنا چاہتا تھا اور یہ بھی ثبوت کے طور پر دکھانا چاہتا تھا۔ کہ وہ اگلے زمانے سے ہو کر واپس آ رہا ہے؛ ورنہ اس کی باتوں پر کسی نے اعتبار نہیں کرنا تھا — اگر وہ کہتا کہ وہ ایسے زمانے سے ہو کر واپس آ رہا ہے جہاں لوگ کیسٹ پلیئر پر گانے سنتے ہیں اور ٹیلی ویژن دیکھتے ہیں تو بھلا کون اعتبار کر سکتا تھا — خریدنے کو تو ہزاروں چیزیں تھیں مگر عنبر زیادہ سامان اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا — بس یہی تین چار چیزیں خرید کر وہ واپس ہوٹل آ گیا۔

اس روز جمعے کا دن تھا — عنبر جمعہ پڑھنے دلّی کی عظیم الشان بادشاہی مسجد کی طرف چل پڑا — ٹیکسی سے اتر کر وہ مسجد کی سیڑھیاں چڑھ کر اندر آیا — اس نے وضو کیا۔ مسلمان نمازیوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی — اس کے بعد تمام مسلمانوں کے لیے اور اپنے سفر کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی — اس کے قریب ہی ایک ادھیڑ عمر کا مسلمان بڑی عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے اپنی بچیوں کی شادی خانہ آبادی کی دعا مانگ رہا تھا — اس کی آنکھوں میں آنسو تھے —

عنبر کے دل پر اس شریف آدمی کی آہ و زاری کا بے حد اثر ہوا — جب وہ دعا مانگ چکا تو عنبر نے اس کے ساتھ باتیں شروع کر دیں اور اسے بتایا کہ وہ قاہرہ کا باشندہ ہے۔ مسلمان ہے اور اردو اس لیے اچھی طرح سے بول لیتا ہے کہ وہ دلّی

میں اور کراچی میں کئی برس رہا ہے — اس شریف انسان کا نام امیر الدین خوش نویس تھا — اس کی چھ جوان لڑکیاں تھیں — لڑکا کوئی نہیں تھا — آمدنی بے حد تھوڑی تھی، وہ اسی غم میں بوڑھا ہو رہا تھا کہ جوان لڑکیوں کی شادی کیسے کرے گا۔ اس کی جائیداد بھی نہیں تھی کہ جسے بیچ کر وہ اپنی لڑکیوں کے ہاتھ پیلے کر سکتا۔ عنبر نے اس کے ساتھ کچھ ایسی ہمدردی کی باتیں کیں کہ وہ اسے اپنے گھر لے گیا — شہر کی ایک تنگ گلی میں اس خوش نویس کا مکان تھا جس کی ڈیوڑھی کے آگے بوریا لٹک رہا تھا — اس نے عنبر کو پرانی سی بیٹھک میں بٹھایا اور خود اس کے لیے چائے بنوانے اندر گیا —

تھوڑی دیر میں وہ میلی سی ٹوٹی پھوٹی پیالیوں میں چائے بنوا کر لے آیا — چائے بڑی خوش ذائقہ تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی لڑکیوں کو بڑا سلیقہ ہے — غریبی نے اس کی کمر توڑ رکھی تھی اور ہندوؤں کی حکومت ویسے بھی مسلمانوں کی کوئی مدد نہیں کر رہی تھی — عنبر نے اسی غریب دکھیارے، چھ لڑکیوں کے باپ کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا — ادھر ادھر کی باتوں کے بعد عنبر نے اسے کہا کہ وہ لڑکیوں کی شادی کے سلسلے میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہے — بوڑھا باپ مسکرایا اور بولا:

"آپ کا شکریہ بیٹا۔ مگر تم خود پردیسی ہو۔ بھلا میری کیا مدد کر سکتے ہو — میں تو سالی پریشانیوں کے کنوئیں میں گرا ہوا ہوں،

یہاں سے تو مجھے اللہ ہی باہر نکال سکتا ہے ۔"

عنبر نے کہا :

"چچا جان، اللہ تعالیٰ جب کسی کو مصیبتوں سے نجات دلاتا ہے تو اس کی کوئی سبیل بنا دیتا ہے — کوئی ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے کہ جس سے تکلیفیں دور ہو جاتی ہیں — آپ یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں ۔"

بوڑھا باپ عنبر کا منہ تکنے لگا — اس کا خیال تھا کہ یہ نوجوان زیادہ سے زیادہ اس کی یہی مدد کر سکے گا کہ چپکے سے اُسے سو روپے تھما دے گا اور چلا جائے گا — اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا ۔

[illegible] — دل میں تمہارے میرے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوا ہے، میرے لیے یہی بہت ہے ۔"

عنبر نے بے حد اصرار کر کے اُس شخص کو راضی کر لیا کہ وہ اس کی مدد بیٹا سمجھ کر قبول کرے اور یہی سمجھے کہ بھائی نے اپنی بہنوں کی شادی کے لیے رقم پیش کی ہے ۔ جب مصیبت زدہ خوددار باپ نے ہاں کر دی تو عنبر نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر سونے کی چار ڈلیاں نکال کر بوڑھے کے آگے رکھ دیں اور اس کے ساتھ ہی دو ہزار روپے بھی پیش کیے ۔ وہ بوڑھا تو سونا دیکھ کر ہکا بکا ہو کر رہ گیا —

عنبر نے کہا :

"میرے محترم بزرگ، ہرگز ہرگز دل میں یہ خیال نہ لائیے گا کہ میں نے یہ سونا اور روپے کہیں سے چوری کیے ہیں ۔ یہ میرے اپنے ہیں اور میں خوشی سے آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں ۔ ان کو اپنے پاس رکھیے اور بچیوں کی شادی کی تیاریاں شروع کیجیے ۔ یہ سونا بے حد خالص ہے — اسے بیچ کر آپ کے پاس اتنی رقم آ جائے گی کہ آپ اپنی ساری لڑکیوں کی شادی کرنے کے بعد اپنے لیے چھوٹا سا مکان بھی خرید سکیں گے — اچھا اب مجھے اجازت دیجیے — اللہ نگہبان ہو ۔"

وہ شخص تو خوشی سے رونے لگا — اس نے عنبر کو اپنے سینے سے لگا لیا اور ہچکیاں لے لے کر رونے لگا — عنبر نے اسے حوصلہ دیا اور کہا :

"بیٹا، تم فرشتہ رحمت بن کر میرے گھر آئے ہو ۔"

عنبر نے بڑے ادب سے بزرگ کو سلام کیا اور باہر نکل آیا ۔ وہ تیز تیز قدموں سے اندھیری گلی میں سے نکل کر بادشاہی مسجد کی طرف روانہ ہو گیا — اس کا دل خوشی سے بھرا ہوا تھا — اس کے پاس سونے کی صرف دو ڈلیاں باقی رہ گئی تھیں لیکن اسے اس بات کی بے حد خوشی تھی کہ ایک باپ ایک بہت بڑے بوجھ سے آزاد ہو گیا ہے — اشوکا ہوٹل میں آ کر اس نے دوپہر کا کھانا کھایا — پھر سونے کی ڈلی جیب میں ڈال کر وہ صرافہ بازار میں آ گیا ۔ عنبر چاہتا تھا کہ اپنے پاس سونے کی صرف دو ڈلیاں ہی رکھے اور

ایک ڈلی کو فروخت کر دے اور جو پیسے ملیں ان کو وہ دلی کے مسلمان بچوں میں تقسیم کر دے۔

سونے کی ڈلی کو صراف نے بڑے تعجب سے دیکھا۔ کیونکہ آج سے پانچ ہزار برس پہلے کا سونا اس قدر خالص تھا کہ دکاندار کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس قسم کا خالص سونا بھی دنیا میں کہیں سے مل سکتا ہے۔ اس نے عنبر سے دو ایک سوال کیے جن کے جواب عنبر نے بڑے مناسب دیے اور کہا کہ وہ کویت سے یہ سونا لایا ہے۔ دکاندار نے وزن کرنے کے بعد دو لاکھ روپے اس کی قیمت ڈالی۔ عنبر نے کہا:

"مجھے منظور ہے۔ لاؤ رقم۔"

دکاندار نے ادھر ادھر سے پکڑ کر ساری رقم عنبر کو پوری کر دی۔ عنبر نے سونا دکاندار کے حوالے کیا۔ دو لاکھ کے نوٹ لے کر ہوٹل میں آگیا۔ اسے یقین تھا کہ ملکہ مصر کی پیش گوئی کے مطابق وہ کسی وقت بھی سو سال پیچھے کے زمانے میں جا سکتا ہے۔ اس لیے وہ جتنی جلدی ہو سکے ان روپوں کو دلی کے مسلمانوں میں تقسیم کر دینا چاہتا تھا۔ وہ دلی کی شاہی مسجد کے امام صاحب کے پاس گیا اور کافی روپیہ اس نے مسجد کی ترقی اور آرائش اور دیکھ بھال کے فنڈ کو عطیے کے طور پر دے دیا۔ باقی کئی ہزار روپیہ اس نے دلی کے سکولوں کے بچوں میں بانٹ دیا۔ بچوں کو کتابیں، ٹافیاں، مٹھائی، کاپیاں پنسلیں لے کر دیں۔ غریب بچوں کو

کپڑوں کے لیے پیسے دیے۔ کئی نادار بچوں کی سال سال بھر کی فیس ادا کر دی۔

جب وہ شام کو واپس اشوکا ہوٹل میں آیا تو اس کی جیب میں صرف تین ہزار روپے تھے، جس کا اس نے ہوٹل کا بل بھی ادا کرنا تھا۔ کھانا کھا کر وہ سیر کرنے چاندنی چوک کی طرف نکل گیا۔ اس خیال سے کہ کوئی پتا نہیں، وہ کب اپنی دنیا سے غائب ہو کر مغلیہ عہد میں پہنچ جائے۔ عنبر نے ساتھ لے جانے والی چیزیں اپنے ساتھ ہی رکھی ہوئی تھیں۔ لائیٹر اور کیلکولیٹر اس کی جیب میں تھا۔ پستول اور گولیاں اس نے کوٹ کے اندر جسم کے ساتھ باندھ رکھی تھیں اور کیسٹ پلیر اور کیسٹ ہاتھ میں تھا۔ مارچ کا مہینہ تھا۔ بڑا خوشگوار موسم تھا۔ درختوں پر نئے پتوں کی کونپلیں پھوٹ رہی تھیں۔ چاندنی چوک میں درختوں اور پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ دکانوں اور عمارتوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ سڑک کے دونوں جانب مرکری ونیٹیں روشن تھیں جن کی چمک میں سڑک پر گری ہوئی سوئی بھی نظر آ رہی تھی۔

عنبر نے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر چائے پی۔ سامنے ایک سینما ہاؤس تھا۔ انٹرول کے بعد وہاں سے تماشائی اس ہجوم کر کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔ عنبر ہوٹل میں بیٹھا ان لوگوں کو تکتا رہا۔ ان میں [illegible] بھی تھے جنھوں نے رنگ برنگ کی پگڑیاں پہن رکھی تھیں۔ اس سینما میں دھرمیندر اور ہیما مالنی کی کوئی فلم چل رہی

تھی۔ جانے کیوں اس کا دل چاہا کہ وہ دلی میں مغل بادشاہوں
کی تاریخی عمارتوں کی سیر کرے۔ اگرچہ رات کے ساڑھے دس بج
رہے تھے لیکن اس نے ٹیکسی لی اور مقبرہ ہمایوں کی طرف روانہ ہو
گیا۔ مقبرے میں ہُو کا عالم تھا۔ بے حد ڈراؤنا سماں تھا۔ عنبر
مقبرے کے برآمدے میں کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ ابھی یہاں ڈرامہ کھیلا
جائے گا۔ بہادر شاہ ظفر انگریزوں کے انتقام سے بچنے کے لیے یہاں
اپنے شہزادوں کے ساتھ آ کر پناہ لے گا اور پھر اپنے سمدھی کی
سازش سے مقبرے سے باہر آ جائے گا اور انگریز اسے گرفتار کر
کے شہزادوں کو قتل کر دیں گے۔

عنبر نے ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں سے جب اس وقت کے
مقبرے کی خاموشی سے مقابلہ کیا تو اس نے سوچا کہ یہ کس قدر بے
زبان سا لگ رہا ہے مگر اس کی ایک ایک اینٹ میں ہزاروں
خونی کہانیاں دفن ہیں۔ یہاں سے نکل کر وہ درگاہ حضرت نظام الدین
اولیا گیا۔ مزار پر نذر چڑھائی۔ فاتحہ پڑھی اور واپس ٹیکسی میں
بیٹھ کر اپنے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کے پاس ڈیڑھ دو ہزار روپے جیب میں تھے۔ سونا
اس نے ہوٹل میں ہی رکھا ہوا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور بڑا نیک آدمی تھا۔
ہوٹل پہنچ کر اس نے بڑا مناسب کرایہ بتایا۔ عنبر نے خوش ہو کر
اسے دو سو روپے دے دیے۔ ڈرائیور ادب سے سلام کر کے چلا
گیا۔ عنبر نے ہوٹل کے کاؤنٹر سے اپنے کمرے کی چابی لی اور [illegible]

چڑھ کر دوسری منزل پر آ گیا۔ دروازے میں چابی گھمائی تو اسے
محسوس ہوا کہ دروازے کا تالا پہلے ہی کھلا ہے۔ سمجھ گیا کہ اندر
کوئی چور صاحب گھسے ہوئے ہیں۔ عنبر نے دروازے کو پھر ہاتھ
نہ لگایا اور خود دوسری طرف سے کھڑکی کھول کر باتھ روم میں آ گیا۔
باتھ روم کا دروازہ کھول کر جب وہ دبے پاؤں بیڈ روم میں گیا تو
اس نے بستر پر چیزوں کو بکھرا ہوا دیکھا۔

عنبر نے اپنا بریف کیس ڈرائنگ روم میں بڑے صوفے کے
پیچھے رکھا ہوا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ چور اس وقت ڈرائنگ روم میں
ہے۔ اسے ڈرائنگ روم میں کسی شے کے گرنے کی آواز سنائی دی۔
عنبر خاموشی سے دروازے کے پاس گیا اور پھر یک دم دروازہ
کھول کر بتی روشن کر دی۔ کمرے میں روشنی ہی روشنی ہو گئی
اور اس روشنی میں اس نے ایک ڈراؤنے چہرے والے ڈاکو کو
دیکھا جو صوفے کے پیچھے کچھ تلاش کر رہا تھا۔ روشنی ہوتے ہی
ڈاکو اچھل کر صوفے کی اوٹ میں ہوا اور پستول نکال کر بولا:

"خبردار، آگے آئے تو گولی چلا دوں گا۔"

گولی کا تو خیر عنبر پر کیا اثر ہونا تھا۔ اس نے ڈاکو کی دھمکی
کا کوئی نوٹس نہ لیا اور آگے بڑھ کر بولا:

"تمہیں یہاں کچھ نہیں ملے گا بھائی۔ جس بریف کیس میں
سونا ہے، وہ صوفے کے نیچے پڑا ہے اور میرا خیال ہے کہ تم
ابھی وہاں تک نہیں پہنچے۔"

ڈاکو نے جب یہ سنا تو ایک ہاتھ سے پستول عنبر کی طرف
تانے اس نے دوسرے ہاتھ سے صوفے کے نیچے سے بریف کیس
نکال کر اسے کھولا تو واقعی اس کے اندر سونے کی ایک بڑی
ڈلی تھی — ڈاکو کی باچھیں کھل گئیں — اس نے بریف کیس
دور پھینک کر سونا اپنی پتلون کی جیب میں رکھ لیا اور گرج دار
آواز میں بولا:

"اپنی جگہ کھڑے رہنا — اگر ذرا ہلے تو گولی سے تمہاری کھوپڑی
اڑا دوں گا۔"

عنبر کو سونے کی ضرورت تھی۔ وہ ایک پراسرار سفر پر روانہ
ہونے والا تھا اور کوئی پتا نہیں تھا کہ اس کا سفر کب شروع
ہو جائے۔ اس لیے اسے سونے کی ان ڈلیوں کی اشد ضرورت تھی۔
اس نے ڈاکو سے کہا:

"بھائی، میرے پاس ایک ہزار روپیہ ہے، وہ لے لو۔ سونا
مجھے واپس کر دو، اس کی مجھے ضرورت ہے۔"

ڈاکو نے نفرت سے کہا:

"بکواس بند کرو اور میرے راستے سے ہٹ جاؤ، نہیں تو
میں ابھی گولی تمہارے سینے سے پار کر دوں گا!"

عنبر نے جب دیکھا کہ سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکل رہا تو
اب مجبوراً اسے سختی سے کام لینا پڑا۔ اس نے کہا:

"پستول تو میری جیب میں بھی ہے، اگر کہو تو نکال کر

دکھا دوں؟"

ڈاکو نے پستول کی نالی کا نشانہ عنبر کے سر کا لیا اور کہا:

"اگر تم میرے راستے سے نہ ہٹے تو یہ تمہارا آخری سانس
ہو گا۔"

عنبر نے کہا:

"میں تو پھر تم سے اپنا سونا وصول کرنے تمہارے پاس آ
رہا ہوں — اگر تم نے گولی چلائی تو تم گرفتار کر لیے جاؤ گے اور
اتنا ضرور یاد رکھو کہ تمہاری گولی سے مجھے کچھ نہیں ہو گا۔"

اتنا کہہ کر عنبر ڈاکو کی طرف بے خوفی سے بڑھا۔ ڈاکو پہلے
تو پریشان ہو گیا کہ یہ کیا سرپھرا آدمی ہے کہ سونے کی خاطر
اپنی جان کی بھی پروا نہیں کر رہا اور گولی کے سامنے بڑھا
چلا آ رہا ہے — پھر جب اس نے محسوس کیا کہ یہ شخص تو
کوئی پاگل ہے اور اسے گرفتار کروا کے ہی دم لے گا تو اس
نے فائر کر دیا — ڈاکو نے پستول کی نالی کے آگے سائیلنسر لگا رکھا
تھا جس کی وجہ سے گولی کا دھماکا نہ ہوا، بلکہ ٹھک کی آواز آئی۔
ڈاکو کا خیال تھا کہ اس کی گولی سے عنبر چکرا کر قالین پر گرے
گا اور پھر کبھی نہ اٹھ سکے گا — لیکن وہ یہ دیکھ کر دہشت زدہ
ہو گیا کہ گولی اگرچہ عنبر کے سینے میں لگی تھی لیکن وہ برابر اس
کی طرف بڑھ رہا تھا —

ڈاکو نے دوسری گولی چلا دی — یہ بھی عنبر کے سینے میں لگی۔

مگر اب اس نے آگے بڑھ کر ڈاکو کی کلائی پکڑ لی تھی۔ ڈاکو کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی شیر نے اس کی کلائی پکڑ لی ہو۔ بڑی سخت گرفت تھی عنبر کی — عنبر نے ایک جھٹکا دیا اور ڈاکو کے ہاتھ سے پستول نیچے گر پڑا — ڈاکو پہلے ہی یہ دیکھ کر ڈرا ہوا تھا کہ عنبر پر گولی کا اثر نہیں ہوا — اب جو اس نے عنبر کی گرفت کی سختی اور شیر کے پنجے ایسا جھٹکا محسوس کیا تو سہم کر کونے میں دبک گیا — عنبر نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سونے کی دونوں ڈلیاں نکال لیں اور کہا:

"اب تمہارے ساتھ کیسا سلوک کروں؟ تم نے نہ صرف یہ کہ میرے کمرے میں ڈاکا ڈالا ہے، بلکہ مجھے ہلاک بھی کر دیا ہے — تمہیں اپنے جرم کی پوری پوری سزا ملنی چاہیے۔"

عنبر پولیس کو فون کرنے لگا تو ڈاکو نے کہا:

"پولیس کو اطلاع کرنے سے پہلے مجھے ایک بات بتا دو۔ کیا تم بھوت ہو؟ کوئی جن ہو؟"

عنبر نے کہا:

"نہیں، میں انسان ہوں — تمہاری طرح کا ایک انسان۔"

"پھر تم پر گولی نے اثر کیوں نہیں کیا؟"

"گولی مجھے لگی ہی نہیں۔"

اور عنبر نے مسکراتے ہوئے ٹیلی فون پر پولیس کو اطلاع کر دی۔ ڈاکو نے اس عرصے میں داؤ لگا کر چھلانگ لگائی

اور صوفے سے اچھل کر دروازے پر جا پہنچا اور باہر بھاگنے ہی والا تھا کہ عنبر بھی اپنے جوش میں آ گیا — اس نے بھی وہاں سے ایک چھلانگ لگائی — مگر عنبر کی چھلانگ بڑی اونچی تھی۔ اور وہ ڈاکو سے بھی آگے جا کر گرا — اس نے ڈاکو کو گردن سے جا دبوچا۔ اور جھٹک کر دُور پرے صوفے کے پیچھے گرا دیا — ڈاکو اتنے زور سے گرا کہ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اتنے میں ہوٹل کا منیجر پولیس کو لے کر آ گیا — ڈاکو کو اسی وقت گرفتار کر لیا گیا — ڈاکو لنگڑاتے ہوئے پولیس کے ساتھ جا رہا تھا — اور جاتے جاتے پیچھے مڑ کر بھی دیکھ رہا تھا۔ دروازے میں سے گزرتے ہوئے اس نے چیخ مار کر کہا:

"یہ بھوت ہے — اشوکا ہوٹل کا بھوت ہے۔"

عنبر ہنس پڑا — اس نے دروازہ بند کر دیا اور قالین پر پڑے ہوئے بریف کیس کو اٹھا کر اس میں اپنی چیزیں دوبارہ احتیاط سے رکھیں — بستر کی چادریں درست کیں اور بستر پر لیٹ کر کتاب پڑھنے لگا — تھوڑی دیر گزری تھی کہ فون کی گھنٹی بجی — عنبر کو بھلا کس کا فون آ سکتا تھا — اس نے ریسیور اٹھایا، تو دوسری طرف سے کسی عورت کی گھبراتی ہوئی آواز آئی:

"ہیلو ہیلو، پولیس۔"

عنبر نے کہا:

"غلط نمبر۔"

عورت نے جلدی سے کہا:

"خدا کے لیے تم جو کوئی بھی ہو، میری مدد کرو۔"

عنبر نے کتاب پرے رکھ دی اور سنبھل کر پوچھا۔

"تم کون ہو بہن؟"

عورت نے جلدی جلدی بتایا کہ ایک خونی اس کے گھر میں بیٹھا ہے۔ اس نے اس کے اکلوتے بچے کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ وہ اس کے خاوند کو قتل کرنا چاہتا ہے اور اس کا انتظار کر رہا ہے۔ عورت کا خاوند رات کی ڈیوٹی پر ہے اور فیکٹری سے آنے ہی والا ہے۔ عورت نے بتایا کہ اس کا نام سکینہ ہے، اور اس کا فلیٹ لودھی روڈ پر شیش محل بلڈنگ میں ہے۔

"میں بڑی مشکل سے باتھ روم میں آ کر فون کر رہی ہوں۔ خدا کے لیے میرے بچے اور خاوند کی جان بچاؤ۔ جلدی کرو۔ خدا......"

اس کے بعد ٹیلی فون کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ عنبر نے دو تین بار عورت کو پکارا، لیکن فون بند ہو چکا تھا۔ عنبر ایک دم پلنگ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ہر حالت میں مصیبت زدہ عورت کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کمرے کو تالا لگایا۔ پستول اور گولیاں اپنے کمرے ہی میں رکھیں اور ہوٹل کی سیڑھیاں جلدی جلدی طے کرتا لابی سے گزر کر باہر سڑک پر آ گیا۔ اشوکا ہوٹل کے باہر ٹیکسی ہر وقت مل سکتی تھی۔ عنبر نے ایک ٹیکسی

لی اور اسے لودھی روڈ چلنے کو کہا۔

"جلدی چلو، تمہیں پچاس روپے دوں گا اور ہاں جانتے ہو شیش محل بلڈنگ وہاں کہاں ہے؟"

ڈرائیور نے کہا:

"جی ہاں بابو، جانتا ہوں۔ فکر نہ کرو۔ آپ کو ٹھیک شیش محل بلڈنگ کے آگے جا کر اتار دوں گا۔"

رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ سڑکیں سنسان تھیں۔ ٹیکسی بڑی تیزی سے لودھی روڈ کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔ چند لمحوں بعد ٹیکسی لودھی روڈ پر ایک چھ منزلہ بلڈنگ کے آگے جا کر رک گئی۔

"یہ ہے بابو جی شیش محل بلڈنگ۔" ڈرائیور نے عنبر سے کہا۔

عنبر نے کرایہ ادا کیا اور جلدی سے باہر نکل کر بلڈنگ کو دیکھا۔ تقریباً سارے فلیٹوں میں اندھیرا چھایا تھا۔ صرف تیسری منزل کے ایک کونے والے فلیٹ کی کھڑکی پر مدھم روشنی ہو رہی تھی۔ عنبر کے دل نے کہا کہ یہی وہ فلیٹ ہے جہاں سے اسے مصیبت زدہ عورت نے فون کیا تھا۔

عنبر لفٹ میں سوار ہو کر اوپر تیسری منزل پر آ گیا۔ اور اندازے سے کونے والے فلیٹ کی طرف گیا۔ راہداری میں بڑی دھیمی روشنی تھی۔ عنبر دبے دبے قدم اٹھاتا فلیٹ کی

طرف بڑھنے لگا۔ کونے والے فلیٹ کے دروازے کے نیچے سے روشنی باہر آرہی تھی۔ عنبر نے سوچا کہ خونی اندر ہے اور عورت کے فون کے مطابق اس نے بچے کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ اگر اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ہو سکتا ہے کہ خونی بچے کو نقصان پہنچا دے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ کسی دوسرے راستے سے اندر جایا جائے۔ پس عنبر نے فلیٹ کا جائزہ لیا۔ آگے گیلری تھی جو دوسرے فلیٹوں کی طرف گھوم جاتی تھی۔ عنبر اس گیلری میں آگیا۔ نیچے سڑک نظر آرہی تھی۔ کونے کی طرف جا کر گیلری دوسری طرف گھوم گئی تھی۔

عنبر نے دیکھا کہ یہاں فلیٹ کی ایک کھڑکی تھی۔ کھڑکی کے پاس جا کر اس نے آہستہ سے اُسے اندر کی طرف دھکیلا۔ کھڑکی کا ایک پٹ کھل گیا۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ کھڑکی کھلی تھی۔ پھر عنبر نے سوچا کہ ہو سکتا ہے چور اس کھڑکی کی کنڈی کسی طریقے سے کھول کر اندر گیا ہو۔ عنبر نے اندر جھانک کر دیکھا۔ اندر تاریکی تھی۔ عنبر خاموشی سے کھڑکی میں داخل ہوا۔ یہ سٹور روم تھا اور ٹوٹا پھوٹا سامان پڑا تھا۔ کونے میں چھوٹا دروازہ تھا۔ عنبر نے دروازے سے کان لگا کر سننے کی کوشش کی

دوسری طرف بالکل خاموشی تھی۔ پھر کسی عورت کی آواز آئی، جیسے اس نے سسکی بھری ہو۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ وہی عورت ہے جس نے اسے فون کیا تھا اور جس کا بچہ اس وقت خونی

کے قبضے میں ہے۔ عنبر غور کرنے لگا کہ اسے کس طریقے سے گھر میں داخل ہونا چاہیے۔ کیونکہ سوال ایک بچے کی زندگی کا تھا۔ خونی اس بچے کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔ عنبر کچھ سوچ کر کھڑکی سے کود کر گیلری میں آگیا۔ اس نے کھڑکی بند کر دی۔

اب وہ سیدھا دروازے پر آیا اور گھنٹی بجائی۔ وہ یوں گنگنانے لگا جیسے اسے کچھ بھی معلوم نہیں کہ اندر ایک خونی آیا ہوا ہے۔ دروازہ کوئی نہیں کھول رہا تھا۔ عنبر نے تیسری بار گھنٹی بجائی تو ایک عورت نے دروازہ کھولا۔ اس کے چہرے کی پریشانی صاف ظاہر تھی۔ جوان عورت تھی۔ آنکھیں دہشت زدہ تھیں جیسے کسی نے اس کے پیچھے پستول تان رکھا ہو۔ اس نے ابھی کچھ نہیں پوچھا تھا کہ عنبر نے آہستہ سے کہا:

"آپ نے فون کیا تھا؟" پھر اونچی آواز میں بولا:

"ارے بھابی! [illegible] ابھی تک نہیں آئے؟ انھوں نے تو مجھے کہا تھا کہ بارہ بجے ان کی ڈیوٹی ختم ہو جاتی ہے۔ اصل میں، میں کل ڈیوٹی پر نہیں جا رہا۔ [illegible] سے باہر جا رہا ہوں۔ سوچا اپنی رخصتی اسے [illegible] دوں۔ کل فیکٹری میں اسے [illegible]"

عورت نے کہا:

"اختر [illegible] آپ نے بتا دیے ہیں بھائی جان۔ آپ تشریف رکھیں۔" عورت کی آواز کانپ رہی تھی۔ اس نے فون کر کے خاوند کا نام بھی بتا دیا تھا۔ عنبر صوفے پر بیٹھ گیا۔ عورت ابھی

کے لیے فریج میں سے جوس کا گلاس لے آئی — پھر اس نے میز پر انگلی سے صرف اتنا لکھا :

"وہ اندر ہے"

عنبر اونچی اونچی آواز میں یوں باتیں کرنے لگا جیسے اسے کچھ نہیں پتا — کہ اندر کوئی خونی چھپا ہوا ہے — پھر ایسا ہوا کہ دروازہ کھلا اور اس عورت کا خاوند جس کا نام اختر تھا، اندر آ گیا۔ وہ اپنے گھر میں آدھی رات کو ایک اجنبی شخص کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔

"آپ کون ہیں ؟"

اس کے ساتھ ہی بیڈ روم کا دروازہ دھڑاک سے کھلا اور خونی بچے کو آگے کیے پستول تان کر سامنے آ گیا۔

"اختر، آج میں تم سے بدلہ لینے آیا ہوں — تم نے مجھے فیکٹری سے نکال کر تباہ کر دیا — اب میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا اور تمہارے بچے کو بھی تمہارے ساتھ ہی ختم کر دوں گا۔"

اختر چکر کھا کر رہ گیا — اس کے گھر میں یک ساتھ دو آدمی گھسے ہوئے تھے اور ایک کے ہاتھ میں پستول تھا — اختر نے اس شخص سے کہا کہ اس نے اسے فیکٹری سے جواب نہیں دیا تھا، لیکن خونی نے پستول کا رخ اس کی طرف کر دیا :

"تمہاری زندگی کے صرف چند لمحے باقی ہیں — خدا کو یاد کرو۔"

لڑکیوں کی چیخ

عورت اور اس کا خاوند پھٹی پھٹی آنکھوں سے خونی کو تکنے لگے —

وقت بڑا نازک تھا — عنبر کے پاس سوچنے کے لیے بھی کوئی وقت نہیں تھا — ایک پورے خاندان کی زندگی خطرے میں تھی۔ موت ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ عنبر نے اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے اچھل کر جست لگائی اور خونی کے سامنے آ گیا — خونی گھبرا کر پیچھے ہٹا اور اس نے یکے بعد دیگرے عنبر پر تین چار فائر کر دیے — ساری کی ساری گولیاں عنبر کے سینے اور گردن پر لگیں۔ عورت کی چیخ نکل گئی — اسے یقین ہو چکا تھا کہ اس کا ہمدرد جو آدھی رات کو اس کی مدد کے لیے آیا تھا، ہلاک ہو چکا ہے۔ اس دوران میں عنبر نے خونی پر قابو پا لیا تھا — عنبر کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ خونی کو ایسے لگا جیسے وہ لوہے کے شکنجے میں جکڑا جا چکا ہے —

میاں بیوی نے عنبر کو حیرانی سے دیکھا — خونی ڈاکر بھی پھٹی پھٹی

آنکھوں سے عنبر کو تک رہا تھا۔ کیونکہ سب کے سامنے عنبر کو چار
گولیاں لگی تھیں، لیکن نہ اسے کوئی زخم آیا تھا اور نہ ہی اس کے
جسم سے خون کا ایک قطرہ بہا تھا۔ عنبر ان کی پریشانی کو خوب
جانتا تھا۔ اس نے ان کے سوال کرنے سے پہلے ہی کہہ دیا:

"دراصل میں نے اپنے جسم کے اندر لوہے کی ایک جالی
پہن رکھی ہے۔ جو مجھے گولی سے بچاتی ہے۔"

یہ کہہ کر عنبر نے اپنی طرف سے بات ختم کر دی تھی، لیکن وہ لوگ ابھی تک یقین نہیں کر رہے تھے۔ عنبر نے پولیس کو فون کر کے بلا لیا اور خونی کو پولیس کے حوالے کر کے دونوں میاں بیوی سے اجازت لی اور ان کی احسان مند نگاہوں کا ہاتھ اٹھا کر جواب دیتا واپس اپنے ہوٹل میں آگیا۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ عنبر نے بتی بجھائی اور کمبل اوڑھ کر آرام سے سو گیا۔

باقی رات وہ سکون سے سوتا رہا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔ عنبر نے اٹھ کر شیو بنائی۔ ناشتا کیا۔ کپڑے پہنے اور دلی کے بازاروں میں نکل آیا۔ سونا اس کے کمرے میں ہی رکھا تھا۔ اس کی جیب میں دو تین سو روپے تھے۔ ہوٹل کا بل اس نے سارے کا سارا یعنی اس وقت تک کا ادا کر دیا تھا۔ وہ ایک ایماندار نوجوان تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ ایک دن وہ

اچانک سو سال پیچھے کے زمانے میں چلا جائے اور ہوٹل کا بل اس کی طرف باقی رہے۔ ویسے بھی وہ یہی چاہتا تھا کہ ملکہ مصر کی پیشین گوئی جتنی جلدی ہو سکے، سچ ثابت ہو اور وہ واپس منیلہ دور میں پہنچ کر اپنا سفر شروع کر دے۔ کیونکہ زیادہ دیر لگنے سے اس کی سونے کی باقی دو ڈلیاں بھی خرچ ہونے کا ڈر تھا۔

دلی شہر پر بہار کا موسم تھا۔ سڑکوں پر لوگوں کا بہت رش تھا۔ عنبر نے سوچا کہ کیوں نہ قطب مینار کی سیر کی جائے۔ پس اس نے ٹیکسی لی اور قطب صاحب آگیا۔ قطب مینار ویسے کا ویسے ہی اپنی جگہ پر موجود تھا۔ وہاں کچھ سیاح گھوم پھر رہے تھے۔ کالج کی چند ایک لڑکیاں پک نک منا رہی تھیں۔ عنبر ان کے قریب سے گزرا تو یونہی لڑکیوں نے اسے مذاق کیا۔ عنبر مسکرا دیا اور آگے چل کر ایک چبوترے پر بیٹھ گیا۔ مذاق کی وجہ شاید عنبر کے سیاہ لمبے بال تھے جو اس کے کندھوں پر پڑے تھے۔ عنبر کو حجامت بنانے کا خیال ہی نہ رہا تھا۔

لڑکیاں اس کے قریب سے گزریں تو ایک سانولی لڑکی نے عنبر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا:

"ہپی ۔۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"بہن! میں ہپی نہیں ہوں، انسان ہوں۔"

تینوں لڑکیاں اس کے پاس کھڑی ہوگئیں۔ ایک نے کہا:
"سلمیٰ کہتی ہے کہ آپ افریقہ سے آئے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے کہ آپ کا تعلق افریقہ سے ہے؟"

عنبر کا رنگ سانولا تھا اور بال بھی سیاہ گھنگھریالے تھے۔ عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا:

"اصل میں میرا تعلق شمالی افریقہ سے ہے۔ میں قاہرہ سے آیا ہوں۔"

اس پر لڑکیوں نے اسے گھیر لیا اور مصر اور قلوپطرہ کی باتیں کرنے لگیں۔

عنبر نے مذاق سے کہا:

"میں ملکہ قلوپطرہ کو جانتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" لڑکیوں نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں بہن، میں سچ کہہ رہا ہوں۔ ملکہ قلوپطرہ کو میں نے دیکھا ہے اور محل میں اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی کھایا ہے۔"

اب تو ساری لڑکیاں کھل کھلا کر ہنس پڑیں اور انہوں نے عنبر کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ ان کے لیے عنبر نے بات ہی ایسی کی تھی۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ۱۹۸۰ء میں بیٹھ کر ایک آدمی یہ کہے کہ اس نے قلوپطرہ کے ساتھ کھانا کھایا ہے۔ لڑکیوں کو یقین ہو چکا تھا کہ یہ نوجوان کوئی پاگل شخص ہے۔ وہ

بات بات پر عنبر کا مذاق اڑا رہی تھیں اور عنبر ہرگز برا نہیں مان رہا تھا؛ حالانکہ اس نے ایک سچ بات کہی تھی۔ عنبر نے واقعی ساڑھے تین ہزار سال پہلے ایک شام قلوپطرہ کی دعوت میں شرکت کی تھی۔ مگر کوئی کیسے مان سکتا تھا۔

یہ ساری لڑکیاں دلی کے مسلمان گھرانوں کی تھیں اور کالج میں پڑھتی تھیں۔ جب وہ عنبر کو مذاق کرتے کرتے تھک گئیں تو انہوں نے قطب مینار پر چڑھنے کا پروگرام بنایا۔ (صرف) چار تین دوسری لڑکیاں ان کے ساتھ جانے پر تیار ہوئیں، باقی وہیں بیٹھی رہیں۔ اس طرح چھ لڑکیاں قطب مینار کی سیر کو سیڑھیاں چڑھنے لگیں اور باقی نیچے سبزہ زار پر بیٹھ کر انگریزی میوزک سے دل بہلانے اور سینڈوچز کھانے لگیں۔ انہوں نے عنبر کو بھی کھانے کی دعوت دی۔ عنبر نے تکلف سے ایک نارنگی لے لی اور اسے چھیل کر کھانے لگا۔ اس وقت وہ پانچ ہزار سال پیچھے چلا گیا تھا۔ جب اسی طرح ایک روز جبکہ دریائے نیل کے کنارے دھوپ نکلی ہوئی تھی تو اس کی بڑی بہن نے اسے ایک سنگترہ کھانے کو دیا تھا۔ اس کی بڑی بہن کو فوت ہوئے پانچ ہزار سال ہو چکے تھے۔ اس کی ہڈیاں بھی باقی نہیں تھیں۔ مگر عنبر زندہ تھا اور ابھی اسے مزید پانچ ہزار سال زندہ رہنا تھا۔ عنبر اپنے خیالات میں گم تھا کہ ایک لڑکی نے اس سے کہا:

"کیوں میاں دیوانے کیا سوچ رہے ہو؟"

عنبر کو لڑکی کا اس طرح بُلانا بُرا لگا۔ مگر اُس نے لڑکی سے کچھ نہ کہا — وہ سمجھتا تھا کہ یہ عمر ہنسنے کھیلنے کی ہوتی ہے اور پھر دیکھا جائے تو اس نے بات بھی پاگلوں ایسی ہی کی تھی۔ اگر آپ کسی سے یہ کہیں کہ آپ چنگیز خان کے ساتھ گلی ڈنڈا کھیلتے رہے ہیں تو ظاہر ہے لوگ آپ کو پاگل ہی کہیں گے۔

عنبر نے کہا:

"میں سوچ رہا ہوں کہ غدر کے زمانے میں یہاں کس قدر قتل عام ہوا تھا۔"

لڑکی نے کہا:

"غدر کا زمانہ گزر گیا — اب سائنس کا دور ہے — مصنوعی سیاروں اور میزائل کا دور ہے — غدر ختم ہو گیا — اس کے بارے میں مت سوچو۔"

عنبر بولا:

"مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ غدر اس وقت بھی دلی میں مچا ہوا ہے — وہ دیکھو چاندنی چوک میں مسلمان مجاہدوں کو پھانسیاں دی جا رہی ہیں اور دلی کے شرفا کے گھروں کو لوٹ کر آگ لگائی جا رہی ہے۔"

عنبر کی آنکھوں کے سامنے غدر کی دھندلی سی تصویریں آنا

شروع ہو گئی تھیں۔ اسے شک گزرا کہ کہیں زمانہ بدل تو نہیں گیا۔ کہیں تاریخ نے سو سال پیچھے کا سفر تو نہیں الٹ دیا؟ اس نے سر کو جھٹک کر دیکھا — مگر نہیں، ابھی زمانہ پیچھے نہیں گیا تھا۔ ابھی فلیش بیک شروع نہیں ہوا تھا۔ ابھی وہ قطب مینار کے پاس ہی بیٹھا تھا اور دلی کالج کی لڑکیاں پک نک منا رہی تھیں۔ عنبر نے ذرا سا چونک کر لڑکی سے کہا:

"کیا کہا تم نے؟"

لڑکی کھِل کھِلا کر ہنس دی اور بولی:

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ یہ ہائیڈروجن بم اور میزائل کا زمانہ ہے — غدر کے زمانے کو سو سال بیت چکے ہیں دیوانہ صاحب، واپس آ جائیے ہمارے اپنے زمانے میں۔"

عنبر نے گہری نگاہوں سے دُور ویران ٹیلے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"نہیں، زمانہ نہیں گزرا کرتا — ہر شے اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے — میں نے ایسا ہی دیکھا ہے — غدر کا زمانہ نہیں گزرا۔ وہ میرے ایک ہاتھ کے فاصلے پر ہے اور — اور میں اسی میں داخل ہونے والا ہوں۔"

لڑکی نے عنبر کے کندھے کو جھنجھوڑ کر کہا:

"دیوانہ صاحب، ہوش کریں۔"

اور اس پر ساری کی ساری لڑکیاں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔
ٹھیک اس وقت قطب مینار پر سب سے آخری منزل پر لڑکیوں
کے چیخنے چلانے کی آوازیں گونج اٹھیں۔ سب نے پریشان
چہروں سے اوپر دیکھا۔ اوپر کا منظر دل ہلا دینے والا تھا۔ ایک
لڑکی آخری منزل کے جنگلے کے ساتھ باہر کی طرف لٹکی ہوئی تھی۔
اس کے دونوں پیر آخری منزل کے سب سے نچلے کنارے پر تھے۔
اور وہ کوئی دم میں گرنے ہی والی تھی۔ خدا جانے وہ کس طرح
مینار کی منزل سے باہر آگئی تھی۔ نیچے بیٹھی ہوئی لڑکیوں نے بھی
شور مچانا اور مدد کے لیے لوگوں کو بلانا شروع کر دیا۔ سارے
سیاح اور دوسرے لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ مگر وہ اس بدنصیب
لڑکی کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

اگر نیچے جال بھی بچھا دیا جاتا، تب بھی اتنی بلندی سے
گری ہوئی لڑکی کی ہڈیاں سرمہ بننے سے نہیں بچ سکتی تھیں۔ عنبر
نے محسوس کیا کہ جو لڑکی زندگی اور موت کے درمیان لٹکی ہوئی تھی،
وہ لرز رہی ہے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اوپر والی جگہ کو
پکڑ رکھا تھا۔ لڑکیوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ نیچے جھک کر
اس لڑکی کو اوپر اٹھا سکتیں۔ اس طرح سے ان کے بھی گرنے
اور ہلاک ہونے کا اندیشہ تھا۔ چاروں طرف چیخ و پکار مچی تھی۔
ہر کوئی لڑکی کے گر کر مر جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ کیونکہ ہر کسی

کو یقین تھا کہ اس لڑکی کو اب دنیا کی کوئی طاقت موت سے
نہیں بچا سکتی۔

اتنی بلندی سے پتھروں پر گرنے سے لڑکی کا جو حشر ہونے
والا تھا، اس کے خیال ہی سے لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو
رہے تھے۔ لڑکیاں مدد کے لیے چلا رہی تھیں، مگر کون مدد کر
سکتا تھا؟ اور کوئی مدد کر بھی کس طرح سکتا تھا، وہاں تو ہیلی کاپٹر
بھی کام نہیں دے سکتا تھا۔ کیونکہ اگر ہیلی کاپٹر وہاں آ بھی
جاتا تو اس کے پر مینار کے گنبد سے ٹکرا جاتے۔ اگر ایسا نہ
ہوتا تو پھر ہیلی کاپٹر کے پروں کی تیز ہوا سے ہی لڑکی نیچے
گر پڑتی۔

عنبر نے لڑکی کی مدد کرنے اور اس کی جان بچانے کا
فیصلہ کر لیا۔ وہ ایک ایسا کام کرنے والا تھا جس کی اجازت
اسے ملکہ لفزیتی نے دی تھی اور وہ زندگی میں پہلی بار ایسا
کرنے والا تھا۔ اُسے پتا تھا کہ لوگ بعد میں اسے گھیر لیں گے
اور اس کا جینا حرام کر دیں گے۔ لیکن اس وقت ایک معصوم
لڑکی کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ عنبر اپنی جگہ سے اٹھا۔
اس نے روتی چلاتی لڑکیوں سے کہا:

"میں اس کی جان بچانے کی کوشش کروں گا:"

لڑکیوں نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور روتی رہیں۔

انہیں معلوم تھا کہ وہ ایک پاگل نوجوان ہے۔

عنبر نے ایک طرف ہو کر اپنے بائیں بازو پر بندھے ہوئے تعویذ پر ہاتھ رکھا اور آہستہ سے کہا:

"ملکہ نفریتی اپنے تعویذ کو حکم دو۔"

اتنا کہنا تھا کہ عنبر نے اپنے پاؤں ہلکے پھلکے محسوس کیے۔ اُس نے گردن جھکا کر دیکھا۔ وہ حیران رہ گیا۔ اس کے پاؤں زمین سے دس انچ کے قریب اوپر اٹھے ہوئے تھے اور وہ ہوا میں کھڑا تھا۔ یہ اُس کے لیے ایک عجیب تجربہ تھا۔ اُسے اپنا آپ بڑا ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ ابھی تک شاید اُسے ہوا میں کھڑا کسی نے نہ دیکھا تھا۔ اب وہ آہستہ آہستہ اُوپر اُٹھنے لگا۔ پھر اچانک اردگرد کھڑے انسانوں کی ایک بار پھر چیخیں نکل گئیں۔ مگر اب کے چیخوں میں حیرت اور دہشت تھی۔

ان کی آنکھوں کے سامنے ایک سوٹ بوٹ والا نوجوان ہوا میں اُڑتا اوپر کو اُٹھتا چلا جا رہا تھا۔ عنبر کو کسی کی پروا نہ تھی۔ وہ لڑکی کی جان بچانا چاہتا تھا۔ وہ ہوا میں اسی طرح اُڑتا ہوا قطب مینار کی سب سے اوپر والی منزل پر جا پہنچا۔ ایک انسان کو ہوا میں اُڑ کر اپنے پاس آتا دیکھ کر لٹکی ہوئی لڑکی اور آخری منزل میں کھڑی لڑکیاں بھی ششدر رہ گئیں۔ عنبر تیزی سے ہیلی کاپٹر کی طرح آگے بڑھا۔ کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کہیں

لٹکی ہوئی لڑکی خوف کی وجہ سے ہاتھ نہ چھوڑ دے۔

اس کے قریب جا کر عنبر نے لڑکی کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر اسے مینار سے ہٹایا اور اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ اب وہ لوگوں کی پھٹی پھٹی آنکھوں اور چہروں کے ہجوم میں خوف سے ابھی تک کانپتی لڑکی کو اٹھائے ہوا میں اُڑتا نیچے زمین کی طرف آ رہا تھا۔ لوگوں کو تالیاں بجانے کا بھی ہوش نہیں تھا۔ سڑک پر کچھ راہ گیر یہ جادو کا عجیب و غریب منظر دیکھنے کو کھڑے ہو گئے تھے۔ اور اونچی آواز میں کلمہ شریف پڑھ رہے تھے۔ کچھ لوگ ڈر کر بھاگ گئے تھے۔ عنبر نے بڑے آرام سے نیچے اُتر کر لڑکی کو گھاس پر لٹا دیا۔ وہ تقریباً بے ہوش تھی۔

لڑکیوں نے اپنی سہیلی کے منہ میں پانی ڈالا۔ اُسے پنکھا کیا۔ باقی لڑکیوں اور دوسرے لوگوں نے عنبر کو گھیر لیا تھا اور اُس سے عجیب عجیب سوال پوچھنے شروع کر دیے تھے۔ عنبر نے مسکرا کر کہا:

"یہ جادو نہیں تھا۔ بس خدا نے میرے اندر طاقت بھر دی تھی کہ میں ہوا میں اُڑ کر اس لڑکی کی جان بچاؤں۔"

مگر کسی کو عنبر کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ سب اُسے جادوگر سمجھ کر اس سے پیچھے ہٹ [illegible] لڑکی کا حال پوچھا۔ اس کی دوسری سہیلیاں بھی اب [illegible] جلدی سے نیچے اُتر

بچکی تھیں — اور عنبر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اُسے ایک عظیم جادوگر سمجھ کر اس کی طرف کچھ کچھ دہشت بھری نظروں سے تک رہی تھیں — لڑکی اب ہوش میں آچکی تھی۔

عنبر نے ایک لڑکی سے کہا :

"اب تو آپ کو یقین آگیا کہ میں نے قلوپطرہ کے ساتھ کھانا کھایا تھا ؟"

کسی لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا — ان سب پر ایک حیرت طاری تھی — عنبر نے اُن سے اجازت لی اور جانے لگا تو اب لڑکیوں کو کچھ ہوش آیا — انہوں نے عنبر کو گھیر لیا اور اُسے اپنے ساتھ کالج چلنے کی دعوت دی۔ عنبر کے پاس بھی کوئی کام نہ تھا — اس نے سوچا کہ چلو ذرا رونق رہے گی — کالج کی سیر کر لیتے ہیں۔ لڑکیاں اُسے اپنے کالج کی ویگن میں بٹھا کر کالج لے گئیں۔ اُسے اپنی پرنسپل سے ملایا اور بتایا کہ صرف اُس کی وجہ سے ان کی سہیلی کی جان بچ گئی تھی — کالج کی پرنسپل ایک ادھیڑ عمر کی مسلمان عورت تھی — اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ ایک لڑکی نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا :

"بھائی جان، کیا آپ اُسی طرح اُڑ کر ہماری پرنسپل صاحبہ کو بھی دکھائیں گے تاکہ انہیں یقین آجائے ؟"

عنبر نے کہا :

"اللہ نے مجھے یہ طاقت اس لیے نہیں دی کہ میں اسے یونہی ضائع کرتا پھروں — اگر پرنسپل صاحبہ کو یقین نہیں آتا تو نہ آئے — مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔"

اس پر پرنسپل صاحبہ بولیں :

"یہ سائنس کا زمانہ ہے — آج کے زمانے میں کسی انسان کے پاس یہ طاقت یا جادو نہیں ہے کہ وہ ہوا میں اُڑنا شروع کر دے۔ زمین کی کشش کا اصول ثابت ہو چکا ہے۔ صرف چاند پر انسان کا وزن کم ہو سکتا ہے مگر ہوا میں وہ وہاں بھی نہیں اُڑ سکتا — اس لیے میں یقین نہیں کروں گی۔ آپ نے جس طرح سے بھی ہماری بچی کی جان بچائی، اس کے لیے میں آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔"

عنبر کو پرنسپل کی باتوں پر غصہ سا آگیا اب وہ اُس کے سائنس کے زمانے کو بےکار اور غیر مکمل ثابت کرنے پر تل گیا تھا — اُس نے کہا :

"محترمہ، اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں آپ کو یہ بتاؤں کہ دنیا میں سائنس کے علاوہ بھی کچھ باتیں ہیں جنہیں صرف خدا جانتا ہے اور کبھی کبھی وہ اپنے کسی بندے کو غیر معمولی لیاقت عنایت کر دیتا ہے۔"

عنبر نے کہا کہ کالج کی ساری لڑکیوں کو گراؤنڈ میں جمع

کیا جائے۔

اسی وقت ساری لڑکیاں کالج کی گراؤنڈ میں جمع ہو گئیں۔ کالج کی پرنسپل بھی اپنے سٹاف کے ساتھ وہاں موجود تھی اور ہنس رہی تھی کہ یہ کوئی دیوانہ نوجوان ہے۔ ابھی اس کا جھوٹ ثابت ہو جائے گا۔

عنبر پرنسپل کی سب باتیں سُن رہا تھا۔ مگر خاموش تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ ابھی پرنسپل کا منہ بند ہو جائے گا۔ بلکہ دہشت سے کھلے کا کھلا رہ جائے گا۔

کالج کی وہ لڑکیاں جنہوں نے عنبر کو ہوا میں اُڑتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، بڑی خوش تھیں۔ انہیں اپنی بات ثابت کرنے کا موقع ملنے والا تھا۔

ساری لڑکیاں گھاس پر ایک دائرے میں جمع تھیں۔ درمیان میں عنبر کے کہنے پر ایک میز لا کر رکھ دی گئی۔ عنبر کچھ ڈرامہ بھی کرنا چاہتا تھا۔ اس نے پانی کا ایک گلاس منگوایا۔ اونچی آواز میں بسم اللہ شریف پڑھی۔ پانی میں پھونک ماری اور اسے پی لیا۔ گلاس ایک طرف پھینک کر اس نے پرنسپل صاحبہ کی طرف دیکھ کر کہا:

"محترمہ! میں جانتا ہوں۔ آپ میرے دعوے کا مذاق اُڑا رہی ہیں اور اپنی سٹاف کو بتا رہی ہیں کہ میں ایک پاگل آدمی

ہوں، مگر یقین کریں، ایک منٹ بعد ہی آپ کو اپنے آپ پر پاگل ہونے کا شبہ ہو گا۔ میری طرف دیکھتی رہیں اور ہاں ذرا اپنی عینک کے شیشوں کو صاف کر لیں۔"

پرنسپل کا منہ غصے سے لال ہو گیا۔ مگر وہ پی گئیں، کیونکہ انہوں نے خود اس نوجوان کو اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ عنبر نے پرنسپل کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلا کر بلند آواز سے کہا:

"میری طرف غور سے دیکھتی رہیں۔"

عنبر نے ملکہ نفرتی کے تعویذ پر ہاتھ رکھ کر دل ہی دل میں اس کا نام لے کر اسے اپنی مدد کے لیے پکارا۔ اس کے ساتھ ہی وہ میز پر سے دس انچ اوپر کو اُٹھ آیا۔ حیرت سے لڑکیوں کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ پھر عنبر ایک دم سے پندرہ فٹ اوپر ہو گیا۔ اب وہ ہوا میں کھڑا تھا۔ لڑکیاں زور زور سے تالیاں بجا رہی تھیں۔ شور مچا رہی تھیں۔ پرنسپل کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ وہ منہ کھولے عنبر کو ہوا میں کھڑے دیکھ رہی تھیں۔ اُس کا سٹاف بھی دانتوں میں انگلیاں دبائے حیران کھڑا تھا۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک انسان کو وہ ہوا میں کھڑے دیکھ رہی ہیں، جس پر زمین کی کشش کا کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ عنبر اب کافی بلندی پر چلا گیا۔

اُسے کالج کی گراؤنڈ سے باہر سڑک پر چلتی کاریں اور آتے جاتے لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ سڑک پر ایک آدمی نے عنبر کو اُڑتے دیکھا تو اس کی طرف اشارہ کیا۔ بس پھر کیا تھا۔ سارے بازار کی ٹریفک رُک گئی۔ کسی نے اخبار کے دفتر والوں کو فون کر دیا۔ پریس فوٹو گرافر سکوٹروں اور کاروں پر جھٹ وہاں پہنچ گئے اور انھوں نے عنبر کی تصویریں بنانا شروع کر دیں۔ اب عنبر ہوا میں اڑتے ہوئے گراؤنڈ کا چکر لگا رہا تھا۔

دراصل وہ خود بھی اپنا تاریخی سفر شروع کرنے سے پہلے ملکہ نفریتی کے تعویذ کی کارکردگی کو پوری طرح آزمانا چاہتا تھا۔ اسے اب پورا یقین ہو گیا تھا کہ تعویذ سچا ہے اور ٹھیک طریقے سے اُسے لے کر ہوا میں اڑ سکتا ہے۔

لڑکیاں شور مچا رہی تھیں۔ سڑک پر اور مکانوں کی چھتوں پر لوگوں کے ٹھٹ لگ گئے تھے۔ ہر کوئی بُت بنا ایک نوجوان کو بغیر کسی مشین کے ہوا میں اڑتے دیکھ رہا تھا۔ پولیس کو ٹریفک بحال کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ عنبر آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ پھر وہ ٹھیک پرنسپل صاحبہ کے قریب گراؤنڈ کی گھاس پر اُتر آیا، اور بولا:

"محترمہ! اب کیا خیال ہے آپ کا؟ اگر خدا کی مدد شامل ہو

تو کیا زمین کی کشش پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ کیا کہتی ہے اب آپ کی سائنس یہاں پر؟"

پرنسپل نے شرمندگی کے ساتھ کہا:

"میں نے جو کچھ آج دیکھا ہے، میری زندگی کا یہ سب سے حیرت انگیز منظر تھا اور مجھے کبھی نہیں بھولے گا۔"

اتنے میں اخباری نمائندے کالج کی گراؤنڈ میں بغیر اجازت گھس آئے اور انھوں نے عنبر کو گھیر کر اس سے سوالات کرنے شروع کر دیے۔ عنبر نے بڑی مشکل سے وہاں سے اپنی جان بچائی اور کالج سے بھاگ کر اپنے ہوٹل میں آ گیا۔ اخبار والوں نے معلوم کر لیا تھا کہ وہ اشوکا ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔ دوسرے روز دلی کے تمام اخباروں میں عنبر کی تصویریں بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئیں۔ تصویروں میں وہ ہوا میں اُڑتا دکھایا گیا تھا۔ اخبار والوں نے عنبر کا ناک میں دم کر دیا۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور لوگوں سے ملنے سے انکار کر دیا۔ مگر ہوٹل کے باہر ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہنے لگا۔

تنگ آ کر عنبر نے رات کی تاریکی میں وہ ہوٹل چھوڑ دیا۔ اور نئی دلی کے ایک ہوٹل میں آ کر ٹھہر گیا۔ وہ لوگوں سے تنگ آ گیا تھا اور چاہتا تھا کہ جلدی سے جلدی اس زمانے سے نکل کر سو سال پرانے زمانے میں داخل ہو جائے۔ مگر شاید

ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا۔

نئی دلّی کے ہوٹل میں آئے عنبر کو دوسرا روز جا رہا تھا۔ ابھی تک شہر میں کسی کو اُس کے نئے ٹھکانے کا پتا نہیں چلا تھا۔ عنبر اب سارا دن ہوٹل کے کمرے میں رہتا اور صرف شام کو سیر کرنے باہر جاتا۔ ایک روز وہ سیر کرنے کے بعد شام کے وقت واپس اپنے کمرے میں آیا تو اُس نے ایک لڑکی کو دروازے کے باہر سٹول پر بیٹھے پایا۔ عنبر نے اس لڑکی کو کالج میں دوسری لڑکیوں کے ساتھ دیکھا تھا۔ لڑکی نے اٹھتے ہوئے عنبر کو سلام کیا۔

لڑکی مسلمان تھی اور اس کے چہرے کی اداسی سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ایک غریب گھرانے کی لڑکی ہے۔ عنبر نے پوچھا:

"کہو بہن، تمہیں کس سے ملنا ہے؟"

لڑکی نے بڑے ادب سے کہا:

"بھائی جان، میں آپ ہی سے ملنے آئی ہوں۔ میرا نام عائشہ ہے۔ میں سیکنڈ ایئر کی سٹوڈنٹ ہوں۔ بڑی مشکل سے آپ کا پتا ڈھونڈ کر یہاں پہنچی ہوں۔ آپ سے بے حد ضروری بات کرنی ہے۔"

عنبر کو اُس لڑکی سے ہمدردی سی پیدا ہوگئی۔ اُس نے

اُسے اپنے کمرے میں بلا لیا۔ لڑکی صوفے پر بیٹھ گئی۔ عنبر نے چائے منگوائی اور اس سے پوچھا کہ وہ کس سلسلے میں اس سے ملنے آئی ہے۔ لڑکی سر جھکا کر کچھ دیر قالین کو دیکھتی رہی۔ پھر ٹھنڈا سانس بھر کر عنبر کی طرف چہرہ اٹھا کر بولی:

"بھائی جان، ہم تین بہنیں ہیں۔ ہمارا باپ فوت ہو چکا ہے۔ ہماری ماں نے محلّے والوں کے کپڑے سی کر اور محنت مزدوری کر کے ہمیں پڑھایا لکھایا۔ ہمارا ایک بھائی ہے مگر وہ چھوٹا ہے۔ ہماری ماں ہمارے غم میں گھلی جا رہی ہے۔ میری دو بہنیں مجھ سے چھوٹی ہیں۔ اور پڑھائی چھوڑ بیٹھی ہیں کیونکہ ہماری آمدنی بہت تھوڑی ہے، صرف ہمت کر کے پڑھ رہی ہوں۔ میں آگے تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہوں، مگر ہمارے پاس آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ماں کپڑے سی کر سو پچاس کما لیتی ہے۔ میں بھی سینا پرونا کر کے ستّر اسّی روپے مہینے کے کما لیتی ہوں۔ مگر پڑھائی جاری نہیں رکھ سکتی۔ میرے حق میں دعا کریں کہ ہماری آمدنی کا کوئی معقول ذریعہ بن جائے اور میں ایم۔ اے کر سکوں۔"

عائشہ کے حالات سُن کر عنبر کے دل کو بڑا دکھ ہوا۔ اُسے حوصلہ دیا اور کہا "پیاری بہن، مجھے اپنے گھر کا پتا دے جاؤ۔ میں کل اسی وقت تمہاری امّی سے ملنے آؤں گا۔"

شعلے ہی شعلے

دوسرے روز عنبر شام کو عائشہ کے گھر پہنچ گیا —

عائشہ کی امی کا گھر دلی شہر سے باہر تیمار پور بستی میں تھا — ایک تنگ سا کوارٹر تھا۔ غریب لوگ تھے۔ ماں بڑی نیک اور نماز روزے کی پابند عورت تھی — سخت تنگی میں دن گزار رہے تھے یہ لوگ —

عنبر ان کے گھر کی حالت دیکھ کر بڑا متاثر ہوا۔ اس نے عائشہ کی ماں سے کہا کہ وہ ان کی مدد کرے گا — ہوٹل واپس آکر عنبر نے سونے کی ایک ڈلی لی اور صراف بازار جا کر دو لاکھ روپے میں فروخت کر کے بنک میں عائشہ کے نام ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ جمع کروا دیا — باقی بیس ہزار روپے عائشہ کی والدہ کے ہاتھ میں رکھ کر کہا :

" ماں جی! اسے قبول فرمائیں اور بچوں کی تعلیم پر خرچ کریں "

عائشہ، اس کی بہنیں اور ماں عنبر کی بے حد شکر گزار تھیں۔ وہ اتنی زیادہ مدد پر حیران رہ گئی تھیں —

عنبر نے کہا :

" یہ روپے میرے اپنے تھے جو میں نے آپ کو دیے ہیں۔ آپ اس سے ایک چھوٹا سا مکان بھی خرید لیں اور بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائیں — تاکہ وہ دنیا میں اپنی جگہ پیدا کر سکیں۔ اور بڑھاپے میں آپ کا سہارا بنیں "

عنبر کو ان لوگوں کی مدد کر کے دلی خوشی ہوتی تھی — وہ ان سے اجازت لے کر واپس ہوٹل میں آ گیا — اب اس کے پاس سونے کی صرف ایک ہی ڈلی رہ گئی تھی اور اگر کسی کو ضرورت ہوتی تو وہ یہ ڈلی بھی اسے دے دیتا — کیونکہ عنبر کا دل انسان کی ہمدردی سے بھرا ہوا تھا اور وہ کسی انسان کو دکھ اور تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا —

اس کے ساتھ ہی ساتھ اب وہ بڑی بے تابی سے پرانے زمانے میں داخل ہونے کا انتظار کر رہا تھا — کیونکہ دلی شہر اور ۱۹۸۰ء کے زمانے میں اب اس کا کوئی کام نہیں تھا۔ وہ جتنی جلدی ہو سکے اپنے واپسی کے سفر پر روانہ ہونا چاہتا تھا۔ لوگوں نے عنبر کے اس ہوٹل کا بھی پتا لگا لیا اور نئے ملنے آنا شروع ہو گئے — اخباروں میں ابھی تک عنبر کے بارے میں مضمون چھپ رہے تھے۔

عنبر نے تنگ آ کر وہ ہوٹل بھی چھوڑ دیا — اور ایک ایسے

ہوٹل میں آ گیا جو معمولی سا تھا اور شہر سے باہر بستی تیس ہزاری کے قریب واقع تھا۔ اس کے اپنے پاس اب پیسے تھوڑے رہ گئے تھے اور وہ سوچنے لگا تھا کہ آخری سونے کی ڈلی میں سے تھوڑا سا سونا توڑ کر بیچ ڈالے، کیونکہ اسی طرح سے ہی وہ اپنے ہوٹل کے اخراجات پورے کر سکتا تھا۔

دن پر دن گزرتے جا رہے تھے اور ملکہ نفرتیتی کے احکام پورے نہیں ہو رہے تھے۔ وہ ہر روز صبح کو یہ خیال کر کے بستر سے اٹھتا کہ اب وہ غدر کے زمانے میں ہو گا اور دلی شہر پر آخری مغل بادشاہ کی حکومت ڈول رہی ہو گی۔ لیکن ہر روز اسے ناامیدی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ اب دیر کس بات کی تھی اور وہ پرانے زمانے میں کیوں داخل نہیں ہو رہا۔

ایک دن عنبر دلی شہر کے فتح پوری کے علاقے سے گزر رہا تھا کہ اس نے ایک جانب سے دھوئیں کے بادل اٹھتے دیکھے۔ ایک آگ بجھانے والی موٹر بڑی تیزی سے شور مچاتی اس کے قریب سے گزر گئی۔ کسی جگہ آگ لگی تھی۔ عنبر نے سوچا، چل کر دیکھنا چاہیے کہ کس جگہ آگ لگی ہے۔ ایک بازار کا موڑ گھوم کر عنبر نے دیکھا کہ سامنے ایک چار منزلہ عمارت کی نچلی دونوں منزلوں میں آگ بھڑک رہی تھی۔ شعلے بڑے اونچے اونچے اٹھ رہے تھے۔

چیخ و پکار مچی تھی۔ آگ بجھانے والے آگ بجھانے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے، مگر آگ ان کے قابو سے باہر ہو چکی تھی۔ شعلوں نے نچلی دونوں منزلوں کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اور اب اوپر والی منزلوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔

بدقسمتی سے چوتھی منزل میں ایک چھ سات سال کا لڑکا پھنس گیا تھا۔ اس کی ماں بازار میں کھڑی رو رو کر اپنے بچے کو آوازیں دے رہی تھی۔ لوگوں کو مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ مگر کوئی بھی اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ چوتھی منزل کو جانے والی سیڑھیوں میں آگ ہی آگ تھی۔ دائیں بائیں کوئی مکان بھی نہیں تھا کہ جس پر چڑھ کر بچے کو بچا لیا جاتا۔

فائر بریگیڈ والوں نے جال پھیلا رکھا تھا اور اوپر بچے کو بار بار کہہ رہے تھے کہ وہ نیچے جال میں چھلانگ لگا دے، مگر بچہ معصوم اور دہشت زدہ تھا۔ وہ روئے جا رہا تھا اور ماں کا کلیجہ پھٹا جاتا تھا۔

بچہ چوتھی منزل سے چھلانگ لگاتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ وہ گھبرایا ہوا چھت کی منڈیر پر روتا چلاتا اِدھر اُدھر بھاگ رہا تھا۔ کسی کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ آگ کے سمندر میں سے گزر کر اس بچے کی جان بچاتا۔ عنبر سے یہ دل تڑپا دینے والا منظر نہ دیکھا گیا۔ اس نے بچے کی جان بچانے کا فیصلہ کیا اور لوگوں کے

دیکھتے دیکھتے پہلی منزل کی سیڑھیوں میں آگ کے شعلوں کے درمیان جا گھسا۔ لوگوں کے دل دہل گئے۔۔ انہیں یقین تھا کہ یہ نوجوان پہلی منزل تک بھی نہیں پہنچ سکے گا اور آگ اسے پہلی دو تین سیڑھیوں میں ہی جلا کر بھسم کر دے گی، مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ نوجوان عام نوجوان نہیں ہے۔۔ وہ عنبر ہے، جسے موت نے کھلا چھوڑ دیا تھا اور وہ مر نہیں سکتا تھا۔ آگ اُس پر بے اثر تھی۔۔

عنبر بھڑکتی آگ کے شعلوں میں سے بڑے آرام سے گزرتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل پر آ گیا۔ اس منزل پر سوائے آگ کے شعلوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ تیسری منزل کی سیڑھیاں بھی آگ کے شعلوں کا غار بنی ہوئی تھیں۔۔ عنبر شعلوں کے غار میں سے گزرتا چوتھی منزل پر پہنچ گیا۔۔ نیچے کھڑے لوگ عنبر کی موت پر دکھ کا اظہار کر رہے تھے۔ ایک نے کہا:

"بے چارہ انسانی ہمدردی کی خاطر آگ میں کود گیا۔۔ خدا اس کی روح کو بخش دے۔ وہ تو دوسری سیڑھی پر جل کر راکھ ہو گیا ہوگا۔"

بچہ چوتھی منزل کی منڈیر پر اسی طرح رو رہا تھا۔ ماں کے بین سنے نہ جاتے تھے۔ کلیجہ پھٹ رہا تھا۔ مگر سب مجبور تھے کوئی بھی دکھیاری ماں کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ فائر بریگیڈ والے

سر توڑ کوشش کر رہے تھے کہ بچہ چوتھی منزل سے جال میں چھلانگ لگا دے۔ مگر بچہ تو بس روئے جا رہا تھا۔ آگ اب چوتھی منزل پر پہنچ رہی تھی اور شعلوں نے چوتھی منزل کی کھڑکیوں کے پیچھے جلانے شروع کر دیے تھے۔

اچانک لوگوں کے سانس اوپر کے اوپر رہ گئے۔۔ ان کی آنکھیں دہشت سے کھل گئیں، کیونکہ وہ ایک ایسا منظر دیکھ رہے تھے جس پر کسی کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے آگ میں کود جانے والے نوجوان کو دیکھا کہ چوتھی منزل کی منڈیر کے ساتھ کھڑا ہے اور اس نے بچے کو گود میں اٹھایا ہوا ہے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ آگ کے شعلوں سے کیسے زندہ بچ گیا۔۔ یہ اللہ کی رحمت ہے۔"

اوپر سے عنبر نے فائر بریگیڈ والوں کو آواز دی کہ وہ جال کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں۔۔

"میں بچے کو نیچے پھینک رہا ہوں۔"

فائر بریگیڈ والوں نے جال کو پوری طرح قابو میں کر لیا اور لڑکے کو پھینکنے کا اشارہ کیا۔۔ عنبر نے اللہ کا نام لے کر لڑکے کو نیچے پھینک دیا۔۔ ماں تڑپ کر روتی پیٹتی جال کے پاس گئی۔ بچہ صحیح و سالم تھا۔ ماں نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو چھاتی سے لگا لیا اور دور اپنے رشتہ داروں کے پاس چلی گئی۔ فائر بریگیڈ والوں نے

اب عنبر کو آواز دی کہ وہ بھی نیچے جال میں چھلانگ لگا دے۔ کیونکہ
آگ نے ساری عمارت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور وہ واپس
نہ آسکے گا۔

عنبر نے ادھر سے چلا کر کہا:

"آپ لوگ آگ بجھانے کی کوشش کریں — میں جدھر
سے آیا ہوں ادھر سے ہی واپس جاؤں گا۔"

لوگ اور فائر بریگیڈ والے بھی حیران تھے کہ یہ انسان ہے یا
کوئی بھوت ہے۔ عنبر اب اڑ کر نیچے نہیں اترنا چاہتا تھا — وہ
آگ کے شعلوں سے گزر کر اپنی اس طاقت کو بھی آزمانا چاہتا
تھا۔ اپنا خطرناک واپسی کا سفر شروع کرنے سے پہلے وہ اپنی ساری
خفیہ طاقتوں کا امتحان لے لینا چاہتا تھا — عنبر نے دیکھا کہ آگ چوتھی
منزل کی سیڑھیوں میں بھی بھڑک رہی ہے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ
آگ کا ایک غار نیچے اتر رہا ہے، ایک سرنگ نیچے جا رہی ہے
جس میں بڑے بڑے شعلے تنور کی آگ کی طرح دہک رہے تھے۔
گول گول چکر لگا کر سیڑھیوں کی دیواروں کو چاٹ رہے تھے — عنبر
کو ذرا بھی خوف نہیں تھا، کیونکہ اسے پتا تھا کہ یہ آگ اس
کا ایک بال تک نہیں جلا سکتی —

اس نے اللہ کا نام لیا اور آگ کے شعلوں میں داخل ہو کر
سیڑھیاں اترنا شروع کر دیں — اس کے اردگرد شعلے ہی شعلے

تھے۔ کانوں میں آگ کے شعلے شائیں شائیں کر رہے تھے۔ سیڑھیاں
دہک رہی تھیں — سرخ روشنی سے آنکھیں چندھیا رہی تھیں — عنبر
کو ذرا سی بھی گرمی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بڑے آرام سے
سیڑھیاں اتر رہا تھا — سیڑھیاں سیمنٹ اور لوہے سے بنی تھیں —
اور سرخ ہو رہی تھیں۔ آخر وہ آگ کے اس جہنم سے باہر
نکل آیا —

پہلے تو لوگ اسے زندہ سلامت آگ کے شعلوں میں سے
نکلتا دیکھ کر ڈر کر پرے پرے ہٹ گئے — پھر انہوں نے
جوش میں آکر اللہ اکبر کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔
فائر بریگیڈ والوں نے قریب آکر عنبر کے کپڑوں کو ہاتھ لگا کر
دیکھا۔ وہ بالکل ٹھنڈے تھے۔ کہیں آگ کے جلنے کا ہلکا سا
نشان بھی نہیں تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم کون ہو؟ تم انسان نہیں لگتے۔ اس
آگ کے جہنم میں تو لوہا پگھل کر بھاپ بن جاتا ہے اور تمہارا
ایک بال تک نہیں جلا۔"

عنبر نے ان کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ صرف اتنا پوچھا
کہ بچہ محفوظ ہے کیا؟ بچے کی ماں نے عنبر کو سینے سے لگا لیا۔

"خدا تمہیں ہمیشہ سلامت رکھے بیٹا، تم نے میرے جگر کے
ٹکڑے کو بچا لیا —"

عنبر ہنس دیا — ہمیشہ سلامت رہنے کی دعا اسے عجیب سی
لگی — کیونکہ پانچ ہزار سال سے تو پہلے ہی زندہ تھا اور ابھی
اُسے اور پانچ ہزار سال زندہ رہنا تھا — پتا نہیں اللہ کو کیا
منظور تھا — اس نے عورت کی گود سے بچے کو لے کر پیار کیا —
لوگ عنبر کے ارد گرد جمع ہو گئے تھے — کسی نے زور سے
کہا:

"یہ ہوا میں اڑنے والا نوجوان ہے"

بس پھر کیا تھا۔ وہاں نعرے لگنا شروع ہو گئے — پولیس
آگئی — پولیس کو امن و امان قائم رکھنے کے لیے ہلکا سا لاٹھی چارج
بھی کرنا پڑا — لوگ آگ کو بھول کر عنبر کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ عنبر
نے ایک پولیس انسپکٹر سے مدد کی درخواست کرتے ہوئے کہا کہ بڑی
مہربانی اسے وہاں سے نکال لیا جائے — انسپکٹر نے اُسے اپنی حفاظت
میں لوگوں کے ہجوم میں سے نکال کر جیپ میں بٹھایا — اور اس
علاقے سے لے کر فتح پوری کے تھانے میں آگیا۔ عنبر نے انسپکٹر
کا شکریہ ادا کیا اور پوچھا کہ اس کے خلاف اگر کوئی مقدمہ درج
نہ ہو تو کیا وہ جا سکتا ہے؟

انسپکٹر نے سر کھجاتے ہوئے کہا:

"مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے مسٹر، کہ آپ کے کمرے
سے سمگل شدہ سونے کی ایک ڈلی برآمد ہوئی ہے۔ ہم آپ کی

تلاش میں ہی تھے"

عنبر پولیس انسپکٹر کا منہ دیکھتا رہ گیا — یہ ایک سکھ تھا اور
جب اُسے معلوم ہوا کہ عنبر مسلمان ہے تو غضب ناک سا ہو کر بولا:

"مسٹر عنبر، تمہیں سونا سمگل کرنے کے جرم میں گرفتار کیا جاتا
ہے"

اور اس کے حکم سے اسی وقت عنبر کو حوالات میں بند کر
دیا گیا — عنبر ویسے تو ایک لمحے کے لیے بھی پریشان نہیں تھا —
کیونکہ سکھ انسپکٹر اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا — پریشانی
صرف اس بات کی تھی کہ جو کیسٹ پلیئر اور پستول وغیرہ عنبر اپنے
ساتھ تاریخ کے پرانے زمانے میں لے جانا چاہتا تھا، وہ اس کے
ہوٹل کے کمرے میں ہی پڑے رہ گئے تھے — اگر اس وقت
اچانک دنیا بدل جائے اور عنبر پرانے زمانے میں داخل ہو جائے تو
اُسے پستول، کیسٹ پلیئر اور لائٹر ایسی چیزوں کے بغیر ہی سفر شروع
کرنا ہوگا — جو وہ نہیں چاہتا تھا۔ عنبر نے سکھ انسپکٹر سے پوچھا کہ
ہوٹل میں اس کا جو تھوڑا بہت سامان تھا، وہ کہاں ہے؟

سکھ انسپکٹر نے نفرت سے کہا:

"اُسے ہم نے اپنے قبضے میں کر [illegible]"

"مگر وہ تو میرا اپنا خریدا ہوا تھا"

"سمگل شدہ سونا بھی تو تم نے ہی خریدا تھا"

"میں نے سونا سمگل نہیں کیا۔"

"شٹ اپ — اس کا فیصلہ عدالت کرے گی — سونا مصر سے سمگل کیا گیا ہے — یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ اب تمہیں پانچ سال قید ہو گی۔"

عنبر نے غصے میں آکر سکھ کو جواب دیا:

"مجھے تمہارا باپ بھی قید نہیں کر سکتا۔"

سکھ انسپکٹر سخت غضب ناک ہو کر اٹھا اور اس نے زور سے اپنا بید عنبر کی گردن پر مارا — عنبر کی گردن کو تو پتا بھی نہ چلا، مگر سکھ کا بید ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا — ایسا آج تک نہیں ہوا تھا کہ بید ٹوٹ جائے۔ بید لچک سکتا ہے مگر ٹوٹتا کبھی نہیں —

سکھ انسپکٹر نے عنبر پر ایک نفرت بھری نظر ڈالی اور اس کی گردن پر زور سے مکا رسید کیا۔ سکھ انسپکٹر کو یوں محسوس ہوا کہ اس نے کسی سخت چٹان پر مکا مار دیا ہے۔ سکھ انسپکٹر بڑا پریشان ہوا مگر اس کی موٹی عقل کچھ سمجھ نہ سکی اور وہ بڑبڑاتا ہوا حوالات سے باہر نکل گیا — اس نے حکم دیا کہ ملزم کا پہرہ سخت کر دیا جائے — اسی وقت حوالات کے باہر دو سکھ سپاہی رائفلیں لے کر کھڑے ہو گئے۔

عنبر ہنس دیا — بھلا یہ لوگ اس کا کیا بگاڑ سکتے تھے لیکن

اس کی قیمتی چیزیں اسے ضرور واپس ملنی چاہیے تھیں۔ اگر یہ لوگ اس کی چیزیں تھانے میں لے آئے ہیں تو وہ وہاں سے کس طرح نکالے؟ سونے کی ڈلی بھی عنبر کو چاہیے تھی۔ کیونکہ وہ خالی ہاتھ واپسی کا سفر شروع نہیں کر سکتا تھا۔

ساری رات عنبر نے حوالات میں گزار دی — دوسرے روز اسے عدالت میں لے جایا گیا۔ جہاں جج نے اسے ایک سال کی قید بامشقت سنا دی۔ عنبر نے اپنی چیزوں کے بارے میں پوچھا تو جج نے کہا:

"تمہاری چیزیں تمہیں واپس مل جائیں گی۔"

پھر عدالت نے پولیس کو حکم دیا کہ مجرم کی اشیا اس کے حوالے کی جائیں۔ عنبر کا پاسپورٹ ضبط کر لیا گیا۔ اس سزا کے خلاف مصر کے سفارت خانے نے اپیل دائر کر دی۔ اپیل کا فیصلہ عنبر کے حق میں ہو گیا اور اسے بری کر دیا گیا، لیکن اس کی سونے کی ڈلی عنبر کو واپس نہ کی گئی۔ اس کے ساتھ ہی سکھ انسپکٹر نے عنبر کا کیسٹ پلیئر، کیسٹ کے ٹیپ اور کیلکولیٹر تو واپس کر دیا مگر پستول اور گولیاں واپس نہ کیں — دوسری طرف مصر کے سفیر نے عنبر کو اپنے سفارت خانے میں بلا کر حکم دیا کہ وہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر دلی سے نکل جائے اور واپس قاہرہ چلا جائے — عنبر بھلا کیسے قاہرہ واپس چلا

جاتا۔ ملکہ مصر نے تو اسے دلی آنے کا حکم دیا تھا اور صرف اسی
شہر سے عنبر کا واپسی کا سفر شروع ہونے والا تھا۔ اگر وہ
قاہرہ چلا جاتے تو پھر ساری زندگی واپس اپنے وطن اور پانچ
ہزار سال پیچھے اپنے اصل گھر نہیں پہنچ سکتا۔

عنبر نے تین فیصلے اسی وقت اپنے دل میں کر لیے۔

پہلا فیصلہ یہ تھا کہ وہ واپس نہیں جائے گا اور دلی
میں ہی روپوش ہو جائے گا۔

دوسرا یہ کہ اس سکھ انسپکٹر سے جاکر اپنا پستول اور
گولیاں واپس لے گا۔

تیسرا فیصلہ یہ تھا کہ وہ اپنی سونے کی ڈلی حاصل کرے
گا جو سرکاری دفتر میں جمع کرادی گئی تھی۔ اس نے مصری سفیر
سے کہا:

"میں واپس نہیں جا سکتا۔ میرا دلی میں رہنا بہت ضروری
ہے۔"

مصری سفیر نے قدرے سخت لہجے میں کہا:

"کبھی تم ہوا میں اڑتے ہو، کبھی آگ میں گزر جاتے ہو۔
تم نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے۔ مجھے تم کوئی جادوگر لگتے
ہو۔ اب سونا سمگل کر کے تم نے ہمارے ملک کو بدنام کر دیا
ہے۔ تمہیں ہر حالت میں یہاں سے نکل جانا ہو گا۔"

عنبر نے کہا کہ وہ دلی سے واپس نہیں جائے گا۔

اس پر مصری سفیر نے عنبر کا پاسپورٹ دکھا کر کہا کہ
اس کا پاسپورٹ سفارت خانے کے پاس ہے اور وہ کسی
دوسری جگہ نہیں جا سکتا۔ عنبر کو سفارت خانے میں نگرانی
میں رکھ لیا گیا اور اگلے روز کی فلائٹ میں قاہرہ کے لیے
اس کی سیٹ بک کرادی۔ عنبر کو ایک کمرے میں بند کر
دیا گیا۔

عنبر نے یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ اب اسے وہاں سے فرار
ہو جانا چاہیے کیونکہ یہ ناسمجھ سفیر اپنی ضد پر قائم ہے اور
اسے سخت نقصان پہنچانے کا ارادہ کیے ہوئے ہے۔ عنبر
نے کمرے کا جائزہ لیا۔

وہاں صرف ایک روشندان تھا۔ اس میں سے عنبر باہر
نہیں نکل سکتا تھا۔ اس کا کیسٹ پلیئر اور ریکارڈر اور لائیٹر
اور کیلکولیٹر اسے دے دیا گیا تھا۔ اب اسے صرف پستول اور
سونا باہر نکل کر دوبارہ حاصل کرنا تھا۔ عنبر رات کا انتظار کرنے
لگا۔ اس نے رات کا کھانا کھایا تو سفیر اندر آگیا۔

سفیر نے عنبر سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور قاہرہ میں کیا
کرتا تھا؟

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"اگر آپ سچ پوچھتے ہیں تو میں آج سے پانچ ہزار سال پہلے دریائے نیل کے کنارے ایک مصری سرجن کے گھر پیدا ہوا اور میری پرورش فرعون کے محل میں ہوئی۔"

سفیر نے اپنا سر پکڑ لیا۔ کس پاگل سے پالا پڑ گیا ہے۔ اس نے دل میں سوچا، وہ اٹھا اور سر ہلاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس نے اپنے عملے کو حکم دیا کہ جس طرح بھی ہو سکے، اس پاگل نوجوان کو جہاز میں سوار کر وا کر واپس قاہرہ روانہ کر دیا جائے۔

ہوائی جہاز دوسرے روز صبح صبح جاتا تھا۔ عنبر سفارت خانے کے کمرے میں بیٹھا غور کر رہا تھا کہ وہ کس ترکیب سے باہر نکلے۔ وہ طاقت استعمال کر کے وہاں سے بڑی آسانی سے فرار ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ ایسا کر کے مصری حکومت کو بدنام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس طریقے سے فرار ہونا چاہتا تھا کہ بات صرف سفارت خانے کے اندر ہی رہے اور دبا دی جائے۔ اس نے ایک بار پھر روشندان کی طرف دیکھا۔ روشن دان کی اگر سلاخ توڑ دی جائے تو وہ اس میں سے باہر نکل سکتا تھا۔

عنبر پلنگ پر سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی ساری چیزیں اپنے ساتھ لیں اور تعویذ پر ہاتھ رکھ کر ملکہ نفرتی کو یاد کیا، وہ کمرے کے فرش سے اوپر اُٹھنے لگا۔ اوپر اُٹھتے

اُٹھتے وہ روشندان کے پاس پہنچ گیا۔ قریب جا کر اس نے ہاتھ کے ایک ہی جھٹکے سے روشن دان کی سلاخ اکھیڑ ڈالی۔ اب روشندان میں سے وہ جھک کر نکل سکتا تھا۔ چنانچہ وہ بڑے آرام سے دوہرا ہوا اور روشندان میں سے نکل کر باہر چھت پر آ گیا۔ جس کمرے میں وہ زیرِ حراست تھا، وہ سفارت خانے کی آخری یعنی چوتھی منزل پر تھا۔ یہ اسے چھت پر آنے کے بعد معلوم ہوا۔ اس نے دیکھا کہ دلی کے آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ نیچے سڑک پر روشنیاں تھیں اور کاریں آ جا رہی تھیں۔ بلڈنگ کافی اونچی تھی۔

لیکن عنبر کے لیے اونچائی کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ عنبر نے تعویذ پر ہاتھ رکھ کر ملکہ نفرتی کو یاد کیا اور چھت کی منڈیر پر کھڑے ہو کر نیچے چھلانگ لگا دی۔ وہ بڑے آرام کے ساتھ نیچے آنا شروع ہو گیا، جیسے کوئی چڑیا کا پر نیچے آتا ہے۔ عنبر عمارت کی پچھلی طرف ایک تنگ بازار میں اتر رہا تھا کہ اچانک ایک گارڈ کی نظر پڑ گئی۔ پہلے تو گارڈ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ پھر جب عنبر بازار کی سڑک پر اتر آیا تو اس نے شور مچا دیا۔ سفارت خانے کا سارا عملہ باہر آ گیا مگر عنبر اس دوران میں بڑی سڑک پر آ کر ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا۔ ٹیکسی عنبر کو لے کر دلی کے باہر تیس ہزاری کے علاقے

میں آ گئی۔

عنبر یہاں عارضی طور پر عائشہ بہن کے گھر پناہ لینا چاہتا
تھا۔ کوارٹر سے کچھ دور ہی عنبر نے ٹیکسی چھوڑ دی اور عائشہ
کے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ اتنی رات گئے عنبر بھائی
کو گھر کے باہر دیکھ کر عائشہ اور اس کی امی بڑی حیران ہوئیں۔
عنبر نے بتایا کہ وہ ہوٹل سے آ گیا ہے اور اسے کچھ روز وہاں
ٹھہرنا ہو گا۔

عائشہ کی ماں نے کہا:

"بیٹا عنبر، یہ تمہارا اپنا گھر ہے، چاہے ساری عمر یہاں رہو۔
ہمیں تو بے حد خوشی ہو گی۔"

کوارٹر کی چھت پر بھی ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جو سڑک پر
سے نظر نہیں آتا تھا۔ عنبر نے اس کمرے میں بستر لگا لیا اور اپنا
کیسٹ پلیئر وغیرہ اسی جگہ رکھ لیے اور سو گیا۔

دوسرے روز اس نے سب کے ساتھ مل کر ناشتا کیا
اور کہا کہ وہ ایک ضروری کام سے جا رہا ہے اور کوارٹر سے نکل
کر فتح پوری کی طرف آ گیا۔ اس نے ایک دکان میں جا کر دوسرا
لباس خریدا۔ اور وہیں تبدیل کر لیا۔ اب وہ سوٹ میں نہیں
بلکہ شلوار قمیص میں تھا اور سر پر اس نے جناح کیپ رکھی ہوئی
تھی۔ وہ پہچانا نہیں جاتا تھا۔

فتح پوری کے تھانے میں جا کر اس نے پنجابی زبان میں
سکھ انسپکٹر کا پوچھا۔ چپراسی نے بتایا کہ وہ دس بجے گھر سے
آئے گا۔ عنبر نے اس کے گھر کا پتا لیا اور چل پڑا۔

سکھ انسپکٹر موتی نگر میں رہتا تھا۔ یہ دلی کی ایک نئی
بستی تھی جو پاکستان بننے کے بعد بنی تھی۔ یہاں سکھ انسپکٹر کا
گھر تھا۔ جس کے دروازے پر سکھ انسپکٹر کے نام کی تختی گورمکھی
زبان میں لکھی ہوئی تھی۔

عنبر نے دروازے دستک دی۔

نوکر نے باہر آ کر پوچھا کہ کس سے ملنا ہے۔

عنبر نے انسپکٹر کا نام لیا تو نوکر نے اندر بلا لیا۔ عنبر کو
ایک چھوٹے سے گندے مندے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ تھوڑی دیر
بعد سکھ انسپکٹر وردی پہنتے ہوئے آیا۔ اور عنبر کو دیکھ کر
غصے میں بولا:

"تمہیں کس نے اندر آنے دیا؟"

عنبر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا:

"میں اپنا پستول اور گولیاں لینے آیا ہوں۔ یہ میری امانت
ہے اور میں لیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"

سکھ انسپکٹر نے آگے بڑھ کر پوری طاقت سے عنبر کی گردن
پر گھونسہ مارا۔ اس کا خیال تھا کہ عنبر کی گردن ٹوٹ جائے گی

مگر اُلٹا سکھ انسپکٹر ہاتھ پکڑ کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اور درد سے دہرا ہوگیا — کیونکہ اُس کے ہاتھ پر بہت زیادہ چوٹ آئی تھی: گویا اُس نے کسی پتھر کی سخت چٹان کے ساتھ اپنا ہاتھ ٹکرا دیا تھا۔ عنبر سکھ کے سر کے اوپر جا کر کھڑا ہوگیا — اس نے سکھ کی گردن کو اپنے سخت ہاتھوں کی گرفت میں لے کر پنجابی زبان میں کہا:

"میں تیری گردن بھن دیواں گا اوئے — چھیتی کڈ میری امانت"

سکھ کو ایسا محسوس ہوا کہ اُس کی گردن کسی لوہے کی مشین کے اندر پھنس گئی ہے — اس نے ہاتھ ہلا کر کہا:

"ابھی لاتا ہوں، میری گردن چھوڑ دو"

عنبر نے گردن چھوڑ دی — سکھ سہما سہما سا اندر گیا اور پستول اور گولیوں کا بکس لا کر عنبر کے حوالے کر دیا۔ عنبر نے پوچھا کہ اس کا سونا کونسے دفتر میں ہے؟

سکھ انسپکٹر نے بتایا کہ سونے کی ڈلی محکمہ ایجائز کے دفتر میں ہے۔ جو نئی دلی کے پہلے چوک میں بائیں جانب والی عمارت میں ہے —

عنبر نے پستول قمیص کے اندر لگایا۔ گولیاں تھیلے میں رکھیں۔ اور سکھ کے کوارٹر سے باہر آگیا۔ وہ سیدھا ٹیکسی میں بیٹھ کر عائشہ کے گھر آگیا۔ اپنے کمرے میں اس نے ان چیزوں کو رکھا اور

اب سونے کی تلاش میں روانہ ہوگیا۔

نئی دلی کے پہلے چوک میں بائیں جانب ایک سات آٹھ منزلہ بڑی شاندار عمارت تھی، جس میں ایجائز والوں کا دفتر تھا۔ یہاں پہنچ کر عنبر کو پتا چلا کہ محکمے نے سمگلروں سے جو سامان سونے اور جواہرات کی شکل میں حاصل کیا تھا، وہ تو صبح نو بجے والی گاڑی سے بمبئی کی طرف بڑے دفتروں کو روانہ کر دیا گیا ہے۔

عنبر نے سر پکڑ لیا — اصل میں وہ دلی کے جس بنک سے چاہتا سونا لوٹ مار کر سکتا تھا اور اسے نہ تو کوئی مار سکتا تھا نہ پکڑ سکتا تھا — وہ بڑے آرام سے اُڑ کر دلی سے دو سو میل کے فاصلے پر اُتر سکتا تھا۔ لیکن عنبر غیر قانونی اور ناجائز کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے قانون کی طرف سے دی گئی سزا قبول کر لی تھی، اگرچہ وہ سزا بھی ناجائز تھی۔ عنبر صرف اپنی امانت واپس لینا چاہتا تھا۔ مگر یہاں معاملہ الٹ ہوگیا تھا۔ اس کی امانت یعنی سونے کی ڈلی سرکاری خزانے کے ساتھ بمبئی ایکسپریس میں دلی سے بمبئی جا رہی تھی۔

اس وقت گیارہ بجے تھے، اور ٹرین دلی سے سو ڈیڑھ سو میل آگے نکل چکی تھی — اب کیا کیا جائے؟ عنبر یہی سوچتا ہوا عمارت سے باہر آگیا — سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ ٹرین کا پیچھا کرے — اور جس ڈبے میں اس کی امانت ہے وہاں سے

اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ عنبر سیدھا عائشہ کے گھر آ گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ جس وقت چاہے بمبئی ایکسپریس کو راستے میں پکڑ سکتا ہے۔ یہ کام وہ سورج غروب ہونے کے بعد کرنا چاہتا تھا۔

اس نے عائشہ کے گھر والوں کو اپنے پروگرام کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ جب شام ہوئی تو عنبر نے چمڑے کی جیکٹ اور جینز اور پاؤں میں فل بوٹ پہنے۔ پستول وغیرہ گھر پر ہی رہنے دیا۔ اپنے پاس ایک چاقو تک نہ رکھا اور بمبئی ایکسپریس کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ تیس ہزاری سے وہ نئی دلی کے ریلوے سٹیشن پر آ گیا۔ وہ بمبئی کو جاتی ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چل کر بمبئی ایکسپریس کو پکڑنا چاہتا تھا۔ اور کوئی طریقہ بھی نہیں تھا۔ اور عنبر اس کے علاوہ کسی راستے سے واقف بھی نہیں تھا۔ نئی دلی ریلوے اسٹیشن جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔ اگرچہ ابھی رات نہیں ہوئی تھی اور آسمان پر سورج کی روشنی باقی تھی۔

عنبر نے پلیٹ فارم کے ایک سٹال پر ریلوے ٹائم ٹیبل سے اندازہ لگایا کہ ٹرین کو گئے آٹھ گھنٹے ہو چکے تھے اور وہ اس وقت جھانسی کے آس پاس کہیں ہو گی۔ عنبر نے ایک چھوٹے سائز کا ٹائم ٹیبل خرید کر اپنی پاکٹ میں رکھ لیا۔ انکوائری آفس سے کچھ ضروری معلومات حاصل کیں اور اس ریلوے لائن کے بارے میں معلوم کیا جو ٹرین کو لے کر بمبئی کی طرف روانہ ہوئی تھی۔

عنبر ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف چلنے لگا۔ وہ شہر سے کافی دور جا کر ہوا میں اڑنا چاہتا تھا۔ پھر وہ رک گیا۔ کیونکہ نئی دلی کا شہر بہت دور تک آباد تھا۔ وہ واپس ریلوے سٹیشن پر آ گیا اور آگرہ کو جانے والی ایک ٹرین میں سوار ہو کر آگے کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضرت نظام الدین کے سٹیشن پر گاڑی رکی تو عنبر وہاں اتر گیا۔

سب سے پہلے وہ حضرت نظام الدین اولیا کے مزار پر حاضر ہوا۔ نذر چڑھائی۔ فاتحہ پڑھ کر اپنے اور ہندوستان کے سارے مسلمانوں کی خوش حالی کے لیے دعا مانگی اور واپس ریلوے لائن پر آ گیا۔ اب رات ہو گئی تھی۔ آسمان ستاروں سے بھر گیا تھا۔ عنبر ریلوے لائن کے ساتھ کھڑا تھا۔ ریلوے لائن دور تک جا رہی تھی اور پھر رات کے اندھیرے میں گم ہو گئی تھی۔ دور ایک ریلوے سگنل کی سرخ بتیاں اندھیرے میں روشن تھیں۔ عنبر نے تعویذ پر ہاتھ رکھا۔ اسے کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ خدا کا نام لیا اور زمین سے اوپر اٹھ کر بمبئی ایکسپریس کے تعاقب میں ریلوے لائن کے اوپر اڑنا شروع کر دیا۔

ناگ، ماریا اور عنبر کے پانچ ہزار سال....
جہاز ڈوب گیا
اے حمید
PDFBOOKSFREE.PK
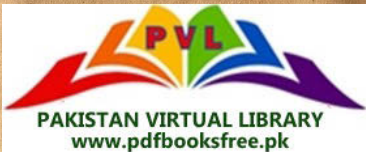
ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

جہاز ڈوب گیا

اے حمید

قیمت : ۵/- روپے

بارِ اوّل

ناشر: نیا مکتبہ اقراء ۱۲ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور
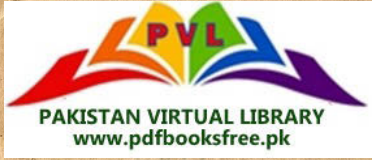
پیارے بچو!

عنبر نے اپنی واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے۔ وہ سائنس کے زمانے سے نکل کر سو سال پیچھے چلا جاتا ہے، جب کہ دلّی شہر میں غدر پڑا ہوا ہے اور قتلِ عام ہو رہا ہے ــــ عنبر اپنے ساتھ ایک ٹیپ ریکارڈر، سگریٹ لائیٹر اور ریوالور بھی لے گیا ہے ــــ اسے انگریزوں کا جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا جاتا ہے اور لال قلعے کے تہ خانے میں ڈال دیتے ہیں، مگر عنبر کے پاس زبردست طاقت ہے ــــ وہ اپنی طاقت سے باہر نکل آتا ہے اور بادشاہ سے ملاقات کر کے بتاتا ہے کہ اُسے جلا وطن کر دیا جائے گا اور اس کے بچوں کے سر کاٹ کر خونی دروازے میں لٹکا دیے جائیں گے۔ کوئی بھی اس کی بات پر یقین نہیں کرتا لیکن عنبر کی بات پوری ہو کر رہتی ہے ــــ یہاں سے عنبر آدھی رات کو ایک باغ میں آ جاتا ہے، جہاں ایک پُراسرار سایا باغ کے درختوں میں جاتا دکھائی دیتا ہے۔ عنبر اُس کا پیچھا کرتا ہے ــــ یہ سایا آگے جا کر کیا کرتا ہے؟

اب یہ آپ خود پڑھیے گا۔

اے حمید

ترتیب

خزانے کی تلاش

رات بڑی اندھیری تھی—

آسمان پر ستارے تھے اور یا دُور ریلوے کے سگنل کی سرخ بتی نظر آ رہی تھی—عنبر کو نیچے ریلوے لائن دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے ریلوے سگنل کی سرخ بتی کو اپنا نشان بنا لیا تھا اور اُسی کی سیدھ میں آگے بڑھ رہا تھا—کچھ دور تک وہ ریلوے لائن سے کوئی پندرہ بیس فٹ اُونچا ہو کر اُڑتا رہا— اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی— اس نے سوچا کہ اگر اُس کی رفتار گاڑی کی رفتار سے زیادہ نہ ہوئی تو وہ اسے راستے میں کبھی بھی نہ پکڑ سکے گا۔ اس کی رفتار کم از کم اسّی میل فی گھنٹے ہونی چاہیے— اور اسے مسلسل اُڑتے رہنا ہوگا — تب کہیں جا کر وہ بمبئی ایکسپریس کو جھانسی اور بھوپال کے درمیان پکڑ سکے گا۔

عنبر نے تعویذ پر ہاتھ رکھ کر ملکہ نفریتی کو یاد کیا اور اس کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی—

اب وہ زمین سے کوئی پچاس ساٹھ فٹ اونچا ہو گیا اور

اس کی رفتار بھی کافی تیز ہوگئی تھی — اس کی جیکٹ ہوا سے پھول
گئی تھی اور اس کے بال تیز ہوا میں اُڑنے لگے تھے۔ ریلوے
سگنل تیزی کے ساتھ عنبر کے نیچے سے گزر گیا — اب اُسے
دُور دوسرا ریلوے سگنل دکھائی دینے لگا — پھر وہ بھی گزر گیا۔
اس طرح سے ریلوے سگنل آتے رہے اور گزرتے رہے۔ کوئی
آدھ گھنٹے بعد نیچے سے ایک چھوٹا سا سٹیشن گزر گیا۔ جس کے
پلیٹ فارم پر روشنی ہو رہی تھی اور دلّی کو جانے والی گاڑی کھڑی
تھی — یہ فرید آباد کا ریلوے سٹیشن تھا — اس کے بعد دُور سے
متھرا شہر کی بتیاں جھلملانے لگیں —

عنبر اس شہر کے اُوپر سے ہو کر گزر گیا۔ اور آگے جا کر پھر
ریلوے لائن پر آ گیا — عنبر اسی طرح سے آسمان پر کوئی ڈیڑھ
سو میل آگے نکل گیا — اب اُسے دُور ایک بڑے شہر کی روشنیاں
نظر آئیں — وہ ان سارے راستوں سے واقف تھا — یہ آگرہ شہر
تھا جہاں تاج محل تھا، مگر رات کے اندھیرے میں تاج محل نظر
نہیں آتا تھا — آگرہ شہر کے پاس جا کر وہ ہوا میں کافی بلند ہو گیا
وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اسے دیکھے —

وہ اس تاریخی شہر کے ریلوے سٹیشن کے اوپر سے گزر گیا — اور
اب اس کی منزل دولت پور اور اس کے بعد گوالیار کا شہر تھا —
رات کے اندھیرے میں ہوا میں اڑتے ہوئے جب اس نے کوئی دو

سو میل کا سفر طے کر لیا تو وہ گوالیار پہنچ گیا۔ یہ بھی ایک تاریخی
شہر تھا — اور مسلمانوں کی بے شمار یادگاریں اور عظیم الشان مسجدیں
یہاں پر تھیں — شہر میں جگہ جگہ روشنیاں ہو رہی تھیں —

رات اب کافی گزر چکی تھی — اس نے اُڑتے اُڑتے
گھڑی دیکھی — اس کی روشن سوئیوں نے بتایا کہ رات کے تین
بج رہے ہیں — اب وہ جھانسی کی طرف اُڑتا جا رہا تھا —
بمبئی ایکسپریس اُسے کہیں بھی نہیں ملی تھی — بمبئی کی طرف سے
آتی ہوئی اسے کئی ایک گاڑیاں ملیں — صبح ہو رہی تھی جب
وہ بھوپال کے آس پاس پہنچ گیا — یہاں اس نے دُور ایک
ریل گاڑی کی پیچھے والی لال بتی دیکھی —

یقیناً یہی بمبئی ایکسپریس تھی — عنبر اسی رفتار سے ٹرین
کی طرف اُڑتا چلا گیا — بمبئی ایکسپریس بھی شور مچاتی ہوئی بھوپال
شہر کے ریلوے اسٹیشن کی طرف بھاگی جا رہی تھی — دُور بھوپال
ریلوے سٹیشن اور شہر کے کارخانوں کی روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔
عنبر نے اپنی رفتار کم کر دی — وہ زمین کی طرف کچھ نیچے آ گیا۔
بمبئی ایکسپریس بھوپال کے خوب صورت ریلوے سٹیشن میں داخل ہو کر
آہستہ آہستہ رکتی پلیٹ فارم پر ٹھہر گئی —

عنبر نے ایسا کیا کہ ریلوے لائن سے ہٹ کر سٹیشن کے
عقب میں آ کر اپنی رفتار بہت کم کر دی اور ہوتے ہوتے زمین پر

اُترنا شروع کر دیا — وہ ایک ویران اور خاموش سڑک پر آ کر
اُتر گیا — سب سے پہلے تو اُس نے آس پاس اس خیال
سے دیکھا کہ کسی نے اسے اُترتے ہوئے تو نہیں دیکھا — وہاں کوئی
نہیں تھا۔ آسمان پر صبح کی ہلکی ہلکی گلابی روشنی پھیل رہی
تھی — اور بھوپال کی ایک شان دار مسجد کے مینار صبح کے نور
میں جھلک رہے تھے —

عنبر پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ریلوے سٹیشن کی طرف
آ گیا۔ اس نے گیٹ پر ایک قلی سے بمبئی ایکسپریس کے بارے
میں پوچھا — اُس نے بتایا، بمبئی ایکسپریس ابھی ابھی آ کر رُکی
ہے —

عنبر نے بمبئی کا ٹکٹ لیا اور پلیٹ فارم پر آ گیا — اُس
نے سب سے پہلے اس ٹرین کو دیکھا جس کی خاطر وہ ہوا میں
اسّی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اُڑتا آیا تھا — ٹرین کافی لمبی
تھی۔ اور مسافروں سے بھری ہوئی تھی — ایک لمبا سا ڈبّہ تھا جس
کے باہر لکھا تھا:

"محکمہ خزانے کا ڈبّہ"

یہی وہ ڈبّہ تھا جس کے اندر عنبر کی امانت یعنی سونے
کی ڈلی رکھی ہوئی تھی — عنبر اس کے ساتھ والے ڈبّے میں سوار
ہو گیا —

گارڈ نے سیٹی بجائی۔ انجن نے زور دار وسل دیا — اور چھک
چھک کے ساتھ بمبئی ایکسپریس بھوپال کے ریلوے سٹیشن سے
باہر نکلنے لگی —

سٹیشن کے یارڈ سے باہر نکل کر ٹرین کی رفتار تیز ہو گئی —
اور وہ اگلے بڑے شہر یعنی اگارسی کی طرف دوڑنے لگی۔ اس
ٹرین کی ہر بوگی میں پانچ چھ ڈبّے تھے۔ ڈبّوں کے آگے
ایک کاریڈار یا راہداری تھی — اور ہر بوگی ایک درمیانی راستے
سے ملی ہوئی تھی — خزانے کی بوگی کے دونوں دروازوں پر
پولیس کا سپاہی رائفل لیے کھڑا تھا۔ جس ڈبّے میں سونا اور
کرنسی نوٹ رکھے تھے اس کے دروازے پر بھی کاریڈار میں
ایک سپاہی کھڑا تھا — ساتھ والے ڈبّے میں پولیس کی پوری
مسلح گارد بیٹھی تھی —

گویا خزانے کی حفاظت کا بڑا زبردست انتظام تھا اور
عنبر کے لیے ہر قدم پر مشکل ہی مشکل تھی — عنبر چلتی ٹرین میں
دو ایک بار خزانے کے ڈبّے کے آگے سے گزرا — دروازے پر
پہرہ دینے والے سکھ سپاہی نے اُسے گھور کر بھی دیکھا کہ یہ
نوجوان بار بار آگے سے کیوں گزر رہا ہے۔

عنبر سوچنے لگا کہ اُسے کیا ترکیب اختیار کرنی چاہیے کہ
خزانے سے اپنی امانت واپس حاصل کر سکے۔ ٹرین بڑی تیزی

سے بھاگی جا رہی تھی — دن نکل آیا تھا — باہر کھیتوں اور پہاڑیوں
کی ڈھلوانوں پر دھوپ چمک رہی تھی — یہ علاقہ چھوٹے چھوٹے
اونچے ٹیلوں سے بھرا ہوا تھا — جن پر سبزہ تھا اور کہیں
کہیں چھالیہ کے درخت نظر آ رہے تھے — دوپہر کے بعد گاڑی
اگاسی پہنچ کر چار پانچ منٹ رُکی اور پھر چل پڑی —

عنبر خزانے کے ڈبے میں داخل ہونے کی کوئی ترکیب
نہ سوچ سکا — شام کے وقت ٹرین بھوساول پہنچ گئی۔ عنبر
ٹرین سے اُتر کر پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگا — ایک سپاہی اس کے
پاس آیا اور اُس سے پوچھنے لگا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا
رہا ہے!

عنبر نے اُسے اپنا پاسپورٹ دکھاتے ہوئے کہا کہ وہ مصری
باشندہ ہے اور بمبئی سیر کرنے جا رہا ہے — سپاہی چپ چاپ
پاسپورٹ عنبر کے حوالے کر کے ایک ڈبے میں سوار ہو گیا۔

آدھی رات کو ناسک روڈ کا شہر آیا اور گزر گیا — پھر
دیو لالی آ گیا — اس کے بعد گاڑی اگت پوری پہنچ کر رُک گئی۔
یہاں سے پہاڑی چڑھائی شروع ہوتی تھی — ٹرین کو بجلی کا انجن
لگا دیا گیا — بمبئی شہر یہاں سے کوئی تین سو میل دُور رہ گیا تھا۔
عنبر خزانے کے ڈبے میں داخل نہ ہو سکا تھا۔ اب اُس نے
یہی فیصلہ کیا تھا کہ بمبئی پہنچ کر ہی کچھ کرے گا — دوپہر کے وقت

بمبئی ایکسپریس بمبئی سنٹرل کے ریلوے سٹیشن میں داخل ہو گئی —

عنبر ٹرین سے اُتر کر خزانے کے ڈبے کے سامنے ایک
کھمبے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ ڈبے میں سے خزانے کے آہنی بکس
اتار کر ٹریلر پر لادے گئے — اور قلی گارڈ کی حفاظت میں اُسے
لے کر باہر چلے — عنبر بھی ذرا فاصلہ رکھ کر ساتھ ساتھ چلنے لگا۔
باہر محکمے کی ویگن کھڑی تھی۔ خزانہ اس میں رکھ دیا گیا اور ویگن
چل پڑی — عنبر نے ایک ٹیکسی لی اور ڈرائیور سے کہا کہ وہ اس
کا پیچھا کرے —

ویگن بمبئی کی گنجان آبادی والی سڑکوں سے ہوتی ہوئی
ایک سات منزلہ عمارت کے پورچ میں داخل ہو گئی — یہ خزانے کا
دفتر تھا — خزانہ اس عمارت میں لے جا کر دفتر کے لاک روم میں
رکھ دیا گیا اور باہر سپاہی پہرے پر کھڑا ہو گیا —

عنبر اس عمارت کے اوپر تک آیا تھا — سارے ماحول کا
اچھی طرح سے جائزہ لینے کے بعد عنبر نے ایک ہوٹل میں آ کر کمرہ
لے لیا۔ غسل کیا — کھانا کھایا اور سمندر کے کنارے آ کر ٹہل ٹہل
کر سوچنے لگا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہیے؟

ایک ہی ترکیب بار بار اُس کے دماغ میں آ رہی تھی کہ
وہ رات کے اندھیرے میں وہاں جا کر اپنی امانت حاصل کرنے
کی کوشش کرے — دن کے وقت یہ کام بڑا مشکل تھا اور وہاں

ہنگامہ کھڑا ہو سکتا تھا جو عنبر نہیں چاہتا تھا۔ یہی طے کر کے عنبر
واپس اپنے ہوٹل کے کمرے میں آکر لیٹ گیا اور رات کا انتظار
کرنے لگا۔

کافی انتظار کے بعد آخر رات ہو گئی۔ جب رات کے بارہ
بج کر چالیس منٹ ہوئے تو عنبر ہوٹل سے باہر نکلا۔ اُس نے
دن کے وقت ہی نائیلون کی ایک رسی خرید لی تھی۔ یہ رسی اُس
کی جیب میں تھی۔

سڑک پر آکر اُس نے پیدل ہی خزانے کی عمارت کی طرف
چلنا شروع کر دیا۔ وہ عمارت کے پچھلے حصے میں آگیا۔ یہ ایک
تنگ سی گلی تھی، جہاں عمارتوں کے صرف پچھلے حصے ہی تھے اور
داخل ہونے والا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ اس قسم کی گلیوں کو بمبئی
میں کچرا گلی کہا جاتا ہے اور یہاں کھڑکیوں میں سے لوگ کوڑا کرکٹ
پھینک دیتے ہیں۔ کارپوریشن کا ٹرک آتا ہے اور کوڑا کرکٹ
اٹھا کر لے جاتا ہے۔

عنبر خزانے کی عمارت کے بالکل نیچے کھڑا تھا۔ ایک جگہ
اُس نے چُن لی۔ اور جیب سے رسی نکال کر اُس کے آگے پھندا
بنا کر اُسے زور سے اوپر اچھال دیا۔ خزانے والا کمرہ تیسری منزل
پر تھا اور یہاں ایک بجلی کے بلب کی سلاخ باہر کو نکلی
ہوئی تھی۔ تیسری بار کی کوشش سے رسی کا پھندا اُس سلاخ میں

جا کر پھنس گیا۔ عنبر نے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ گلی میں بلب
کی دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی آدمی بھی وہاں نہیں
تھا۔ رات گہری ہونے کی وجہ سے لوگوں نے کھڑکیاں بند کر رکھی
تھیں۔ صرف دو ایک کھڑکیوں میں روشنی ہو رہی تھی۔ عنبر بڑے
آرام سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ آخر وہ بجلی کی آہنی سلاخ پر پاؤں
رکھ کر تیسری منزل کی کارنس پر کھڑا ہو گیا۔

پھر وہ بڑے اطمینان سے دیوار کا سہارا لیے آگے بڑھنے
اس کا نشانہ تیسری منزل کی ایک کھڑکی تھی، جسے وہ صبح کے
وقت دیکھ گیا تھا۔ کھڑکی کے پاس پہنچ کر اُس نے نیچے گلی
میں دیکھا۔ کوئی انسان نہیں تھا۔ عنبر نے کھڑکی کو دھکا دے
کر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی کھڑکی میں داخل ہو گیا۔ یہ خزانے
کے دفتر کا باتھ روم تھا۔ یہاں دھیمی سی بتی جل رہی تھی۔
عنبر نے دروازے کے ساتھ کان لگائے۔ دوسری طرف سے
کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔

راستہ صاف تھا۔ عنبر نے بڑے آرام سے دروازہ تھوڑا سا
کھول کر باہر دیکھا۔ کاریڈار خالی پڑا تھا۔ ایک جگہ چھت میں
سے دھندلی روشنی آ رہی تھی۔ عنبر جلدی سے باتھ روم سے نکل
کر کاریڈار میں آگیا۔ اور خزانے کے کمرے کی طرف بڑھنا شروع
کر دیا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر آگے بڑھ رہا تھا جس کمرے

میں خزانہ تھا — اس کا دروازہ بالکل قریب آگیا تھا کہ اچانک
راہ داری میں ایک سکھ سپاہی سامنے آگیا — اس نے جو ایک
آدمی کو چوروں کی طرح رینگتے دیکھا تو جھٹ پستول تان کر کہا:

"ہینڈز اپ —"

عنبر کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ ہاتھ کھڑے کرتا یا
اس سکھ سپاہی سے کوئی بات کرتا — وہ بجلی کی چمک کی طرح
اپنی جگہ سے اچھلا — اس کی ایک لات سکھ کے پستول والے ہاتھ
پر پڑی - پستول اُس کے ہاتھ سے اچھل کر چھت سے لگ کر نیچے
گرا۔ دوسری لات سکھ کے سینے پر پڑی اور وہ کوئی آواز نکالے
اور کسی کو مدد کے لیے بلائے بغیر ہی راہداری کے فرش پر گر پڑا۔
عنبر نے اُس کے اوپر چھلانگ لگائی اور سکھ کی کھوپڑی پر زور
سے گھونسہ مارا۔

سکھ سپاہی بے ہوش ہو چکا تھا — میدان اگرچہ صاف تھا، مگر
وقت بہت خطرناک تھا — وہاں کوئی دوسرا سپاہی بھی آ سکتا تھا —
عنبر نے خزانے والے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اسے زور سے
دھکا دیا — دروازہ کھل گیا — وہ اندر چلا گیا اور دروازہ بند کر لیا۔
تنگ سا کمرہ مختلف چیزوں اور آہنی صندوقوں سے بھرا ہوا تھا۔ عنبر
نے سامان کی تلاشی لینا شروع کر دی — اس کی امانت کسی صندوق
میں بھی نہیں تھی۔ ایک صندوق میں سونے کی تین اینٹیں اور جواہرات

کا بکس پڑا تھا — عنبر نے اُسے ہاتھ بھی نہ لگایا اور بند کر کے دوسرے
صندوق کا تالہ توڑا تو اس میں اسے اپنی امانت مل گئی۔ ایک
ڈبے میں اس کی سونے کی ڈلی پڑی ہوئی تھی۔ عنبر نے خدا کا
شکر ادا کیا اور سونے کی ڈلی نکال کر اپنی جیکٹ کی اندرونی
جیب میں رکھی اور کمرے سے باہر آگیا —

کاریڈار میں سکھ ابھی تک بے ہوش پڑا تھا۔ عنبر جلدی جلدی
راہداری سے گزر کر باتھ روم کی طرف گیا تو اس کا دروازہ اندر
سے بند تھا — اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی ابھی ابھی باتھ روم میں
گیا تھا۔ عنبر پریشان سا ہو گیا — یقیناً یہ کوئی دوسرا پہرے دار
سپاہی تھا جس نے بے ہوش سکھ کو نہیں دیکھا تھا — کیونکہ وہ
اندھیرے میں پڑا تھا۔

عنبر نے سوچا کہ جو بھی کوئی اندر گیا ہے وہ کھلی کھڑکی میں
باہر لٹکتی رسی کو ضرور دیکھ لے گا اور پھر شور مچا دے گا اور یہی ہوا۔
اچانک باتھ روم کی چٹخنی کھلنے کی آواز آئی — عنبر دیوار کے ساتھ
ذرا اندھیرے میں ہو گیا — ایک ہندو مرہٹہ سپاہی گھبرایا ہوا باہر نکلا۔
اور اس نے باہر آتے ہی جیب سے خطرے کی سیٹی نکال کر بجانا
شروع کر دی — اس کی آواز کے ساتھ ہی سارے پہرے دار خبردار
ہو کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔

عنبر اندھیرے میں کھڑا رہا — وہ تین سپاہی دوڑتے ہوئے

اس کے آگے سے گزرے ۔ اور پھر اچانک کسی نے کاریڈار کی بتیاں
جلا دیں اور وہاں روشنی ہوگئی ۔

سپاہیوں نے سکھ سپاہی کو بے ہوش پڑے دیکھا تو اور
زیادہ شور مچا دیا — عنبر باتھ روم کی طرف بھاگا ہی تھا کہ ایک
سپاہی نے سیٹی بجا کر شور مچا دیا :

"پکڑو، پکڑو، چور باتھ روم میں گھسا ہے"

سپاہیوں نے باتھ روم پر حملہ کر دیا — وہ سارے کے سارے
اندر گھس آئے — اندر کوئی بھی نہیں تھا — اب انہوں نے
کھڑکی میں سے باہر جھانکا تو انہیں ایک ایسا منظر دکھائی دیا کہ
جو انہوں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہ دیکھا تھا — ایک جیکٹ والا
نوجوان بڑے آرام سے ہوا میں اُڑتا ہوا نیچے جا رہا تھا۔

عنبر بغیر اشد ضرورت کے کبھی اپنی خفیہ طاقت استعمال
نہیں کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آتی دفعہ وہ رسّی کی مدد سے
اوپر چڑھا تھا — وہ اب بھی رسّی ہی کے ذریعے نیچے اُترتا۔ مگر
ان لوگوں نے اس پر حملہ کر دیا تھا —

پہلے تو سپاہی بُت سے بنے تکتے رہے — پھر انہوں نے
فائر کھول دیا۔ گولیوں کی آواز سُن کر سارا علاقہ جاگ پڑا —
گولیاں عنبر کے دائیں بائیں سے ہو کر نیچے گلی کے فرش سے
ٹکرائیں — دو تین گولیاں اس کے سر پر بھی لگیں، مگر اُس پر
کوئی اثر نہ ہوا — گلی میں ساری کھڑکیاں کھل گئیں — لوگ نیچے
جھانک کر دیکھنے لگے کہ کیا ماجرا ہے — مگر اس دوران میں عنبر
گلی میں اُتر کر بازار کی طرف بھاگ چکا تھا —

پولیس کے سپاہی سیٹیاں بجاتے اس کی تلاش میں نیچے
سڑک پر اُتر آئے — مگر عنبر اندھیرے میں گم ہو گیا تھا۔ سپاہیوں
نے سارے علاقے کی پولیس کو فون پر خبردار کر دیا — سارے
علاقے کو پولیس نے اپنے گھیرے میں لے لیا — عنبر ایک بازار
میں نکلا تو سامنے پولیس کی گاڑی کھڑی تھی — وہ دوسری طرف
چلا گیا — ادھر بھی باہر نکلنے لگا تو سامنے سپاہی رائفلیں تانے
اُسے ڈھونڈ رہے تھے —

عنبر ایک بلڈنگ کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگیا۔ رات کے
دو بج رہے تھے — لوگ گہری نیند سو رہے تھے۔ صرف اُس
جگہ کے لوگ جاگے تھے، جہاں عنبر نے کھڑکی سے چھلانگ لگائی
تھی — ادھر کسی کو کچھ خبر نہیں تھی۔ عنبر اس بلڈنگ کی چھت پر
آ گیا — اس نے منڈیر کے ساتھ لگ کر نیچے جھانک کر دیکھا —
سارے علاقے میں پولیس کی گاڑیاں ہی گاڑیاں تھیں اور پولیس
سرچ لائٹ سے عنبر کو تلاش کر رہی تھی۔

اُن کے شور سے اب اس طرف والے فلیٹوں کے لوگ بھی
جاگنا شروع ہو گئے تھے — عنبر ایک طرح سے گھیرے میں آ گیا تھا۔

وہ اگر چھت پر سے نیچے چھلانگ بھی لگاتا تو اس کا کوئی فائدہ
نہیں تھا۔ پولیس اسے پکڑ لیتی — وہ اگر مقابلہ بھی کرتا تو ایک
ایسا ہنگامہ کھڑا ہو جاتا کہ ہو سکتا تھا، کچھ لوگ عنبر کے ہاتھوں
مارے بھی جاتے — اور عنبر کسی کو بے گناہ مارنا نہیں چاہتا تھا۔
اس نے سوچا کہ خواہ مخواہ خون بہانے سے یہی بہتر ہے کہ سونا کسی
جگہ چھپا کر اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے —

وہ چھت پر کوئی مناسب جگہ تلاش کرنے لگا۔ چھت کے
بیچ میں ایک گول روشندان تھا جو بند پڑا تھا اور جس کے شیشوں
کی جگہ لکڑی کے تختے جڑے ہوئے تھے۔ عنبر نے آخر ایک جگہ
ڈھونڈ لی۔ اس نے ایک تختہ اکھاڑ کر اس کے اندر سونے کی
ڈلی چھپائی اور پھر سے اوپر تختہ جڑ دیا۔ اب وہ مطمئن تھا — وہ
عمارت کے نیچے سڑک پر آگیا — سڑک پر آتے ہی سپاہیوں نے
اسے پکڑ لیا — اس کی جیکٹ نے اس کے چور ہونے کا اعلان
کر دیا تھا — کیونکہ باتھ روم کے سپاہیوں نے اس کی جیکٹ کو دیکھ
لیا تھا —

عنبر کو جیپ میں بٹھا کر پولیس سٹیشن لے جایا گیا۔ وہاں اس
کی تلاشی ہوئی۔ کوئی شے برآمد نہ ہوئی — کچھ روپے تھے جو
پولیس نے اپنے قبضے میں کر لیے — خزانے میں سے سونے کی ایک
ڈلی غائب تھی — عنبر کو ایک تنگ سے تہ خانے میں بند کر کے

پولیس نے اُس پر تشدد شروع کر دیا۔ وہ سونے کی ڈلی کے بارے میں
پوچھ رہی تھی کہ عنبر نے اسے کہاں چھپا دیا ہے! تشدد کا عنبر پر کوئی
اثر نہیں ہو رہا تھا — نہ اُسے چوٹ لگتی تھی، نہ کوئی زخم آتا تھا
پھر اُسے کیا ضرورت تھی بتانے کی کہ سونا اس نے فلاں جگہ پر رکھا
ہے — تھانیدار نے اس کے جسم کے ساتھ تار باندھ کر بجلی کا
سوئچ آن کر دیا — تاروں سے ایک شعلہ سا نکلا — عنبر کو ایک
زبردست جھٹکا لگا، مگر وہ مسکراتا رہا۔

"آپ لوگ میرا اور اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ سونے
کی ڈلی میری امانت تھی — میں نے اسے ایک جگہ پر چھپا دیا
اور میں آپ کو کبھی نہیں بتاؤں گا کہ وہ جگہ کون سی ہے۔"

تھانیدار مرہٹہ تھا اور بڑا ظالم قسم کا انسان تھا وہ اس سے
بجلی کے جھٹکے دے دے کر تین چوروں کو ہلاک کر چکا تھا۔ وہ
سوچ رہا تھا کہ عنبر سخت جان ہے۔ اس کے وہم و گمان میں
یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ عنبر ایک ایسا انسان ہے جو مر نہیں
اور جس پر دنیا کی کوئی تکلیف کوئی تشدد اپنا اثر نہیں کرتا۔
نیدار نے عنبر کو برف کی سِل پر بٹھا دیا۔ برف کی سِل پگھل گئی
عنبر کو ذرا سا بھی محسوس نہ ہوا۔

اب تھانیدار نے عنبر کے جسم کو گرم سلاخ سے داغنے کی کوشش
دہکتی ہوئی سرخ سلاخ جب عنبر کے جسم سے لگی تو دھواں سا

اُٹھا اور سلاخ بُجھ گئی۔ جیسے پتھر سے جا لگی ہو۔ تھانیدار نے عنبر
کے جسم کو ٹٹول کر دیکھا۔ اس کا جسم ویسے بالکل عام انسانوں
کے جسم ایسا تھا اور نرم تھا۔

اس نے چاقو کی نوک عنبر کے جسم میں چبھونے کی کوشش
کی۔ چاقو کی نوک مُڑ گئی۔ تھانیدار اب کچھ حیران سا ہوا کہ
ماجرا کیا ہے؟

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا:

"احمق تھانیدار، تم چاہے کچھ کر لو۔ مجھ پر تمہارے تشدد کا
کوئی اثر نہیں ہوگا۔"

تھانیدار نے عنبر کا بازو پکڑ کر کہا:

"تم کون ہو؟"

عنبر نے بڑے غور سے گہری نظروں کے ساتھ تھانیدار کو
دیکھا اور کہا:

"میں ہنو مان ہوں جو ہوا میں اُڑتا ہے۔"

اس پر تھانیدار نے بڑے زور سے عنبر کو تھپڑ مارا۔ مگر
اس کے ساتھ ہی خود ہاتھ پکڑ کر دوہرا ہو گیا۔ کیونکہ اس کے
ہاتھ کو سخت چوٹ لگی تھی، جیسے اُس نے کسی پتھر کی سِل
اپنا ہاتھ مار دیا ہو۔

عنبر کو غصہ تو بہت آیا۔ مگر وہ غصے کو ضبط کر گیا۔

خواہ مخواہ کسی بھی انسان کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تھانیدار
بِلا کر کہا:

"اسے حوالات میں بند کر دو۔"

عنبر کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ دوسرے روز عدا
میں پولیس نے چالان پیش کر دیا۔ اور اپنی طرف سے بیں
شے ڈال کر عنبر پر خزانے کی چوری ثابت کر دی۔ ایک
دن میں ہی فیصلہ ہو گیا۔ عنبر کو چھ مہینے کی قید بامشقت
ہو گئی۔

عنبر کو بمبئی کی جیل میں بند کر دیا گیا۔

جیل میں عنبر نے ایک دو دن آرام کرنے کی غرض سے
کاٹ دیئے۔ یہاں دوسرے بدمعاشوں نے عنبر کو اپنے ساتھ
ملانے کی کوشش کی۔ عنبر نے انہیں بتایا کہ وہ ایک شریف
آدمی ہے۔ اس پر سارے قیدی ہنس پڑے:

"ارے شریف آدمی کا جیل میں کیا کام؟"

عنبر نے انہیں بتایا کہ اُس پر چوری کا جھوٹا مقدمہ بنایا
گیا تھا۔ وہ بے گناہ ہے۔ اس نے خزانے سے صرف اپنی
امانت حاصل کی تھی جسے پولیس نے اس سے چھین لیا تھا۔

ایک قیدی بڑا بدمعاش تھا۔ وہ مسلمانوں کا دشمن تھا اور
بڑا متعصب تھا۔ اس کا نام رنجن تھا اور مرہٹہ تھا۔ وہ عنبر

اُٹھا خلاف ہوگیا — اور ایک دن چھوٹی سی بات پر چاقو کھول
کے عنبر کے سامنے آگیا —
عنبر اُس کی طرف دیکھ کر مسکراتا رہا — رنجن کو اور زیادہ
ں آگیا۔ اس نے عنبر پر حملہ کر دیا — تمام قیدی پرے پرے
ہٹ گئے — انہیں یقین تھا کہ عنبر کی لاش تھوڑی دیر میں تڑپ
ہو گی — کیونکہ رنجن جیل کا بدمعاش قیدی تھا اور اس
یل کے عملے کے لوگ اور سپاہی بھی کانپتے تھے۔ وہ اس
پہلے چھ سات خون کر چکا تھا — قیدی اس بات پر بھی
ان سمجھتے کہ عنبر آگے سے کوئی جواب نہیں دے رہا — بلکہ
ے آرام سے کھڑا مسکرا رہا ہے —
عنبر نے صرف اتنا کہا:
"دوستو، رنجن کو میرے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ یہ
دشمنی میں مجھے قتل کرنا چاہتا ہے اور یہ قتل کرنے کی بڑی
گھٹیا وجہ ہے — لیکن اگر میں قتل نہ ہوا اور میری جگہ رنجن
کی لاش پڑی ہو تو مجھ پر الزام نہ دینا —"
رنجن نے بڑک مار کر کہا:
"میں نے تم ایسے کئی بدمعاش دیکھے ہیں۔ حملہ کرو —
نہیں تو میں حملہ کر رہا ہوں"
عنبر نے کہا:

"نہ میں حملہ کروں گا اور نہ میں تمہیں حملہ کرنے کی ترغیب
دوں گا — میں مسلمان ہوں اور مسلمان امن اور سلامتی سے
زندگی بسر کرتا ہے —"
اس پر رنجن نے اسلام کے خلاف ایسی گھٹیا باتیں
کیں کہ اب عنبر سے برداشت نہ ہو سکا — اس نے للکار کر کہا:
"رنجن، میں اسلام کے خلاف کوئی لفظ نہیں سُن سکتا۔
اب میری تمہاری کھلی جنگ ہے —"
"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا —"
یہ کہہ کر رنجن نے چاقو لہرایا اور عنبر کی طرف اچھل کر
چاقو کا بڑا زور دار وار اس کے پیٹ پر کر دیا — رنجن کا خیال
تھا کہ چاقو عنبر کے پیٹ میں گھس کر اس کی انتڑیاں باہر نکال دے
گا۔ مگر وہاں معاملہ ہی الٹ ہو چکا تھا — چاقو کا پھل کسی
پتھر کی چٹان ایسے پیٹ سے ٹکرا کر رنجن کے ہاتھ میں ٹوٹ گیا
تھا — اور اس کا اپنا ہاتھ زخمی ہو گیا تھا —
عنبر نے کہا:
"اب میرا وار سہنے کے لیے تیار ہو جاؤ —"
عنبر نے ایک جست لگائی — وہ ہوا میں کوئی پندرہ فٹ
اچھلا — اس کا سر چھت کے قریب سے ہو کر نیچے آیا اور عنبر
رنجن کے اوپر گرا — رنجن لڑھک کر دوسری طرف ہو گیا۔ مگر

عنبر نے اُسے ایک ہاتھ سے اٹھا کر فضا میں اچھال دیا — رنجن
کا جسم جیل خانے کی چھت سے ٹکرا کر نیچے فرش پر آیا تو عنبر
نے اس پر ترس کھا کر اسے راستے میں ہی دبوچ کر اپنی ہتھیلی
پر اٹھا لیا اور پھر ایک لٹو کی طرح اُسے گھما کر فرش پر
چھوڑ دیا — رنجن بدمعاش چھ سات چکر کھا کر فرش پر اوندھے
منہ گر پڑا —

"اب بولو، میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟"

سارے قیدی دم بخود ہو کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے عنبر کو
دیکھ رہے تھے۔ رنجن بھی حیران تھا کہ یہ انسان ہے یا کوئی
دیوتا ہے —

سارے قیدی ہاتھ باندھ کر عنبر کے سامنے کھڑے ہو گئے۔
عنبر نے بدمعاش رنجن کو گردن سے پکڑ کر ایک جھٹکا دیا —
وہ تین قلابازیاں کھا کر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ جب
اُٹھا تو عنبر کو دہشت زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور کانپ
رہا تھا۔ سارے ہندو قیدیوں نے نعرہ لگایا:

"جے ہنومان پُتر کی جے —"

عنبر نے ہاتھ اُٹھا کر کہا:

"سُنو، میں ہنومان پتر نہیں ہوں، بلکہ ایک سچا مسلمان
ہوں — اپنے دین سے پیار کرتا ہوں — خدا کو ایک مانتا ہوں،

اور حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا آخری نبی مانتا
ہوں — یہ طاقت جو تم مجھ میں دیکھ رہے ہو، اللہ کی دی
ہوئی ہے —"

ہیلی کاپٹر سے جنگ

رنجن بدمعاش کے ساتھ تین قیدی مسلمان ہو گئے — انھوں نے بُرائی کی زندگی سے توبہ کر لی اور اسلام کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے پکے مسلمان بن گئے — اب عنبر وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ شاید وہ اسی نیک کام کے لیے جیل میں آیا تھا جو وہ پورا کر چکا تھا —

چنانچہ ایک رات جبکہ جیل میں ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی — عنبر قیدیوں کی کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ وارڈن نے اُسے باہر نکلتے دیکھ کر غصّے سے کہا کہ واپس کوٹھڑی میں سو جاؤ — عنبر کوٹھڑی میں واپس آگیا — وہ یونہی کسی انسان سے الجھنا پسند نہیں کرتا تھا — جب پہرے دار دُور چلا گیا تو عنبر دوبارہ کوٹھڑی سے باہر نکلا — اسے رنجن نے جس کا اسلامی نام عنبر نے اسلام الدین رکھ دیا تھا — باہر جاتے دیکھ لیا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے باہر آگیا اور پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟

عنبر نے مُڑ کر رنجن کو دیکھا اور کہا:

"اسلام الدین، میں ایک مشن پر یہاں آیا تھا — وہ خدا نے پورا کر دیا ہے — اب میں واپس جا رہا ہوں"

اسلام الدین نے کہا:

"بھائی صاحب، آپ جیل سے کیسے باہر نکلیں گے۔ یہاں تو بڑا سخت پہرہ ہے —"

عنبر نے کہا:

"جیل کی سلاخیں اور دروازے مجھے کچھ نہیں کہتے — میں ادھر نہیں جاؤں گا — جانے سے پہلے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کبھی کسی انسان کو دکھ نہ دینا — اپنی زندگی اسلام کے مطابق بسر کرنا، قید کاٹ کر باہر جاؤ تو محنت مزدوری کر کے اپنی روزی پیدا کرنا، اللہ تعالیٰ برکت ڈالے گا۔ اچھا اب میں جاتا ہوں"

اسلام الدین سے عنبر نے ہاتھ ملایا تو اُس نے ایک بار پھر پوچھا:

"عنبر بھائی، آپ باہر کس طرح جائیں گے؟"

عنبر نے کہا:

"اُڑ کر —"

اور وہ کوٹھڑی کے صحن میں آکر کھڑا ہو گیا — اتنے میں

ایک پہرے دار نے انہیں دیکھ لیا — وہ للکارتا ہوا رائفل تانے
اُن کی طرف بڑھا :

" خبردار، وہیں رُک جاؤ "

عنبر نے پہرے دار کی للکار کی کوئی پروا نہ کی — اس نے
اسلام الدین کی طرف دیکھ کر کہا :

" جاؤ اپنی کوٹھڑی میں "

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے اپنے بازو کے تعویذ پر
ہاتھ رکھ کر ملکہ مصر کو یاد کیا اور وہ زمین سے اوپر اُٹھنے لگا۔
اسلام الدین یعنی پہلے والا رنجن بدمعاش بُت بنا یہ نظارا دیکھنے
لگا — پہرے دار بھی ایک لمحے کے لیے اپنی جگہ پر دم بخود ہو کر
کھڑا رہ گیا — عنبر اب زمین سے پندرہ فٹ اُوپر ہو چکا تھا —
پہرے دار نے رائفل کا رُخ اُس کی طرف کر کے فائر کر دیا۔ گولی
عنبر کی ٹانگ سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی — عنبر اب ہوا میں اُڑتا
ہوا جیل کی کوٹھڑیوں کے اوپر سے ہو کر باہر کو جا رہا تھا —

پہرے دار نے دو تین فائر کیے اور پھر بندوق پھینک
کر ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا — اسلام الدین حیران کھڑا تھا۔ دوسرے
قیدی بھی باہر نکل آئے تھے اور ستاروں بھرے آسمان میں اپنے
ساتھی قیدی عنبر کو اُڑتا دیکھ رہے تھے —

جب عنبر ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو پہرے دار نے
سیٹی بجا کر جیل میں خطرے کا اعلان کر دیا — مگر اب کیا ہو سکتا
تھا۔ عنبر اُن کی پہنچ سے دُور نکل چکا تھا۔

بمبئی شہر کی عمارتوں اور فلیٹوں کے اُوپر اُڑتا ہوا عنبر
اندازے سے اُس بلڈنگ کی طرف چلا جس کی چھت پر اس نے
سونے کی ڈلی چھپا رکھی تھی — رات کا وقت تھا۔ لوگ اپنے
اپنے فلیٹوں اور کمروں میں سو رہے تھے — کسی نے اُسے اڑتے
ہوئے نہ دیکھا۔

عنبر اُس عمارت پر پہنچ گیا — چھت پر اتر کر وہ سیدھا
روشندان کے پاس گیا۔ لکڑی اکھاڑ کر دیکھا۔ اس کی امانت اپنی
جگہ پڑی تھی — سونے کی ڈلی عنبر نے وہاں سے اٹھا کر اپنی
جیکٹ کی جیب میں رکھی اور سوچنے لگا کہ اب کیا کرے ؟
وہاں سے اُتر کر سڑک پر جانا خطرناک تھا —

چنانچہ وہ چھت پر سے ایک بار پھر اُڑا اور ہوا میں ایک
لمبا سا چکر کھا کر تاج محل ہوٹل کے اوپر سے ہوتا گیٹ وے آف
انڈیا کی طرف آگیا — یہاں بھی سڑکیں سنسان تھیں — کسی وقت
کوئی گاڑی گزر جاتی تھی۔ سمندر کی طرف سے لہروں کے ہلکے ہلکے
شور کی آواز آ رہی تھی — چوپاٹی کا ساحل ویران پڑا تھا۔ اُس
کے سامنے میرن ڈرائیو کی جو شاندار عمارتیں تھیں وہاں بھی خاموشی
اور اندھیرا چھایا تھا — عنبر ان بلڈنگوں سے کافی اوپر جا کر پرواز

کر رہا تھا۔ وہ وہاں سے سیدھا بمبئی کے بوری بندر ریلوے
سٹیشن کے اوپر آگیا۔ اور ایک طرف اندھیرے میں زمین پر اُتر
آیا۔ اس کے پاس جیب میں ایک پائی بھی نہیں تھی۔

وہ چاہتا تھا کہ صبح صبح پنجاب کو جانے والی ٹرین پنجاب
میل میں سوار ہو کر دلی واپس پہنچ جائے کیونکہ دلی سے ہی کسی
وقت اُس کا واپسی کا سنسنی خیز سفر شروع ہونے والا تھا۔ وہ
ٹکٹ خرید کر ٹرین میں سفر کرنا چاہتا تھا، لیکن اُس کے سارے
پیسے جیل والوں نے رکھوا لیے تھے۔

آخر وہ اس فیصلے پر پہنچا کہ دن نکلے تو وہ سونے کی ڈلی
میں سے تھوڑا سا سونا توڑ کر بازار میں فروخت کرے اور اُن
پیسوں سے ٹکٹ خرید کر ریل میں بیٹھ جائے۔

ریلوے سٹیشن پر رونق تھی۔ وہاں سے اُسے پتا چلا کہ
پنجاب میل صبح صبح نہیں، بلکہ دس بجے دن چڑھے جاتی ہے۔
عنبر بڑا خوش ہوا۔ اسے کافی وقت مل گیا تھا۔ اُس نے یوں ہی
شوق پورا کرنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا، پچاس پیسوں
کا ایک سکہ نکل آیا۔ اس نے پلیٹ فارم پر ایک جگہ چائے
پی۔ اور منہ ہاتھ دھو کر ایک خالی ڈبے میں آگیا۔ یہاں اُس
نے جیب سے سونے کی ڈلی نکال کر اس پر مکا مارا۔ تھوڑا سا
سونا ٹوٹ کر الگ ہوگیا۔

عنبر نے وہ چھوٹا سا ٹکڑا الگ جیب میں رکھ لیا اور سیدھا
بمبئی کے صرافہ بازار کی طرف روانہ ہوگیا۔

نو بجے بازار کھل گئے۔ عنبر نے ایک ہندو گجراتی سنار
کو جا کر سونے کا چھوٹا ٹکڑا دکھایا اور کہا کہ وہ اسے بیچنا چاہتا
ہے۔ گجراتی سیٹھ سمجھ گیا کہ یہ کوئی چور ہے۔ وہ خود بہت
بڑا چور تھا۔ اس سونے کی قیمت کوئی تین ہزار روپے ہوگی۔
مگر سیٹھ نے کہا کہ وہ اس کے صرف آٹھ سو روپے دے گا۔

عنبر اچھی طرح جانتا تھا کہ سیٹھ دھوکے بازی سے کام
لے رہا ہے۔ مگر اُسے روپوں کی ضرورت تھی۔ اُس نے آٹھ سو
روپوں میں سونے کا ٹکڑا فروخت کیا۔ بوری بندر ریلوے سٹیشن
پر آکر دلی کا فسٹ کلاس کا ایک ٹکٹ خریدا اور پلیٹ فارم پر
پنجاب میل کے ڈبوں کا لگنے کا انتظار کرنے لگا۔

عنبر کو یہ بھی احساس تھا کہ وہ ایک قیدی کی حیثیت سے
جیل سے بھاگا ہوا ہے؛ چنانچہ پولیس اس کی تلاش میں ہوگی۔
اور ہو سکتا ہے کہ ریلوے سٹیشن پر بھی خفیہ پولیس کے آدمی موجود
ہوں۔ اس لیے وہ ایک ستون کے پیچھے بیٹھ گیا۔ وہ زیادہ چلنا
پھرنا نہیں چاہتا تھا۔ پھر بھی سی آئی ڈی کے ایک سپاہی کو
عنبر پر شک پڑ گیا تھا۔ کیونکہ عنبر خواہ مخواہ اپنے آپ کو چھپانے
کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ عنبر کو دیکھ رہا تھا۔

اتنے میں پنجاب میل کے ڈبے آکر پلیٹ فارم پر لگ گئے۔
اور وہاں سواریوں کا ہنگامہ اور شور مچ گیا — اس شور اور ہنگامے
میں عنبر بھی گم ہو گیا — اور فسٹ کلاس کے ایک ڈبے میں آکر
خاموشی سے کونے والی سیٹ پر بیٹھ گیا — اس نے بھی سی آئی
ڈی کے آدمی کو پہچان لیا تھا — اس کا خیال تھا کہ وہ خفیہ سپاہی
کی نظروں کو دھوکا دے چکا ہے — لیکن ایسا نہیں تھا — خفیہ
پولیس کے آدمی کی تیز نظریں برابر عنبر کا تعاقب کر رہی تھیں۔
مگر چونکہ عنبر درجہ اول میں سفر کر رہا تھا — اس لیے خفیہ سپاہی
اس پر ہاتھ ڈالتے ذرا ہچکچا رہا تھا — اس نے ہیڈ کوارٹر فون کر کے
جیل سے بھاگے ہوئے قیدی کا حلیہ منگوایا تھا — ہیڈ کوارٹر والوں
نے کہا کہ تم ٹرین کے ساتھ سفر کرو — ہم اگت پوری سٹیشن پر
تمہیں قیدی کا حلیہ بتا دیں گے — اگت پوری سٹیشن پر ہمارے
فون کا انتظار کرنا —

پنجاب میل کے روانہ ہونے کا وقت ہو گیا تھا — گارڈ نے
آخری سیٹی دے کر سبز جھنڈی ہلانا شروع کر دی۔ مسافر بھاگ
بھاگ کر ڈبوں میں سوار ہونے لگے۔ انجن نے وسل دیا اور گرج دار
چھک چھک کی آواز کے ساتھ آگے کھسکنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر
بعد پنجاب میل بمبئی شہر کو پیچھے چھوڑ کر کلیان اور دادر کے لوکل
سٹیشنوں سے ہوتی ہوئی اگت پوری کے سٹیشن کی طرف بھاگی جا
رہی تھی —

عنبر فسٹ کلاس میں کھڑکی کے پاس بیٹھا اس روز کا تازہ
اخبار پڑھ رہا تھا، جس میں جیل سے بھاگ جانے والے ایک قیدی
کی خبر تھی۔ جس کا نام عنبر تھا اور جو مصری باشندہ تھا — ایک
اچھی بات یہ ہوئی تھی کہ پولیس نے عنبر کی تصویر اخبار میں نہیں
چھاپی تھی؛ وگرنہ اس کے لیے سفر کرنا بھی مشکل ہو جاتا —

ٹرین کلیان سے کافی دور نکل چکی تھی اور چھوٹے چھوٹے
سٹیشن چھوڑتی جا رہی تھی — یہاں چونکہ ڈھلان تھی۔ اس لیے
ٹرین کی رفتار کافی تیز تھی —

بمبئی سے اگت پوری کا فاصلہ تین سو میل کے قریب تھا —
یہاں سے چونکہ بجلی کا انجن اتر کر ٹرین کے ساتھ بھاپ کا انجن
لگتا تھا، اس لیے یہاں گاڑی کافی دیر رکتی تھی — عنبر ابھی تک
اس خفیہ سپاہی سے بے خبر تھا جو بمبئی سے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔
اور جو اس کے ساتھ والے ڈبے میں سفر کر رہا تھا — یہ خفیہ سپاہی
اگت پوری کے سٹیشن پر گاڑی کے رکتے ہی اتر کر سیدھا پلیٹ
فارم کے پولیس آفس میں گیا — اس کا فون آ گیا — بمبئی پولیس
نے اسے اطلاع دی تھی کہ اگت پوری کی پولیس کو خبردار کر دیا ہے۔
اور ایک دستہ ریزرو پولیس کا اسے ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم
پر تیار ملے گا —

وہ فون کر کے باہر نکلا تو ریزرو پولیس کے دستے کے انچارج ہیڈ کانسٹیبل نے اس سے ہاتھ ملایا۔ وہ اُسے جانتا تھا۔ اُس نے کہا کہ مفرور قیدی کس ڈبے میں ہے؟

خفیہ پولیس کے سپاہی نے فسٹ کلاس کے کمپارٹمنٹ کی طرف اشارہ کیا۔ اس اشارے کو عنبر نے بھی بند کھڑکی کے شیشے میں سے دیکھ لیا۔ جونہی پولیس کے سپاہی کمپارٹمنٹ کی طرف بڑھے عنبر دوسری طرف سے نیچے اتر گیا۔ اور کافی آگے جا کر ایک دوسرے ڈبے میں سوار ہو گیا۔

پولیس کو ڈبہ خالی ملا تو وہ باہر آگئی اور اس نے ساری گاڑی کو گھیرے میں لے کر تلاشی شروع کر دی۔

عنبر وہاں سے نکل کر سامنے والے پلیٹ فارم پر چڑھ گیا۔ پولیس کے خفیہ جاسوس نے پلیٹ فارم پر چڑھتے عنبر کو دیکھ لیا۔ اُس نے سیٹی بجا کر پولیس کو خبردار کر دیا

ساری پولیس دوسرے پلیٹ فارم کی طرف دوڑ پڑی۔ عنبر ایک عجیب مصیبت میں پھنس گیا۔ وہ سیڑھیوں والے پُل کی طرف بھاگا پولیس نے ہوائی فائر کر دیا۔ عنبر کو ان کے فائر کی بھلا کیا پروا تھی۔ وہ دوسری طرف اتر کر دروازے سے باہر نکل گیا۔ باہر ایک کار کھڑی تھی۔ عنبر نے دروازہ کھولا، اس میں گھسا اور کار سٹارٹ کر کے بھوساول کو جانے والی سڑک پر ہو لیا۔

پولیس نے اسے دیکھ لیا تھا۔ پولیس بھی جیپ میں سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئی۔ علاقہ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں والا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سڑک گھوم جاتی تھی۔ عنبر بہت تیز گاڑی چلا رہا تھا اور پولیس کی جیپ سے کافی آگے تھا۔ کافی آگے جا کر پہاڑی سلسلہ تقریباً ختم ہو گیا اور میدانی علاقہ آگیا۔ یہاں سڑک بالکل سیدھی جا رہی تھی۔ پولیس نے عنبر کی کار دیکھ لی اور جیپ کی رفتار تیز کر دی۔

جیپ جب عنبر کی کار کے نزدیک پہنچی تو سپاہیوں نے عنبر کی کار کے پہیوں پر فائرنگ شروع کر دی۔ عنبر ہنسنے لگا۔ وہ اب اس معرکے سے مزے لے رہا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اُس کا انجام کیا ہونا ہے۔ آخر پولیس کو نا امید ہو کر واپس جانا پڑے گا، پھر بھی وہ اس ڈرامے کو جہاں تک یہ چل سکے جاری رکھنا چاہتا تھا۔ اُس نے کار کی رفتار نوّے میل کر دی۔ کار میں کافی پیٹرول تھا۔ میٹر بتا رہا تھا کہ ٹینکی میں ابھی کافی پیٹرول ہے۔

جیپ اور کار کا مقابلہ شروع تھا۔ سڑک جنگل میں سے گزرنے لگی۔ دونوں طرف گھنے درخت تھے۔ پھر ایک دریا کا پُل آگیا۔ کار دریا کے پل پر سے گزر گئی۔

پولیس نے وائرلیس پر ہیڈ کوارٹر سے مدد طلب کی کہ ہیلی کاپٹر

روانہ کیا جائے — قیدی کار میں فرار ہونے میں کامیاب ہو رہا ہے
عنبر نے دریا سے دور جا کر گھوں گھوں اور گھر۔ گھر۔ کی آواز سُنی —
اُس نے کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر دیکھا اور ایک سرخ اور
زرد رنگ کا ہیلی کاپٹر آسمان پر اُڑتا ہوا اُس کی طرف بڑھ رہا
تھا — جیپ بھی اس کے تعاقب میں برابر بڑھتی چلی جا رہی تھی
ہیلی کاپٹر اس کی گاڑی کے بالکل سر پر آ گیا — اس کے پروں کی
تیز ہوا سے کار جھکولے کھانے لگی اور اردگرد کے درخت ہوا میں
جھومنے لگے — شاید ہیلی کاپٹر کھلے میدان کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی
دیر تک یہ ریس جاری رہی — اب جنگل ختم ہو گیا تھا اور کھلا میدان
آ گیا تھا —

یہاں ہیلی کاپٹر نے ایک غوطہ لگایا اور عنبر کی کار کی طرف
سامنے سے بڑھا، جیسے اس کے ساتھ ٹکر لگانے کے موڈ میں ہو —
عنبر نے تیزی سے کار دوسری طرف نکال لی — ہیلی کاپٹر ایک بار پھر
غوطہ لگا کر اس کی طرف بڑھا —

عنبر نے سوچا کہ یہ کم بخت تو اب پیچھے ہی پڑ گیا ہے اور کسی
صورت اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا — اسے کچھ کرامت دکھانی چاہیے۔
عنبر نے تعویذ پر ہاتھ رکھ کر ملکہ نفرتیتی کو یاد کیا اور اُسے کہا کہ اس
دفعہ وہ اپنے ساتھ ٹوٹا کار بھی ہوا میں اڑانا چاہتا ہے۔ عنبر نے
اپنے کان میں جیسے ملکہ مصر کی سرگوشی سُنی :

"کار کو اوپر اٹھاؤ۔"

عنبر نے یوں ہی جیسے ہوائی جہاز کے پائیلٹ کرتے ہیں،
کار کے سٹیرنگ کو اپنی طرف کھینچا — اس کے ساتھ ہی اسے
ٹائروں کے سڑک کے ساتھ گھسنے کی آواز آنا بند ہو گئی — اس کی ٹوٹا
گاڑی کے پہیئے سڑک کو چھوڑ چکے تھے اور سڑک سے ایک فٹ بلند
ہو گئے تھے —

جیپ میں بیٹھے ہوئے پولیس کے سپاہیوں نے آنکھیں
بار بار ملتے ہوئے ہکا بکا ہو کر دیکھا کہ مفرور قیدی کی کار سڑک پر
سے آہستہ آہستہ ہوا میں بلند ہو رہی ہے —

اوپر ہیلی کاپٹر کے پائیلٹ کو ابھی اس کرامت کا احساس نہ
ہوا تھا — ہیلی کاپٹر میں صرف دو سپاہی مشین گنیں لیے بیٹھے تھے
جب کار درختوں سے اوپر غوطہ لگا کر ہوائی جہاز کی طرح ایک
طرف کو نکل گئی — تو وہ بھی ششدر ہو کر رہ گئے اور بار بار آنکھیں
مل کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے —

"یہ کیونکر ہو گیا !

"کیا کار بھی ہوا میں اڑ سکتی ہے ؟"

پائیلٹ کا ہاتھ بھی لرز گیا — کار اب کافی اوپر آ چکی تھی۔
ہیلی کاپٹر کا پائیلٹ تو حیران تھا اور خوف زدہ بھی تھا کہ خدا
جانے کار میں کوئی بھوت بیٹھا ہے کہ جس نے جادو کے زور سے

کار کو ہوا میں اڑانا شروع کر دیا ہے — پولیس کی جیپ ایک گول دائرے میں چکر لگا کر فائرنگ کر رہی تھی — گولیاں عنبر کی کار میں آ کر لگیں —

اوپر سے ہیلی کاپٹر کے سپاہیوں نے کار پر مشین گن کی گولیاں برسانا شروع کر دیں — نیچے سے گولیاں آ رہی تھیں، اوپر سے گولیاں آ رہی تھیں — عنبر نے ایسا کیا کہ کار کو اور اوپر اٹھایا اور ہوا میں اڑاتا ہوا ہیلی کاپٹر سے بھی اوپر لے گیا۔

ہیلی کاپٹر والوں نے جب کار کو اپنے سر کے اوپر دیکھا تو پریشان ہو گئے کہ خدا جانے یہ اوپر سے ان پر کوئی بم گرائے گا — سپاہیوں نے ہیلی کاپٹر کی کھڑکی میں سے کار پر فائر کھول دیا۔

گولیاں کار کے نیچے آ کر ٹکرا رہی تھیں، مگر عنبر پر ان کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا — وہ کار کو ایک دم غوطے میں نیچے لے گیا — اور پھر اوپر لے آیا — وہ جس تیزی اور پھرتی سے کار کو اِدھر اُدھر دائیں بائیں غوطے کھلا رہا تھا، ایسا ہیلی کاپٹر والے بھی نہیں کر سکتے تھے —

کھیتوں میں جہاں جہاں سے اُڑتی کار گزرتی، کسان بُت بنے اسے دیکھتے رہ جاتے اور کانوں کو ہاتھ لگاتے کہ کل جگ آ گیا ہے — آخر ہیلی کاپٹر کہاں تک کار کا مقابلہ کر سکتا تھا کہ جو بغیر پٹرول کے ہوا میں اڑ رہی تھی —

ہیلی کاپٹر کا پٹرول ختم ہونے لگا — پائلٹ نے اپنے پیچھے بیٹھے ہیڈ کانسٹیبل سے کہا:

"میرا پٹرول ختم ہونے کو ہے۔ میں واپس جا رہا ہوں۔"

ہیڈ کانسٹیبل نے چیخ کر کہا:

"قیدی کا پیچھا کرو۔"

ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے پیچھے منہ کر کے کہا:

"وہ تمہارا قیدی نہیں ہے — وہ تو کوئی آسمانی دیوتا ہے وہ ہم سبھوں کو ہلاک کر سکتا ہے — خدا جانے ابھی تک اُس نے ہمیں کیوں معاف کر رکھا ہے — میں واپس جا رہا ہوں۔"

اور ہوا باز نے ایک ہتھی کو گھمایا — ہیلی کاپٹر نے گول دائرے میں ایک چکر کاٹا اور واپس بھاگ اٹھا — نیچے جیپ میں بیٹھے پولیس والوں نے جب ہیلی کاپٹر کو واپس جاتے دیکھا تو وہ بھی پیچھے کی طرف اٹھ دوڑے — وہ تو پہلے ہی سہمے ہوئے تھے اور واپس بھاگ جانا چاہتے تھے —

عنبر نے اڑتی کار میں سے دشمن کو بھاگتے دیکھا تو ہنس پڑا۔ اس نے کار کو نیچے اتارنا شروع کر دیا — نیچے ایک چھوٹی سی سڑک جا رہی تھی — اب وہ راستہ بھول گیا تھا — اسے کوئی خبر نہ تھی کہ یہ سڑک کس شہر کو جاتی ہے — اندازے سے وہ مشرق کی طرف کار کو لے کر چل نکلا — کیونکہ دلی مشرق کی طرف ہی تھی —

یہ سڑک جس پر عنبر کار لیے جا رہا تھا، چھوٹی سی تھی اور بڑی شاہراہ اُسے کسی صورت میں بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ عنبر نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس پر میل کا نشان کہیں نہیں آ رہا تھا۔

لال قلعے کی رات

سڑک ایک جنگل میں داخل ہو گئی۔

یہاں کار آگے نہیں جا سکتی تھی۔ عنبر نے کار کھڑی کی اور باہر نکل آیا۔ اُس کے چاروں طرف گھنا سنسان جنگل تھا۔ جس کے اندر دھوپ نہیں آ رہی تھی۔ کار کو اُس نے وہیں چھوڑا اور سڑک پر چلنے لگا۔ جوں جوں وہ آگے جا رہا تھا، سڑک چھوٹی ہو رہی تھی۔ آخر وہ پگ ڈنڈی سی بن گئی۔

عنبر گھنے جنگل میں تنہا رہ گیا۔ درختوں کی گھنی شاخیں اُس پر جھکی ہوئی تھیں۔ زمین پر لمبی لمبی گھاس اُگی تھی۔ کوئی پرندہ تک نہیں بول رہا تھا۔ ایک عجیب دہشت سی چاروں طرف چھائی ہوئی تھی۔ گرمی اور حبس تھا۔ گھنے درختوں کی وجہ سے وہاں ہلکا ہلکا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

عنبر پگ ڈنڈی پر چلتا رہا۔ آگے ایک چھوٹا سا تالاب آ گیا جس پر سبز رنگ گرے پتے تیر رہے تھے۔ ایک جنگلی سؤر اُس کے قریب سے ہو کر خُرخُر تھوتھو کرتا بھاگ نکلا۔ عنبر حیران

تھا کہ جنگل میں اس قدر سناٹا کیوں ہے۔

بہت جلد اُسے اس سوال کا جواب مل گیا۔ اچانک جنگل شیر کی خوف ناک دھاڑ سے گونج اُٹھا۔ درختوں پر سہمے بیٹھے پرندے شور مچاتے پھڑپھڑاتے اڑ گئے۔ شیر آدم خور تھا۔ اُس نے عنبر کی بُو سونگھ لی تھی اور تالاب کے دوسری جانب سے اُس کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔

عنبر پگ ڈنڈی پر چلتے چلتے رُک گیا۔ اُس نے دیکھا۔ کہ درختوں کے درمیان دُور ایک گھاس پھونس کا جھونپڑا بنا ہوا تھا۔ وہ اس جھونپڑے کی طرف بڑھا۔ ابھی چند قدم ہی گیا ہو گا کہ سامنے املی کے ایک درخت کے پیچھے سے اچانک ایک دھاری دار خوف ناک آنکھوں والا شیر نکل کر اس کے سامنے آ کر زور زور سے دھاڑنے اور غصّے سے دم ہلانے لگا۔

شیر کا سر بھاری اور دانت بڑے نوکیلے تھے۔ عنبر نے اس قسم کا بھیانک خونخوار شیر آج سے کئی سو سال پہلے افریقہ کے ایک جنگل میں دیکھا تھا۔ عنبر نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی۔ وہ شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔ شیر اپنی جگہ پر کھڑا سخت غضب کے عالم میں دھاڑ رہا تھا۔ سارا جنگل اس کی خوف ناک گرج سے تھر تھرا رہا تھا۔

عنبر آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا۔ شیر ذرا پیچھے ہٹا۔ درخت

سے ایک چکر کاٹا اور اچھل کر سامنے آ گیا اور پہلے سے بھی زیادہ جوش سے دھاڑنا شروع کر دیا۔ عنبر برابر اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس نے آنکھیں شیر کی آنکھوں میں ڈال رکھی تھیں۔ شیر حیران ہو رہا تھا کہ یہ کس قسم کا انسان ہے کہ اس سے ڈر کر بھاگنے کی بجائے اس کی طرف بڑی جرأت کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔

لیکن شیر آخر شیر تھا۔ وہ شکست کے نام ہی سے ناواقف تھا اور پھر آدم خور تھا جسے انسان کے خون کی چاٹ پڑ گئی تھی۔ وہ آخری بار دھاڑ کر اپنی جگہ سے اُچھلا اور پچاس فٹ کی زبردست چھلانگ لگا کر عنبر کے اوپر آن گرا۔ عنبر شیر کے ساتھ ہی گھاس پر گرا اور دو تین لڑھکنیاں کھانے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔ شیر گرجنے لگا۔ وہ ایک بار پھر عنبر پر اچھلا۔ اس بار عنبر نے دونوں بازو پھیلا کر شیر کو اپنے اوپر لے لیا اور دونوں بازوؤں سے شیر کی گردن کو دبانا شروع کر دیا۔ شیر نے پوری طاقت سے عنبر کے سر پر پنجہ مارا۔ عنبر کی جگہ اگر کوئی دوسرا انسان ہوتا تو اس پنجے سے اس کی کھوپڑی اُڑ کر سامنے والے درخت سے جا ٹکراتی۔ مگر عنبر کا جسم تو لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ مضبوط تھا۔

شیر کا پنجہ عنبر کے سر سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا۔ عنبر نے ایک ہاتھ سے شیر کے اوپر والے جبڑے کو دبوچا اور دوسرا ہاتھ اس کے نچلے جبڑے میں ڈال کر ایک ایسا جھٹکا دیا کہ شیر کے منہ

سے ایک درد انگیز چیخ نکل گئی — یہ شیر کی آخری چیخ تھی۔ کیونکہ
شیر کا منہ چر گیا تھا — اور نچلا جبڑا لٹک کر اس کی گردن میں
پڑا تھا — عنبر نے نیچے سے اٹھ کر ایک بھرپور ہاتھ شیر کی کمر
پر مارا۔ اس زوردار ضرب سے شیر کی کمر کی ہڈی کے کئی ٹکڑے ہو
گئے اور وہ بے جان ہو کر زمین پر پڑ گیا —

شیر کچھ دیر ہانپتا رہا اور پھر مردہ ہو کر ٹھنڈا ہو گیا۔

عنبر نے اُٹھ کر اپنی جیکٹ کو درست کیا — اس کے بٹن
بند کیے — بالوں میں انگلیاں پھیریں اور جھونپڑی کی طرف چل پڑا
جو اسے دُور سے دکھائی دی تھی — اس جھونپڑی میں جنگلی لوگ
رہتے تھے، جنہوں نے عنبر کو شیر سے مقابلہ کر کے اُسے ہلاک کرتے
دیکھ لیا تھا —

جوں ہی عنبر ان کے جھونپڑے کے سامنے پہنچا وہ سارے
سارے عنبر کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے — وہ عنبر کو کوئی
دیوتا سمجھنے لگے تھے۔ انھوں نے عنبر کو اپنی سب سے اعلیٰ
کا دودھ پلایا — آدم خور کو ہلاک کرنے پر عنبر کا شکریہ ادا کیا
اس کے پاؤں کو گنگا کے پوتر پانی سے دھویا —

عنبر نے جب ان کی جنگلی زبان میں ان سے بات کی تو
وہ اور زیادہ اُس کے گرویدہ ہو گئے اور انھیں یقین ہو گیا
شخص انسان نہیں ہے بلکہ آسمان سے کوئی دیوتا اُن کی مدد

گیا ہے۔

عنبر نے پوچھا تھا کہ وہ کون سا علاقہ ہے؟ اور دلی شہر کس
طرف ہے؟

جنگلی آدمیوں نے عنبر کی گاڑی کو اپنے کندھوں پر اُٹھا کر
سارا جنگل عبور کیا اور اسے جنگل سے نکل کر ایک ایسی سڑک پر
ڈال دیا جو بھوپال شہر کی طرف جاتی تھی —

عنبر نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کار میں سوار ہو کر اُسے
سٹارٹ کیا — کار کو اگرچہ نیچے گولیاں لگی تھیں مگر اس کے ٹائر
اور پٹرول کی ٹینکی سلامت تھی — کار کی ٹینکی میں پٹرول بھی
موجود تھا —

عنبر کار کو لے کر سڑک پر روانہ ہو گیا —

اس سڑک پر شام تک عنبر کا سفر جاری رہا — شام کو وہ
ران پور کے شہر میں آ گیا — یہاں اُس نے رات ایک ہوٹل میں
بسر کی — کار کی ضروری مرمت کروائی — اس کی ٹینکی پٹرول سے
بھروائی اور صبح صبح بھوپال کی طرف چل پڑا۔ تقریباً شام ہی کے
وقت وہ بھوپال کے شہر میں آ گیا۔ یہاں اس نے ایک ہوٹل میں
قیام کیا، غسل کیا، کپڑے دھلائے، شیو بنائی اور دوسرے روز
گوالیار کی طرف بڑی شاہراہ پر چل پڑا۔ رات کے دس بجے وہ گوالیار
پہنچ گیا —

یہاں اس نے دو گھنٹے آرام کیا اور رات بارہ بجے دلّی کی
طرف روانہ ہو گیا — اگرچہ راستہ خطرناک تھا اور سڑک کتنی جگہوں
پر سنسان تھی۔ مگر عنبر نے کوئی پروا نہ کی اور برابر آگے بڑھتا چلا
گیا — وہ جلدی سے جلدی دلّی پہنچنا چاہتا تھا — کیونکہ اس نے
راستے میں ملکہ مصر کی سرگوشی سُن لی تھی۔ وہ اُسے دلّی کی طرف
جانے کی ہدایت کر رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کا وقت
قریب آگیا تھا کہ جب وہ پرانے زمانے میں داخل ہو جائے گا۔
اس کی کار آگرہ شہر سے بھی گزر گئی، پھر صبح ہو گئی اور متھرا
شہر آگیا —

دن کافی نکل آیا تھا — وہ دلّی کے علاقے میں داخل ہو گیا۔
فریدآباد کے بعد حضرت نظام الدین کا ریلوے سٹیشن بھی سڑک کی ایک
جانب سے گزر گیا — اب عنبر کی کار نئی دلّی کو جانے والی بڑی
سڑک پر جا رہی تھی —

نئی دلّی کی اونچی اونچی جدید عمارتیں دھوپ میں چمک رہی
تھیں۔ عنبر کو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ ان عمارتوں کو آخری
بار دیکھ رہا ہے، جیسے اب جدید سائنس اور ترقی کی یہ چیزیں، یہ
ریلوے سگنل، یہ ریلوے سٹیشن، یہ ٹیلی فون کے کھمبے اور بجلی کے مرکری
بلب اُسے اب کبھی دیکھنے کو نہ ملیں گے۔ وہ سو سال پیچھے جانے
ہی والا تھا۔

عنبر اپنی طبیعت میں کچھ بے چینی محسوس کرنے لگا تھا —
گاڑی لے کر وہ سیدھا عائشہ کے گھر پہنچا — اس کے پاس جتنے
روپے تھے وہ سارے عائشہ کے گھر والوں میں تقسیم کر دیے —
اور ان سے آخری بار اجازت لے کر اپنی چیزیں سمیٹ وہاں سے
باہر نکل آیا —

گاڑی میں بیٹھ کر وہ ایک چوک میں سے گزر کر مقبرہ ہمایوں
کی طرف جا رہا تھا کہ پولیس نے اُسے گرفتار کر لیا — اس کی مفرور
قیدی کی حیثیت سے تصویریں دلّی پولیس کو پہنچ چکی تھیں۔ پولیس
اُسے تھانے میں لے گئی — عنبر سے کیسٹ پلیئر اور پستول لینے کی
کوشش کی گئی تو اس نے پستول تان لیا اور کہا:

"اگر کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو میں گولی چلا دوں گا۔"

سب سپاہی پیچھے ہٹ گئے — عنبر نے کیسٹ پلیئر ہاتھ میں
ڑا اور تھانے سے باہر نکل آیا — وہ ایک طرف منہ کر کے بارونق،
اونچی اونچی عمارتوں والی سڑک پر دوڑنے لگا — دوڑتے دوڑتے اس
کے سر میں چکر سا آیا اور وہ سڑک پر گر پڑا۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ تارکول کی سڑک
نہیں بلکہ ایک کچے راستے پر پڑا ہے — اس نے آنکھیں کھول کر
گرد دیکھا — زمانہ سو سال پیچھے جا چکا تھا — وہاں نہ کوئی اونچی
عمارت تھی اور نہ بجلی کے کھمبے اور کاریں — اس کے سامنے دور

دلی کا قلعہ تھا — کچھ گھوڑ سوار تلواریں لہراتے بڑی تیزی سے گرد اڑاتے اس کے قریب سے گزر گئے — عنبر جھاڑیوں میں پڑا تھا — وہ مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے عہد میں پہنچ گیا تھا — ملکہ مصر کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی تھی — کیسٹ پلیئر اس کے پاس ہی تھا — قمیص کے اندر پستول اور گولیاں بھی تھیں ۔

عنبر اٹھا اور قلعے کی طرف چلنے لگا ۔ شہر کی فصیل کے دوسری طرف انگریزوں کی فوج توپیں چلا رہی تھی اور مجاہدین آزادی فصیل کے اوپر سے گولے پھینک رہے تھے ۔

یہ غدر ۱۸۵۷ء کا زمانہ تھا — عنبر کا واپسی کا سفر شروع ہو چکا تھا — وہ ۱۹۸۰ء کی سائنسی دُنیا چھوڑ کر سو سال پیچھے کی دنیا میں داخل ہو گیا تھا — گویا وہ پانچ ہزار سال پیچھے جانے کے لیے اپنی پہلی سیڑھی اُتر چکا تھا ۔ وہ تھوڑی دور ہی گیا ہوگا کہ اچانک پیچھے سے تین چار آدمیوں نے جو ہندوستانی تھے، اُسے پکڑ لیا ۔ عنبر نے چونکہ انگریزی لباس یعنی پتلون قمیص پہن رکھی تھی ۔ اس لیے اُسے انگریزوں کا جاسوس سمجھ کر پکڑ لیا گیا تھا — یہ لوگ اُسے لے کر قلعہ کی طرف روانہ ہوئے ۔

عنبر کے پاس بریف کیس بھی تھا جس میں بارہ بور کا جرمن پستول تھا ۔ گولیوں کا ڈبہ تھا، ایک ریکارڈر کیسٹ پلیئر تھا ۔ درجن بھر جاپانی بھرے ہوئے کیسٹ تھے — ایک پتھر کا سگریٹ لائیٹر تھا جو پٹرول

سے جلتا تھا — ایک ماچس تھی — کیلکولیٹر کم بجنت تھانے میں ہی رہ گیا تھا — سونے کی ڈلی تھی — ایک پتلون تھی —

یہ ہندوستانی ہندو تھے جو عنبر کو لیے جا رہے تھے ۔ ان کا کام صرف لوٹ مار کرنا ہی تھا ۔ وہ چاہتے تھے کہ قلعے کے قریب لے جا کر عنبر کو مار ڈالیں اور اس کا سامان لوٹ لیں ۔

عنبر خاموشی سے بریف کیس اُٹھائے اُن کے ساتھ چلا جا رہا تھا — یہ ہندو دھوتیاں کُرتے پہنے ہوئے تھے ۔ سروں پر سو سال پہلے کے زمانے کی پگڑیاں تھیں ۔ ہاتھوں میں تلواریں پکڑ رکھی تھیں ۔ اور ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا ۔

وہ آپس میں پُرانے زمانے کی ٹھیٹھ ہندی زبان میں باتیں کر رہے تھے ۔

ایک ہندو نے کہا :

"ارے کلوا اس کمپنی بہادر کے لونڈے کو یہیں دبوچ لو رے"۔

کلوا بولا :

"تو پھر دیر کاہے کو کرے رے، پکڑ لیو سالے کو"۔

اور انہوں نے عنبر کو روک لیا — اور اس کے ہاتھ سے بریف کیس چھین کر اُسے کھول کر دیکھا — وہ کیسٹ اور کیسٹ پلیئر وغیرہ کو حیرانی سے تکنے لگے ۔

"یہ کاہے رے ؟"

ان کی سمجھ میں آنے والی یہ چیزیں نہیں تھیں — پھر انہوں نے پستول
اور سونے کی ڈلی دیکھی تو بولے :

"ارے یہ تو سونا ہے رے — یہ طمنچہ کیسا ہے رے کلوا ؟"

ابھی وہ یہ چیزیں دیکھ ہی رہے تھے کہ عنبر نے کیسٹ پلیئر کا
بٹن دبا دیا — اس وقت اتفاق سے کیسٹ پلیئر پر وہ ٹیپ چڑھا تھا
جس میں بموں کے دھماکے اور بجلی کے کڑاکے ریکارڈ کیے ہوئے
تھے ۔ بٹن کے دباتے ہی کیسٹ پلیئر کے لاؤڈ سپیکر میں سے ۱۹۸۰ء
کے زمانے کے خطرناک بموں کے دھماکوں کی کان پھاڑ دینے والی
آوازیں بلند ہوئیں — عنبر نے اس کی آواز فل کر دی — چاروں ہندو
لیٹرے اچھل کر ایک دم سے پرے ہٹ گئے ۔ وہ سمجھے کہ ان پر
انگریزی توپوں نے گولے برسانے شروع کر دیے ہیں ۔ ان کو ایک
دوسرے کا ہوش نہ رہا — وہ تلواریں پھینک کر ایسے بھاگے کہ مُڑ
کر بھی نہ دیکھا —

عنبر نے اس وقت تک ٹیپ بند نہ کی جب تک کہ ہندو لیٹرے
دور قلعے کی کھائی کے پار اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو گئے ۔ یہ عنبر
کا پہلا سائنس کے زمانے کا مظاہرہ تھا جو بڑا کامیاب ثابت ہوا۔
عنبر نے جب دیکھا کہ غدر کے ہندو لیٹرے غائب ہو چکے ہیں تو اس
نے ساری چیزیں اٹھا کر بریف کیس میں رکھیں — ریکارڈ پلیئر کا بٹن
دبا کر اُسے بند کر دیا — اور چلنے سے پہلے سوچنے لگا کہ اسے اپنا

لباس تبدیل کر دینا چاہیے ۔ کیونکہ اس زمانے کی انگریزی فوج بھی
پتلون پہنتی تھی اور عنبر نے بھی تنگ پائنچوں کی پتلون اور بش شرٹ
پہن رکھی تھی — اُسے قلعے کے اندر انگریزوں کا جاسوس سمجھ کر پکڑ
لیا جائے گا ۔

پھر اس نے سوچا کہ اگر اسے پکڑ بھی لیں گے تو اس کا کیا بگاڑ
لیں گے ۔ ویسے بھی اس کے پاس غدر کے زمانے کا مغل لباس
نہیں تھا ۔

وہ بریف کیس اٹھا کر آگے روانہ ہوا ۔

قلعے کی دوسری طرف سے برابر توپوں کے دھماکوں کی آوازیں
آ رہی تھیں — انگریزی فوج نے قلعے پر حملہ کر رکھا تھا ۔ عنبر نے
تاریخ میں پڑھا بھی تھا اور اپنے پہلے سفر میں دیکھا بھی تھا کہ
انگریزوں نے آخر جا کر قلعے پر قبضہ کر لیا تھا اور شہزادوں کو قتل
کر دیا گیا تھا اور بہادر شاہ ظفر کو رنگون جلا وطن کر دیا گیا تھا ۔ عنبر
اس انجام کو بدل نہیں سکتا تھا کیونکہ یہ تاریخ کا فیصلہ تھا اور اس
انجام کے حساب سے ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ آگے بڑھی تھی ۔
اگر وہ بادشاہ کے ساتھ مل کر انگریزی فوج کا مقابلہ بھی کرے اور
ان کی توپوں کو تباہ بھی کر دے ، جب بھی وہ تاریخ کا فیصلہ نہیں
بدل سکتا تھا — کیونکہ اگر انگریزوں کو شکست ہو گئی ۔ بہادر شاہ ظفر
بادشاہ بن کر دوبارا تخت پر بیٹھ گیا تو تاریخ کے آنے والے واقعات

سارے کے سارے الٹ پلٹ ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اس لیے عنبر نے سوچا کہ وہ ضرورت سے زیادہ اس جنگ میں دخل نہیں دے گا۔ کیونکہ بہادر شاہ ظفر کی قسمت میں تقدیر نے شکست لکھ دی ہے اور وہ تقدیر کے فیصلے کو ہرگز ہرگز نہیں بدل سکتا۔

اس خیال کو اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھا کر عنبر قلعے کی کھائی کے قریب آکر رک گیا۔ وہ کسی طرح قلعے کے اندر جانا چاہتا تھا۔ کھائی کے پار لال قلعے کی دیوار تھی۔ اس وقت قلعے کی دیوار کی حالت بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ بڑی پکی دیوار تھی اور کھائی بھی پانی سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے دلی شہر کی جانب نگاہ کی جو اس کے پیچھے تھا۔ شہر بڑا پرانا تھا اور پرانی عمارتوں کی چھتیں دور سے صاف نظر آ رہی تھیں۔ شہر میں ایک دو جگہوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

انگریزی فوج شہر کی فصیل کو توڑ کر قلعے کی دیوار کے پاس پہنچ چکی تھی اور اب اپنی پرانی طرز کی توپوں سے لوہے کے گولے برسا برسا کر اس دیوار کو بھی توڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ گویا جب عنبر غدر کے زمانے میں آیا تو یہ اس کا آخری وقت تھا اور ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا چراغ آخری دموں پر تھا اور بجھنے ہی والا تھا۔

عنبر نے دیکھا، کہ اس کے آس پاس دور دور تک کوئی انسان نہیں ہے۔ پھر اس نے ملکہ نفریتی کے تعویذ پر ہاتھ رکھا۔ ذرا سا اوپر کو اچھلا اور ہوا میں اوپر اٹھ آیا۔

اب اس نے ہوا میں اڑنا شروع کر دیا اور اڑتے اڑتے قلعے کی کھائی کو عبور کر لیا۔ کھائی کی دوسری جانب اونچی اونچی گھاس اگی تھی۔ جنگلی کانٹے دار جھاڑیاں تھیں۔ قلعے کی دیوار اوپر تک اٹھتی چلی گئی تھی۔

کچھ روز پہلے جب وہ ماڈرن دلی میں آیا تھا تو اس نے اسی دیوار کو بڑی خستہ حالت میں دیکھا تھا۔ لیکن اب یہ دیوار بڑی پکی اور عمدہ حالت میں تھی۔ کہیں سے بھی کوئی اینٹ پتھر اکھڑا ہوا نہیں تھا۔

عنبر دیوار کے پاس ایک جگہ پہنچ کر رک گیا۔ اس کا ارادہ یہاں سے قلعے کی دیوار پار کرنے کا تھا۔ دوسری طرف کیا ہوگا؟ یہ اسے معلوم نہ تھا۔ بہرحال یہ خطرہ اسے مول لینا ہی تھا۔ چاہے دوسری طرف وہ آگ میں ہی کیوں نہ گر پڑے۔ اسے کسی نہ کسی جگہ سے قلعے کی دیوار کو پار کرنا ہی تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ عنبر، یہاں سے دیوار پھلانگ جاؤ۔

بس عنبر نے تعویذ پر ہاتھ رکھ کر زمین سے آہستہ آہستہ اوپر اٹھنا شروع کر دیا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ ایک لفٹ کی طرح اوپر جا رہا تھا۔ قلعے کی دیوار کے اوپر جا کر وہ دو بڑی بڑی

پتھر کی بُرجیوں کے درمیان رک گیا — اس نے دوسری طرف دیکھا۔
اس کے سامنے دیوار کے نیچے ایک خوش نما باغ تھا، مگر گھاس
کے تختوں اور پھل دار درختوں پر ویرانی چھائی ہوئی تھی — آموں
کے جھنڈ اُوپر کے تختوں پر بھی تھے — ان کے پیچھے بادشاہ کا
بہت بڑا محل تھا — انگریزی توپوں اور مجاہدین کی توپوں کی آواز
یہاں بھی سنائی دے رہی تھی — سنگِ مرمر کی شاندار روشوں اور
شاہی محلات کے برآمدوں میں کچھ کنیزیں اور شہزادے عنبر نے
افراتفری کے عالم میں اِدھر اُدھر بھاگتے دیکھے —

عنبر قلعے کی دیوار سے نیچے اُتر آیا — وہ آموں کے جھنڈ
کی طرف چلنے لگا — یہاں اس نے سفید سنگِ مرمر کی بنی ہوئی مسجد
دیکھی جسے موتی مسجد کہتے تھے — اس مسجد میں کچھ مغل درباری خدا
کے حضور سجدہ کیے گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے تھے۔ عنبر اس
روش پر آگیا جو سیدھی محل کے پہلے برآمدے کی سیڑھیوں کو جاتی
تھی۔ یہاں ایک کنیز نے عنبر کو دیکھ لیا اور اچانک "فرنگی آگیا،
فرنگی آگیا" چیختی ہوئی بھاگ گئی۔

عنبر جانتا تھا کہ اس کی انگریزی پتلون سے ہر کوئی اُسے
فرنگی یعنی انگریز یا انگریزوں کا جاسوس ہی سمجھے گا۔ وہ محل کے
برآمدے میں آگیا —

یہاں کچھ درباری ادھر ادھر پریشان کھڑے آپس میں باتیں کر
رہے تھے — اُن کے لباس مغل تھے، جیسے کہ آپ نے مغل زمانے کی
کہانیوں والی فلموں میں دیکھے ہوں گے —

وہ عنبر کو دیکھتے ہی رہ گئے — پھر سب ایک جگہ جمع ہوئے
اور عنبر کی طرف بڑھے — اتنے میں ایک شہزادہ بھی وہاں آگیا۔ اُس
نے سرخ شلوکا اور چوڑی دار پاجامہ پہن رکھا تھا — سلیم شاہی جُوتی
پر ہیرے موتی لگے تھے — سر پر ایک مور کے پنکھ والی پگڑی تھی۔
ان لوگوں نے تلواریں نکال کر عنبر کو گھیرے میں لے لیا۔

شہزادے نے کڑک کر پوچھا :
"کیا تمہیں فرنگیوں نے بھیجا ہے ؟"
ایک درباری نے کہا :
"شہزادہ عالم، یہ فرنگی جاسوس ہے — اس کی گردن اڑا دی
جائے —"
دوسرے درباری نے کہا :
"اسے پکڑ کر بادشاہ حضور کے پاس لے جایا جائے"
ایک اور درباری تلوار لہرا کر آگے بڑھا اور بولا :
"شہزادہ عالم، اجازت دیجیے کہ میں اس فرنگی غلام کی گردن
اڑا دوں"
شہزادے نے تلوار والا ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا :
"ٹھہریں، شاید یہ انگریزوں کی طرف سے صلح کا پیغام لے کر

آیا ہے ؟"

پھر شہزادے نے عنبر کی طرف تلوار کی نوک کا اشارہ کر کے کہا:

"بولو، انگریزوں نے تمہیں ہمارے پاس صلح کا پیام دے کر بھیجا ہے ؟"

عنبر اب تک خاموش تھا اور ان سب کی باتیں خاموشی سے سُن رہا تھا — جب شہزادے نے انگریزوں کے صلح کرنے کی بات کی تو وہ دل میں ہنس دیا کہ یہ آرام پسند بزدل شہزادے شاہی محل میں چوڑی دار پاجامے پہن کر کیا سوچ رہے ہیں۔ اُس نے کہا:

"اے شہزادے، انگریزی فوج نے تو آپ کے سارے دلّی شہر پر قبضہ کر لیا ہے اور اب محل کی دیوار بھی ٹوٹنے والی ہے۔ پھر بھلا وہ آپ سے صُلح کی بات کیوں کرنے لگے ۔"

مغل شہزادہ عنبر کے اس بے باکانہ جواب پر چونک پڑا —— درباریوں میں بھی غصّے کی لہر دوڑ گئی ۔

شہزادے نے کہا:

"پھر تم ان کے جاسوس ہو — تم جاسوسی کرنے آتے ہو، شاہی محل میں ۔"

عنبر نے غدر کی ساری تاریخ پڑھی ہوئی تھی — اس نے مسکرا کر کہا:

"جاسوس تو آپ کے شاہی محل کے اندر موجود ہیں۔ آپ کے اپنے مسلمان بھائی اور رشتے دار انگریزوں کے باقاعدہ تنخواہ دار جاسوس ہیں۔ پھر مجھے جاسوسی کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟"

اس جواب پر ایک سیکنڈ کے لیے سب پر موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ سب جانتے تھے کہ محل کے اندر کیا کیا سازشیں ہو رہی ہیں، بلکہ اُن میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ان سازشوں کا حصّہ تھے — ایسے دو آدمی غصہ کھا کر تلواریں کھینچ کر عنبر پر حملہ کرنے بڑھے — بارہ بور کا شاندار اور انتہائی ماڈرن ریوالور عنبر کی جیب میں تھا — جونہی دو مغل درباریوں نے عنبر پر تلوار اٹھائی، عنبر نے جیب سے ریوالور نکال کر فائر کر دیا۔

گولی ایک حملہ کرنے والے کی تلوار کے دستے کے قریب لگی اور تلوار دو ٹکڑے ہو کر نیچے گر پڑی — ریوالور کے دھماکے اور تلوار کے ٹوٹنے سے وہ لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ اس زمانے میں بڑے بھدے اور لمبے لمبے طمنچے ہوا کرتے تھے۔ یہ طمنچے بارود اور سکّہ بھر کر فائر کیے جاتے اور جب چلتے تھے تو اس کی موٹی نالی میں سے بے پناہ دھواں نکلتا تھا — مگر جو چھوٹا سا ریوالور عنبر کے ہاتھ میں تھا، اُس میں سے نہ دھواں نکلتا تھا نہ شعلہ نکلتا تھا۔ ایک ایسی گولی نکلی تھی کہ جس نے بجلی کی چمک بن کر تلوار کے دو ٹکڑے کر

دیے تھے۔ شہزادے نے کہا:

"تمہاری اردو بھی ہم سے کافی مختلف ہے۔ تمہارا طمنچہ بھی ہمارے ہتھیاروں سے بہت اچھا ہے۔ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو؟"

عنبر نے ریوالور کو ہاتھ میں گھماتے ہوئے کہا:

"شہزادے، ابھی میرے پاس بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو تم لوگوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوں گی۔"

"تم کون ہو؟" ایک مغل درباری نے بلند آواز سے پوچھا۔

عنبر نے ریوالور کا رُخ اس درباری کی طرف کر کے کہا:

"زیادہ چیخنے کی کوشش نہ کرو، نہیں تو میرے ریوالور کی ایک ہی گولی تمہاری آخری چیخ نکال کر خاموش کر دے گی۔"

شہزادے نے کہا:

"تم جو کوئی بھی ہو، ہمارے ساتھ آؤ۔ ہم تمہیں بادشاہ سلامت کے پاس لیے چلتے ہیں۔ وہ تم سے مل کر خوش ہوں گے۔"

عنبر نے سوچا کہ بادشاہ سلامت سے ضرور ملنا چاہیے۔ اگرچہ وہ بادشاہ کو اور اُس کی سلطنت کو تباہی سے نہیں بچا سکتا، کیونکہ وہ تاریخ کے فیصلے، بلکہ جو ہو چکا ہے، اُسے تبدیل نہیں کر سکتا۔ پھر بھی اور کچھ نہیں تو کم از کم چھوٹے موٹے خون خرابے سے تو شاہی خاندان کو محفوظ کر دے گا۔

وہ شہزادے اور درباریوں کے ساتھ شاہی غلام گردش میں سے ہو کر بادشاہ کی خواب گاہ کی طرف چلا۔

لیکن شہزادے اور درباریوں کے دل میں کھوٹ تھا۔ وہ اُسے اِدھر اُدھر محل کی غلام گردشوں میں گھما کر ایک زینے سے نیچے لے گئے۔ یہاں اُسے ایک کوٹھڑی کے کھلے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"بادشاہ سلامت جنگ کی وجہ سے نیچے تہہ خانے میں ہیں۔ تم اندر چلو۔"

عنبر اندر چلا گیا۔ اس کے اندر جاتے ہی پیچھے لوہے اور پتھروں کا بنا ہوا بھاری دروازہ نیچے گر پڑا۔ عنبر اندھیری کوٹھڑی میں بند ہو گیا تھا۔ اندھیرا اتنا تھا کہ عنبر کو اپنا ہاتھ تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ بریف کیس اس کے پاس ہی تھا۔ اُس نے اُس میں سے سگریٹ لائیٹر نکال کر جلایا۔ لائیٹر کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹی سی تنگ پتھریلی کوٹھڑی میں بند ہے جس کا نہ کوئی روشندان ہے نہ کھڑکی۔ ایک ہی دروازہ تھا جو پتھر کی دیوار بن کر دیوار کے ساتھ دیوار ہو گیا تھا۔

عنبر نے لائٹر بجھا دیا۔ وہ پٹرول ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا، کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ ایک بار سگریٹ لائٹر کا پٹرول ختم ہو گیا تو

پھر اس میں ڈالنے کے لیے پٹرول کہیں سے نہ مل سکے گا۔ اس
لیے کہ ۱۸۵۷ء میں تو پٹرول ابھی دریافت ہی نہیں ہوا تھا۔ لیکن
اس نے پتھر کا سگریٹ لائٹر اس لیے لیا تھا کہ شاید وہ اس
میں کسی دوسری قسم کا تیل ڈال کر روشن کر سکے۔ سگریٹ لائٹر کے
بجھنے سے کوٹھڑی میں دوبارا گھپ اندھیرا چھا گیا۔

انگریز جاسوس

محل میں شور مچ گیا کہ انگریزوں کا ایک جاسوس پکڑا گیا ہے۔
وہاں پہلے ہی افراتفری مچی تھی۔ شاہی محل کے اندر بھی حکیم احسن اللہ
انگریزوں کے جاسوس تھے اور انگریزوں کو مجبور کر رہے تھے کہ وہ
محل چھوڑ کر ہمایوں کے مقبرے چلے جائیں۔

انگریز چاہتے تھے کہ بادشاہ جونہی محل چھوڑ کر مقبرے میں
جائیں، انہیں اور شہزادوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ بہادر شاہ ظفر
بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

حکیم احسن اللہ کو جب خبر ہوئی کہ محل میں انگریزوں کا
جاسوس پکڑا گیا ہے تو وہ بڑا حیران ہوا کہ اس کے ہوتے ہوئے
انگریزوں نے ایک اور جاسوس کیوں بھیج دیا۔ اس نے شہزادے سے
کہا کہ وہ اُسے جاسوس کے پاس لے چلے۔

شہزادے نے کہا:

"اُس کے پاس ایک ایسا طمنچہ ہے کہ جب چلتا ہے تو نہ
دھواں نکلتا ہے اور نہ زیادہ دھماکا ہوتا ہے۔ اس کی کوئی تلوار

کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے۔"

حکیم نے حیرانی سے پوچھا:

"ایسا طمنچہ اُسے کہاں سے مل گیا۔ کمپنی بہادر نے کوئی نئی شے ایجاد کر لی ہے کیا؟"

یہ شہزادہ بھی حکیم احسن اللہ سے ملا ہوا تھا۔ دونوں نے یہ طے کیا کہ اس جاسوس کی خبر بادشاہ کو نہ ہونے دیں گے اور انگریز کمانڈر کرنل ہڈسن کو آدمی بھیج کر پوچھا جائے کہ کیا انہوں نے کوئی جاسوس بھیجا ہے؟ شام کو خبر ملی کہ انگریزوں نے کسی جاسوس کو نہیں بھیجا۔

حکیم احسن اللہ نے شہزادے سے کہا:

"میں نہ کہتا تھا کہ انگریز ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتا۔"

شہزادے نے کہا:

"تو پھر یہ نوجوان کون ہے؟"

"چل کر دیکھنا چاہیے۔"

ان باتوں میں ہی شام ہو گئی۔ انگریزی فوج کی گولہ باری سست پڑ چکی تھی۔ پیچھے سے گولا بارود آ رہا تھا۔ قلعے کے اوپر مورچوں میں بیٹھے مجاہدین نے بھی ہاتھ روک لیا۔ انگریز کمانڈر نے فیصلہ کیا کہ آدھی رات کو قلعے کے اوپر چڑھ کر حملہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اُدھر عنبر کوٹھڑی کے اندھیرے میں بیٹھے بیٹھے تنگ آ گیا۔ اُس نے سوچا، یہاں سے باہر نکلنے کی تدبیر کرنی چاہیے۔ وہ کوٹھڑی کے پتھر کے دروازے کے پاس آیا۔ اس نے دیوار کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔ دیوار فولاد کی طرح سخت تھی۔ عنبر کے لیے یہ دیوار اتنی مضبوط نہیں تھی کہ وہ اُسے توڑ نہ سکتا۔ عنبر کے پاس بہت طاقت تھی۔ قدرت نے اُسے اتنی طاقت دے رکھی تھی کہ وہ بڑے سے بڑے درخت اور چٹان کو جڑ سے اکھاڑ سکتا تھا۔ لیکن اس وقت اُسے اپنا دوست اور بھائی ناگ بہت یاد آیا۔ عنبر نے سوچا کہ دیکھنا چاہیے یہاں کوئی آدمی اس کے پیچھے آتا ہے کہ نہیں۔

وہ کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ آخر اُسے کوٹھڑی کے باہر تہ خانے کے پتھریلے فرش پر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ چوکنا ہو گیا۔

اتنے میں پتھر کا دروازہ اپنے آپ پرے ہٹ گیا اور اُس کے سامنے حکیم احسن اللہ اور شہزادہ عالم کھڑے تھے اور بڑے غور سے عنبر کو دیکھ رہے تھے۔

"تم کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو؟" حکیم احسن اللہ نے پوچھا۔

عنبر نے کہا:

"پہلے یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟"

حکیم نے کہا:

"میرا نام حکیم احسن اللہ ہے۔"

عنبر نے تاریخ پڑھی بھی تھی اور تاریخ میں اس نے سفر بھی کیا تھا — تاریخ اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزری تھی۔ دنیا کے ہر ملک کے بڑے بڑے واقعات کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا — وہ سمجھ گیا کہ یہ وہی حکیم احسن اللہ ہے جس نے انگریزوں کے ساتھ مل کر بہادر شاہ ظفر سے غداری کی تھی — تاریخ اپنے آپ کو دُہرا رہی تھی — وہ اب بھی غداری کر رہا تھا اور عنبر اسے ایسا کرنے سے نہیں روک سکتا تھا — کیونکہ اسے اتنی اجازت نہیں تھی — کہ وہ تاریخ کے واقعات کی زنجیر کی کسی کڑی کو بیچ میں سے الگ کر دے — کیونکہ اس طرح سے دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو سکتا تھا —

عنبر خاموش کھڑا اور حکیم احسن اللہ کو غور سے دیکھنے لگا کہ اچھا ایسے ہوتے ہیں مسلمانوں کے غدار — اس کا دل چاہا کہ وہ ایک مُکا مار کر اس غدار کو ہمیشہ کی نیند سُلا دے — مگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ اُس شخص کو غداری کرنا تھی — یہی تقدیر میں لکھا تھا اور عنبر تقدیر کے لکھے کو، خاص طور پر ان واقعات کو جو ہو چکے تھے، نہیں مٹا سکتا تھا۔ اس نے حکیم احسن اللہ

سے کہا:

"مجھے بادشاہ کے پاس لے چلو۔"

شہزادہ عالم بولا:

"وہ کس لیے؟ تم کون ہوتے ہو بادشاہ سلامت سے ملنے والے؟ تمہارے پاس جو یہ چیزیں ہیں، انہیں ہمارے حوالے کر دو۔"

عنبر کو بڑا غصہ آیا۔ اُس نے کہا:

"میں سب کچھ جانتا ہوں کہ تم دونوں کون ہو اور مغلیہ سلطنت کے آخری چراغ کو بجھانے کے کیا کیا جتن کر رہے ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم دونوں انگریزوں کے لیے جاسوسی کرتے ہو — حکیم احسن اللہ کو انگریز جاسوسی کے عوض بھاری رقم دیتے ہیں اور تمہیں حکیم نے ولی عہد بنانے کا لالچ دے رکھا ہے — حقیقت یہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ بھی دھوکا کر رہا ہے۔"

دونوں غصے سے کانپنے لگے — حکیم احسن اللہ خان کا تو رنگ سُرخ ہو گیا۔

"تمہاری یہ ہمت کہ مجھ پر جاسوسی کا الزام لگاؤ۔"

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا:

"اے غدار انسان، تمہیں شرم ہو تو چلو بھر پانی میں جا کر ڈوب مرے — آنے والی مسلمان قوم تمہیں ہمیشہ غدار اور ذلیل

ترین انسان کے نام سے یاد کریں گی۔"

حکیم احسن اللہ نے آگے بڑھ کر پوری طاقت سے عنبر کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ طمانچہ اس قدر زور دار تھا کہ کوٹھڑی کی فضا گونج اٹھی۔ مگر عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ دوسری طرف حکیم احسن اللہ کا ہاتھ زخمی ہو گیا، جیسے کسی پتھر کے ساتھ ہاتھ ٹکرا گیا ہو۔

عنبر نے کہا:

"تم ابھی مجھے نہیں جانتے غدار حکیم، میں تمہیں ابھی کھڑے کھڑے جہنم میں پہنچا سکتا ہوں، مگر میں ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ حکم ربی ہے کہ تم زندہ رہو، غداری کرو۔ اور آنے والی نسلیں تمہیں غدار ملت کے نام سے یاد کر کے تمہیں رہتی دنیا تک پھٹکار ڈالتی رہیں۔"

حکیم احسن اللہ نے شہزادے کی طرف دیکھ کر چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ کچھ گھبراہٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ دونوں فوراً کوٹھڑی سے باہر آ گئے۔ ان کے جاتے ہی پتھر کا دروازہ فوراً بند ہو گیا۔ عنبر نے اس طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ اس نے سوچنا شروع کیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

وہ تاریخ کے واقعات میں دخل نہ دے سکتا تھا۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ وہ باہر نکل کر دکھی اور زخمی لوگوں کی مدد ضرور سکتا تھا۔ اُس نے کوٹھڑی میں سے باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ دیوار کے دروازے کے پاس آیا۔ پتھر پر دونوں ہاتھ رکھے اور پوری طاقت سے اُسے دھکا دیا۔ پتھر کا دروازہ ٹوٹ کر ایک دھماکے کے ساتھ دُور جا گرا۔ عنبر کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔

وہ اندھیری راہداری میں سے ہوتا ہوا ایک زینہ چڑھ کر چھوٹی سی برجی میں نکل آیا۔ رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ وہ قلعے کی چھت پر تھا اور دوسری جانب مغل سپاہی اور مجاہدین توپوں میں گولے بھر رہے تھے۔

قلعے کے نیچے میدان میں انگریزی فوج کے کیمپوں میں لالٹین کی روشنیاں ہو رہی تھیں اور کسی وقت کوئی توپ چل جاتی تھی۔ اندھیرے کی وجہ سے عنبر کو کسی نے نہ دیکھا۔ وہ چھت پر فصیل کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا مغرب کی طرف آ گیا۔ یہاں ایک گول برج تھا جس میں سے سیڑھی نیچے جاتی تھی۔ عنبر یہاں سے اترا تو وہ قلعے کے شاہی محل میں تھا۔

یہاں سنگِ مرمر کے چبوترے پر سرخ رنگ کا قالین بچھا تھا۔ ستونوں کے ساتھ مخمل کے پردے لٹک رہے تھے۔ عنبر آگے بڑھا۔ وہ بادشاہ سے مل کر اسے اتنا ضرور کہنا چاہتا تھا کہ وہ حکیم احسن کی باتوں میں آ کر ہمایوں کے مقبرے نہ جائے۔ عنبر کا خیال تھا کہ

اس طرح سے وہ کم از کم شہزادوں کو قتل ہونے سے بچا سکے گا، کیونکہ مغلیہ سلطنت کی شکست تو لکھی جا چکی تھی؛ ہاں کم عمر شہزادوں کی جانیں اگر بچالی جائیں تو ہو سکتا ہے، تاریخ پر اس کا زیادہ خطرناک اثر نہ پڑے۔

برآمدہ آگے جا کر مڑ گیا۔ سامنے ایک ہال کمرہ تھا۔ کچھ لوگ افراتفری میں ایک طرف کو بھاگ گئے۔ انہوں نے مغل درباریوں کا لباس پہن رکھا تھا۔ پھر اُسے اپنے پیچھے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔

عنبر جلدی سے پردوں کے پیچھے چھپ گیا۔ دو مغل درباری باتیں کرتے تیز تیز قدموں سے اس کے قریب سے گزر گئے۔ وہ بادشاہ سلامت کو کوئی خاص بات بتانے جا رہے تھے۔

عنبر کچھ فاصلے پر رہ کر ان کے پیچھے چل پڑا۔

شاہی محل کی آرائش دیکھنے والی تھی۔ جھاڑ فانوس، ریشمی قالین، زربفت کے پردے، جواہرات سے چمکتی ہوئی دیواریں۔ مگر یہ سب کچھ اداس تھا، کیونکہ شاہی محل پر آفت ٹوٹ پڑی تھی۔ انگریزی فوج شاہی محل کے دروازے پر پہنچ چکی تھی۔

عنبر اچانک ایک ایسے دیوان میں آگیا، جہاں سامنے دو نیزہ بردار ایک سونے چاندی کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے جو اپنے سامنے ایک انگریزی پتلون قمیص والے کو دیکھا تو نیزے تان کر اس کی طرف بڑھے۔

"خبردار۔"

عنبر نے دونوں ہاتھوں سے اسے پرے دھکیل دیا۔ پہرے دار اتنے دھکے سے ہی کوئی بیس فٹ کے فاصلے پر جا گرا۔ دوسرے پہرے دار نے عنبر پر نیزہ پھینک دیا۔ یہ بڑے ماہر تلوار باز اور نیزہ باز سپاہی تھے اور انہیں خاص طور پر بادشاہ کی خوابگاہ کے باہر پہرے پر لگایا گیا تھا۔ نیزہ سیدھا عنبر کی چھاتی پر آ کر لگا اور ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ پہرے دار نے تلوار نیام سے کھینچ لی اور عنبر پر حملہ کر دیا۔

عنبر اس دوران میں بھاگ کر دروازے کے پاس آگیا تھا۔ اس نے بریف کیس میں ہاتھ ڈال کر ٹیپ کو آن کر دیا۔ ٹیپ توپوں کے دھماکوں والی تھی۔ ایک دم سے شاہی خواب گاہ کے باہر بھیانک دھماکے کی آواز گونجی۔ پہرے دار اُچھل کر دور جا گرا۔ اندر سے حکیم احسن اللہ، شہزادہ معظم اور بخت جان تلواریں سونت کر باہر آگئے۔

"کیا ہوا؟ یہ توپ کہاں چلی؟"

عنبر نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"یہ دھماکا میں نے کیا ہے۔ مجھے بادشاہ سلامت کے پاس لے چلو۔ میں بہت دور سے انہیں ملنے آیا ہوں۔"

بخت خان نے تلوار کی نوک عنبر کے سینے پر رکھ کر کہا:
"تم کون ہو؟ تمہیں فرنگی نے بھیجا ہے؟"
عنبر اس سپاہی کے زرہ بکتر اور چال ڈھال سے سمجھ گیا
کہ یہ عظیم بہادر جرنیل اور سچا مسلمان سپاہی بخت خان ہے جس
نے آخری وقت تک بادشاہ کو ثابت قدم رکھنے کی کوشش کی تھی۔
اور انگریز نے غدر کے بعد جس کا سر کاٹنے کے لیے جگہ جگہ چھاپے
مارے، مگر جوان کے ہاتھ نہ آیا تھا۔
عنبر نے پوچھا:
"کیا آپ بخت خان ہیں؟"
"ہاں، مگر تم کون ہو تمہیں یہاں تک پہنچنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"
عنبر نے کہا:
"عظیم جرنیل، میں ہر جگہ بلا روک ٹوک پہنچ سکتا ہوں۔ تلوار
ہٹا لیجیے۔ کیونکہ یہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ مجھے بادشاہ کے
پاس لے چلیے۔"
حکیم احسن اللہ نے کہا:
"یہ شخص جھوٹا ہے، جاسوس ہے۔ اسے انگریزوں نے جاسوسی
کرنے بھیجا ہے۔ اس کا سر قلم کر دو۔"
عنبر نے کہا:
"جاسوس میں نہیں تم ہو۔ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو۔

حکیم احسن اللہ کو دربار میں وزیر کی جگہ حاصل تھی۔ آج تک
کسی کی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ
سکے اور یہ نوجوان لڑکا اُسے سب کے سامنے جاسوس اور غدار کہہ
رہا تھا۔
اُس نے سپاہیوں کو آواز دے کر کہا:
"اسے پکڑ کر سولی پر لٹکا دو۔"
سپاہی آگے بڑھے تو عنبر نے جیب سے پستول نکال کر ایک
فائر کیا۔ ہلکے سے دھماکے کے ساتھ گولی نکلی اور ایک سپاہی کی
ٹانگ کو زخمی کر کے اسے گرا دیا۔
عنبر نے کہا:
"کوئی اور آگے بڑھا تو میں اسے جان سے مار دوں گا۔"
بخت خان کو معلوم تھا کہ حکیم احسن انگریزوں کی جاسوسی کر
رہا ہے۔ جب عنبر نے اس راز کو فاش کیا تو بخت خان کا ماتھا
ٹھنکا کہ یہ نوجوان مجاہدین کا ہمدرد اور انگریزوں کا دشمن معلوم
ہوتا ہے۔ اُس نے تلوار نیام میں کر لی اور عنبر سے کہا:
"میرے ساتھ آؤ نوجوان۔"
اور وہ عنبر کو اندر بادشاہ کی خدمت میں لے گیا۔
عنبر نے دیکھا کہ کمزور اور لاغر بوڑھا بادشاہ، بہادر شاہ ظفر
مغلیہ سلطنت کا آخری بادشاہ تخت پر تکیے سے ٹیک لگائے خاموش

اداس بیٹھا تھا۔ تسبیح اس کے ہاتھ میں تھی اور آنکھیں چھت پر
لگی تھیں۔

عنبر نے بادشاہ کو کورنش پیش کی اور کہا:

"عالم پناہ، میرا نام عنبر ہے اور میں نے پانچ ہزار برس پہلے
ملک مصر سے اپنے سفر کو شروع کیا تھا۔ میں تاریخ کے ساتھ
ساتھ سفر کرتا ۱۹۰۰ء تک گیا۔ میں نے انگریزوں کے عروج اور
پھر زوال کا زمانہ دیکھا اور اب پھر ۱۸۵۷ء میں آکر واپسی کا سفر
شروع کر رہا ہوں۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ ہمایوں
کے مقبرے نہ جائیں۔ کیونکہ اس میں آپ کے شہزادوں کی جان کو
خطرہ ہے۔"

حکیم احسن اللہ نے ٹوک کر کہا:

"جہاں پناہ، یہ شخص کوئی پاگل ہے۔ اسے دربار میں
حاضر ہونے کی اجازت نہیں دینا چاہیے تھی۔"

بادشاہ نے آہستہ سے کہا:

"اس دیوانے کو کس نے ہمارے دربار میں حاضر ہونے کی
اجازت دی ہے؟"

شہزادہ عالم نے جھٹ کہا:

"حضور، بخت خان نے۔"

بادشاہ نے بخت خان کی طرف دیکھا۔ عنبر نے کہا:

"جہاں پناہ، میں دیوانہ نہیں ہوں۔ میں تاریخ کا فرزند ہوں۔
جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ آپ سب کے ساتھ ہونے والا ہے،
اس کا مجھے علم ہے۔ لیکن میں آپ کو بتاؤں گا نہیں۔ کیونکہ
اس کی مجھے اجازت نہیں ہے۔ ہاں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ
اگر آپ اپنے بچوں کی زندگی چاہتے ہیں تو محل چھوڑ کر نہ جائیں۔"

اس پر شہزادہ عالم اور حکیم احسن اللہ نے عنبر کے خلاف
زہر اگلنا شروع کر دیا۔ بادشاہ سے کہا کہ اس نوجوان نے ہمارے
ایک سپاہی کو اپنے طپنچے سے زخمی کر دیا ہے۔

بخت خان نے بادشاہ سے کہا۔

"حضور انور، اس نوجوان عنبر کی باتوں پر غور فرمایا جائے۔
مجھے اس کی باتوں سے سچائی کی خوشبو آتی ہے۔"

بادشاہ نے کہا:

"آپ لوگ کچھ دیر کے لیے چلے جائیں۔ میں تنہائی میں
اس نوجوان سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

بخت خان، شہزادہ عالم اور حکیم احسن اللہ آداب بجا لا کر باہر
چلے گئے۔ بادشاہ اور عنبر خواب گاہ میں اکیلے رہ گئے۔ بادشاہ
نے اپنے تخت کے بائیں جانب کی سونے کے تاروں والی رسی
کو ذرا سا کھینچا۔ سامنے والا پردہ ہٹا اور ملکہ زینت محل دو کنیزوں
کے ساتھ اندر آئی اور بادشاہ کے پاس تخت پر بیٹھ گئی۔ اس

نے عنبر کی طرف شک وشبہ کی نظر سے دیکھا۔ کیونکہ عنبر کی پتلون اُسے
انگریزوں کا آدمی ظاہر کرتی تھی۔ بادشاہ نے عنبر کی طرف اشارہ
کر کے اپنی ملکہ زینت محل کو بتایا کہ یہ نوجوان اپنے آپ کو تاریخ کا
فرزند کہتا ہے۔

زینت محل نے کہا:

"تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟"

عنبر نے بریف کیس کھول کر ٹیپ ریکارڈ نکال لیا۔ سب
اس عجیب وغریب شے کو حیرت سے تکنے لگے۔

بادشاہ نے پوچھا:

"یہ کیا چیز ہے؟"

عنبر نے کہا:

"حضور انور، یہ چیز آج سے ایک سو سال بعد ایجاد ہوگی۔
لیکن چونکہ میں سو سال آگے کے زمانے سے واپس آیا ہوں،
اس لیے اپنے ساتھ سو سال بعد ایجاد ہونے والی کچھ چیزیں لے
آیا ہوں۔"

عنبر نے سگریٹ لائیٹر نکال کر جلایا تو اس کا لہراتا ہوا شعلہ
دیکھ کر زینت محل، بادشاہ اور کنیزیں ایک دم سے چونک پڑیں۔

"یہ شعلہ کہاں سے نکل آیا؟" کنیز نے پوچھا۔

عنبر نے کہا:

"اس کے اندر ایک خاص قسم کا تیل ہے جسے پٹرول کہتے
ہیں۔ یہ بھی آج سے سو سال بعد زمین کے اندر سے نکالا جائے گا۔"

پھر اُس نے ریوالور نکال کر بادشاہ کو دکھایا:

"جہاں پناہ، یہ بھی آج سے سو سال بعد ایجاد ہونے والا
ریوالور ہے، جسے آپ آج کے زمانے میں طمنچہ کہتے ہیں۔ اس کے
اندر بارہ گولیاں پڑتی ہیں اور اس میں سے کوئی دھواں یا شعلہ
نہیں نکلتا۔ یہ دیکھیے اس کی گولیاں۔"

اور عنبر نے جیب سے گولیوں کا ڈبہ نکال کر زینت محل کے
آگے رکھ دیا۔ گولیوں کو وہ سب حیرانی سے دیکھنے لگے۔ بادشاہ نے
پوچھا:

"یہ مشین کس کام آتی ہے؟"

عنبر نے کہا:

"اسے آپ جادو کی مشین کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایسی شے ہے
کہ جس کا کام دیکھ کر آپ پر سکتہ بھی طاری ہو سکتا ہے، کیونکہ
ایسی مشین کا آپ ابھی تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

پھر اس نے ایک ٹیپ بادشاہ کو دکھائی:

"اس کو ٹیپ کہتے ہیں۔ اس فیتے پر آپ کی آواز بھری جا
سکتی ہے اور اسے اس مشین پر دوبارہ سنا جا سکتا ہے۔"

بادشاہ اٹھ کر بیٹھ گیا:

"یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟"

"ابھی دیکھ لیجیے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوتا ہے؟"

عنبر نے نئی ٹیپ چڑھا کر مائیک کا رخ زینت محل کی طرف کیا اور بولا:

"ملکہ عالم، کوئی بات کیجیے۔"

"کیا بات کروں؟"

عنبر نے بٹن بند کر دیا اور مسکرا کر بولا:

"بس اتنی بات ہی کافی ہے۔"

پھر اس نے بٹن دبا کر ٹیپ آن کر دی۔ سپیکر میں سے زینت محل کی آواز نے وہی فقرہ دہرایا۔

"کیا بات کروں؟"

عنبر نے ایک بار پھر ٹیپ چلائی۔ زینت محل کی آواز آئی:

"کیا بات کروں؟"

اپنی آواز کو بار بار مشین میں سے نکلتا سن کر زینت محل دنگ رہ گئی۔ کنیزیں اور بادشاہ سلامت آنکھیں پھاڑے حیرت سے ٹیپ ریکارڈر کو تک رہے تھے۔ جس میں چلتی ہوئی گول ٹیپ کا فیتہ بار بار زینت محل کا یہ جملہ دہرا رہا تھا:

"کیا بات کروں؟ کیا بات کروں؟ کیا بات کروں؟"

عنبر نے ٹیپ کو بند کر دیا اور کہنے لگا:

"ملکہ عالم، آپ کو یقیناً اس بات کا ثبوت مل گیا ہوگا کہ میں اگلے زمانے میں سے آ رہا ہوں اور میں تاریخ کا بیٹا ہوں۔"

بادشاہ نے اپنا سر تھام لیا:

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

زینت محل بولیں:

"اگر تم آج کے بعد آنے والے زمانے میں سے آ رہے ہو تو پھر تمہیں یہ بھی علم ہوگا کہ ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اس جنگ میں کس کی فتح ہوگی اور ہمارا تاج و تخت سلامت رہے گا یا نہیں؟"

عنبر نے کہا:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے سب معلوم ہے مگر میں اسے ظاہر نہیں کر سکتا۔"

"کیوں؟" زینت محل نے کچھ ناراضگی سے کہا۔

"اس لیے کہ اگر میں نے آنے والی باتیں اور واقعات کو ظاہر کر دیا تو اس دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لیے مجھے مجبور نہ کریں۔"

پھر عنبر نے ایک تازہ ٹیپ چڑھا کر کہا:

"میں جس زمانے سے آ رہا ہوں، وہ بڑا ترقی کر چکا ہے۔ اس کا ثبوت ملاحظہ کریں۔"

اور عنبر نے انہیں لتا منگیشکر، نور جہاں اور مہدی حسن کے
گانوں کی ٹیپ سنائی۔ سب اس کا منہ تک رہے تھے۔ پھر عنبر نے
بموں کے دھماکے اور شیر کی دھاڑیں اور جانوروں کی آوازیں سنائیں
جو اس نے ٹیپ پر ریکارڈ کر رکھی تھیں ۔ زینت محل تو بُت
بنی یہ سب کچھ سُن رہی تھی ۔

"میرے اللہ، تم کس دنیا سے یہ چیزیں اٹھا لائے ہو؟"
زینت محل کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا ۔

بادشاہ کہنے لگا:

"کیا تم انگریزوں کے خلاف ہماری مدد نہیں کر سکتے؟"

عنبر نے کہا:

"کر سکتا ہوں، مگر صرف اتنی کہ میرے کہنے پر یہ محل چھوڑ
کر نہ جائیں۔"

بادشاہ نے زینت محل کی طرف دیکھ کر کہا:

"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے کہ ہمیں محل نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

بلکہ زینت محل کو انگریزوں کے جاسوس نے اپنے اعتماد میں
لے رکھا تھا اور اُسے بھی یقین دلایا تھا کہ اگر وہ بادشاہ کو
بخت خان کے مشورے قبول نہ کرنے پر راضی کر لیں گی تو اُن
کے بیٹے کو انگریز ولی عہد تسلیم کر لیں گے اور اُسے کچھ نہیں کہا
جائے گا۔ زینت محل نے یہ شرط اسی لیے قبول کر لی تھی کہ

اسے معلوم تھا، فتح انگریز کی ہوگی ۔ چنانچہ زینت محل نے بادشاہ
کی طرف دیکھ کر کہا:

"ایک نہ ایک دن تو چھوڑنا پڑے گا۔ فرنگی شاہی محل میں
چڑھ آئے تو کیا کریں گے ۔ جان نہ سہی، عزت بچا کر ہی یہاں
سے بھاگنا ہوگا۔"

عنبر نے کہا:

"کاش، آپ شاہی محل میں ہی رہیں۔"

زینت محل نے عنبر کو ڈانٹ کر کہا:

"تم ہمارے شاہی معاملات میں دخل دینے والے
کون ہوتے ہو؟"

عنبر نے آداب بجا لاتے ہوئے کہا:

"ملکہ عالم، میں جانتا ہوں، آپ لوگوں کا انجام کیا ہونے
والا ہے ۔ اگر میں آپ کو آپ کا انجام بتا دوں تو آپ کو ہرگز
ہرگز یقین نہ آئے گا ۔ مگر خدا کی قسم ایسا ہو کر رہے گا۔ ایسا
آپ کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔"

زینت محل نے غصے سے کہا:

"کیا لکھا ہے ہماری قسمت میں؟ کیا انجام ہوگا ہمارا؟
یہی نا کہ ہم مار دیے جائیں گے تو پھر کیا ہوا؟"

عنبر بولا:

"ملکہ عالم، آپ کا انجام اس سے زیادہ دردناک ہے۔"

زینت محل اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"زبان کو لگام دو اجنبی لڑکے۔"

عنبر نے بڑے ادب سے کہا:

"ملکہ عالیہ، آپ نے مجھ سے حقیقت پوچھی تھی، اس لیے میں نے وہ بیان کردی۔ اس سے اگر آپ کی دل آزاری ہوئی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔"

اس پر بادشاہ نے کہا:

"عنبر، تم غیب کی باتیں کرتے ہو، مگر غیب کا علم تو صرف خدا کو ہے۔"

عنبر نے کہا:

"بادشاہ سلامت، میں اس غیب کی بات آپ کو بتا رہا ہوں جو ہو چکا ہے۔ وہ صرف آپ کے لیے غیب ہے؛ وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ آج سے ایک سو برس آگے جا کر دیکھیے، لاہور۔ کراچی اور اسلام آباد کے سکولوں میں بچوں کو آپ کے غدر کی داستان پڑھائی جا رہی ہے۔ اخباروں میں آپ کے اور آپ کے شاہی محل کے غداروں کے بارے میں آئے دن مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اور رنگون میں ....."

ایکدم عنبر رُک گیا۔ جذبات میں آکر وہ راز کی بات کہنے

والا تھا۔

بادشاہ نے جھٹ پوچھا:

"ہاں ہاں، رنگون میں کیا ہوا تھا؟ تم رُک کیوں گئے۔ بات پوری کرو۔"

عنبر نے کہا:

"بادشاہ سلامت، مجھے اجازت نہیں ہے۔ میں یہ بات، یہ راز فاش نہیں کر سکتا۔ یہ تقدیر کا راز ہے۔"

بادشاہ نے بڑے درد بھرے لہجے میں کہا:

"میرے بچے، کیا تم مجھے ایک بھی بات نہیں بتاؤ گے؟ کم از کم وہ راز تو بتا دو۔ جس کے ظاہر کرنے سے تاریخ کی زنجیر کی کڑیاں سلامت رہیں گی۔"

عنبر نے کچھ دیر سوچا کہ رنگون والی بات بتا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس ہونی کو کوئی نہیں روک سکے گا۔

عنبر نے سرد آہ بھر کر کہا:

"تو سنیے بادشاہ سلامت۔ انگریزوں کو اس جنگ میں فتح ہوگی۔"

بادشاہ نے کہا:

"وہ تو ہم دیکھ رہے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ہمارا کیا انجام ہوگا؟"

عنبر نے کہا:

"آپ کو رنگون میں جلا وطن کر دیا جائے گا۔"

"کیا؟"

بادشاہ تخت پر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

زینت محل کبھی بادشاہ اور کبھی عنبر کا منہ تکنے لگی۔ اس نے کنیزوں کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ کنیزیں منہ چھپائے جانے لگیں تو ملکہ نے کہا:

"خبردار، یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔"

کنیزوں نے جھک کر کہا:

"ہرگز نہیں ملکہ عالیہ۔"

کنیزیں چلی گئیں تو عنبر نے ملکہ سے کہا:

"اب اس بات کو چھپانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جلا وطنی اب کوئی دنوں کی بات ہے۔"

بادشاہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ اس کا بوڑھا چہرہ غم سے اور بوڑھا نظر آنے لگا۔ اس نے اپنی جوان ملکہ کی طرف دیکھ کر عنبر سے پوچھا:

"اور ہماری چہیتی ملکہ.....؟"

عنبر نے کہا:

"جلا وطنی میں یہ آپ کے ساتھ ہوں گی۔"

ایک پل کے لیے شاہی خواب گاہ میں سناٹا چھا گیا۔ بادشاہ اور ملکہ دونوں کے رنگ زرد ہو گئے تھے۔ قلعے کی فصیل کی جانب سے انگریزی توپ خانے نے دوبارہ گولہ باری شروع کر دی تھی۔ اس کے جواب میں قلعے کے اوپر سے مغل سپاہی اور مجاہدین بھی توپیں چلا رہے تھے مگر ان کی آوازیں دیر دیر بعد آتی تھیں۔ جس کا صاف صاف مطلب یہی تھا کہ اُن کے پاس گولہ بارود ختم ہو رہا تھا۔ توپوں کے دھماکے شاہی خواب گاہ میں صاف سُنے جا رہے تھے۔ بادشاہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر پوچھا:

"ہمارے شہزادوں، ہمارے بیٹوں کا انجام کیا ہو گا؟"

عنبر نے آہستہ سے کہا:

"بادشاہ سلامت، تقدیر کا یہ وہ پردہ ہے، جسے میں نہیں اٹھا سکتا۔ میں اس راز کو فاش کر سکتا۔ ہاں، میں اتنا مشورہ آپ کو ضرور دے سکتا ہوں کہ آپ شاہی محل کو نہ چھوڑیں اور اگر محل چھوڑنا ہی پڑے تو پھر ہمایوں کے مقبرے نہ جائیں اور اگر وہاں چلے جائیں تو پھر وہاں سے باہر نہ نکلیں، چاہے دنیا ادھر کی اُدھر ہو جائے۔"

کہنے کو تو عنبر نے یہ کہہ دیا تھا مگر اُسے معلوم تھا کہ ایسا نہیں ہو گا۔ بادشاہ محل چھوڑے گا۔ وہ ہمایوں کے مقبرے

بھی جائے گا، پھر ہمایوں کے مقبرے سے باہر نکل کر انگریزوں
کے ہاتھوں گرفتار بھی ہو گا اور اس کے تینوں بیٹوں کے سر
کاٹ کر خونی دروازے میں لٹکا دیے جائیں گے۔

بادشاہ نے کہا:

شکست کے بعد تو ہم انگریزوں کی قید میں آ جائیں گے۔
پھر ہماری مرضی کون مانے گا۔ ہمیں کیونکر اختیار ہو گا کہ ہم
ہمایوں کے مقبرے سے باہر نہ آئیں"

عنبر نے کہا:

"آپ درست فرماتے ہیں عالی جاہ، مگر پھر بھی آپ کوشش
کریں کہ مقبرے کے اندر ہی انگریز آپ کو گرفتار کریں"

بادشاہ خاموش ہو گیا۔ اس کا سر جھک گیا۔ اُس کی
انگلیاں اپنے آپ تسبیح پر چل رہی تھیں۔ خواب گاہ کے بڑے
فانوس میں لگی موم بتیاں جھلملا رہی تھیں، جیسے زندگی کے آخری
سانس لے رہی ہوں۔

ملکہ زینت محل کا چہرہ بھی پریشان تھا۔ اُسے اپنے بیٹے
کے ولی عہد نہ بننے کا غم تھا۔ پھر بھی اس کے دل میں امید کی
ایک کرن روشن تھی کہ شاید انگریز اس کی "خدمت" کے عوض تخت
بحال کر کے اس کے بیٹے کو اس کا وارث بنا دے۔ اچانک
قلعے کی فصیل کی طرف ایک بھیانک دھماکا ہوا۔ بادشاہ نے

چونک کر کہا:

"یا اللہ خیر"

دو کنیزیں دوڑی دوڑی آئیں اور بوکھلائی ہوئی آواز میں
بولیں:

"ظلِ الٰہی، فرنگی نے قلعے کی دیوار توڑ ڈالی"

بادشاہ خدا کے حضور سجدے میں گر گیا اور دُعا مانگنے لگا۔
زینت محل وہاں سے کنیزوں کے ساتھ چلی گئی۔
عنبر کچھ دیر سجدے میں گرے ہوئے مغل خاندان کے آخری
کمزور اور بوڑھے بادشاہ کو دیکھتا رہا، پھر وہ بھی شاہی خوابگاہ
سے باہر نکل گیا۔

اور جہاز ڈوب گیا

جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔

بوڑھا بادشاہ اپنے خاندان کو لے کر شاہی محل سے نکلا اور ہمایوں کے مقبرے میں جا ڈیرا لگایا۔

کرنل ہڈسن نے بادشاہ کے بیٹوں کا خون پینے کی قسم کھا رکھی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار فوج لے کر ہمایوں کے مقبرے پہنچ گیا — حکیم احسن اللہ سے سازش کی اور بادشاہ کو خاندان سمیت باہر نکلوا لیا کہ جاکر آرام سے شاہی قلعے میں رہیں۔ مگر راستے میں جب خونی دروازہ آیا تو اس شاہی قافلے کو روکا — بادشاہ کے تینوں بیٹوں کو باہر نکالا۔ اُن کے سر کاٹ کر خون پیا اور تینوں سر خونی دروازے میں ٹکا دیے۔

دلی شہر پر انگریزوں کا پورا قبضہ ہو گیا — ہندو سکھ فوج انگریزوں کے ساتھ تھی اور مسلمانوں کے مکان لوٹ کر ان کا قتل عام کر رہی تھی۔ شریف پردہ دار مسلمان عورتیں اپنی عزت بچانے کے لیے کنوؤں میں کود گئیں — دلی کے کنوئیں مسلمان عورتوں کی لاشوں سے بھر گئے۔ ہندو، سکھ اور انگریز فوجی مسلمانوں کے گھروں میں گھس جاتے۔

عورتوں کو اغوا کر لیتے اور مردوں کو وہیں قتل کر دیتے۔ سارا مال و اسباب لوٹ لیتے۔

گلیاں سنسان ہو گئی تھیں — بازاروں میں جگہ جگہ لاشیں بکھری پڑی تھیں جنہیں گدھ نوچ رہے تھے — عنبر سے یہ سب کچھ دیکھا نہ جاتا تھا مگر وہ دیکھنے پر مجبور تھا — یہ ایک قوم کی غداری، بے کرداری اور بداعمالیوں کی سزا تھی جو اُسے مل رہی تھی اور بُروں کے ساتھ نیک بھی پس رہے تھے۔

عنبر ایک گلی میں سے گزر رہا تھا کہ اُسے ایک مکان کے اندر سے کسی عورت کی چیخ کی آواز سنائی دی — وہ بھاگ کر مکان میں داخل ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ دو سکھ اور ایک انگریز فوجی ایک مسلمان لڑکی کو گھسیٹ رہے ہیں اور وہ دالان کے فرش پر لوٹ پوٹ ہوئی جا رہی ہے۔ عنبر نے آگے بڑھ کر ایک سکھ فوجی کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچ لیا — عنبر نے اپنا بریف کیس ہمایوں کے مقبرے میں ایک جگہ زمین کھود کر چھپا دیا تھا کہ جب اس شہر سے جانے لگے گا تو نکال لے گا — اس وقت عنبر کے پاس اپنا بھرا ہوا ریوالور اور کچھ گولیاں جیب میں پڑی تھیں۔

دوسرے سکھ فوجی اور انگریز نے جب ایک نوجوان کو جو شکل و صورت سے مسلمان لگتا تھا دیکھا تو اپنے پرانے زمانے کی لمبی لمبی نالیوں والی بندوقیں تان لیں۔

عنبر نے اُن کی بندوقوں کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ اُس نے مسلمان لڑکی سے کہا:

"بہن، گھبراؤ نہیں — میں تمہاری مدد کو آگیا ہوں"

دو سکھ فوجیوں نے عنبر کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا۔ انگریز فوجی نے بندوق اوپر لا کر عنبر کے سر کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ دھماکا ہوا۔ عنبر کپڑے جھاڑ کر اٹھ کر کھڑا ہو گیا — اس نے کہا:

"میں تم تینوں کو یہاں سے بھاگنے کی مہلت نہیں دوں گا"

تینوں فوجیوں نے عنبر پر ایک ہی وقت میں اپنی اپنی بندوقوں کا ایک ایک فائر جھونک دیا — تین دھماکے ہوئے — دھواں چھٹا تو یہ دیکھ کر تینوں کافر اور مسلمان لڑکی بڑی حیران ہوئی کہ عنبر کو کچھ بھی نہیں ہوا تھا — عنبر نے جیب سے اپنا جرمن ریوالور نکال لیا۔ انگریز نے ریوالور دیکھا تو پیچھے ہٹا — عنبر نے بڑے سکون سے فائر کر دیا — گولی جو چھوٹی مگر بڑی ظالم تھی۔ انگریز غنڈے کے دماغ میں گئی اور دوسری طرف سے کھوپڑی توڑ کر نکل گئی — دونوں سکھ بھاگنے لگے — مگر عنبر تو انہیں اُن کے گناہوں اور قتل عام کی سزا دینے کا فیصلہ کر چکا تھا — اس نے پیچھے سے ایک ایک گولی چلائی اور دونوں سکھ گولی کھا کر ذرا سا اُچھلے اور پھر اُن کی لاشیں انگریز فوجی کی لاش کے پاس ہی پڑی تھیں۔

عنبر نے مسلمان لڑکی کے سر پر زمین سے اٹھا کر دوپٹہ دیا۔

"بہن، اسے اوڑھ لو"

مسلمان لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے —

"بھائی، تم رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ہو — میرے ماں باپ کو بھی بچاؤ"

"کہاں ہیں وہ؟"

"ہندو فوجی افسر انہیں سولی پر لٹکانے کے لیے پکڑ کر لے گئے ہیں"

"مگر ان کا جرم کیا ہے؟"

لڑکی کا نام قدسیہ تھا — قدسیہ نے کہا:

"ان کا قصور اتنا ہے کہ ان کے گھروں سے سونا چاندی نہیں نکلا — اگر نکل آتا تو انہیں چھوڑ دیا جاتا"

ایک طرف جھاڑیاں تھیں — عنبر نے قدسیہ سے کہا:

"تم ان جھاڑیوں کے پاس بیٹھ جاؤ — میرا انتظار کرو — میں ان لوگوں کی جا کر خبر لیتا ہوں"

قدسیہ ڈرتی ڈرتی روتی ہوئی آنکھوں کے آنسو پونچھتی جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئی — سولی کے پاس دو گورکھے ہندو کرنل میز کرسی لگائے بیٹھے تھے — آٹھ سکھ فوجی ان کے دائیں بائیں کھڑے تھے — سامنے گھاس پر دس بارہ مسلمان مرد اور عورتیں زرد

خوفزدہ چہرے لیے بیٹھی تھیں — چار پانچ گورکھے سپاہی ان کے
اوپر کھڑے بندوقیں تانے پہرہ دے رہے تھے — عنبر بے دھڑک
جا کر ایک گورکھے کرنل کے پاس بولا :

" ان لوگوں کو چھوڑ دو اور ان کی جگہ مجھے سولی پر لٹکا دو ۔"

گورکھا کرنل نے عنبر کو سر سے پاؤں تک دیکھا —

" کون ہو ؟ مسلمان ہو ؟ "

" ہاں ۔"

" اسے سب سے پہلے سولی پر لٹکاؤ ۔"

سپاہیوں نے اسی وقت عنبر کو پکڑ کر اُس کے دونوں ہاتھ
پیچھے باندھ دیے — گورکھے کرنل آپس میں ہنسنے لگے ۔ سکھ فوجی
عنبر کو سولی کے پاس لے گئے — ہندو گورکھا کرنل بولا :

" جلدی کرو — ہم اس کی پھانسی کا تماشہ دیکھیں گے ۔"

اور پھر دونوں ہندو کرنل قہقہے لگا کر ہنسنے لگے — عنبر خاموش
رہا — اس نے کوئی اعتراض نہ کیا — وہ سولی کے تختے پر چڑھ کر
کھڑا ہو گیا — اس کے گلے میں جلاد نے رسّی ڈال کر کس دی —
جلاد مسلمان تھا ۔ یہ کسی کو خبر نہ تھی — اس نے عنبر کے کان میں
کہا :

" مجھے معاف کر دینا میرے بھائی ۔"

عنبر نے کہا :

" تم مسلمان ہو گیا ؟ "

" شی ۔" جلاد نے کہا : " آہستہ بولو ۔ نہیں تو یہ ابھی مجھے
بھی تمہارے ساتھ ہی پھانسی پر لٹکا دیں گے ۔"

عنبر نے ہنس کر کہا :

" فکر نہ کرو بھائی — ابھی تم ایک ایسا تماشہ دیکھو گے کہ جو
تم نے اور تمہارے باپ دادا نے بھی کبھی نہیں دیکھا ہو گا ۔"

جلاد نے آہستہ سے افسوس کے ساتھ سر جھٹکا — سمجھ گیا کہ
بے چارہ موت کے خوف سے پاگل ہو گیا ہے — اس نے کہا :

" خدا کو یاد کرو بھائی — یہ باتیں چھوڑو ۔"

ہندو کرنل چنگھاڑا :

" ارے جلاد، کیا باتیں کر رہا ہے ؟ "

جلاد نے ہاتھ باندھ کر کہا :

" سرکار، یہ کہتا ہے رسّی کا پھندا تنگ ہے ۔"

اس پر کرنل زور سے ہنسا :

" اسے کہو ابھی اور تنگ ہو جائے گا، فکر نہ کرو ۔"

دوسرے ہندو کرنل نے رومال ہلاتے ہوئے حکم دیا —

" دے دو پھانسی اسے ۔"

جلاد نے تختہ کھینچ دیا — عنبر پھانسی کا پھندا گلے میں ڈالے
لٹکنے لگا — قدسیہ کے منہ سے غم کے مارے چیخ نکل گئی ۔ فوجی ادھر

کو دوڑے اور قدسیہ کو کھینچ لاتے۔ اپنی بیٹی کو دیکھ کر اس
کے ماں باپ بھی رونے لگے جو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ زمین پر
بیٹھے اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ عنبر نے یہ نقشہ دیکھا تو
اپنے ایکشن کو شروع کر دیا۔ سب سے پہلے تو اس نے ایک جھٹکا
دیا اور رسی ٹوٹ گئی۔ وہ زمین پر گر پڑا۔ پھر اس نے اپنے
ہاتھوں کی رسی کو جھٹکے سے توڑ ڈالا۔ ہندو فوجی سمجھے کہ مرنے
کے بعد نیچے گر پڑا ہے۔ لیکن جب انہوں نے مُردے کو زمین
پر سے اٹھ کر اپنے ہاتھوں کو رسی کی گرفت سے آزاد کرتے
اور گلے کی رسی کو کھولتے دیکھا تو پہلے تو حیرت سے ایک دوسرے
کا منہ تکنے لگے۔ پھر کرنل کے حکم پر اس کی طرف لپکے۔

"اسے پکڑ کر گولی مار دو۔"

کئی گولیاں عنبر پر فائر ہوئیں۔ مگر عنبر کے بدن سے ٹکرا
کر نیچے گر پڑیں۔ عنبر نے جیب سے اپنا ریوالور نکال کر کھولا۔
اس پر ہندو فوجی گولیاں چلاتے رہے اور عنبر نے ریوالور میں
باقی دو گولیاں بھی بھریں اور پھر اوپر تلے سات فائر کر کے سات
ہندو فوجیوں کی لاشیں زمین پر ڈال دیں۔ ہندو کرنل تلوار
سونت کر عنبر کو قتل کرنے اس کی طرف بڑا۔

عنبر نے اس کی تلوار کا وار بڑے آرام سے اپنے ہاتھ پر
لیا اور پھر تلوار کھینچ لی اور اسی تلوار سے کافر کے دو ٹکڑے کر

دیے۔ اب باقی فوجی عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ عنبر نے ایک ایک
کر کے دس گیارہ ہندو سکھ فوجیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ باقی بھاگ
کھڑے ہوئے۔

یہ منظر دیکھ کر سارے مسلمان مرد اور عورتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔
انہوں نے عنبر کو گھیر لیا:

"یا اللہ، تو نے رحمت کا فرشتہ بھیج دیا۔"

قدسیہ سے اس کے ماں باپ لپٹ لپٹ جاتے تھے۔ عنبر
نے ان سب کو کہا:

"فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ۔ لاہوری دروازے کی طرف
سے نکل کر پنجاب کی طرف کوچ کر جاؤ۔ خدا تمہارا نگہبان ہو۔"

سب لوگ عنبر کو اس طرح دیکھ رہے تھے، جیسے وہ کوئی
آسمان سے اترا ہوا فرشتہ ہو جو ان کی مدد کرنے خاص طور پر
زمین پر نازل ہوا تھا۔ آخر عنبر کے کہنے پر وہ سارے لوگ
لاہوری دروازے کی طرف چل دیے۔

عنبر بھی وہاں سے نکل کر دوسری طرف چلا گیا۔

رات گہری ہو گئی تھی۔ شہر میں کئی جگہوں پر آگ لگی تھی۔
جس کے شعلوں سے آسمان روشن ہو رہا تھا۔ عنبر دلّی کی
گلیوں اور سنسان بازاروں سے گزرتا کشمیری دروازے کی طرف
آ گیا۔ یہ دروازہ انگریزوں کی توپوں کی گولہ باری سے بالکل

تباہ ہو چکا تھا۔ جگہ جگہ لاشیں پڑی تھیں۔

عنبر ہمایوں کے مقبرے کی طرف جانا چاہتا تھا جو وہاں سے کافی دُور تھا۔ اس کا خیال تھا کہ رات مقبرے میں بسر کرے گا اور دن نکلنے پر دلّی شہر کو چھوڑ کر کلکتے کی بندرگاہ کا رُخ کرے گا اور پھر وہاں سے کسی بحری جہاز میں بیٹھ کر بصرہ اور پھر مصر پہنچ جائے گا۔ اگرچہ اُسے ابھی اپنے ماں باپ اور رشتے داروں کو ملنے کے لیے پانچ ہزار سال کا انتظار کرنا تھا، لیکن اس کے باوجود وہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے وطن چل کر دیکھے کہ وہاں کس کی حکومت ہے۔

عنبر شہر سے باہر ایک باغ کی دیوار کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ باغ میں ڈراؤنا اندھیرا تھا۔ دلّی شہر کی ساری فضا ڈراؤنی ہو رہی تھی۔ یہاں اس نے ایک سائے کو دیکھا جو درختوں میں سے ہو کر باغ کی طرف جا رہا تھا۔

عنبر کے دل میں خیال آیا کہ آدھی رات کو یہ کون شخص ہے؟ وہ ایک طرف چھپ گیا۔ سایا پرانے باغ کے دروازے پر پہنچ کر رُک گیا۔ اس نے اپنے پیچھے دیکھا کہ کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ پھر وہ تیزی سے باغ کے اندر داخل ہو گیا۔ عنبر بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ سایا کسی مرد کا تھا جس نے مغل زمانے کا لباس پہن رکھا تھا۔ رات کے وقت باغ

پر قبرستان کی سی خاموشی چھائی تھی۔ آسمان پر ستارے چمکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کی روشنی بڑی پھیکی تھی، پھر بھی اس پھیکی روشنی میں عنبر سائے کو باغ کے چبوترے کی سیڑھیاں چڑھتے صاف دیکھ سکتا تھا۔

چبوترے پر پہنچ کر سایا ایک زینے سے نیچے کے تہ خانے میں اُتر گیا۔ عنبر بھی تھوڑا وقفہ ڈال کر زینے پر پہنچ گیا۔ زینے میں ہلکی ہلکی روشنی تھی جو آگے کو جا رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس سائے نے زینے کی سیڑھیاں اترنے کے بعد موم بتی قسم کی کوئی شے روشن کر لی تھی۔

عنبر آگے آگے جاتی ہلکی روشنی میں بڑھتا گیا۔ یہ ایک سُرنگ تھی جس کی چھت سے جالے لٹک رہے تھے اور جو عنبر کے سر سے کوئی فٹ اونچی تھی۔ چوڑائی صرف ایک آدمی کے گزرنے کی تھی۔ سرنگ کا ایک موڑ گھومنے کے بعد عنبر نے سائے کو دیکھا کہ ہاتھ میں موم بتی تھامے وہ آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔

ایک جگہ پہنچ کر سایا رُک گیا۔ عنبر بھی سُرنگ کی دیوار کے ساتھ لگ کر چھپ گیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ شخص آدھی رات کو یہاں کیا لینے آیا ہے۔ سائے نے موم بتی ایک پتھر پر رکھ دی۔ جیب میں سے چابی نکال کر سُرنگ کی دیوار میں

لگائی اور ایک چھوٹے سے دروازے کو کھول دیا، پھر وہ موم بتی
لے کر اس دروازے میں داخل ہوگیا۔

اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا تھا مگر تالا نہیں
لگایا تھا۔ عنبر نے دروازے کا ایک پٹ آہستہ سے کھول
کر اندر دیکھا۔

موم بتی کی روشنی میں اُس نے دیکھا کہ وہ سایا ایک بوڑھا
آدمی ہے۔ جس کی سفید ڈاڑھی اس کے چوڑے سینے تک آئی
ہوئی تھی۔ وہ موم بتی ایک طرف رکھ کر زمین پر پڑے
پتھروں کو اِدھر اُدھر ہٹا رہا تھا۔ پھر ان پتھروں کے نیچے سے
ایک چھوٹا سا صندوقچہ نکل آیا۔

بوڑھے آدمی نے صندوقچہ کھولا، اس میں سے غلاف میں
لپٹی ایک ڈبیا نکالی اور اسے کھول کر غور سے دیکھنے لگا۔ پھر
اُس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور ڈبیا میں سے ایک لاکٹ
باہر نکال کر اُسے چوما۔

لاکٹ کی زنجیر سفید موتیوں کی تھی، جس کی چمکیلی شعاعیں
تہہ خانے میں لہرانے لگیں۔ لاکٹ کے درمیان میں کوہ نور جتنا
بڑا ہیرا تھا۔ اس ہیرے میں سے بڑی تیز اور روشن شعاعیں
نکل رہی تھیں۔ جن کی وجہ سے اندھیرے تہہ خانے میں ایک
عجیب شفاف قسم کی روشنی پھیل گئی۔

اچانک بوڑھے نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ اُسے شک ہو
گیا تھا کہ کوئی دوسرا انسان وہاں موجود ہے۔

پیچھے عنبر کھڑا تھا۔ بوڑھے نے تلوار نکالی اور عنبر پر
حملہ کر دیا۔ عنبر نے تلوار کا وار اپنے ہاتھ پر روکا۔ تلوار
بوڑھے کے ہاتھ سے چھین کر اُسے بڑے ادب سے دوبارا پیش
کی اور کہا:

"میں مسلمان ہوں۔ دِلّی میں مسلمانوں کے زوال پر غمزدہ
ہوں۔ یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں اور یہ قیمتی لاکٹ یا ہار
آپ کہاں لے جا رہے ہیں؟"

بوڑھا ابھی تک عنبر کو حیرت اور تشویش کی نگاہ سے
دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا:

"کیا تم میرا پیچھا کر رہے تھے؟"

"ہاں۔"

"کس لیے؟"

"یہ دیکھنے کے لیے کہ آپ اگر کسی مصیبت میں ہوں تو
میں آپ کی مدد کروں۔"

"تم کون ہو؟"

عنبر نے کہا:

"اس سوال کا جواب بڑا لمبا ہے۔ اس وقت میں آپ

میں سوار ہونا ہوگا —

"مشکل یہ ہے کہ اس وقت سارے بحری جہاز انگریزوں کے چلتے ہیں اور آج کل ہر مسافر کے سوار ہونے سے پہلے زبردست تلاشی لی جاتی ہے۔"

عنبر نے کہا:

"اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا — آیئے اس تہہ خانے سے باہر نکل کر باقی باتیں کرتے ہیں۔"

تہہ خانے سے باہر آکر عنبر اور بوڑھا باغ کے چبوترے میں بیٹھ گئے اور باقی ساری رات انہوں نے یہ سوچنے میں بسر کر دی کہ انہیں کس طریقے سے دلی شہر سے نکل کر کلکتے پہنچنا ہوگا۔ دن کی روشنی ہوگئی۔

دونوں باغ میں سے نکل کر ہمایوں کے مقبرے میں گئے۔ عنبر نے وہاں سے اپنا بریف کیس نکالا — بوڑھے نے پوچھا کہ اس صندوقچے میں کیا ہے؟

عنبر نے کہا:

"یہ وقت آنے پر آپ کو معلوم ہو جائے گا۔"

بوڑھے نے کہا:

"میرا نام عادل ہے — تم مجھے چچا عادل کہہ سکتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں یہ اپنا انگریزی طرز کا لباس بدل کر

مغلیہ لباس پہن لینا چاہیے — کیونکہ اس لباس سے تم پر یہاں کے لوگ شک کر سکتے ہیں کہ تم انگریزوں کے جاسوس ہو۔"

عنبر نے کہا:

"ٹھیک ہے، میرے پاس سونے کی ایک ڈلی ہے۔ اسے بازار میں بیچ کر نیا لباس خرید لیتے ہیں۔"

بوڑھا بولا:

"شہر میں سونا تانبے کے بھاؤ بک رہا ہے — لباس میں کہیں سے لے آؤں گا — سونے کی ڈلی تم اپنے پاس رکھو، آگے چل کر ہمارے کام آئے گی — میرے پاس بھی سفر خرچ کے لیے کچھ جواہرات ہیں جو ہم کلکتے چل کر فروخت کریں گے۔"

اسی دن شام کے وقت عنبر اور عادل چچا نے ایک قافلے کے ساتھ کلکتے کی طرف سفر شروع کر دیا۔ وہ گھوڑوں پر سوار قافلے کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے —

عنبر جس زمانے سے نکل کر آیا تھا، وہاں بجلی کی ریل گاڑیاں اور جیٹ ہوائی جہاز چلتے تھے جو ایک گھنٹے میں کلکتے پہنچا دیتے۔ لیکن جس قافلے کے ساتھ وہ سفر کر رہا تھا اسے ایک مہینے کے بعد کلکتے پہنچنا تھا — بہرحال وہ اسی طرح سفر کر سکتا تھا — قافلہ چلتا رہا — آخر ایک روز وہ کلکتے پہنچ گئے — سو سال

تھا، جس کی بری حالت تھی — اور کشتی میں نیم بے ہوش پڑا تھا۔ کشتی طوفانی لہروں میں بہی جا رہی تھی — ساری رات اسی طوفان میں گزر گئی —

صبح ہوئی تو طوفان تھما — دُور کسی جزیرے کی سیاہ لکیر سی دکھائی دے رہی تھی — مکار انگریز فوجی نے جزیرے کی طرف دیکھ کر کہا :

"ایک موت سے نکل کر ہم دوسری موت کی طرف جا رہے ہیں — میں جانتا ہوں، یہ آدم خوروں کا جزیرہ ہے ۔"

***

- کیا شاهی ہار جلا وطن بادشاہ تک پہنچ سکا؟
- آدم خور جزیرے پر ان مسافروں پر کیا گزری؟
- عنبر سے اس کے پرانے ساتھی ناگ کی ملاقات کہاں ہوئی؟

آپ اس سیریز کی آئندہ شائع ہونے والی کتاب

سمندر کی چڑیل

میں پڑھیں گے۔

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ندر کی چڑیل
اے حمید
PDFBOOKSFREE.PK

مندر کی چڑیل

اے حمید

پیارے دوستو،

پچھلی قسط "جہاز ڈوب گیا" میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ عنبر کا جہاز سمندری طوفان میں غرق ہو گیا اور وہ ایک تختے پر جان بچا کر سمندر میں نکل کھڑا ہوا — اس کے ساتھ ایک مکار انگریز بھی تھا جس کی نظر عادل چچا کے قیمتی مغل ہار پر تھی جسے یہ لوگ بہادر شاہ ظفر جلا وطن بادشاہ کو دینے رنگون جا رہے تھے — عادل چچا عنبر کے ساتھ تھا — یہ لوگ ایک آدم خور جزیرے پر پہنچتے ہیں۔ یہاں بڑے ڈرامائی انداز میں ایک زہریلے سانپ کی شکل میں عنبر کی ناگ سے ملاقات ہوتی ہے — مگر۔ انگریز جاسوس عادل چچا کو ہلاک کر کے ہار اپنے قبضے میں کر لیتا ہے — ناگ سانپ بن کر انگریز جاسوس سے بدلہ لیتا ہے — اب ناگ کسی بحری جہاز کی تلاش میں سمندر کے اوپر اڑنے لگتا ہے — جزیرے میں ایک آدم خور ایک خوبصورت انگریز لڑکی کو پکڑ کر لاتے ہیں اور اسے بھون کر کھانے کی تیاریاں کر رہے ہوتے ہیں کہ عنبر وہاں پہنچ جاتا ہے — آدم خور عنبر پر نیزوں اور کلہاڑیوں سے حملہ کر دیتے ہیں اور پھر —

اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ خود پڑھیے:

[illegible]
بار اول : [illegible]
تعداد : [illegible]
ناشر : [illegible]
قیمت : [illegible]
[illegible]
[illegible]

ترتیب

بھیانک موت

دن کی روشنی میں آدم خور جزیرہ صاف نظر آنے لگا تھا۔ اونچے اونچے درختوں کے جھنڈ پہاڑی ڈھلوانوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ سمندر کی لہروں نے کشتی کو جزیرے کے کنارے پر لگا دیا۔ عادل چچا نے ساحل کی ریت پر اترتے ہوئے عنبر سے کہا کہ اس کانے انگریز سے ہمیں خبردار رہنا ہوگا۔

عنبر نے کہا، فکر نہ کرو چچا۔ یہ شخص ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

ہندو تاجر اور کانا انگریز ریت پر لیٹ گئے۔ عادل چچا بھی سمندری طوفان کی مار کھا کر لاغر سا ہو رہا تھا۔ عنبر اسی طرح چاق و چوبند تھا۔ کانا انگریز ہندو تاجر سے کچھ کھسر پھسر کرنے لگا۔ ریت پر لیٹے لیٹے انگریز نے سر اُٹھا کر عنبر کی طرف دیکھا اور پھر ہندو تاجر سے کھسر پھسر کرنے لگا۔ عادل چچا نے عنبر کے کان میں کہا:

"یہ لوگ ہمارے خلاف کوئی گہری سازش کر رہے ہیں۔ میرا

خیال ہے، ہمیں جزیرے میں کہیں روپوش ہو جانا چاہیے۔"

عنبر نے کہا:

"چچا پریشان کیوں ہوتے ہو — کمہ جو دیا کہ یہ لوگ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے — وقت آنے پر تم خود دیکھ لینا۔"

عادل چچا کو عنبر کی خفیہ طاقت کا ابھی تک علم نہیں تھا — کچھ دیر ریت پر آرام کرنے کے بعد کانا انگریز اور ہندو تاجر اٹھ کر عنبر کے پاس آ گئے — انگریز نے جزیرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"میں نے ان جزیروں کے بارے میں بہت کچھ پڑھ رکھا ہے — اس سمندر میں یہ سارے کے سارے جزیرے آدم خور وحشیوں سے آباد ہیں — ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ کہیں سے کوئی کشتی مل جائے اور ہم یہاں سے فرار ہو جائیں۔"

جس تختے پر وہ بیٹھ کر جزیرے تک پہنچے تھے وہ سمندری تھپیڑوں سے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا — عنبر کو سب سے زیادہ افسوس بریف کیس کے سمندر میں غرق ہو جانے کا تھا جس میں اُس کا ٹیپ ریکارڈر اور کیسٹ تھے — صرف ریوالور اور گولیاں اُس کے پاس جیب میں پڑی رہ گئی تھیں — سگریٹ لائٹر بھی بریف کیس میں ہی تھا —

انگریز کے مشورہ پر عنبر نے کہا:

"کشتی ہمیں یہاں صرف آدم خوروں سے ہی مل سکتی ہے۔"

اس پر ہندو تاجر خوف سے کانپتے ہوئے بولا:

"ارے باپ رے — میں تو آدم خوروں کی کشتی میں نہیں بیٹھوں گا۔"

انگریز بولا:

"ہم اُن کی کشتی چرانے کی کوشش کریں گے۔"

عنبر نے کہا:

"یہاں سے ہماری منزل رنگون کتنی دُور ہو گا؟"

انگریز نے ریت پر شمال جنوب کے نشان لگا کر کچھ حساب کیا اور بولا:

"میرے اندازے کے مطابق ہم اس وقت کالے پانی کے ایک جزیرے میں ہیں — اور رنگون یہاں سے دو دن کے سمندری سفر پر ہے — اگر ہم کشتی میں بیٹھ کر جائیں تو یہ سفر چھ سات دنوں میں طے ہو سکتا ہے۔"

عادل چچا کہنے لگا:

"اس صورت میں ہمیں چھ سات دنوں کی خوراک اور پانی کشتی میں ذخیرہ کر کے رکھنا ہو گا۔"

"ہاں، ہم اس جزیرے سے ناریل زیادہ سے زیادہ لے کر کشتی میں بھر لیں گے — ناریل سے ہمیں خوراک اور پانی دونوں

مل جائیں گے۔"

ہندو تاجر کا ڈر کی وجہ سے رنگ زرد ہو رہا تھا۔ وہ کھلے سمندر میں کشتی میں بیٹھ کر سفر کرنے سے گھبرا رہا تھا۔ اُس نے انگریز سے کہا:

"حضور، کیا ہی اچھا ہو کہ ہم یہاں بیٹھ کر کسی بحری جہاز کا انتظار کر لیں۔"

انگریز نے کہا:

"اس سے پہلے جزیرے کے آدم خور تمہیں چٹ کر جائیں گے۔"

"ارے باپ رے۔"

ہندو تاجر نے کانوں سے ہاتھ لگائے اور ریت پر بیٹھ گیا۔ آخر یہی فیصلہ کیا گیا کہ پہلے تو جزیرے میں کوئی ایسا ٹھکانا تلاش کیا جائے، جہاں کشتی چرانے تک رہا جا سکے۔ یہ جگہ خفیہ ہونی چاہیے۔ اس کے بعد کشتی چرا کر اس میں زیادہ سے زیادہ خوراک کا ذخیرہ کیا جائے۔ اور پھر کشتی کو زنگوں کی طرف سمندر میں ڈال دیا جائے۔

انگریز نے مشورہ دیا:

"میرا خیال ہے، ہمیں جزیرے کے مشرق کی طرف جا کر کوئی خفیہ جگہ تلاش کرنی چاہیے۔"

عنبر نے کہا:

"اگر آدم خوروں نے ہم پر حملہ کر دیا تو کیا ہمارے پاس اُن سے مقابلہ کرنے کے لیے کچھ ہے؟"

انگریز نے جیب سے ایک خنجر نکال کر کہا:

"میرے پاس سوائے اس خنجر کے اور کچھ نہیں۔"

عنبر نے ریوالور نکال کر کہا:

"میرے پاس یہ گن ہے۔"

انگریز نے ریوالور کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ پھر اُسے اُلٹ پلٹ کر جائزہ لیا۔ اس نے آج تک ایسی گن نہیں دیکھی تھی۔ اس زمانے میں پستول کو بھی گن ہی کہتے تھے۔

"یہ تم نے کہاں سے لی مسٹر عنبر؟"

عنبر اُسے کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اُس نے کہا:

"یہ میں نے بڑی محنت سے خود تیار کی ہے۔"

لیکن انگریز کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ اُسے عنبر کی بات کا یقین نہیں آیا۔ وہ خاموش رہا۔ اور ریوالور عنبر کو واپس کر دیا۔ جتنی دیر تک ریوالور کالے انگریز کے ہاتھوں میں رہا، چچا عادل بے چین رہے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں وہ اسے ہینڈز اپ کرا کر اُس سے مغلیہ خاندان کا انمول ہار نہ چھین لے۔

اُنھوں نے جزیرے کے مشرق کی طرف سمندری ساحل کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ آگے آگے کانا انگریز تھا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ بیچ میں ہندو تاجر تھا۔ اس کے بعد عادل چچا تھا اور سب سے آخر میں عنبر چلا آرہا تھا۔ جزیرے پر سورج کی پھیکی پھیکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کیونکہ آسمان پر ابھی تک بادل چھائے ہوئے تھے۔ ساحل پر جگہ جگہ بڑے بڑے چٹانی پتھر پڑے تھے جن کے ساتھ آآ کر سمندری لہریں ٹکرا رہی تھیں اور شور پیدا کر رہی تھیں۔

جزیرے پر ایک عجیب قسم کی گہری پُراسرار سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ درخت پہاڑی ڈھلانوں پر خاموش کھڑے تھے۔ ان میں کوئی پرندہ بھی نہیں بول رہا تھا۔ گرمی اور حبس تھا۔ کانے انگریز نے کہا:

"ہمیں زیادہ آگے نہیں جانا چاہیے۔ آگے خطرہ ہو سکتا ہے۔"

ہندو تاجر بولا:

"ارے باپ رے، خطرے والی بات نہ کریں۔"

عنبر نے کہا:

"تو پھر ہمیں اس جگہ جنگل میں کوئی ٹھکانا تلاش کرنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔"

اور وہ ساحل سے ہٹ کر جنگل میں گھس گئے۔

جزیرے کے جنگل عام طور پر بڑے گھنے ہوتے ہیں۔ یہ جنگل بھی بڑا گھنا اور ڈراؤنا تھا۔ درختوں کی شاخیں ایک دوسری میں پھنسی ہوئی تھیں اور زمین کو چھو رہی تھیں۔ زمین پر گھاس اور جنگلی جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ بعض درختوں کے تنے سانپ کی طرح زمین پر بل کھا کر پھیلے ہوئے تھے۔ جنگل میں کافی اندر جا کر ایک بہت بڑا درخت آگیا، جس کے تنے کی کھوہ میں اتنا بڑا سوراخ تھا کہ ایک آدمی بیٹھ کر اندر جا سکتا تھا۔ انگریز وہاں رُک گیا۔

"یہ جگہ چھپنے کے لیے ٹھیک رہے گی۔"

ہندو تاجر بولا:

"اس کے اندر کوئی اژدہا نہ رہتا ہو؟"

انگریز نے مسکرا کر کہا:

"اگر کوئی اژدہا نکل آیا تو ہم تمہیں اس کے آگے ڈال دیں گے۔"

خوف سے ہندو تاجر کی توند ہولے ہولے لرز رہی تھی۔

وہ کھوہ میں اُتر گئے۔ کھوہ اندر سے کافی بڑی تھی۔ دیواروں اور چھت پر درخت کی جڑیں پھیلی ہوئی تھیں۔ زمین نرم

اور گیلی تھی۔ انہوں نے جنگل سے پتے لا کر وہاں فرش بچھا دیا۔
پھر پتوں، اور گھاس کے بستر بنائے۔

انگریز نے کہا:

"عنبر! ہمیں مل جل کر کام کرنا ہوگا۔ پتوں کا بستر ہیں
نے بچھا دیا۔ اب تم ایسا کرو کہ جنگل میں جا کر پھل اور ناریل
تلاش کرو تاکہ ہم خوراک کو ذخیرہ کر کے رکھ لیں۔ ہو سکتا ہے،
ہمیں اس جگہ ہفتہ بھر رہنا پڑے۔"

کانے انگریز کی سازش یہ تھی کہ عنبر کو پھل تلاش کرنے جنگل
میں بھیج دیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آدم خوروں کے ہتھے چڑھ
جائے اور وہ بوڑھے عادل سے قیمتی ہار حاصل کرنے میں کامیاب
ہو جائے کیونکہ جب سے اس نے عنبر کے پاس ریوالور دیکھا تھا،
وہ محتاط ہو گیا تھا۔

عنبر نے کہا:

"میں ابھی پھل تلاش کر کے لاتا ہوں۔"

اور وہ درخت کی کھوہ سے نکل کر جنگل میں آ گیا۔ کافی
آگے جا کر اُسے ناریل کے اونچے اونچے درخت نظر آئے جن
کے نیچے ناریل گرے پڑے تھے۔ عنبر نے ناریل اٹھا کر جھولی
میں ڈالے اور واپس آ کر انگریز کے آگے ڈال دیے۔

"ابھی اتنے ہی کافی ہیں۔ وہاں ڈھیروں ناریل پڑے

ہیں۔ کل جا کر اور لے آئیں گے۔"

انگریز مایوس ہو گیا۔ اس کا خیال تھا، عنبر واپس نہیں
آئے گا۔ بہرحال اب وہ کسی دوسرے موقع کی ٹوہ میں رہا۔
جزیرے پر شام آئی تو دُور کسی دوسرے جزیرے سے پرندوں
کے جھنڈ آ کر درختوں میں بسیرا کرنے لگے۔ کچھ دیر وہ شور
مچاتے رہے۔ پھر چاروں طرف گہری خاموشی چھا گئی۔

انہوں نے ناریل توڑ کر کھائے اور ان کا میٹھا پانی پی لیا۔ رات آ گئی۔ سناٹا ایسا تھا کہ معلوم ہوتا تھا، جزیرے میں
ہر شے مر گئی ہے۔ کہیں زندگی کی کوئی آواز نہیں تھی۔ بندو بجر
کا ڈر سے وزن کم ہو گیا تھا۔

آدھی رات کے بعد سب سو گئے، مگر عنبر جاگ رہا تھا۔
اُسے سونے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ کھانے پینے اور سونے
سے بے نیاز تھا۔ کانا انگریز کچھ دیر تک عنبر سے باتیں کرتا
رہا تھا۔ وہ اُس سے پوچھتا رہا کہ وہ کہاں جا رہے تھے اور
یہ بوڑھا کون ہے۔ عنبر نے صرف اتنا بتایا کہ بوڑھا عادل
اس کا چچا ہے اور وہ رنگون اپنے ایک رشتے دار کے ہاں جا
رہے تھے۔

کانے انگریز کی باتوں سے عنبر نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اُسے
مغلیہ ہار کا پتا چل چکا ہے اور وہ اُس کی تلاش میں ہے۔

عنبر دل ہی دل میں ہنس دیا — کہ یہ کانا انگریز اپنی موت کو آوازیں دے رہا ہے۔

اب ایسا ہوا کہ رات جب آدھی سے زیادہ گزر چکی تو جنگل میں چاند نکل آیا مگر اس کی روشنی گھنے درختوں کے اندر بڑی مشکل سے آ رہی تھی — انگریز، ہندو تاجر اور عادل چچا سبھی سو رہے تھے — عنبر جاگ رہا تھا — اچانک اسے ایک آہٹ سنائی دی — جیسے کوئی سوکھے پتوں پر پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا ہو۔

عنبر چوکنا ہو گیا — یہ کون ہو سکتا ہے! کیا آدم خور آ گئے — عنبر چپکے سے کھوہ سے باہر نکل آیا —

جنگل میں ہر طرف ویرانی اور خوفناک خاموشی تھی — گھنی شاخوں سے چاند کی کرنیں جھاڑیوں پر رقص کر رہی تھیں۔ عنبر نے چاروں طرف دیکھا — درختوں کے نیچے گیلی زمین پر سوکھے پتے بکھرے ہوئے تھے — مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا — عنبر نے ریوالور نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا اور بائیں طرف والے درختوں کی طرف چلا — اس کا خیال تھا کہ آہٹ کی آواز ادھر سے ہی آئی تھی۔

وہ کافی آگے نکل گیا — پھر یہ سوچ کر واپس پلٹا کہ اُسے اپنے ساتھیوں سے زیادہ دُور نہیں جانا چاہیے — کم از کم عادل چچا

کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے — کیونکہ نقشہ اس کی کمر کے گرد ہمیانی میں چھپا پڑا تھا — مکار انگریز اُسے ہلاک کر کے اڑا کے رفوچکر ہو سکتا تھا —

عنبر واپس مڑا — ابھی وہ اپنے درخت کی کھوہ سے کوئی بیس قدم کے فاصلے پر تھا کہ اس نے ہلکی ہلکی چاندنی میں ایک ایسا بھیانک منظر دیکھا کہ اس کے بھی رونگٹے کھڑے ہو گئے حالانکہ وہ بہت کم ڈرا کرتا تھا، بلکہ ڈر تو اس کے قریب بھی نہیں آتا تھا — لیکن جو کچھ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا تھا، وہ اس قدر ڈراؤنی بات تھی کہ کوئی دوسرا انسان دیکھ لیتا تو دہشت کے مارے بے ہوش ہو جاتا —

عنبر نے دیکھا کہ درخت کی کھوہ میں سے ایک بہت بڑے سبز اور سیاہ رنگ کے اژدہا نے اپنا سر باہر نکالا۔ اس کا باقی دھڑ کنڈلی مارے کھوہ کے باہر ایک ڈھیر کی طرح پڑا تھا — اژدہا نے سر باہر نکالا تو اس کے منہ میں ہندو تاجر آدھا اندر جا چکا تھا — صرف ہندو تاجر کی ٹانگیں اور کہنیوں تک ہاتھ اژدہا کے منہ سے باہر تھے جو آہستہ آہستہ ہل رہے تھے — ایسا لگتا تھا کہ اژدہا نے خاموشی سے رینگتے ہوئے درخت کی کھوہ میں منہ ڈالا اور سب سے پہلے سوئے ہوئے ہندو تاجر کے سر کو منہ میں ایک دم سے نگل لیا اور وہ کوئی آواز تک نہ نکال سکا۔

عنبر نے ریوالور نکال کر اژدہا کے پیٹ پر دو فائر کیے۔

گولیوں کے دھماکے سے جنگل گونج اٹھا — انگریز اور عادل چچا ہڑبڑا کر کھوہ سے باہر نکل آئے — اژدہا کے منہ میں ہندو تاجر کو دیکھ کر وہ لرز اٹھے — اژدہا زخمی ہو کر تڑپ رہا تھا۔

کالے انگریز نے خنجر نکال کر اژدہا پر وار کرنے شروع کر دیے۔ اژدہا مر گیا — انہوں نے اژدہا کی گردن کاٹ کر ہندو تاجر کو اژدہا کے منہ میں سے باہر نکالا —

اس کی شکل بالکل مسخ ہو چکی تھی — اژدہا کے دانتوں ہندو تاجر کے اوپر والے آدھے دھڑ کو اس طرح چھیل دیا تھا کہ کھال اُڑ چکی تھی اور گوشت ادھڑ گیا تھا۔

انگریز نے عنبر سے کہا:

"اس جزیرے میں ایسے اژدہا بہت ہوتے ہیں۔ بیچارے کی موت اسی طرح لکھی تھی — ہمیں اسے دفن کر دینا چاہیے۔"

عادل چچا نے کہا:

"ہندو لوگ لاش کو دفن نہیں کیا کرتے، بلکہ جلایا کرتے ہیں۔"

انگریز بولا:

"ہم آگ جلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے — گولیوں کی آواز سے جزیرے کے آدم خور پہلے ہی ہوشیار ہو چکے ہوں گے۔"

عنبر نے کہا:

"میں اس ہندو تاجر کی جان بچانا چاہتا تھا۔ ورنہ میں گولی چلانے سے خود کترا رہا تھا۔"

انہوں نے اسی جگہ گڑھا کھود کر اژدہا اور ہندو کی لاشوں کو دفن کر دیا — کیونکہ خطرہ تھا کہ ان کی لاشیں باہر رہیں تو جزیرے کی گوشت خور چیونٹیاں حملہ کر دیں گی — اس کے بعد وہ کھوہ میں آکر بیٹھ گئے — باقی رات انہوں نے جاگ کر کاٹ دی —

جنگل میں دن کی روشنی پھیلنے لگی — درختوں میں سے تھوڑا تھوڑا آسمان دکھائی دے رہا تھا —

انگریز نے کہا:

"ہمیں مشرقی ساحل کی طرف جا کر کوئی کشتی تلاش کرنی چاہیے — میرا اندازہ ہے کہ آدم خوروں نے مشرقی ساحل کی طرف کشتیاں رکھی ہوئی ہیں۔"

عادل چچا نے کہا:

"اُدھر خطرہ زیادہ معلوم ہوتا ہے۔"

انگریز بولا:

"یہ خطرہ تو ہمیں مول لینا ہی ہوگا — نہیں تو ایک نہ ایک

رات کو ہم بھی کسی دوسرے اژدہا کی خوراک بن جائیں گے اور
اگر اژدہا نہ آیا تو آدم خور ہمیں کھا جائیں گے ۔"

عنبر نے کہا :

" نہیں یہ جگہ چھوڑ دینی چاہیے ۔۔ کیونکہ ہو سکتا ہے گولیوں
کی آواز کی وجہ سے آدم خور اس جگہ حملہ کر دیں ۔"

انگریز کہنے لگا :

" مناسب خیال ہے ۔ چلو ہم یہاں سے کوچ کرتے ہیں ۔"

تینوں کھوہ سے نکل جزیرے کے مشرقی کنارے کی طرف
روانہ ہو گئے ۔ کانے انگریز کے پاس کمپاس تھی ، جس سے سمت
کا اندازہ ہو رہا تھا ۔۔ دوپہر تک وہ جنگل کے گنجان اور کانٹے
دار جھاڑیوں سے بھرے ہوئے راستوں پر چلتے رہے ۔ عادل چچا
کا تھکان سے بُرا حال ہو گیا ۔۔ انگریز کا جسم بھی کانٹوں سے جگہ
جگہ سے چھل گیا تھا ۔۔ مگر عنبر کو کچھ نہیں ہوا تھا ۔۔ اس کے
کپڑے ضرور پھٹ گئے تھے ۔۔ لیکن جسم پر خراش تک نہ آئی
تھی ۔۔

دوپہر کے وقت وہ ایک جگہ ناریل کے جھنڈ دیکھ کر رک
گئے ۔۔

اس جگہ ایک ندی بھی بہہ رہی تھی ۔۔ ندی کے پانی میں
انہوں نے غسل کیا ۔۔ زمین پر سے ناریل اٹھا کر اپنا پیٹ بھرا اور
کچھ دیر کو آرام کرنے ایک جگہ بیٹھ گئے ۔۔ کانے انگریز نے عنبر
سے کہا :

" میں دیکھ رہا ہوں مسٹر عنبر کہ تم پر سفر کی تکلیف کا کچھ
اثر نہیں ہوتا ۔۔ سمندری طوفان میں بھی تم بڑے سکون سے
بیٹھے رہے تھے ۔۔ اس کی کیا وجہ ہے ۔۔ تمہارے جسم پر کانٹوں
سے ایک بھی خراش نہیں آئی ۔"

عادل چچا بھی کچھ حیران تھا اور یہی سوال وہ بھی عنبر سے
پوچھنا چاہتا تھا ۔۔

عنبر مسکرا کر بولا :

"میرے پاس ایک ایسا جادو ہے جس کی وجہ سے مجھ پر
کسی شے کا اثر نہیں ہوتا ۔"

" میں نہیں مانتا ۔۔ جادو کوئی چیز نہیں ۔" انگریز نے کہا ۔

عنبر نے پوچھا :

"تو پھر مجھ پر کانٹوں کے زخم کیوں نہیں لگے ؟"

انگریز بولا :

" میرا خیال ہے کہ تمہارے اندر مقابلہ کرنے کی طاقت زیادہ
ہے اور ویسے بھی تم بڑی احتیاط سے چلتے ہو ۔"

عنبر ہنس دیا :

"ٹھیک ہے ۔۔ تم ٹھیک سمجھے ۔۔ یہی میرے جادو کا راز ہے ۔"

عنبر خود بھی چاہتا تھا کہ انگریز اسی غلط فہمی میں رہے۔

دوپہر کے بعد انھوں نے پھر جنگل میں اپنا سفر شروع کر دیا۔
شام کے سائے پھیل رہے تھے کہ انہیں درختوں کے درمیان سے
دُور سمندر کے کنارے پر کھڑی بڑی بڑی چٹانیں نظر آنے لگیں۔

"سمندر آگیا ہے — مگر کشتیاں کہیں دکھائی نہیں دیتیں۔"

انگریز نے درختوں کے درمیان سے غور سے سمندر کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا — سمندر کے پانی کو عادل چچا اور عنبر بھی دیکھ
رہے تھے —

عادل چچا کہنے لگا:

"ہو سکتا ہے، آدم خور ادھر نہ رہتے ہوں۔"

انگریز نے سر کھجاتے ہوئے کہا:

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں کل صبح جزیرے کے
مغرب کی طرف جانا ہوگا۔"

عنبر کہنے لگا:

"پہلے چل کر دیکھیں تو سہی۔"

وہ جنگل سے نکل کر جزیرے کے مشرقی ساحل پر آئے
تو سورج سمندر میں غروب ہو رہا تھا — مگر وہ بادلوں کے پیچھے
تھا — شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ سمندر کی طرف
سے ٹھنڈی اور مرطوب ہوا چل رہی تھی۔ ان کا اندازہ درست نکلا۔

وہاں کسی جگہ ایک بھی کشتی نہیں تھی — انگریز کنارے کی ریت
پر بیٹھ گیا —

"اب ہمیں مغرب کی طرف جانا ہوگا۔ ایسا لگتا ہے، یہ
جزیرہ ہمیں یہاں سے زندہ سلامت نہیں نکلنے دے گا۔"

وہ رات انھوں نے اُسی جگہ بسر کرنے کا فیصلہ کیا —
چٹانوں کے درمیان سمندر کی موجیں دُور دُور سے آکر اپنا سر
پھوڑ رہی تھیں — آخر انھوں نے ایک چٹان کے اندر جگہ تلاش
کر لی — یہ ایک چھوٹا سا غار تھا جو پانی کی لہروں نے ٹکرا ٹکرا
کر بنا دیا تھا — غار کے اندر پانی جمع تھا — دیوار کے ساتھ
بڑے بڑے پتھر پڑے تھے — انھوں نے ان پتھروں پر ٹھکانا بنا
لیا — انگریز جنگل سے ناریل اور کیلے لے آیا جو انھوں نے کھا
کر پیٹ کی آگ بجھائی —

رات گہری ہوئی تو بادلوں میں بجلی چمکنا شروع ہو گئی۔ اس
کی چمک چٹانی غار کے اندر تک آ رہی تھی — بجلی چمکتی تو اس
کے تھوڑی دیر بعد بادلوں میں گرج پیدا ہوتی، جس سے چٹانیں گونج
اٹھتیں — عادل چچا پتھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر سو گیا۔ بوڑھا کمزور
انسان تھا، تھک گیا تھا۔ بہت جلد گہری نیند میں کھو گیا — انگریز
بھی جیسے سو گیا تھا — عنبر دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کر بیٹھا غار کے
باہر دیکھتا رہا جہاں رہ رہ کر بجلی چمک جاتی تھی اور بادلوں کی

گرج سنائی دے جاتی۔

پھر ایسا ہوا کہ عنبر کو اونگھ آگئی؛ حالانکہ ایسا بہت ہی کم ہوا تھا کہ عنبر کو اونگھ آئی ہو۔ مگر قسمت کی بات ہے کہ اسے اونگھ آئی اور اس کی ذرا دیر کے لیے آنکھ لگ گئی۔ اچانک کھٹکا سا ہوا اور عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے سامنے مکار انگریز اسی کا ریوالور تانے کھڑا تھا۔ اس نے اپنے آگے بوڑھے عادل چچا کو کر رکھا تھا۔

"خبردار، اگر تم نے حملہ کرنے کی کوشش کی تو میں اس بوڑھے کو ہلاک کر دوں گا۔"

ناگ مل گیا

عنبر پریشان ہوگیا۔

اس نے غلطی کی کہ سو گیا۔ بوڑھا عادل چچا بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے عنبر کو دیکھ رہا تھا۔ عادل چچا کی کمر سے اس نے مغلیہ خاندان کی آخری نشانی کروڑوں روپے کی مالیت کا قیمتی ہار نکال کر اپنے ایک ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ کانا انگریز مکاری سے مسکرا رہا تھا۔

"میں شروع ہی سے اس ہار کی ٹوہ میں تھا۔ میں اس ہار کے لیے تمہارا پیچھا کر رہا تھا۔"

عنبر نے کہا:

"عقل سے کام لو مسٹر، تم بے شک یہ ہار لے لو۔ مگر یہ بھی خیال کرو کہ تم ہماری مدد کے بغیر اس آدم خور جزیرے سے نہیں نکل سکو گے۔ تمہیں ہماری مدد کی ضرورت ہوگی۔"

انگریز نے ریوالور کی نالی عادل چچا کی گردن پر رکھی

ہوئی تھی ۔ کہنے لگا :

"میں جان بوجھ کر تم لوگوں کو اس طرف لایا ہوں۔ میں اس جزیرے سے خوب واقف ہوں ۔ میں ایک بار پہلے بھی اس جزیرے پر آ چکا ہوں ۔ آدمخوروں کی کشتیاں اسی ساحل پر مشرقی چٹانوں کے پیچھے ہیں ۔ میں اب یہاں سے فرار ہو رہا ہوں ۔ اگر تم نے مجھے پکڑنے کی کوشش کی تو میں اس بوڑھے کو گولی مار دوں گا اور پھر تمہیں ہلاک کر دوں گا۔"

عنبر ایک پل میں اس مکار کانے انگریز کی گردن مروڑ سکتا تھا ۔ مگر وہ بوڑھے عادل چچا کی خاطر مجبور تھا ۔ اگر وہ آگے بڑھتا ہے تو انگریز یقیناً عادل چچا کو ہلاک کر دے گا ۔ اس نے صرف اتنا کہا :

"مسٹر، تم حماقت کر رہے ہو ۔ یہ قیمتی ہار دلی کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی امانت ہے ۔ ہمیں یہ ہار بادشاہ تک پہنچانا ہے ۔ بہتر یہی ہے کہ یہ ہار ہمیں واپس کر دو۔"

"ہا ہا ہا ۔" مکار انگریز نے قہقہہ لگایا ۔ "تم مجھے بیوقوف سمجھتے ہو کہ میں اتنی دولت ہاتھ میں آئی ہوئی چھوڑ دوں گا؟ ہرگز نہیں ۔ میں نے اس ہار کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی ہے۔ میں تم دونوں کا خون کر کے بھی اسے لے جاؤں گا ۔ اب ایک قدم پیچھے ہٹ جاؤ۔"

کانے انگریز نے ریوالور کی نالی عادل چچا کی کنپٹی پر رکھ دی تھی ۔ عادل چچا نے کہا :

"عنبر بیٹے، تم میری جان کی پروا نہ کرو۔ اس دھوکے باز سے ہار چھین لو۔"

مگر عنبر کچھ اور سوچ رہا تھا ۔ وہ بوڑھے عادل چچا کی زندگی سے کھیلنا نہیں چاہتا تھا ۔ اسے معلوم تھا، ظالم انگریز کروڑوں روپے کے ہار کی خاطر کتنے لوگوں کو ہلاک کر سکتا ہے ۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا ۔ انگریز عادل چچا کو گھسیٹتا ہوا چٹان کے غار سے باہر نکل گیا ۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی ۔ بجلی چمکتی تو ساحل کی ریت اور سمندر کا پانی چمکنے لگتا ۔ انگریز کمبخت اس جزیرے کے سارے راستوں سے واقف تھا ۔ وہ تیزی سے عادل چچا کو گھسیٹتا ہوا ایک چٹان کے پیچھے چلا گیا ۔

عنبر لپک کر وہاں گیا ۔ چٹان کے پیچھے کچھ بھی نہیں تھا ۔ خدا جانے وہ کس کھوہ میں گم ہو گیا تھا ۔ اندھیرے میں وہاں جگہ جگہ چٹانوں میں غار سے نظر آ رہے تھے ۔ عنبر نے دو ایک غاروں میں جھانک کر دیکھا ۔ اندر کوئی نہیں تھا ۔ عنبر پریشان ہو کر چٹانوں سے باہر نکل آیا ۔ اس کا خیال تھا کہ مکار انگریز آخر باہر نکلے گا، لیکن ایسا نہ ہوا ۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع

ہو گئی —

عنبر سمندر کے کنارے ساحل کی ریت پر کھڑا چٹانوں کی طرف گھور گھور کر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک اُسے ایک بار پھر اپنے پُرانے دوست اور بھائی ناگ کی بُو محسوس ہوئی —

پیارے ساتھیو، آپ ناگ کو تو جانتے ہیں نا؟ وہی ناگ جو عنبر کے ساتھ کتنی دیر رہا تھا اور جو اصل میں ایک سانپ تھا۔ مگر پانچ سو برس زندہ رہنے کے بعد اس میں اتنی طاقت آ گئی تھی کہ انسان بن گیا تھا اور اب جو شکل چاہے اختیار کر سکتا تھا — عنبر نے لمبے لمبے سانس لے کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ ناگ کہاں ہو سکتا ہے؟

بجلی چمکی تو عنبر نے دیکھا کہ ساحل دور تک ویران تھا — عنبر اب ناگ کے سانپ کی تلاش میں تھا — کیونکہ ناگ سانپ کی شکل میں ہی عنبر سے جدا ہو کر زمین کے اندر چلا گیا تھا —

عنبر کو اب بُو بڑی تیز محسوس ہو رہی تھی۔

وہ بڑا خوش ہوا — اُسے یقین ہو گیا کہ ناگ واپس اُس کے ساتھ مل کر واپسی کا سفر طے کرنے کے لیے آ رہا ہے، بلکہ آ چکا ہے —

اُس نے آہستہ سے ناگ کو آواز دی:

"ناگ بھائی، تم آ گئے ہو کیا؟"

کوئی جواب نہ آیا — صرف سمندر کی لہروں کا ہلکا ہلکا شور تھا، جو ساحلی چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر واپس جا رہی تھیں — بوندا باندی اسی طرح ہو رہی تھی —

ناگ کی بُو اس کے سامنے تھوڑے فاصلے پر کھڑی چٹان کی طرف سے آ رہی تھی — عنبر اُس چٹان کی طرف چلنے لگا — جوں جوں وہ چٹان کے قریب جا رہا تھا، بُو تیز ہوتی جا رہی تھی —

عنبر چٹان کے قریب آ کر رُک گیا — یہاں بُو تیز تھی۔ اس نے آہستہ سے آواز دی —

"ناگ بھائی، تم آ گئے؟ کہاں ہو تم؟"

اس کے ساتھ ہی ایک زبردست پھنکار کی آواز سنائی دی۔ عنبر نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سمندر کی طرف دیکھا — کیونکہ آواز سمندر کی جانب سے آئی تھی — بجلی چمکی تو اس نے ایک سرخ خوب صورت لمبے سانپ کو دیکھا جس کے جسم پر سفید اور سبز نشان بنے ہوئے تھے — وہ اپنا سُرخ پھن اٹھائے سمندر کی لہروں پر تیرتا عنبر کی طرف آ رہا تھا — عنبر خاموش اپنی جگہ پر کھڑا رہا، اور سانپ کو اپنی طرف آتے دیکھتا رہا —

سانپ ساحل پر آ کر ریت پر بڑے شاہانہ انداز میں بل کھاتا پھن اٹھائے عنبر کے قریب آ کر رک گیا — عنبر سانپ کی طرف دیکھ کر مسکرایا — سانپ نے ایک پھنکار ماری اور وہ

ہماری بہن ماریا بھی مل جائے تو ہمارا ساتھ مکمل ہو جائے۔"

ناگ نے کہا:

"میرا خیال ہے دو بھائیوں کی محبت بہن ماریا کو ضرور ہم تک کھینچ لائے گی۔"

"انشاء اللہ۔"

ناگ نے پوچھا:

"عنبر بھائی، اب تم اپنی کہانی سناؤ کہ اس جزیرے پر کیسے پہنچ گئے؟"

عنبر نے شروع سے لے کر آخر تک ناگ کو ساری کہانی سنا دی۔ ناگ نے عنبر کی داستان کا ایک ایک لفظ بڑے غور سے سنا۔ پھر بولا:

"تو کیا وہ انگریز عادل چچا کو لے کر سامنے والی چٹانوں میں کہیں جا چھپا ہے؟"

"ہاں، ایسا لگتا ہے کہ وہ کسی سرنگ میں چلا گیا ہے۔"

ناگ نے ہنس کر کہا:

"عنبر بھائی، میں آگیا ہوں۔ اب تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ مکار انگریز زمین کی ساتویں تہہ میں بھی ہو گا تو میں اسے نکال لاؤں گا۔"

عنبر بولا:

جون بدل کر انسان کے روپ میں سامنے آگیا۔

عنبر کے سامنے اس کا پرانا ساتھی اور جگری دوست ناگ اس کی طرف باہیں پھیلائے کھڑا تھا۔

"میرے پیارے دوست ناگ۔"

"عنبر بھائی۔"

دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ ناگ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے۔

"خدا کا شکر ہے کہ اتنی مدت بعد ہم دوبارہ ایک دوسرے سے آن ملے۔ میں تمہارے بغیر اداس ہو گیا تھا اور سمندر والا کے نیچے چلا گیا تھا، جہاں ایک ڈوبا ہوا شہر تھا۔ میں اس شہر کے کھنڈروں میں رہنے لگا تھا کہ ایک رات ناگ دیوتا نے آکر مجھے بتایا کہ عنبر نے واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے اور وہ تمہارے بغیر اکیلا ہے، اداس ہے۔ پس میں نے اسی وقت تم سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔"

عنبر نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا:

"ناگ بھائی، میں کس قدر خوش قسمت ہوں کہ مجھے تم دوبارہ مل گئے۔ میرے سامنے پانچ ہزار سال کا طویل سفر تھا۔ سوچتا تھا، اکیلا یہ سفر کیسے کٹے گا۔ خدا نے مجھ پر رحم کیا۔ میری خواہش قبول کر لی اور تمہیں مجھ سے ملا دیا۔ اب اسی طرح

"میں اسے ایک منٹ میں ختم کر دیتا، مگر کیا کریں، اس کم بخت نے بوڑھے چچا عادل کو یرغمال بنا لیا تھا — اس کی جان کا خطرہ تھا۔"

"میں ابھی ان کا سراغ لگاتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ۔"

ناگ نے عنبر کو ساتھ لیا — اور چمکتی آسمانی بجلی اور بوندا باندی میں سمندر کنارے کی اس چٹان کے پاس آگیا، جہاں اس کے خیال میں مکار انگریز عادل چچا کو یرغمال بنا کر غائب ہوا تھا — عنبر نے اس چٹان کی کھوہ کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"یہاں وہ بدخصلت بدمعاش غائب ہوا تھا۔"

ناگ نے غار کے اندر جھانک کر دیکھا — اور عنبر سے کہا:

"تم اسی جگہ رک کر میرا انتظار کرنا۔"

یہ کہہ کر ناگ نے ہلکی سی پھنکار کی آواز حلق سے نکالی۔ اور دوسرے لمحے وہ سانپ بن چکا تھا — وہی سرخ سانپ جس کے سارے جسم پر سبز اور سفید دھبے تھے — ناگ چٹان کے پتھروں پر رینگتے ہوئے سرنگ کے اندر داخل ہو گیا۔

اب ہم آپ کو ذرا کالے انگریز کے بارے میں بتاتے ہیں کہ وہ کہاں چلا گیا تھا —

انگریز کے ہاتھ میں جب ہار آگیا تو اس نے ریوالور کی

نوک پر عادل چچا کو یرغمال بنایا اور ان چٹانوں کے پاس آکر ٹھہر گیا — وہ جانتا تھا کہ ایک چٹان کے اندر ایک سرنگ بنی ہوئی ہے جو اندر ہی اندر سمندر کے کنارے وہاں جا نکلتی ہے جہاں آدمخوروں کی کشتیاں بندھی رہتی ہیں —

وہ بوڑھے کو لے کر غار میں گھس گیا — اس کے اندر سرنگ تھی، جس میں ایڑیوں تک سمندر کا پانی گدلا ہو رہا تھا — وہ بوڑھے کو لے کر آگے بڑھا —

بوڑھا آخر مغل تھا — اس کی رگوں میں ہلاکو خان کے قبیلے کا خون گردش کرتا تھا — جوش میں آگیا۔ اس نے کالے انگریز کو وہیں دبوچ لیا اور جھٹکے سے ہار چھین کر پیچھے جا گرا — انگریز بوڑھے سے زیادہ طاقتور تھا — اس نے اچھل کر بوڑھے کو گردن سے پکڑا اور پانی میں گرا لیا — دونوں گتھم گتھا ہو گئے — انگریز نے بوڑھے کو پانی میں گھسیٹ کر اس کا سر ڈبو دیا اور اس وقت چھوڑا جب عادل چچا کی روح پرواز کر گئی —

انگریز نے بوڑھے کے مردہ ہاتھوں سے مغلیہ ہار نوچ کر جیب میں رکھا اور سرنگ میں آگے بھاگنا شروع کر دیا۔ آگے جا کر سمندر کا جمع شدہ پانی ختم ہو گیا — یہ مکار انگریز اس سرنگ سے اچھی طرح واقف تھا — آگے جا کر یہ سرنگ ایک چوکور بہت بڑی چٹان کے پاس نکل آتی تھی — جس کے سامنے

میں آدم خوروں کی کشتیاں بندھی رہتی تھیں — وہ سرنگ میں بھاگا جا رہا تھا — دور اُسے پوکر چٹان کی طرف روشنی سی دکھائی دی — یہ بجلی کی چمک تھی — اور سرنگ کا دوسرا سرا تھا — انگریز سرنگ سے باہر آگیا —

اس کے سامنے کشتیاں ساحل پر کھڑی تھیں اور سمندر کی لہریں ان سے ٹکرا کر واپس جا رہی تھیں — وہ لپک کر ایک کشتی میں بیٹھ گیا — اس نے رسی کھول لی اور کشتی کو لے کر سمندر کی طرف بڑھا — اُسے کوئی خبر نہیں تھی کہ ایک سرخ سانپ سرنگ میں اس کے پیچھے لگا ہوا تھا — یہ ناگ تھا — ناگ نے سرنگ کے پانی میں عادل چچا کی لاش پڑی دیکھی — وہ سمجھ گیا کہ مکار انگریز نے اسے ہلاک کر دیا ہے — ناگ تیزی سے آگے بڑھا اور سرنگ سے باہر نکل آیا —

اس نے انگریز کو دیکھا کہ وہ کشتی میں بیٹھا اس کے چپو تیز تیز چلا کر کھلے سمندر میں جا رہا ہے — انگریز بڑا خوش تھا — اس نے بڑا قیمتی مال قبضے میں کر لیا تھا جسے وہ انگلستان لے جا کر لاکھوں پاؤنڈز میں فروخت کر سکتا تھا —

وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے ایک سرسراہٹ سی سُنی — سوچا، شاید سمندر کی لہروں کی آواز ہے — پھر ایک پھنکار سنائی دی — انگریز نے پلٹ کر دیکھا تو پیچھے گردن کے پاس

ایک سانپ پھن اٹھائے کھڑا جھوم رہا ہے — اور اپنی لال لال آنکھوں سے پھنکاریں مار رہا ہے —

انگریز کا جسم خوف سے ٹھنڈا پڑ گیا — چپوؤں پر ہاتھ کمزور پڑ گئے۔ کشتی سمندر میں رک گئی — ایک سیکنڈ کے لیے سانپ اور انگریز ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورتے رہے — پھر مکار انگریز نے آہستہ آہستہ ہاتھ ریوالور کی طرف بڑھایا مگر ناگ بے خبر نہیں تھا — ابھی اس کا ہاتھ ریوالور تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ سانپ بجلی کی طرح کوندا اور لپک کر انگریز کی گردن پر ڈس دیا —

انگریز کے سارے جسم میں ایک گرم رو دوڑ گئی — پھر اُسے یوں لگا جیسے اس کا سارا جسم پتھر بنتا جا رہا ہے۔ اس کے ہاتھ، پیر اور بازو، کچھ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہل رہا تھا۔ اس کے ناک کان اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ ناگ کے زہر سے بھلا کوئی بچ سکتا تھا — ناگ عام طور پر اپنے شکار کے جسم میں اپنے زہر کا چوتھا حصہ داخل کیا کرتا تھا — مگر اس قاتل انگریز کے جسم میں اس نے اپنا سارا زہر داخل کر دیا تھا —

انگریز بیٹھے بیٹھے چپو تھامے ہوئے مر گیا — پھر وہ اوندھے منہ کشتی میں گر گیا — اس کا سارا جسم پگھلنے لگا — جسم کے

ذرّے ذرّے سے خون رِسنا شروع ہو گیا — پھر وہ گاڑھے خون
کا لوتھڑا بن کر رہ گیا اور ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

ناگ نے سانپ سے انسان کی شکل اختیار کر لی۔ انگریز
کی پگھلی ہوئی لاش کے قریب سے مغلیہ ہار اٹھا کر اُسے غور
سے دیکھا۔ ایسا چمکدار ہیرے والا ہار اس نے بھی اپنی ہزاروں
سالہ زندگی میں کم دیکھا تھا۔ ناگ نے انگریز کی لاش کو
سمندر میں پھینک دیا اور کشتی کھے کر کنارے پر لے آیا۔

عنبر چٹانوں کے پاس اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ناگ
نے مغلیہ ہار عنبر کو دے کر کہا :

" عنبر بھائی، عادل چچا کو انگریز نے ہلاک کر دیا تھا،
میں نے اسے ہلاک کر دیا — یہ لو تمہاری امانت "

دونوں سرنگ میں گئے — عادل چچا کی لاش نکال کر
اسے سمندر کے کنارے ریت کھود کر دفن کیا۔ عنبر کو اس
کی موت کا بے حد دکھ ہوا — عادل چچا کی قبر پر عنبر نے بلند
آواز سے عہد کیا :

" عادل چچا، میں تمہاری روح کے سامنے قسم کھا کر یہ
عہد کرتا ہوں کہ تمہاری یہ امانت جلا وطن مغل شہنشاہ بہادر
شاہ ظفر تک پہنچا کر دم لوں گا "

ناگ نے کہا :

" اب ہمیں یہاں سے رنگون کی طرف کوچ کرنا چاہیے۔ میرا
خیال ہے، رنگون یہاں سے کشتی کے سفر پر تین یا دو مہینے کا
سفر ہے "

عنبر نے کہا :

" یہ سفر ہمیں آج ہی کشتی لے کر شروع کر دینا چاہیے۔
یہاں ٹھہرنا اب بے کار ہے "

ناگ کہنے لگا :

" اگر ہمیں رنگون کی طرف جاتا کوئی سمندری جہاز مل
جائے تو اس طرح سے ہم بہت جلد رنگون پہنچ جائیں گے "

" یہ تو ٹھیک ہے، مگر اس جزیرے کی طرف کوئی جہاز
نہیں آتا — یہ جزیرہ سمندر میں جہازوں کے راستے سے بہت
ہٹ کر واقع ہے "

ناگ نے کچھ سوچ کر کہا :

" کیا یہ بہتر نہیں عنبر بھائی کہ میں اڑ کر جاؤں اور سمندر
کا ایک چکر لگا کر دیکھوں کہ کوئی جہاز جا رہا ہے یا نہیں، پھر
ہم کشتی میں بیٹھ کر بجائے سمندر میں بھٹکنے کے سیدھا اسی کی
طرف جائیں گے "

" اچھا خیال ہے — تم ابھی جا کر کسی ایسے جہاز کا پتا چلاؤ
میں اس جزیرے کی چٹانوں میں رہ کر تمہارا انتظار کروں گا "

دن ابھی پوری طرح نہیں نکلا تھا — پَو پھٹ رہی تھی —
آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے — اسی طرح سے بوندا باندی
ہو رہی تھی — بادلوں کے پیچھے سے دن کی روشنی چھن چھن کر
جزیرے کے ساحل اور سمندر تک آ رہی تھی — ناگ نے پھنکار
ماری اور جنگلی کبوتر بن گیا — اس نے غٹرغوں غٹرغوں کرکے عنبر
کی طرف دیکھا — اور پھر سمندر کے اوپر مغرب کی طرف اڑنا شروع
کر دیا —

اس کے جانے کے بعد بارش تیز ہو گئی — عنبر چٹانوں کی
طرف آ گیا — یہاں ایک کھوہ میں بیٹھ کر وہ ناگ کی واپسی کا
انتظار کرنے لگا —

جہاں وہ بیٹھا تھا، وہاں سے اُسے سمندر کا کنارہ دُور تک
نظر آ رہا تھا — بارش کی وجہ سے سمندر پر دُھند چھا رہی تھی —
کچھ دیر بعد بارش رُک گئی — آسمان پر سیاہ بادل اسی طرح
جھکے پھر رہے تھے — سمندر کا کنارا دُور تک ویران تھا —
جزیرے کی جانب بھی گہری خاموشی تھی — عنبر سوچنے لگا کہ
آدم خور اس جزیرے کے کہاں ہیں — ابھی تک اس نے اس
جزیرے کا ایک بھی آدم خور نہ دیکھا تھا —

ایک منٹ بعد عنبر کی خواہش پوری ہو گئی — اس نے ایک
چھوٹی کشتی کو دیکھا — کہ دُور سمندری چٹانوں سے نکل کر آئی اور

سمندر کے کنارے کنارے عنبر کی طرف بڑھنے لگی — عنبر چٹان کی
کھوہ میں چھپ کر بیٹھا تھا — کشتی میں چار پانچ آدم خور وحشی
سوار تھے۔ جنہوں نے اپنے سانولے ننگے جسموں پر نیلے اور سرخ
رنگ کی دھاریاں ڈال رکھی تھیں — کمر کے گرد چھوٹا سا کپڑا لپٹا
تھا — اور گھنے بالوں میں جنگلی طوطوں کے پَر لگے تھے —

ان کے ہاتھوں میں کلہاڑیاں تھیں — وہ کشتی سے اچھلتے
ہوئے کنارے پر آ گئے — عنبر چونک پڑا، کیونکہ ان آدم خور
وحشیوں نے ایک گوری چٹی سنہری بالوں والی ایک میم کو پکڑ
رکھا تھا اور اُسے ریت پر گھسیٹتے ہوئے جنگل کی طرف لے جا
رہے تھے — عنبر کو اچانک خیال آیا کہ ہو سکتا ہے یہ انگریز
عورت بھی اسی جہاز میں سفر کر رہی ہو جس میں وہ سفر کر رہا
تھا اور پھر جہاز کے ڈوبنے پر یہ کسی تختے پر بیٹھ کر اس جزیرے
کی طرف آنے میں کامیاب ہو گئی ہو — اور اب ان آدم خوروں
کے قبضے میں آ گئی —

"اس بدنصیب مظلوم عورت کو وحشی آدم خوروں سے بچانا
چاہیے — نہیں تو یہ اسے آگ میں زندہ جلا کر کھا جائیں گے"
عنبر کے دل میں جیسے اپنے آپ یہ خیال آیا اور وہ چٹان
کی کھوہ سے نکل کر باہر آ گیا — اب جو اس نے دیکھا تو
وہاں کوئی نہیں تھا — آدم خور جیسے بجلی ایسی تیزی کے ساتھ

انگریز عورت کو اٹھا کر جنگل میں لے جا کر گم ہو گئے تھے۔ عنبر جاگ
کر جنگل میں داخل ہو گیا — یہ جنگل آدمخوروں کا گھر تھا۔ وہ اس کے
تمام راستوں سے واقف تھے — یہاں ان کے لیے گم ہونا کوئی مشکل
کام نہ تھا۔ جنگل تک آدم خوروں کے قدموں کے اور انگریز عورت
کے گھٹنوں کے نشان ریت پر صاف دکھائی دے رہے تھے۔ جنگل
میں یہ نشان ختم ہو گئے تھے — کیونکہ جنگل میں جنگلی گھاس اور
خاردار جھاڑیاں تھیں۔

کوئی آواز بھی نہیں آ رہی تھی — عنبر اندازے سے ایک طرف
چل پڑا — جوں جوں وہ آگے بڑھ رہا تھا، جنگل زیادہ گھنا ہوتا
جا رہا تھا — رات بھر کی بارش کی وجہ سے جنگل کی زمین دلدل
بنی ہوئی تھی — مگر اس دلدل پر گھاس ہی گھاس تھا جس کی
وجہ سے کسی جگہ قدموں کا ایک بھی نشان نہیں تھا۔ پھر بھی عنبر
آگے بڑھتا چلا گیا — درختوں کی شاخیں اور ان سے لپٹی بیلیں عنبر
کے راستے میں آ رہی تھیں۔ کئی جگہوں پر اس نے سبز اور سرخ
رنگ کے سانپ درخت کی شاخوں سے لٹکتے دیکھے — عنبر ان کے
قریب سے ہو کر گزرتا گیا — آدمخوروں کی کوئی آواز کسی طرف سے
نہیں آ رہی تھی —

اب جنگل اتنا گھنا آ گیا کہ عنبر کو جھک کر ٹہنیوں اور
جھاڑیوں کے درمیان سے ہو کر آگے نکلنا پڑتا تھا — اگر عنبر میں

غیر انسانی طاقت نہ ہوتی تو وہ تھک ہار کر بیٹھ جاتا، کیونکہ آگے
راستہ بہت ہی دشوار گزار تھا — عنبر جھک کر چھپتا چلا گیا۔ یہاں
درختوں کا گھن اتنا گہرا تھا کہ دن کے وقت بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔
آخر گنجان درخت بھی ختم ہو گئے — عنبر نے پہلی بار آدمخوروں کے
ڈھول تاشوں اور ان کے ناچنے گانے کی آواز سنی۔ یہ آوازیں
ایسی تھیں جیسے کوئی کسی کی موت پر بین کر رہا ہو —

ان آوازوں میں اس عورت کی آواز نہیں تھی — عنبر کو شبہ
ہوا کہ کہیں آدمخور اسے چٹ تو نہیں کر گئے؟ لیکن اتنی جلدی
وہ اُسے نہیں کھا سکتے تھے — عنبر نے درختوں میں سے سامنے
ایک چھوٹا سا کھلا میدان دیکھا — اس کھلی جگہ میں دو طرف
جھونپڑیاں تھیں اور ایک طرف درخت کے ساتھ انہوں نے انگریز
لڑکی کو باندھ رکھا تھا — بے چاری کے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا
تھا جس کی وجہ سے اس کی آواز نہیں نکل سکتی تھی —

آدم خور اس کے ارد گرد لکڑیاں چن رہے تھے تاکہ اُسے
بھون کر کھا جائیں۔ انگریز لڑکی کا بُرا حال ہو رہا تھا — عنبر نے دُور
سے دیکھا کہ وہ بے بسی کے ساتھ اپنا سر دائیں بائیں مار رہی تھی۔
اس کے ہاتھ درخت کے پیچھے بندھے تھے — ٹانگوں کے گرد بھی
رسی لپٹی تھی — سامنے ذرا فاصلے پر آدمخور ڈانس کر رہے تھے۔ تین
چار آدم خور ڈھول بجا رہے تھے — ان کا سردار ایک تخت پر

بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کلہاڑا تھا۔

آدم خور ڈانس کرتے کرتے لکڑیوں کے پاس جاتے اور اُن پر کوئی شے چھڑک دیتے تھے۔ عنبر نے سوچا کہ اگر اس نے دیر کر دی تو یہ آدم خور لکڑیوں کو آگ لگا دیں گے اور ایک بار لکڑیوں کو آگ لگ گئی تو ہو سکتا ہے کہ آگ ایک دم سے بھڑک اٹھے، پھر انگریز لڑکی کو بچانا مشکل ہو جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ جو کچھ کرنا ہے فوراً اس پر عمل کر دیا جائے۔

عنبر نے منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر زور سے ایک چیخ ماری۔ جنگل میں ایک دم سے سناٹا چھا گیا۔ آدم خور ڈانس کرتے کرتے وہیں تھم سے گئے۔ سردار کلہاڑا پکڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

عنبر درختوں سے نکل کر سردار کی طرف آیا۔ سردار نے جب ایک عام انسان کو اپنی طرف آتے دیکھا تو غصے سے کانپنے لگا۔ اس نے گرج کر کہا:

"اسے پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔"

سردار کا حکم پا کر آدم خور وحشی نیزے لہراتے عنبر کی طرف بڑھے۔ درخت کے ساتھ بندھی ہوئی انگریز لڑکی نے بھی تعجب سے عنبر کی طرف دیکھا کہ یہ کون دیوانہ ہے کہ اپنے آپ کو آدم خوروں کی خوراک بنانے وہاں آ گیا ہے۔ عنبر نے جیب سے ریوالور نکال کر ہوا میں فائر کیا۔ گولی کے دھماکے سے آدم خور ڈر کر کھڑے کے

کھڑے رہ گئے۔ سردار نے تاک کر نیزہ عنبر کی طرف پھینکا۔ سردار زبردست نشانچی تھا۔ اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا تھا۔ نیزہ سیدھا عنبر کی چھاتی پر آ کر لگا۔

لیکن یہ کیا ہوا؟ نیزہ عنبر کے سینے سے ٹکرا کر دور جا گرا۔ عنبر نے آدم خوروں کی زبان میں بلند آواز سے کہا:

"اگر کوئی آگے بڑھا تو میں اسے ہلاک کر دوں گا۔"

یہ تو آپ موت کے تعاقب میں یعنی اس سے پہلے کی قسطوں میں پڑھ چکے ہیں کہ عنبر دنیا کی ہر زبان بول اور سمجھ سکتا تھا۔

سردار نے جب دیکھا کہ وہ ان کی اپنی زبان میں بات کر رہا ہے تو وہ تخت پر سے اُتر کر عنبر کے سامنے آ کر بولا:

"تم کون ہو؟ تمہیں ہماری زبان کیسے آ گئی؟"

عنبر نے کہا:

"میں ساری زبانیں جانتا ہوں۔ میں تمہیں صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ اس لڑکی کو میرے حوالے کر دو۔"

سردار کو ایک عرصے کے بعد سفید لڑکی کا گوشت کھانے کو ملا تھا۔ وہ بھلا اُسے عنبر کے حوالے کیسے کر سکتا تھا؟ اس نے ایک چال چلنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ وہ عنبر کے ہاتھ میں ریوالور سے خوفزدہ تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا:

"تم ہمارے دوست ہو۔ ہماری زبان جو بولتا ہے" وہ

ہمارا دوست ہوتا ہے — ہم اس لڑکی کو تمہارے حوالے کیے دیتے ہیں — آؤ میرے ساتھ تخت پر بیٹھو۔"

آدم خور وحشی حیران ہوئے کہ ان کا سردار کیا کر رہا ہے۔ عنبر سردار کے دھوکے میں آگیا — وہ سردار کے ہمراہ تخت پر آکر بیٹھ گیا۔

سردار نے عنبر سے کہا:

"یہ کیا چیز ہے، جس میں دھماکا ہوتا ہے؟"

عنبر نے ریوالور سردار کی طرف بڑھا کر کہا:

"اس میں صرف دھماکا ہی نہیں ہوتا بلکہ ایک گولی بھی نکلتی ہے جو آدمی کے جسم میں گھس کر اُسے مار ڈالتی ہے۔"

پھر اس نے بات پلٹ کر کہا:

"اس لڑکی کو آزاد کر دو۔"

سردار نے کہا:

"یہ شے مجھے دے دو۔ میں لڑکی کو آزاد کر دیتا ہوں۔"

عنبر نے سوچا کہ یہ جنگلی آدمی ہے — ریوالور چلانا کہاں جانتا ہوگا اور پھر میں اس سے دوبارہ چھین بھی سکتا ہوں۔ چلو اب کام نکالتے ہیں — بے چاری لڑکی کو تو آزاد ہو لینے دو۔

عنبر نے ریوالور سردار کے حوالے کر دیا۔

"لو یہ تم لے لو — اب لڑکی کو چھوڑنے کا حکم دو۔"

سردار ریوالور ہاتھ میں لیتے ہی اچھل کر پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا — پھر اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا — وہ عنبر پر ٹوٹ پڑے — انہوں نے عنبر کو زمین پر گرا لیا۔ اور نیزوں اور کلہاڑیوں سے اس پر یوں حملہ کر دیا جیسے اس کا قیمہ کوٹ رہے ہوں —

یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والا منظر دیکھ کر [illegible] لڑکی کی چیخ نکل گئی —

خونی ڈاکو آ گئے

سردار بڑے غرور سے تخت پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔
سارے آدمخور عنبر کا قیمہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔
سردار نے بلند آواز سے کہا:

"ہم اس لڑکے کا قیمہ کھائیں گے۔"

اور وہ قہقہہ مار کر وحشی طریقے سے ہنس دیا، لیکن اُدھر عجیب تماشا ہو رہا تھا — ایک ایک کر کے آدمخور وحشی پیچھے ہٹنے لگے تھے۔ ان کے رنگ فق تھے — آنکھیں دہشت سے پھٹی پھٹی تھیں۔ ان کے سارے نیزے اور کلہاڑیاں ٹوٹ گئی تھیں — مگر زمین پر پڑے ہوئے عنبر کے جسم پر ہلکی سی خراش تک نہیں آئی تھی — وحشی ڈر گئے تھے کہ یہ کیسا انسان ہے کہ انہوں نے اپنی پوری طاقت سے اس پر کلہاڑیاں برسائیں، لیکن وہ پھر بھی زندہ سلامت ہے — بلکہ الٹا ان کی کلہاڑیاں ٹوٹ گئی ہیں —

اس سنسنی خیز تبدیلی کو سردار نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ وہ

تخت پر کھڑا اپنے آدمیوں کو پیچھے ہٹتا اور پھر عنبر کو کپڑے جھاڑ کر اٹھتا دیکھ رہا تھا — حیرانی سے اس کا منہ بھی کھلا تھا۔ عنبر کو ان لوگوں پر سخت طیش تھا — وہ تو عنبر کو ہلاک کر چکے تھے۔ یہ تو اُس کی اپنی طاقت تھی کہ مر نہ سکا — اس کی نظر میں وہ سب قاتل تھے — سردار نے بھی اس کے ساتھ غداری کی تھی اور دھوکے سے اس کا ریوالور ہتھیا لیا تھا — اسے زمین پر سے صحیح و سالم اٹھتے دیکھ کر وحشی ایک ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔

عنبر نے لپک کر ایک وحشی کو گردن سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور پھر اُسے ہوا میں اچھال دیا — وحشی اُڑتا ہوا اوپر درخت کی سب سے بلند ٹہنی تک گیا — اس کی چیخیں نکل رہی تھیں — اور اسی طرح زمین پر آ کر اتنی زور سے گرا کہ اس کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں —

عنبر نے سردار کی طرف دیکھ کر کہا:

"اب تمہیں میری طاقت کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔"

پھر وہ اس درخت کی طرف گیا — جس کے ساتھ بندھی ہوئی انگریز لڑکی عنبر کی طرف منہ کھولے حیرانی سے تک رہی تھی — عنبر نے اس کے ہاتھ پاؤں کی رسیاں کھول دیں اور انگریزی زبان میں کہا:

"خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں ان آدم خوروں سے

بچالیا ۔"

لڑکی کے ہونٹ کانپ رہے تھے — آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے — اس نے خوشی اور حیرت سے کانپتی آواز میں کہا :

"تم کون ہو ؟"

عنبر نے کہا :

"میرے ساتھ ساتھ رہنا — تمہارے سوال کا جواب میں بعد میں دوں گا ۔"

سردار عنبر کی طاقت سے ڈر گیا تھا — اب عنبر نے چالاکی سے کام لیا — وہ سردار کے پاس جا کر اونچی آواز میں بولا :

"میں سمندر کے دیوتا کا بیٹا ہوں — میں تم لوگوں کو امتحان لینے آیا تھا — میں اپنے باپ سے جا کر تمہاری شکایت کروں گا کہ تم انسانوں کو مار کر کھا جاتے ہو — میرا دیوتا باپ طوفان بن کر تمہارے جزیرے کو سمندر میں ڈبو دے گا ۔"

سردار تو کانپ گیا — ایک دم سے دونوں ہاتھ اٹھا کر سجدے میں گر گیا —

"ہمیں معاف کر دو سمندر دیوتا کے بیٹے، ہم سے بھول ہو گئی — ہمیں معاف کر دو — ہمیں سمندر دیوتا کے غضب سے بچا لو ۔"

سردار کو دیکھ کر باقی سارے وحشی بھی سجدے میں گر گئے —

انگریز لڑکی تو کبھی تعجب سے عنبر کا منہ تکتی اور کبھی وحشی سردار کو سجدے میں گرا ہوا دیکھتی — کچھ کچھ اُسے بھی یقین ہونے لگا تھا — کہ یہ نوجوان ضرور کوئی دیوتا ہے کیونکہ اس کے اندر ایسی طاقت تھی جو کسی عام آدمی میں اس نے کبھی نہ دیکھی تھی — اگر کوئی دیوتا نہیں تو پھر کوئی زبردست جادوگر ہے — عنبر نے انگریز لڑکی کی طرف مسکرا کر دیکھا اور جلدی سے سردار کے تخت پر پڑا ہوا ریوالور اٹھا کر ہاتھ میں پکڑ لیا — اس نے چیمبر کھول کر دیکھا — اس میں ابھی سات گولیاں باقی تھیں —

اُس نے سردار کے سر پر اپنا پاؤں رکھ دیا اور کہا :

"میں سمندر دیوتا سے تمہارے لیے رحم کی درخواست کروں گا ۔"

اور پھر اُس نے پاؤں اٹھا لیا — سردار زمین پر پاؤں رگڑتا ہوا اٹھا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے حضور ؟"

عنبر نے کہا :

"فوراً ہمیں تخت پر بٹھا کر سمندر کے کنارے چوکور چٹان کے پاس لے کر چلو ۔"

سردار نے تالی بجائی — وحشی ایک دم سے تخت اٹھا کر

لے آئے۔ عنبر نے انگریز لڑکی کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا۔ وحشی آدم خوروں نے تخت کندھوں پر اٹھا لیا اور لے کر سمندر کی طرف چلے۔ وہ تیز تیز قدموں سے چل رہے تھے۔ بہت جلد انہوں نے سمندر کے پاس جا کر چٹان کے سائے میں تخت رکھ دیا۔ عنبر نے سردار سے کہا:

"ہمارے لیے کھانے پینے کا سامان لایا جائے۔"

سردار نے تالی بجائی۔ آدم خور چوہوں کی طرح جنگل میں گھس گئے۔ جب واپس آئے تو کسی نے ناریل، کسی نے کیلوں کا گچھا اور کسی نے تربوز اٹھا رکھا تھا۔ دیکھتے دیکھتے عنبر اور انگریز لڑکی کے سامنے تخت پر پھلوں کا دسترخوان لگ گیا۔ ناریل کے سفید پیالوں میں میٹھا پانی لبالب بھرا ہوا تھا۔ انگریز لڑکی کو سخت بھوک اور پیاس لگی تھی۔ عنبر نے اُسے کہا کہ وہ جی بھر کر کھائے۔ اُس نے پیٹ بھر کر کھایا۔ عنبر نے بھی یوں ہی دکھانے کو دو ایک کیلے کھائے۔ اور ناریل کا پانی پیا۔ جب کہ آپ بھی جانتے ہیں کہ عنبر کو نہ بھوک لگتی تھی نہ پیاس۔

اتنی دیر سردار کے ساتھ باقی سارے آدم خور وحشی سر جھکائے ایک طرف کھڑے رہے۔

عنبر نے سردار سے کہا:

"ہم کل صبح اس جزیرے سے چلے جائیں گے۔ ہمارے لیے ایک بڑی کشتی کا بندوبست کر رکھا جائے۔ اب تم لوگ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

سردار نے سر جھکا کر سلام کیا اور اپنے آدمیوں کو لے کر الٹے پاؤں جنگل میں داخل ہو گیا۔ جب سارے آدم خور جا چکے تو انگریز لڑکی نے عنبر کی طرف دیکھ کر پوچھا:

"تمہارا نام کیا ہے اور تم کون ہو؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"تم نے ایک ہی وقت میں مجھ سے دو سوال پوچھے ہیں۔ تمہارے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ میرا نام عنبر ہے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔"

انگریز لڑکی بولی:

"ایک انسان کے سر پر کلہاڑی ماری جائے تو وہ مر جاتا ہے۔ اس کا سر دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ مگر تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ تم کلہاڑوں اور نیزوں کی بارش میں بھی زندہ رہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

عنبر نے کہا:

"اس کی وجہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی اور میں بھی

ہوں کہ تمہیں زیادہ سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے — میں نے
اسی چٹان میں بیٹھے تمہیں آدم خوروں کے جنگل میں دیکھا تھا۔
تمہاری جان بچانے تمہارے پیچھے گیا اور خدا کا شکر ہے کہ
میں اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا۔"

لڑکی نے پوچھا:

"تم اس جزیرے میں کیسے آگئے؟"

عنبر نے اپنے جہاز کی کلکتے سے روانگی اور پھر طوفان میں
ڈوب جانے کی کہانی سنائی تو لڑکی نے اپنے سنہری بالوں کو
پیچھے جھٹک کر کہا:

"میں بھی اسی جہاز میں سفر کر رہی تھی۔"

"اکیلی؟"

"ہاں اکیلی — میرے ماں باپ لندن میں ہیں۔ میں انڈیا
اپنے انکل کے پاس آئی ہوئی تھی اور چار ماہ رہ کر واپس
اپنے وطن جا رہی تھی۔"

پھر ٹھنڈا سانس بھر کر بولی:

"اگر تم نہ ملتے تو میں اس دنیا میں زندہ نہ ہوتی۔"

عنبر دور سمندر کی طرف دیکھ رہا تھا — اُسے ناگ کا انتظار
تھا — لڑکی نے پوچھا:

"تم نے اچھا کیا جو آدم خوروں کو کشتی تیار کرنے کو کہہ دیا۔

اب ہم کل اس کشتی میں سوار ہو کر اس بھیانک آدم خور جزیرے
سے نکل چلیں گے۔"

"ہاں ضرور —"

عنبر نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے لڑکی سے کہا۔ وہ
بڑی حیران تھی کہ یہ نوجوان آسمان کی طرف کیا دیکھ رہا ہے۔
آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

عنبر اُسے کیا بتاتا کہ وہ اپنے ساتھی ناگ کا انتظار کر رہا
ہے جو کبوتر کی شکل میں اُڑتا ہوا ابھی آئے گا۔ اس نے لڑکی
سے کہا:

"تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں؟"

لڑکی بولی:

"میرا نام سلومی ہے — لیکن تم آسمان کی طرف کیا دیکھ
رہے ہو؟"

عنبر نے سلومی کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا:

"میں بادلوں کو دیکھ رہا ہوں کہ کل تک یہ چھٹ جائیں
گے کہ نہیں — کیونکہ ہمیں خراب موسم میں سمندر کا سفر نہیں کرنا
چاہیے۔"

سلومی نے پھر کوئی سوال نہ کیا — عنبر نے اسے بتایا کہ
وہ رات اسی چٹان کے اندر بسر کریں گے اور کل صبح صبح اس

جزیرے سے کوچ کر جائیں گے۔

"ان آدم خوروں نے کشتی تیار کر رکھی ہوگی۔"

سلومی عنبر کو بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی:

"تم میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی ہے عنبر؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"کہہ تو دیا کہ میرے پاس جادو ہے۔"

سلومی نے کہا:

"پھر تم بہت بڑے جادوگر ہو۔ کیا تم مجھے میرے ماں باپ کے پاس لندن چھوڑ آؤ گے نا؟"

"ہاں، کوشش کروں گا۔" عنبر بولا۔

سلومی اداس ہوگئی:

"اگر تم نے مجھے راستے میں اکیلی چھوڑ دیا تو میں کیا کروں گی۔ میں تو پھر کبھی اپنے ماں باپ سے نہ مل سکوں گی۔"

عنبر نے سلومی کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

"فکر نہ کرو بہن، میں تجھے راستے میں نہیں چھوڑوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں تمہارے ماں باپ کے پاس پہنچا کر آؤں گا۔"

"تم کتنے اچھے ہو عنبر بھائی۔"

سلومی بے حد خوش ہوگئی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ دنیا

میں اکیلی نہیں ہے۔ عنبر ابھی تک آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ ناگ کا دُور دُور تک کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب اسے ناگ کی فکر لگی کہ کہیں وہ کسی حادثے کا شکار نہ ہو گیا ہو۔

چلیے ذرا ناگ کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔

ناگ جس وقت کبوتر بن کر عنبر سے جدا ہوا تو اُس نے سمندر کے اوپر مغرب کی طرف اڑنا شروع کر دیا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ابھی تک ہو رہی تھی۔ سمندر میں بہت آگے جا کر بڑی بڑی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ ناگ اڑتا چلا گیا۔ وہ بڑی ہوشیاری سے چاروں طرف سمندر میں دیکھ رہا تھا کہ شاید اسے کوئی بحری جہاز آتا جاتا نظر آ جائے۔ مگر سمندر دور دور تک خالی تھا۔ کہیں کوئی جہاز نہیں تھا۔

اسے محسوس ہوا کہ یہ علاقہ سمندری تجارتی راستوں سے کافی ہٹ کر واقع ہے اور ادھر تو کوئی طوفان کا مارا جہاز ہی آتا ہوگا۔ وہ اڑتا چلا گیا۔

جب وہ سمندر میں بہت آگے نکل آیا تو ایکاایکی اس کی نگاہ سمندر میں دُور ایک سیاہ دھبے پر پڑی۔ ناگ اس دھبے کی طرف اڑنے لگا۔ قریب جا کر اس نے دیکھا کہ وہ ایک بحری جہاز ہے۔ جس کے مٹیالے رنگ کے بادبان ہوا

سے بھرے ہوتے ہیں — ناگ جہاز کے اوپر پرواز کرنے لگا۔
اب اُس کی نظر جہاز کے جھنڈے پر پڑی — جھنڈے پر انسانی کھوپڑی کا نشان بنا تھا —

ناگ نا اُمید ہوگیا — کیونکہ یہ نشان بحری ڈاکوؤں کے جہاز کا ہوتا ہے — اس کا مطلب تھا کہ یہ جہاز بحری ڈاکوؤں کا جہاز تھا — ایک لمحے کے لیے ناگ نے سوچا کہ اگر عنبر اس جہاز پر سوار ہو جائے تو کیا ہرج ہے — اُسے تو کوئی بحری ڈاکو نقصان نہیں پہنچا سکے گا — یہ سوچ کر ناگ جہاز کے مستول پر اُتر گیا۔

اتنی دیر میں کچھ ڈاکوؤں نے ایک کبوتر کو جہاز کے اونچے مستول پر بیٹھے دیکھ لیا تھا — انہوں نے کپتان کو خبر کی۔ کپتان بڑا حیران ہوا کہ سمندر میں کبوتر کہاں سے آگیا — کیونکہ کبوتر سمندری علاقوں میں نہیں ہوتے۔ ویسے بھی کھلے سمندر میں کوئی پرندہ دکھائی نہیں دیا کرتا — بحری ڈاکوؤں کے جہاز کا کپتان لنگڑا تھا اور اس کی ایک ٹانگ لکڑی کی تھی۔ وہ اپنی لکڑی کی ٹانگ ٹیکتا جہاز کے ڈیک پر آگیا اور غور سے مستول پر بیٹھے کبوتر کو دیکھنے لگا —

اُس نے غرّا کر کہا:

"یہ کبوتر کہاں سے آگیا — اس کا مطلب ہے کہ کوئی

مسافر جہاز آس پاس موجود ہے — یہ کبوتر یقیناً اسی جہاز کے کسی مسافر کا ہے جو اُڑ گیا۔"

لنگڑے کپتان نے حکم دے دیا کہ توپوں میں گولے بھر دیے جائیں — سارے ڈاکو ہوشیار ہو گئے — جہاز میں کوئی ڈیڑھ سو کے قریب ڈاکو تھے جو سارے کے سارے پُرانے قاتل اور چور تھے — اور قانون سے بچنے کی خاطر بحری ڈاکوؤں کے جہاز میں شامل ہو گئے تھے — ان میں سے ہر ایک ڈاکو نے کم از کم چھ چھ آدمیوں کے خون سے ہاتھ رنگے ہوئے تھے۔

لنگڑا کپتان بے حد ظالم اور سنگ دل تھا — اس کی کمر میں پُرانی طرز کا پستول بھی تھا اور خنجر بھی لگا تھا — وہ ہاتھ میں ہمیشہ تلوار رکھتا تھا — ذرا کسی سے خفا ہوتا تو پستول داغ کر اسے موت کی نیند سُلا دیتا۔ ڈاکو اس سے بڑے گھبراتے تھے اور سامنے نہیں آتے تھے —

اُس نے حکم دیا کہ کبوتر کو پکڑ لیا جائے۔ ناگ نے کپتان کا حکم نہیں سُنا تھا — وہ بڑے آرام سے مستول پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ واپس جا کر عنبر کو خبر کرے یا اس جہاز میں اتر کر کوئی ایسی چال چلے کہ جہاز کا رخ آدم خور جزیرے کی طرف موڑ دیا جائے۔

اس کی سمجھ میں کوئی ترکیب نہیں آ رہی تھی۔ آخر اُس

نے یہی فیصلہ کیا کہ عنبر کو جہاز تک لانے کی بجائے جہاز کا
رخ جزیرے کی طرف موڑنے کی کوشش کی جائے۔
یہ سوچ کر ناگ کبوتر کے روپ میں پہنچے جہاز پر اُتر
آیا۔ ڈیک پر ڈاکو اسے پکڑنے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ جونہی
ناگ ڈیک کے تختے پر اترا، بحری ڈاکوؤں نے نعرے لگاتے
ہوئے اور شور مچاتے ہوئے باریک جال اس کے اوپر پھینک
دیا۔ ناگ پھڑپھڑایا۔ اس نے باہر نکلنے کی لاکھ کوشش کی
مگر وہ جال میں بری طرح پھنس چکا تھا۔
لنگڑے کپتان نے جال میں ہاتھ ڈال کر ناگ کو گردن
سے پکڑ کر اپنے ہاتھوں میں دبوچ لیا۔ وہ زور زور سے ہنس
رہا تھا۔ اور بڑا خوش تھا جیسے اس نے شیر کو پکڑ لیا ہو۔
"ہاہاہا۔ یہ کبوتر میں نے پکڑا ہے۔ یہ میرا ہو گیا ہے۔"
پھر اس نے کبوتر باورچی کے حوالے کرتے ہوئے کہا:
"آج دوپہر مجھے اس کبوتر کا شوربا ملنا چاہیے۔"
باورچی نے کبوتر اچھی طرح سے دبوچ لیا اور بولا:
"جو حکم سردار۔"
اور وہ کبوتر کے پنجے باندھ کر اُسے اپنے ساتھ نیچے
باورچی خانے میں لے گیا تاکہ دوپہر کے کھانے پر کپتان کو اس
کا سوپ مل سکے۔

ناگ کے لیے یہ بڑی نازک گھڑی تھی۔ کیونکہ باورچی نے
اُسے ذبح کرنے کے لیے چھری تیز کرنا شروع کر دی تھی۔
ناگ نے اپنی کبوتر کی آنکھ سے جال کا جائزہ لیا۔ اس کے
حلقے چھوٹے تھے مگر وہ سانپ بن کر ان میں سے نکل سکتا
تھا۔ اُسے بہت جلدی جال سے نکل جانا چاہیے تھا، کیونکہ
باورچی چھری تیز کر چکا تھا۔ اور اب کبوتر کو پکڑنے جال
کی طرف بڑھنے ہی والا تھا۔
ناگ نے گہرا سانس لیا اور دوسرے لمحے وہ سبز رنگ کا
سانپ بن کر جال میں سے رینگ کر نکل گیا اور باورچی خانے
میں چاول کی بوریوں کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔ باورچی کی
اس کی طرف پیٹھ تھی۔ اس نے ناگ کو سانپ بن کر جال
میں سے فرار ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ چھری کی دھار دیکھتا
ہوا جال کی طرف بڑھا تو کبوتر غائب تھا۔
وہ چونک پڑا:
"ارے کبوتر کون لے گیا؟"
باورچی خانے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ کیا کبوتر اڑ گیا
ہے؟ مگر کیسے اڑ سکتا تھا۔ وہ تو جال میں تھا۔ باورچی
نے جال کو دیکھا، وہ کسی جگہ سے بھی پھٹا ہوا نہیں تھا۔ پھر
کبوتر کیسے جال میں سے نکل گیا۔ باورچی نے چاروں طرف

کبوتر کو تلاش کیا — وہاں کوئی کبوتر ہوتا تو اُسے نظر بھی آتا۔
اب وہ خوفزدہ ہو گیا کہ کپتان کو کیا جواب دے گا — وہ تو اس
کی گردن مار دے گا — اس نے ڈرتے ڈرتے دو تین ڈاکوؤں
سے بات کی — انہوں نے قہقہہ لگا کر کہا:

"ضرور تم خود کبوتر کا سوپ پی گئے ہو گے"

"قسم لے لو، میں نے تو کبوتر کو ہاتھ تک نہیں لگایا"

"پھر وہ کہاں چلا گیا؟"

"یہی تو میری سمجھ میں نہیں آتا — میرا خیال ہے، وہ
روشندان میں سے نکل کر اڑ گیا ہے — مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے،
جال میں سے وہ کیسے نکل گیا"

ہوتے ہوتے یہ بات کپتان کے کانوں تک بھی پہنچ گئی —
اُسے بڑا غصہ آیا کہ کم بخت باورچی اس کے کبوتر کو خود کھا
گیا — اس نے باورچی کو طلب کر لیا — بے چارہ باورچی کانپتا
ہوا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا اور ہاتھ جوڑ کر بولا:

"جناب میرا کوئی قصور نہیں"

"تو پھر کبوتر کون لے گیا؟"

"سر، یہی تو میں سوچ رہا ہوں — میں بے گناہ ہوں سر —
میں نے کبوتر کا شوربہ نہیں پیا"

لنگڑے کپتان نے خود جا کر باورچی خانے کا جائزہ لیا —

اور جال کو بڑے غور سے دیکھا — اس کے سارے پھندے ویسے
کے ویسے تھے — لنگڑا کپتان بھی چکرا گیا کہ یہ چکر کیا ہے پھر
اس نے سر جھٹک کر کہا:

"تم نے بڑی غلطی کی ہے — ایک عرصے کے بعد مجھے کبوتر
کا سوپ ملنے والا تھا — اچھا جاؤ، ہم تمہیں معاف کرتے ہیں"

یہ سننا تھا کہ باورچی نے جھک کر سلام کیا اور خوشی خوشی
باہر نکل گیا — اُدھر ناگ باورچی خانے میں بوریوں کے پیچھے کافی
دیر تک چھپا رہا — وہ یہی سوچ رہا تھا کہ جہاز کو کس طریقے
سے جزیرے کی طرف چلنے پر مجبور کیا جائے؟

اتنے میں اُسے بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ کوئی ڈاکو
چاول کی بوریوں کی طرف بڑھ رہا تھا — ناگ رینگ کر دیوار
کے ساتھ ہو بیٹھا — وہ کسی کو کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا — اتنے میں
کسی نے ایک بوری اٹھائی — ناگ تیزی سے رینگ کر دوسری
بوری کے پاس جانے لگا، ڈاکو نے اسے دیکھ لیا —

"سانپ — سانپ — سانپ"

سارے جہاز پر سانپ سانپ کی پکار مچ گئی — ہر کوئی اسے
مارنے کو لپکا — ناگ کی جان ایک بار پھر مصیبت میں پھنس گئی
تھی — باورچی خانے کا دروازہ کھلا تھا مگر وہاں ڈاکو تلواریں
لیے کھڑے اس کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے تھے — وہ ذرا باہر

نکلتا تو ڈاکوؤں کی تلواریں اس کے ٹکڑے کر دیتیں۔۔ جیسا کہ آپ پچھلی قسطوں میں پڑھ چکے ہیں، ناگ میں زندہ رہنے کی وہ طاقت نہیں تھی جو عنبر کے پاس تھی۔۔ ناگ مر سکتا تھا۔۔ اس لیے وہ پریشان تھا۔۔

ناگ نے سوچا کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ میں کسی طرح یہاں سے جان بچا کر نکل چلوں۔۔ اس نے ایک ہلکی سی پھنکار ماری اور نیلے رنگ کی ننھی سی چڑیا بن کر پنجرے سے اڑ کر چھت کے ساتھ لگی لکڑی پر جا کر بیٹھ گیا۔ ڈاکوؤں نے ایک نیلی چڑیا کو اڑتے دیکھا تو یہی سمجھے کہ یہ چڑیا کسی جزیرے سے اندر آ کر پھنس گئی ہو گی۔۔ انہوں نے باورچی خانے کا دروازہ زیادہ کھول دیا اور خود پرے ہٹ گئے تاکہ بے چاری چڑیا باہر نکل سکے۔۔

ناگ پنجرے سے باہر اڑ گیا۔۔ ڈاکو تلواریں لیے سانپ کو تلاش کرتے رہے اور وہ انہیں کہیں بھی نہ ملا۔ لنگڑے کپتان کو جب پتا چلا کہ سانپ بھی نہیں مل رہا تو وہ سخت طیش میں آیا۔۔ وہ خود تلوار لے کر باورچی خانے میں آ گیا۔ مگر سانپ اسے بھی نظر نہ آیا۔۔

ناگ نیلی چڑیا کے روپ میں جہاز کے ایک بانس پر جا کر بیٹھ گیا۔۔ وہ سوچنے لگا، اب کون سا راستہ اختیار کرے؟ وہ

بانس سے نیچے اُتر کر آیا۔۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ خود ایک بحری ڈاکو بن کر جہاز کا رخ جزیرے کی طرف موڑ دے۔۔ بس یہی خطرہ تھا کہ اسے پہچانا جا سکتا تھا۔۔ سارے ڈاکو ایک دوسرے کو جانتے تھے۔۔ وقت گزر رہا تھا۔۔ شام ہو گئی۔ جہاز سمندر میں اپنے شکار کی تلاش میں بہا جا رہا تھا۔

ناگ نیلی چڑیا کے بھیس میں جہاز کے ڈیک پر ایک طرف جنگلے پر بیٹھا تھا کہ لنگڑے کپتان نے دُور بین سے ایک مسافر جہاز کو دیکھ لیا۔۔ اس نے قہقہہ لگا کر کہا:

"شکار۔۔ شکار۔۔ شکار۔"

کوئی بدنصیب مسافر جہاز ان ڈاکوؤں کی زد میں آنے والا تھا۔۔ ڈاکو اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔۔ توپوں کا رخ مسافر جہاز کی طرف کر دیا گیا۔۔ بحری ڈاکوؤں کے جہاز کا رخ "شکار" کی طرف موڑ دیا گیا۔۔ اور اس نے تیزی سے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔۔ ناگ جنگلے پر بیٹھا یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اب وہاں ایک خونی ڈرامہ کھیلا جانے والا تھا۔۔

یہ بحری ڈاکو مسافر جہاز پر حملہ کر کے مسافروں کو قتل کر دیتے تھے اور ان کا سامان لوٹ کر ان کے جہاز کو آگ لگا دیتے تھے۔۔

بجلی کی چمک کی طرح ناگ کے ذہن میں خیال آیا کیوں

نہ بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر قبضہ کر لیا جائے؟ جب بحری ڈاکو
مسافر جہاز پر چلا جائیں گے تو اس جہاز پر قبضہ کر کے اس
کا رخ جزیرے کی طرف موڑ دیا جائے — یہ بڑی اچھی ترکیب
تھی مگر اس کے لیے بڑی ہوشیاری اور چابکدستی کی ضرورت
تھی جو ناگ میں موجود تھی۔

بدنصیب مسافر جہاز قریب آ رہا تھا — اس جہاز کے
کپتان نے بھی بحری ڈاکوؤں کے جہاز کو دیکھ لیا اور جہاز کا
رُخ دوسری طرف کر دیا — اب دونوں جہازوں کی سمندر میں
دوڑ شروع ہو گئی — بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہلکا پھلکا تھا۔ اس
نے بڑی تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے مسافر جہاز کو جا لیا — اور
پہلا گولہ داغا — گولہ جہاز کے مستول کو چھوتا ہوا گزر گیا۔ بیچارے
مسافر جہاز پر بھلا کب توپیں لگی ہوتی ہیں — بس وہ آگے آگے
بھاگتا ہی رہا — مگر کب تک — ڈاکو اس کے سر پر پہنچ گئے
ان کا جہاز مسافر جہاز کے بالکل ساتھ لگ کر بہنے لگا۔

بحری ڈاکو رسیوں کو پکڑ کر تیار کھڑے تھے — جونہی مسافر
جہاز ذرا قریب آیا، ڈاکو اس پر کود گئے — ان کے ساتھ ہی
ناگ بھی مسافر جہاز پر اڑ کر چلا گیا — جہاز پر جاتے ہی اس
نے دنیا کے سب سے زیادہ زہریلے سانپ کی شکل اختیار کر لی اور
ڈیک پر آ گیا — مسافر بے چارے نیچے جا کر چھپ گئے تھے ڈاکوؤں

نے نیچے جانے والے دروازے کو توڑنا شروع کر دیا۔

لنگڑا کپتان اپنے جہاز پر کھڑا تلوار لہرا لہرا کر انہیں کہہ
رہا تھا۔

"آگ لگا دو — آگ لگا دو —"

ڈاکوؤں نے مشعل جلا کر دروازے کو آگ لگانے کی کوشش
شروع کر دی۔ اسی دوران میں ناگ سانپ کی شکل میں ان کے
پاؤں میں آ گیا تھا — اس نے آتے ہی ایک کے بعد ایک
اکٹھے سات ڈاکوؤں کو ڈس دیا — اس کا زہر اس قدر زبردست
تھا کہ ڈستے ہی ڈاکو فرش پر گرے اور ان کے جسم پھٹ گئے۔

ناگ نے کتنے ہی ڈاکوؤں کو ہلاک کر دیا — اب انہوں
نے سانپ کو دیکھ لیا تھا — وہ تلواریں لے کر اُسے کاٹنے کے
لیے دوڑے — ناگ نے ایک دم سے سانپ کا روپ چھوڑ دیا
اور شیر بن کر زور سے گرجا اور ڈاکوؤں پر لپک کر کسی کی گردن
توڑ دی، کسی کو پنجہ مار کر ہلاک کر دیا اور کسی کو منہ میں
دبوچ کر سمندر میں پھینک دیا۔

لنگڑے کپتان نے جب دیکھا کہ ڈیک پر شیر آ گیا ہے تو
دنگ رہ گیا — پھر خیال آیا کہ شاید اس جہاز میں کسی سرکس
کے لیے شیر بھی لے جایا جا رہا ہو۔ اس نے وہیں سے پستول
کا فائر کیا، مگر شیر پر کوئی اثر نہ ہوا — اس نے دیکھتے دیکھتے

کتنے ہی ڈاکوؤں کو ہلاک کر ڈالا۔

باقی ڈاکوؤں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ اب ناگ شیر کی جگہ پھر سے نیل چڑیا بن کر ڈیک کے جنگلے پر جا بیٹھا۔

مسافر جہاز کا کپتان ایک سوراخ میں سے یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ شیر کہاں سے آ گیا۔ وہ یہ سمجھا کہ ہو سکتا ہے، بحری ڈاکو اس شیر کو پکڑ کر کہیں لے جا رہے ہوں اور وہ آزاد ہو گیا ہو اور اس نے انہی کو ہلاک کرنا شروع کر دیا۔

ناگ اڑ کر ڈاکوؤں کے جہاز پر آ گیا۔ وہاں لنگڑا کپتان پریشان کھڑا اپنے ساتھی ڈاکوؤں کو آوازیں دے رہا تھا جو غوطے کھا رہے تھے۔ اس کے ساتھ صرف تین ڈاکو اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ ناگ چڑیا کے روپ میں اُس کے پیچھے آ گیا تھا۔

یہاں اُس نے ایک بار پھر سانپ کی شکل بدلی اور ڈیک پر رینگتا ہوا لنگڑے کپتان کے پیچھے آ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ کپتان کی لکڑی کی ٹانگ کون سی ہے۔

دوسرے ڈاکو سمندر میں غوطے کھاتے اپنے ساتھیوں کو جھک کر دیکھ رہے تھے۔

سانپ نے تیزی سے بڑھ کر لنگڑے کپتان کی زندہ ٹانگ

پر ڈس دیا۔ لنگڑے کپتان نے ایک چیخ ماری اور ڈیک پر بے جان پتھر کی طرح گر پڑا۔ دوسرے ڈاکو اس کی طرف لپکے۔ سانپ نے ان میں سے ایک کو ڈسا۔ وہ بھی گرا۔ باقی دو ڈاکوؤں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔

اب میدان خالی تھا۔ ناگ نے سانپ کا روپ بدل کر اپنے اصلی انسانی روپ میں آ گیا اور لپک کر جہاز کا رخ بدل دیا۔

جہاز نے مسافر جہاز سے دُور ہٹنا شروع کر دیا۔ سمندری ہوا خاصی تیز چل رہی تھی۔ بادبانوں میں ہوا بھری ہوئی تھی۔ اور ڈاکوؤں کا جہاز دور ہٹ رہا تھا۔ سمندر میں غوطے کھاتے ڈاکوؤں نے جب دیکھا کہ ان کا کپتان انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر واپس جا رہا ہے تو انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ مگر بہت جلد سمندر میں خونخوار شارک مچھلیاں نمودار ہوئیں اور انہوں نے سمندر میں غوطے کھاتے تیرتے اور شور مچاتے ڈاکوؤں کی تکا بوٹی کر دی۔

مسافر جہاز کا کپتان بھی ڈیک پر آ گیا تھا۔ اس نے جب ڈاکوؤں کی تباہی دیکھی اور ان کے جہاز کو دُور جاتے دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ ناگ اب انسانی شکل میں تھا اور جہاز کے ڈیک پر کھڑا اسے جنوب مشرق کی طرف جاتے دیکھ

رہا تھا۔ جہاں آدم خور جزیرے میں عنبر اس کا انتظار کر رہا تھا
اچانک ناگ کو خیال آیا کہ کہیں جہاز کے نیچے کوئی بچا
کھچا ڈاکو نہ بیٹھا ہو۔ وہ تو اس کے لیے مصیبت بن سکتا ہے۔
چل کر اس سے بھی نمٹ لینا چاہیے۔ ناگ نیچے جانے والی
سیڑھیاں اترنے لگا۔

سانپوں کا حملہ

شام ہو رہی تھی۔ زینے میں اندھیرا تھا۔

ناگ زینہ اُتر گیا۔ باورچی خانے میں روشنی تھی۔ شاید
باورچی مشعل جلائے اوپر کی تباہی سے بے خبر شام کا کھانا پکا
رہا تھا۔ ناگ آہستہ آہستہ باورچی خانے کے پاس آ گیا۔ دروازہ
آدھا کھلا تھا۔ اندر سے باورچی کے دیگ میں کفگیر چلانے کی
آواز آ رہی تھی۔ ناگ نے باہر سے اُسے آواز دی۔ کفگیر کی
آواز رُک گئی۔ باورچی میلے تولیے سے ہاتھ صاف کرتا ہوا باہر
نکل آیا۔ جونہی دروازے سے اُس نے گردن باہر نکالی، ناگ
نے اس کی کھوپڑی پر ایک مکا ایسا مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر
گر پڑا۔ ناگ جلدی سے اندر گیا۔ باورچی خانہ خالی تھا۔
اُس نے رسی لے کر باورچی کے ہاتھ پیر باندھ کر اس کے منہ
میں کپڑا ٹھونس دیا۔ اب اُس نے دوسرے کیبن کی تلاشی لینا
شروع کر دی۔ کہ کہیں کوئی اور ڈاکو نہ چھپا ہوا ہو۔

ایک کیبن سے اُسے لکڑی پر ہتھوڑی مارنے کی آواز آئی۔

ناگ نے کیبن کے اندر جھانک کر دیکھا، ایک ہٹا کٹا ڈاکو صندوق بند کر رہا تھا — ناگ نے سوچا کہ وہ انسان کی شکل میں اس بھینسے کا مقابلہ نہیں کر سکتا — وہ سانپ بن کر کیبن میں داخل ہوگیا — جوں ہی وہ ڈاکو کے قریب گیا — اس نے سانپ کو دیکھ لیا اور تلوار نکال کر سانپ پر دے ماری —

یہ ناگ کی خوش قسمتی تھی کہ تلوار اس سے ایک فٹ کے فاصلے پر گری اور لکڑی کے فرش میں گڑ گئی اور ذرا ادھر پڑتی تو ناگ کی موت یقینی تھی۔ ناگ نے بڑی پھرتی سے پہلو بدلا — اور اچھل کر ڈاکو کے ہاتھ پر ڈس دیا — ڈاکو ہاتھ جھٹکنے لگا — مگر اسے زندہ رہنے کی زیادہ مہلت نہ مل سکی — تیسری بار ہاتھ جھٹکنے کے ساتھ ہی وہ بے جان ہوکر فرش پر گر پڑا — اور اس کا جسم پھٹ گیا۔

ناگ سانپ کا روپ چھوڑ کر پھر سے انسان کی شکل میں آگیا —

پھر اس نے جہاز کا کونا کونا دیکھ لیا — جہاز میں اور کوئی ڈاکو نہیں تھا — اس نے دونوں ڈاکوؤں کو ایک لکڑی کے تختے پر رکھ دیا اور تختہ سمندر میں چھوڑ دیا —

اب رات کی سیاہی سمندر پر پھیلنے لگی تھی۔ سورج کب کا غروب ہو چکا تھا — آسمان پر ابھی تک بادل چھائے تھے —

ان سمندروں میں ساون کی بڑی لمبی لمبی جھڑیاں لگتی ہیں اور آسمان کئی کئی دنوں تک بادلوں میں چھپا رہتا ہے — طوفان بھی اسی زمانے میں آتے ہیں — سمندر ہر وقت چڑھا ہوا ہوتا ہے ناگ ان سمندروں میں کئی بار سفر کر چکا تھا — وہ بادبانی جہاز چلانا بھی جانتا تھا — اس نے کپتان کے کیبن میں جاکر نقشہ دیکھا اور جہاز کا رخ آدم خور جزیرے کی طرف کر دیا — وہ خود کیبن میں آکر لیٹ گیا —

وہ سوچ رہا تھا کہ جب وہ خالی جہاز لے کر عنبر کے پاس جائے گا تو وہ کس قدر خوش نہ ہوگا — اتنا اسے معلوم تھا کہ وہاں سے آدم خوروں کا جزیرہ کافی دور ہے اور جہاز دوسرے روز دوپہر کو کہیں جاکر وہاں پہنچے گا، لیکن وہ اس لیے مطمئن تھا کہ عنبر جزیرے میں اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔

لیکن ادھر معاملہ بگڑ گیا تھا —

آدمخوروں کے سردار کا بھائی باغی ہو گیا تھا — اس نے لڑکی سلوچی کو دوبارہ پکڑنے کا منصوبہ بنایا اور آدھی رات کو چند آدمیوں کو ساتھ لے کر اس چٹان پر حملہ کر دیا جس کے اندر عنبر اور سلوچی نے پناہ لے رکھی تھی۔

عنبر پریشان ہوگیا کہ یہ کم بخت آدمخور کہاں سے آگئے۔

سلوچی گھبرا گئی — بے چاری تھر تھر کانپ رہی تھی — عنبر نے

اُسے تسلی دی اور خود چٹان کے باہر آگیا اور گھات میں بیٹھ گیا۔
جوں ہی آدم خور آگے بڑھے، اس نے فائرنگ شروع کر دی۔
دیکھتے دیکھتے چار آدم خور خاک و خون میں تڑپنے لگے۔ باقی ڈر کر
بھاگ گئے۔ پچھلی رات پھر انہوں نے حملہ کر دیا۔ عنبر نے پھر
گولیاں چلا کر دو آدم خور مار ڈالے۔

یوں ساری رات اسی پریشانی میں گزر گئی۔ صبح ہوئی
تو سردار کو اپنے بھائی کی غداری کا علم ہوا۔ وہ خود عنبر کے پاس
آیا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر معافی مانگی۔ اس کا بھائی جنگل
میں مفرور ہو چکا تھا۔ خطرہ تھا کہ وہ پھر رات کو حملہ کرنے
آئے گا۔

عنبر کو صرف سلومی کی فکر تھی کیونکہ وہ لوگ اسے ہلاک
کر سکتے تھے۔ اس لیے وہ جتنی جلدی ہو سکے اس جزیرے
سے نکل جانا چاہتا تھا۔

اس نے سردار سے کہا:

"کیا ہماری کشتی تیار ہے؟"

"ہاں حضور، تیار ہے۔"

"اسے یہاں لے آؤ۔"

عنبر سلومی کو ساتھ لے کر جزیرے کے مشرقی ساحل کی طرف
جانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ سردار ابھی تک عنبر کا
پجاری بنا ہوا تھا۔ اس نے اسی وقت اپنے آدمیوں کو کشتی لانے کا
حکم دیا۔ آدم خور تھوڑی ہی دیر میں کشتی لے کر آ گئے۔ یہ ایک
ذرا بڑی کشتی تھی۔ اوپر بادبان لگا تھا۔ ایک چھوٹا سا کیبن
سونے کے لیے نیچے بھی بنایا ہوا تھا۔ آدھے کیبن میں کیلے اور
ناریل بھرے ہوئے تھے۔ یہ سمندر میں دس پندرہ دنوں کے لیے
کافی خوراک تھی۔

عنبر نے سلومی کو ساتھ لیا اور کشتی میں سوار ہو گیا۔ اب وہ
ناگ کا انتظار نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ سلومی کی زندگی کو خطرہ تھا۔
اس نے سردار کو ہاتھ اٹھا کر خدا حافظ کہا اور کشتی کا لنگر اٹھا
لیا۔ ہوا موافق چل رہی تھی۔ کشتی کنارے سے ہٹ کر کھلے
سمندر کی طرف بڑھنے لگی۔

عنبر ان سمندروں کا سند باد تھا۔ اسے بہت اچھا اندازہ
تھا کہ اس کی منزل کہاں اور کس طرف ہے۔

کشتی دوپہر تک سمندر میں سفر کرتی چلی گئی۔ سلومی نے
پوچھا:

"کیا ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں عنبر؟"

"بالکل درست راستے پر جا رہے ہیں۔ یہاں سے ملک برما
کا ساحل زیادہ دور نہیں ہے۔ ہم دو تین روز میں برما پہنچ
جائیں گے۔"

"کیا تمہارا برما جانا ضروری ہے؟" سلومی نے پوچھا۔

عنبر کہنے لگا:

"میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ مجھے بادشاہ سلامت کی امانت انہیں اپنے زنگون جانا ہے۔ اس کے بعد میں تمہیں لے کر لندن روانہ ہو جاؤں گا' یا اگر زنگون میں کوئی جہاز لندن جا رہا ہوا تو تمہیں اس میں سوار کروا دوں گا۔"

سلومی نے جلدی سے کہا:

"نہیں نہیں' میں اکیلی سفر نہیں کروں گی۔"

"ٹھیک ہے، پھر میں ہی تمہیں ساتھ لے چلوں گا۔"

ان کی کشتی سمندر میں اپنے آپ ہی چلی جا رہی تھی۔

ادھر دوپہر کے وقت ناگ کا بحری جہاز آدم خور جزیرے کے ساحل پر چٹانوں سے ذرا فاصلے پر آن لگا۔ ناگ نے لنگر سمندر میں ڈال دیا۔ خود کبوتر کا روپ بدل کر اڑ کر ساحل پر آ گیا اور اس چٹان کے پاس آ کر عنبر کو تلاش کرنے لگا۔ جہاں اس نے عنبر کو ٹھہرنے کے لیے کہا تھا۔ وہاں عنبر نہیں تھا۔ ناگ نے سمندر کے ساحل کو شروع سے آخر تک چھان مارا۔ عنبر کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔

وہ بڑا پریشان ہوا کہ وہ کہاں چلا گیا؟

بحری جہاز کو سمندر میں آدم خوروں نے بھی دیکھ لیا۔ سردار کو خبر کر دی گئی کہ ایک بڑا جہاز جزیرے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ سردار بڑا خوش ہوا۔ وہ یہی سمجھا کہ دیوتا اس پر مہربان ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اس نے سمندر کے دیوتا کے حکم پر سفید عورت کو رہا کر دیا تھا۔ اب وہ جی بھر کر جہاز کو لوٹے گا اور مسافروں کو بھون بھون کر کئی دنوں تک کھاتا رہے گا۔ کیا خبر جہاز پر کوئی سفید گوشت والا انسان بھی مل جائے۔ سفید گوشت ان آدم خوروں کو سال میں اور کبھی دو سالوں میں ایک آدھ بار ہی ملا کرتا تھا۔ اس نے اپنے آدم خوروں کو حکم دے دیا کہ جہاز پر حملہ کر دیا جائے۔

سارے کے سارے آدم خور نیزے لہراتے' کلہاڑیاں چلاتے جنگل سے نکل کر سمندر کنارے کھڑی اپنی کشتیوں میں آ کر بیٹھ گئے اور انہیں زور زور سے چلا کر جہاز کی طرف بڑھنے لگے۔

ناگ کبوتر بن کر ان کے اوپر اڑتے ہوئے یہ سارا ڈرامہ تعجب سے دیکھ رہا تھا۔ حیران تھا کہ عنبر کہاں چلا گیا؟ آدم خوروں نے اپنی چھوٹی چھوٹی کشتیاں جہاز کے ساتھ لگا دیں اور رسّے پھینک کر اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ چلا رہے تھے۔ نعرے لگا رہے تھے۔ وہ سارے جہاز میں گھوم گئے۔ انہیں وہاں کوئی انسان نہ ملا۔ بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیسا جہاز ہے کہ جس میں ایک بھی مسافر نہیں ہے۔ تو کیا یہ جہاز خالی

ہے اور ہوا اسے اٹھا کر جزیرے کے پاس لے آئی ہے۔

سردار نے ڈیک پر کھڑے ہو کر جہاز کے بادبانوں کو دیکھا اور کہا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جہاز کو لنگر ڈال کر کھڑا کیا گیا ہو اور جہاز پر کوئی انسان نہ ہو۔ آخر وہ انسان کہاں ہے جس نے لنگر ڈالا تھا۔"

اس طرف کسی کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ جہاز کی ایک بار پھر تلاشی کی گئی، لیکن جہاز میں کوئی انسان نہ ملا۔ جہاز بالکل خالی تھا۔

سردار نے حکم دیا:

"جہاز کو آگ لگا دی جائے۔"

اب ناگ پریشان ہوا۔ کم بخت ایک ہی جہاز اس کے پاس تھا جس پر سوار ہو کر وہ سمندر میں سفر کر سکتا تھا۔ اور اپنے دوست عنبر کو تلاش کر سکتا تھا۔ انہوں نے اسے بھی جلا ڈالا تو اسے اتنا اچھا جہاز بھلا پھر کہاں ملے گا!

آدم خور وحشیوں نے تیر [illegible] کو آگ لگا کر جہاز پر پھینکنا شروع کر دیے۔ ان زمانے میں جہاز کے پیندے بھی لکڑی کے ہوا کرتے تھے۔ جہاز کو آگ لگنے لگی۔ دو ایک جگہوں سے جہاز کا پیندا جل اٹھا تھا۔ ناگ بڑی تیزی سے فضا

میں غوطہ لگا کر جہاز کے اوپر آ گیا۔ وہاں جاتے ہی اس نے انسان کی شکل اختیار کر لی۔ آدم خوروں نے جہاز کے ڈیک پر ایک انسان کو دیکھا تو شور مچانا شروع کر دیا۔ سردار نے ساحل پر کھڑے کھڑے ناگ کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے چیخ کر کہا:

"اسے زندہ پکڑ کر لاؤ۔"

آدم خوروں نے جہاز پر کمندیں پھینک کر جہاز پر چڑھنا شروع کیا۔ ناگ نے لنگر اٹھا دیا۔ جہاز کے بادبان کھول دیے۔ جہاز نے کھلے سمندر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اس دوران میں چھ سات آدم خور جہاز کے ڈیک پر چڑھ آئے تھے۔ باقی کشتیاں لے کر جہاز کے ساتھ ساتھ نعرے لگاتے، نیزے لہراتے جا رہے تھے۔ آدم خوروں نے ناگ کو بادبانوں کے بڑے مستول کے پاس کھڑے دیکھا تو اس پر نیزے پھینکے۔ ناگ پھر سے کبوتر بن کر جہاز کے مستول کے اوپر جا کر بیٹھ گیا۔

آدم خوروں نے جو ایک انسان کو اچانک غائب ہو کر کبوتر بنتے دیکھا تو خوف سے کانپنے لگے۔

وہ چیختے چلاتے سمندر میں کود گئے اور اپنے ساتھیوں کی طرف ہاتھ ہلا ہلا کر شور مچانے لگے۔

"بھوت۔ بھوت۔ جہاز پر بھوت ہے۔"

یہ وحشی لوگ بے حد کمزور دل ہوتے ہیں۔ بھوتوں چڑیلوں
سے بے حد خوف کھاتے ہیں۔ بھوت کا نام سُن کر باقی
آدم خور کشتیاں لے کر واپس جزیرے کی طرف اُٹھ دوڑے۔
ناگ دوبارہ انسان کی شکل میں جہاز کے ڈیک پر آگیا اور
آدم خوروں کی طرف ہاتھ ہلانے اور مسکرانے لگا۔ جزیرے سے
کافی آگے نکل کر ناگ نے بیچ سمندر میں جہاز کا لنگر ڈال
دیا۔ وہ عنبر کو تلاش کیے بغیر جزیرے سے کیسے واپس جا سکتا
تھا۔ اُسے صرف ایک ہی خطرہ تھا کہ عنبر کہیں جزیرے کے
کسی ایسے گڑھے میں نہ گر گیا ہو جو یہ جنگلی لوگ شیر ہاتھیوں
کو پکڑنے کے لیے بناتے ہیں۔

عنبر مر تو نہیں سکتا تھا۔ مگر ایک کنوئیں جتنے گہرے
گڑھے سے وہ بغیر کسی کی مدد کے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔
اس لیے جزیرے کے جنگل کی تلاشی ضروری تھی۔ یہ کام ناگ
شام ہونے سے پہلے کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اندھیرے میں وہ
کچھ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

جہاز کو سمندر میں کھڑا کرنے کے بعد ناگ نے کبوتر کا
رُوپ بدلا اور ہوا میں اُڑتا ہوا جزیرے میں آگیا۔ وہ چٹانوں
کے پاس آکر زمین پر اُتر آیا۔ وہاں سے آدم خور جنگل میں
جا چکے تھے۔ ان کی چھوٹی کشتیاں دُور مشرقی ساحل پر بندھی

ہوئی تھیں۔

ناگ انسان کی شکل میں آگیا۔ اُس نے ساری چٹانوں کو
ایک بار پھر دیکھا۔ اس کی غاروں میں جا کر عنبر کو آوازیں دیں۔
جب اسے یقین ہو گیا کہ یہاں عنبر نہیں ہے تو وہ جنگل میں
داخل ہو گیا۔

اتنے گھنے جنگل اس نے جنوبی افریقہ میں دیکھے تھے۔ آگے
گزرنے کو کوئی راستہ نہ تھا۔ پھر بھی وہ کسی نہ کسی طرح آگے
بڑھتا چلا گیا۔ وہ گھاس اور جنگلی جھاڑیوں میں چھپی ہوئی زمین
کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا کہ کہیں کوئی گڑھا تو نہیں کھدا
ہوا۔ اس نے ایک دو جگہوں پہ عنبر کو آواز بھی دی۔ جنگل
سنسان تھا، کوئی جواب نہ آیا۔

ناگ جنگل میں بڑھتا چلا گیا۔

اب جنگل زیادہ گھنا ہو گیا تھا۔ درختوں کی شاخیں زمین کو
چھو رہی تھیں۔ اچانک ایک درخت پر سے بہت بڑا سانپ
اچھل کر ناگ کے اوپر آن گرا۔ اور اس نے گرتے ہی
ناگ کی گردن پر ڈس دیا۔ ناگ وہیں رُک گیا۔ اس نے سانپ
کی طرف دیکھا۔ یہ سبز رنگ کا بہت زہریلا سانپ تھا اور اس
کا کاٹا پانی نہیں مانگتا تھا۔ ناگ نے سانپ کو زور سے پاؤں
کی ٹھوکر ماری اور کہا:

"تمھاری یہ جرأت؟"

اب جو سانپ نے ناگ کی طرف دیکھا تو تھر تھر کانپنے لگا۔ اپنا سر زمین پر ڈال دیا اور اپنا ماتھا ناگ کے قدموں کے پاس رگڑنا شروع کر دیا۔ وہ اپنی زبان میں بار بار ناگ سے یہی کہہ رہا تھا:

"اے عظیم ناگ دیوتا! معاف کر دو۔ مجھ سے بھول ہو گئی۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔"

ناگ نے کہا:

"تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میں کون ہوں؟"

سانپ نے اپنا سر زمین پر پٹختے ہوئے کہا:

"عظیم دیوتا! میری بدقسمتی کہ میں دھوکا کھا گیا۔ نہیں تو دنیا کا کوئی سانپ یہ جرأت کر سکتا ہے کہ ناگ دیوتا پر حملہ کرے۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔"

ناگ نے کہا:

"معافی ہماری دنیا میں نہیں ہوتی۔ یہ تم بھی جانتے ہو۔ جب کوئی تم پر حملہ کرتا ہے تو تم بھی اس انسان یا جانور کو معاف نہیں کرتے۔ اس لیے تمہیں بھی معاف نہیں کیا جائے گا۔"

"رحم، رحم، رحم۔ ناگ دیوتا۔"

سانپ گڑگڑانے لگا۔ مگر ناگ نے سانپ کی طرف انگلی اٹھا دی تھی۔ اس کی انگلی کا اٹھنا تھا کہ سانپ کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی۔ وہ زمین پر تڑپ تڑپ کر ڈنڈیاں کھانے لگا۔ دیکھتے دیکھتے اس کے جسم کی کھال پھٹ گئی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا اور ٹھنڈا ہو گیا۔

ناگ اپنے مشن پر پھر آگے روانہ ہوا۔ چلتے چلتے اس کا پاؤں ایک جگہ پھسلا اور وہ دھڑام سے ایک گہرے گڑھے میں گر پڑا۔ یہ گڑھا آدم خوروں نے شیر کو پکڑنے کے لیے بنایا ہوا تھا۔ اس کے اوپر بانس کی پتلی اور کمزور چھت ڈال کر اوپر گھاس بکھیر دی تھی۔

گڑھے میں گرتے ہی ناگ کو سب سے پہلے عنبر کا خیال آیا کہ کہیں وہ بھی اسی جگہ نہ گرا پڑا ہو۔ اس نے آواز دی۔

"عنبر، عنبر!"

وہاں اس کے سوا کوئی بھی نہیں تھا۔ ناگ کے لیے وہاں سے نکلنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ کبوتر بن کر پھر سے اڈاری مار کر باہر نکل آیا۔ اب اس نے خیال کیا کہ کیوں نہ کبوتر بن کر ہی جنگل سے گزرے۔ مگر اس میں خطرہ تھا کہ کوئی جانور اسے چیر پھاڑ کر نہ رکھ دے۔ ویسے بھی کبوتر بن کر وہ جنگل کو اچھی طرح سے نہ کھنگال سکتا تھا۔ ناگ پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔

اب جنگل اتنا گھنا نہیں رہا تھا کہ گزرنے کا راستہ بھی نہ ہو۔

اب وہ درختوں کے نیچے سے آسانی سے آگے جا سکتا تھا — چلتے چلتے ناگ تھک گیا۔ وہ ایک درخت کے نیچے ذرا سانس لینے کو بیٹھ گیا — تھوڑی دیر بعد اُسے نیند آ گئی — اس نے سوچا کہ کچھ دیر آرام کرے تو بہتر ہے — وہ درخت سے ٹیک لگا کر سو گیا —

اُسے سوئے جانے کتنی دیر گزر گئی تھی کہ یکا یک اُسے یوں لگا جیسے کوئی اس کے قریب زور زور سے سانس لے رہا ہے۔ ناگ کی آنکھ کھل گئی — کیا دیکھتا ہے کہ کوئی پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر ایک اژدہا کنڈلی مارے بیٹھا اپنی لال لال آنکھوں سے ناگ کو گھور رہا ہے — ناگ چونکہ دور تھا، اس لیے اژدہا کو اُس کی بو محسوس نہیں ہوئی تھی —

ناگ مسکرایا اور خاموش بیٹھا رہا —

اژدہا کچھ دیر تک ناگ کو گھورتا رہا — پھر آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے اس کی طرف بڑھا — جب اس کے قریب آیا تو اچانک اُسے ناگ کی بُو محسوس ہونے لگی۔ تڑپ کر سیدھا ہو گیا۔ پھر اُس نے جھک جھک کر ناگ کو سلام کیا اور کہا:

"حضور انور! زہے نصیب کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

ناگ نے طنز بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا:

"تم میری خدمت تو کرنے لگے تھے — اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو تم خدمت کرتے کرتے اسے ثابت نگل جاتے اور ڈکار بھی نہ لیتے — اب یہ بتاؤ کہ میں تمہیں کیا سزا دوں؟"

اژدہا نے کہا:

"حضور! مجھ سے صرف اتنی ہی گستاخی ہو گئی کہ میں نے آپ کے بارے میں بُرا سوچا — مجھے معاف کر دیں۔ آئندہ ایسا کبھی نہیں کروں گا۔"

ناگ نے کہا:

"اچھا، میں تمہیں معاف کرتا ہوں، لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے عنبر نام کا کوئی نوجوان یہاں دیکھا ہے؟"

اژدہا کچھ سوچ کر کہنے لگا:

"شاید کل یا پرسوں ایک خوب صورت نوجوان ایک سفید لڑکی کے ساتھ یہاں سے گزرا تھا — میں نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ کیونکہ اس شخص کے ماتھے پر ایک پُر اسرار لکیر میں نے دیکھ لی تھی —

ناگ نے پوچھا:

"کیا اس نوجوان کا ماتھا روشن تھا؟"

اژدہا بولا:

"ہاں میرے عظیم دیوتا، اس کے ماتھے کو دیکھ کر ایسا لگتا

تھا جیسے وہاں سورج طلوع ہو رہا ہو۔"

ناگ بولا:

"ٹھیک ہے، وہی میرا دوست عنبر تھا۔ مگر وہ لڑکی اس کے ساتھ کون تھی؟"

اژدہا نے کہا:

"ہو سکتا ہے کوئی دکھیاری ہو، کیونکہ اس بے چاری کے بال بکھرے ہوئے تھے اور کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ نوجوان اس لڑکی کو یہاں سے نکال کرلے جا رہا تھا۔ وہ لڑکی یقیناً یہاں کے آدم خوروں کے قابو میں آگئی ہو گی۔"

ناگ نے پوچھا:

"کیا وہ دونوں سمندر کی طرف جا رہے تھے؟"

"ہاں، وہ جنگل میں سمندر کے رُخ کی طرف دوڑے جا رہے تھے۔"

ناگ سمجھ گیا کہ عنبر کسی لڑکی کی جان بچا کر یہاں سے نکل گیا ہے اور اب اگر وہ ملا تو سمندر میں ہی وہ ملے گا۔ ناگ وہیں سے واپس ہوا۔

اب جنگل کے اندر عنبر کو تلاش کرنا بے کار تھا۔ وہ جنگل سے نکل کر سمندر کی طرف جا رہا تھا۔ کہ ایک لمبا نیزہ اس کے آگے آن کر گرا اور زمین میں دھنس گیا۔ اس کا مطلب

سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ آدم خوروں نے اس پر پھر حملہ کر دیا ہے۔

ناگ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

جنگل کے درختوں میں سے آدم خور ایک دم نعرے لگاتے باہر نکلے اور ناگ کی طرف نیزے پھینکتے لپکے۔ ناگ نے سوچا کہ کیوں نہ ان انسانوں کے دشمن آدم خوروں کو ایک ایسا سبق سکھایا جائے کہ جو کوئی ان میں سے زندہ رہے وہ اُسے ساری زندگی یاد رکھے۔

آدم خور ابھی ساحل سمندر سے کافی دُور تھے۔ ناگ نے آنکھیں بند کر کے ایک جادو کا منتر پڑھا اور جنگل کی طرف زور سے پھونک ماری۔ اس نے جنگل کے سارے سانپوں اور اژدہوں کو ناگ دیوتا کی حیثیت سے حکم دیا تھا کہ وہ اپنے اپنے ٹھکانوں سے نکل کر حملہ کر دیں۔

اس کے حکم اور پھونک مارنے کی دیر تھی کہ جنگل کے ایک جانب سے ہزاروں زہریلے سانپ اور اژدہا پھنکارتے ہوئے باہر نکل آئے اور انہوں نے آدم خوروں کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔

سانپوں کی رفتار بہت تیز تھی اور ان میں سے کئی اُڑنے والے سانپ تھے۔ انہوں نے اُڑ کر آدم خوروں کے ماتھوں پر

ڈسا اور وہ چیخ مار کر گرے اور مر گئے — دوسروں کو سانپوں نے پاؤں میں ڈسا — وہ بھی تڑپ تڑپ کر مرنے لگے — کچھ آدم خوروں کو اژدہوں نے نگلنا شروع کر دیا — وہاں افراتفری مچ گئی — سانپوں نے ان سب کو گھیرے میں لے لیا تھا اور ایک ایک کر کے ڈسے جا رہے تھے —

دیکھتے دیکھتے وہاں آدم خوروں کی لاشیں بچھ گئیں — صرف ایک دو ہی جان بچا کر وہاں سے بھاگ سکے — ان کے پیچھے بھی سانپ لگ گئے —

کنارے پر آ کر سب سانپوں اور اژدہوں نے ناگ کے آگے سر جھکا دیئے اور ایک آواز ہو کر کہا:

"اور کوئی حکم اے ہمارے عظیم دیوتا؟"

ناگ نے کہا:

"نہیں، اور کوئی حکم نہیں — اب تم جا سکتے ہو۔"

سب نے سر جھکا کر ناگ کو سلام کیا اور جدھر سے آئے تھے ادھر ہی چلے گئے — ناگ کا جہاز دور سمندر میں کھڑا ہلکی ہلکی لہروں میں جھوم رہا تھا —

ناگ کبوتر بن کر اڑا اور اپنے جہاز پر پہنچ گیا۔ اس وقت رات ہو چکی تھی — جزیرے پر گہرا سناٹا چھا چکا تھا — ناگ نے بادبان کھول دیئے — جہاز کے ماتھے پر مشعل کو روشن کیا

اور لنگر اٹھا دیا — جہاز اپنے آپ چل پڑا —

جہاز کا رخ ملک برما کے شہر رنگون کی طرف تھا کیونکہ ناگ کو معلوم تھا کہ عنبر نے رنگون جا کر بہادر شاہ ظفر کو اس کی شاہی امانت واپس کرنی ہے —

سمندر کی چڑیل

سمندر میں دو دن کے سفر کے بعد عنبر اور سلومی کو دُور زمین نظر آ گئی۔

سلومی نے خدا کا شکر ادا کیا — کیونکہ اس طرح بے یار و مددگار بُرے حالات میں ایک کشتی میں بیٹھ کر سمندری سفر کا یہ اس کا پہلا موقع تھا — عنبر اس سے پہلے اس قسم کے ہزاروں سفر کر چکا تھا — وہ پانچ ہزار سال سے سفر میں تھا اور ایک بار پھر واپسی کے ہزاروں میل لمبے سفر پر جا رہا تھا — بہ حال زمین دیکھ کر وہ بھی خوش ہوا۔ اس نے کہا:

"مجھے یقین ہے ہم ملک برما کی زمین پر پہنچ گئے ہیں۔"

سلومی نے دُعا مانگتے ہوئے کہا:

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو — کیونکہ اب میں سمندر کا سفر نہیں کر سکتی۔"

کنارے کے قریب آ کر لہریں بڑی تیزی سے کشتی کو آگے لیے جا رہی تھی — دن کا تیسرا پہر تھا اور سورج مغرب میں

غروب ہو رہا تھا — اس کی سنہری کرنیں سمندر میں آگ سی لگا رہی تھیں — زمین قریب سے قریب آ رہی تھی — اب ناریل کے درختوں کے جھنڈوں کے جھنڈ نظر آنے لگے تھے آخر ان کی کشتی اپنے آپ کنارے کے ساتھ جا لگی — عنبر نے کشتی کو ایک طرف چٹان کے ساتھ باندھا — سلومی کو ساتھ لیا اور کنارے پر اُتر آیا —

زمین پر پیر رکھتے ہی سلومی نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا — پھر انہوں نے منہ ہاتھ دھو کر ناریل کا پانی پیا — کچھ کیلے کھائے —

عنبر غور سے کنارے کے ساتھ ساتھ جاتے ناریل اور آم کے گھنے درختوں کو دیکھ رہا تھا — پھر اس نے پرندوں کی ایک قطار دُور جنگل کی طرف جاتے دیکھی —

عنبر نے سلومی سے کہا:

"یہ جزیرہ نہیں ہے، کوئی ملک ہے — ایسے پرندے جزیروں میں نہیں ہوا کرتے — میرا خیال ہے ہم برما میں پہنچ گئے ہیں۔"

انہوں نے سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف چلنا شروع کر دیا — عنبر کو معلوم تھا کہ برما کے جنگل دنیا کے گنجان اور خطرناک جنگلوں میں شمار ہوتے ہیں — ان جنگلوں میں شیر، ہاتھی، چیتے، اژدہے اور بڑے بڑے گرچھ پائے جاتے ہیں۔

ایسی ایسی دلدلیں ہیں کہ اگر ان میں ہاتھی بھی گر پڑے تو بھی باہر نہیں نکل سکتا — اس نے سُن رکھا تھا کہ یہاں اتنے باریک سانپ ہوتے ہیں کہ درختوں کے ساتھ دھاگوں کی طرح لپٹے رہتے ہیں اور مسافروں کی گردن سے چمٹ کر انہیں ہلاک کر ڈالتے ہیں اور اتنے بڑے بڑے اژدہا بھی ہوتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی ہاتھی کنڈلی مار کر بیٹھا ہوا ہے۔

عنبر رنگون شہر کی سیر کر چکا تھا، مگر جنگلوں میں جانے کا اُسے اتفاق نہیں ہوا تھا — اس نے سلومی کو تمام خطروں سے خبردار کر دیا تھا — کیونکہ اسے اسی کا زیادہ فکر تھا — کافی دُور چلنے کے بعد عنبر نے ایک بیل گاڑی دیکھی جو جنگل سے نکل کر ایک کچے راستے پر جا رہی تھی — اس گاڑی پر زرد کیلوں کے گچھے اور پان کے ٹوکرے لدے ہوئے تھے۔ گاڑی بان برمی تھا — عنبر نے سلومی سے خوش ہو کر کہا:

"دیکھا، میں نہ کہتا تھا کہ ہم برما پہنچ گئے ہیں۔ یہ گاڑی بان کی شکل دیکھو — پورا برمی ہے۔"

سلومی نے ذرا فاصلے سے گاڑی بان کو گھور کر دیکھا اور عنبر سے کہا:

"مجھے تو یہ کوئی چینی کسان لگتا ہے۔"

عنبر مسکرایا:

"ان کی شکلیں چینیوں سے کافی ملتی ہیں۔"

وہ گاڑی بان کے پاس آ گئے — گاڑی بان نے حیرانی سے دونوں کو دیکھا —

عنبر نے برمی زبان میں پوچھا:

"کیا یہ برما کا ملک ہے؟"

گاڑی بان اور زیادہ حیران ہوا — مگر وہ خوش بھی ہوا — کیونکہ عنبر اس کی مادری زبان میں بات کر رہا تھا۔ اس نے کہا:

"ہاں، تم برما میں ہو — مگر تم کہاں سے آئے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"ہم جہاز میں سفر کر رہے تھے کہ وہ سمندر میں غرق ہو گیا۔ ہم بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں تک پہنچے ہیں — یہ میری بہن سلومی ہے۔"

گاڑی بان نے سر پر زرد رومال باندھ رکھا تھا — اس نے کہا:

"آپ لوگ اکیاب میں آ گئے ہیں — میں اکیاب شہر ہی جا رہا ہوں۔"

"ہمیں بھی لے چلو گے بھائی؟"

"کیوں نہیں، گاڑی پر بیٹھ جائیں۔"

عنبر اور سلومی گاڑی پر بیٹھ گئے — بیل گاڑی ہولے ہولے اکیاب

جانے والی سڑک پر روانہ ہو گئی۔ عنبر نے گاڑی بان سے پوچھا۔

"بھائی، اگلا شہر یہاں سے کتنی دور ہو گا؟"

"یہی کوئی دس کوس ہو گا۔۔ مگر راستہ جنگل سے ہو کر جاتا ہے۔۔ جنگل بڑا گھنا ہے۔۔ گھبراؤ گے تو نہیں؟"

عنبر نے ہنس کر کہا:

"نہیں، تم فکر نہ کرو۔ نہ میں گھبراؤں گا، نہ میری بہن سلومی گھبرائے گی۔۔ کیوں سلومی؟"

سلومی نے جنگل کا نام سن کر ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا:

"خدا جانے ابھی کتنے جنگل اور دیکھنے ہیں۔"

سورج غروب ہو رہا تھا کہ بیل گاڑی جنگل میں داخل ہو گئی۔ کچا راستہ درختوں کے بیچ میں سے ہو کر جاتا تھا۔۔ ایسا لگتا تھا کہ اس راستے سے بیل گاڑیاں اور مسافر آتے جاتے رہتے ہیں۔ درخت سال اور ساگون کے تھے اور کافی گھنے اور اونچے اونچے تھے۔ درمیان میں ناریل کے جھنڈ بھی آ جاتے تھے۔۔ سورج کی سنہری کرنیں درختوں کے تنوں سے پھسل کر گھاس کو سنہری کر رہی تھیں۔

گاڑی بان نے اپنی برمی زبان میں گنگنانا شروع کر دیا تھا۔ یہ لوگ جب خطرناک جنگلوں میں سے گزرتے ہیں تو شاید اپنے دل کا خوف چھپانے کے لیے اونچی آواز میں گانا شروع کر دیتے ہیں۔۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ گانے کی آواز سن کر جنگلی جانور

ان کے قریب نہیں آتے بلکہ بھاگ جاتے ہیں، لیکن انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ کبھی کبھی اپنے گانے سے وہ آدم خور شیروں کو دعوت بھی دے دیتے ہیں۔

ادھر سورج غروب ہوا، ادھر مشرق سے گول زرد کافی بڑا چاند نکل آیا۔۔ جنگل میں درختوں کے نیچے چاند کی پھیکی پھیکی زرد روشنی پھیل گئی۔۔ بیل گاڑی کے آگے جتے بڑے مزے سے ایک ہی رفتار سے چل رہے تھے، جیسے نیند میں چل رہے ہوں۔

اس جنگل میں ایک آدم خور شیر نیا نیا اراکان کے پہاڑوں سے آیا ہوا تھا۔۔ وہ کئی روز سے بھوکا تھا اور رات پڑتے ہی کسی شکار کی تلاش میں نکلا ہوا تھا۔

اس نے نرکل کی جھاڑیوں میں بیٹھے بیٹھے جو ایک انسان کی آواز سنی تو اس کی بھوکی آنکھیں چمکنے لگیں۔۔ کان کھڑے ہو گئے۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔۔ اور اس کی دم زور زور سے ہلنے لگی۔

اس نے اپنا منہ اس طرف موڑ دیا جس طرف سے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ پھر اس نے پنجے سکیڑ کر گردن جھکا کر گاڑی بان کی آواز کی طرف چل دیا۔

سلومی کو نیند آ گئی تھی اور وہ عنبر کے گھٹنوں سے ٹیک لگا کر سو رہی تھی۔۔ عنبر خاموش بیٹھا تھا۔۔ ریوالور اس کی

جیب میں تھا۔ سیکٹہ خاندان کا قیمتی ہار اس کی اندرونی جیب
میں رکھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ خدا جانے ناگ کہاں ہوگا،
اس کا دل کہہ رہا تھا کہ جزیرے میں جب اس نے عنبر کو نہ
پایا تو وہ اس کے پیچھے رنگون بہادر شاہ ظفر کے پاس ضرور
پہنچے گا، کیونکہ اُسے معلوم ہے کہ میں شاہی ہار دینے اُدھر ہی
جا رہا ہوں۔

اچانک جنگل میں شیر کی خوفناک دھاڑ گونجی۔

شیر کی دھاڑ سے بیل بدک گئے اور اتنی تیزی سے بھاگے
کہ گاڑی ایک پتھر سے ٹکرا کر اچھلی اور سلومی اور عنبر گاڑی میں
سے اُچھل کر باہر جھاڑیوں میں گر پڑے۔ عنبر نے سلومی کے منہ
پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ کوئی آدم خور شیر ہے جو
گاڑی بان کے گانے کی آواز پر حملہ آور ہوا ہے۔ اب اگر [illegible]
کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اسی افراتفری میں عنبر کا وہ تعویذ کہیں گر پڑا جس کی مدد سے
وہ ہوا میں اُڑ سکتا تھا۔ وہ اُسے تلاش نہ کر سکا۔

سلومی کچھ نہ سمجھ سکی کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ عنبر نے
جھاڑیوں کو ہٹا کر دیکھا۔ دُور کچے راستے پر بیل گاڑی بھاگی جا
رہی تھی۔ اور شیر ایک زور دار دھاڑ کے ساتھ گاڑی کے
اُوپر آ گرا۔ گاڑی بان نے چھلانگ لگا دی۔ شیر نے ادھر
سے چھلانگ لگا کر گاڑی بان کو وہیں دبوچ لیا۔ اس بے چارے

کی آخری چیخ فضا میں بلند ہوئی اور پھر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو
گئی۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو گیا کہ عنبر اس کی کوئی مدد
نہ کر سکا۔ ویسے بھی عنبر کو سلومی کا خیال تھا۔ اگر وہ اکیلا
ہوتا تو شیر کی مجال نہیں تھی کہ گاڑی بان کو ہلاک کر سکتا، لیکن
اب خطرہ تھا کہ شیر سلومی کو ہلاک نہ کر دے۔

سلومی کے منہ سے دبی ہوئی چیخ پھر بھی نکل گئی۔ عنبر نے
اس کا سر نیچے کر دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سلومی ایک آدم خور
شیر کو انسان کھاتے ہوئے دیکھے۔ اس نے سرگوشی میں کہا
"شیر نے گاڑی بان کو مار ڈالا ہے۔ خاموش بیٹھی رہو۔"
شیر نے ایک ہی پنجہ مار کر گاڑی بان کا کام تمام کر دیا تھا
اور اب اس کی گردن کا وہیں کھڑے کھڑے خون پی رہا تھا۔
جب خوب سیر ہو کر خون پی چکا تو شیر نے منہ اوپر کر کے
ایک زور دار ڈکار ماری اور پھر گاڑی بان کو منہ میں دبوچ کر
اس کا گوشت کھانے کے لیے جنگل کی طرف چل دیا۔

جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو عنبر نے سلومی سے
کہا:

"چلو، اب کوئی خطرہ نہیں ہے، مگر ہمیں جلدی جلدی
یہاں سے نکل جانا ہوگا۔"

"شیر۔ شیر کہاں ہے؟" سلومی نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

عنبر نے کہا:

"شیر جنگل میں جا چکا ہے۔"

وہ دونوں جھاڑیوں میں سے نکلے اور پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے خاموشی سے آگے نکل گئے۔ راستے میں اس جگہ تازہ خون کا بڑا سا نشان تھا، جہاں شیر نے بے چارے گاڑی بان کو گرایا تھا۔ جب وہ اس جگہ سے کافی آگے نکل گئے تو سلومی تھک کر بیٹھ گئی:

"مجھ سے نہیں چلا جاتا۔"

عنبر نے کہا:

"تو پھر شیر تمہیں اٹھا کر لے جائے گا۔ میں جا رہا ہوں۔"

"نہیں، نہیں، عنبر بھائی۔ میں آ رہی ہوں۔"

اور وہ اٹھ کر عنبر کے ساتھ آگے روانہ ہوئی۔ عنبر نے کہا:

"وہ گاڑی کہاں چلی گئی، جس پر ہم سوار تھے؟"

کچے راستے پر بیل گاڑی کے نشان آگے جا رہے تھے۔ آخر ایک جگہ انہیں بیل کے ڈکرانے کی آواز سنائی دی۔ وہ بھاگ کر وہاں پہنچے تو دیکھا کہ بیل گاڑی ایک بہت بڑے دلدل کے تالاب میں گر چکی تھی۔ ایک بیل دلدل میں گم ہو چکا تھا اور

دوسرا بیل باہر نکلنے کی کوشش میں اور زیادہ دلدل میں دھنستا جا رہا تھا۔ کیلوں کے گچھے اور پانوں کے ٹوکرے آہستہ آہستہ دلدل میں ڈوب رہے تھے۔ اُن کے دیکھتے دیکھتے دوسرا بیل بھی دلدل میں ہمیشہ کے لیے غائب ہو گیا۔

چاندنی رات میں یہ منظر بڑا ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ جنگل پر موت کی خاموشی چھا چکی تھی۔ کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ کوئی پرندہ بھی نہیں بول رہا تھا۔ شیر کی دھاڑ نے اُلو کو بھی چپ کرا دیا تھا۔

عنبر نے سوچا کہ سلومی کو ساتھ لے کر آدھی رات کو اس خطرناک جنگل میں سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس لیے کسی جگہ رُک کر رات بسر کر لینی چاہیے، تاکہ اگلے روز صبح کی روشنی میں سفر شروع کیا جائے۔

اُس نے سلومی سے کہا:

"میرا خیال ہے، ہمیں یہیں کہیں رات بسر کرنا ہوگی۔"

سلومی نے دلدل کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"کیا ہم اس دلدل میں رات بسر کریں گے؟"

"نہیں، ہم کوئی اچھا سا ٹھکانا تلاش کریں گے۔"

عنبر نے سلومی کو ساتھ لیا اور جنگل میں کچی سڑک پر آہستہ آہستہ آگے روانہ ہوا۔ وہ بڑے غور سے چاروں طرف دیکھتے جا

رہا تھا — اچانک اس کی نظر ایک روشنی پر پڑی جو دور ایک پہاڑ
کھنڈر میں سے آ رہی تھی —

عنبر نے کہا:

"شاید وہ کسی کی جھونپڑی ہے۔ آؤ وہاں چلتے ہیں — ہو
سکتا ہے ہمیں رات بسر کرنے کو جگہ مل جائے"

روشنی ایک چھوٹے سے ٹیلے کے اوپر سے آ رہی تھی، جہاں
ڈھلان پر جنگلی جھاڑیاں اور ناریل کے درختوں کے جھنڈ تھے — اور
چاندنی رات میں یہ جگہ دور ہی سے بڑی پُر اسرار لگ رہی
تھی — ایک لومڑ چیختا ہوا ان کے قریب سے گزر گیا — سلوی سہم
کر عنبر کے ساتھ لگ گئی —

"بہادر بنو سلوی"

جب وہ چڑھائی چڑھ کر ٹیلے کے اوپر آئے تو دیکھا کہ یہاں
کسی پرانے بدھی مندر کا ایک کھنڈر تھا — مہاتما بدھ کا ایک بہت
بڑا پتھر کا ایک مجسمہ زمین پر پڑا تھا — مندر کا دروازہ ٹوٹا ہوا تھا،
اور روشنی اس کے اندر سے آ رہی تھی —

سلوی تو ڈر گئی —

"میں یہاں رات نہیں ٹھہروں گی — مجھے واپس لے چلو"

عنبر نے کہا:

"صبر تو کرو سلوی، میں اندر جا کر دیکھتا ہوں"

"میں تمہارے ساتھ جاؤں گی"

سلوی نے خوف سے کانپتے ہوئے عنبر کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"چلو، آؤ میرے ساتھ"

اور عنبر سلوی کو لے کر مندر کے ٹوٹے ہوئے دروازے میں
داخل ہو گیا — اندر ایک دالان تھا — درمیان میں پتھر کا چبوترہ تھا
جس پر کسی دیوتا کا بت رکھا تھا — اس کے آگے مٹی کا دیا جل
رہا تھا — عنبر نے غور سے چاروں طرف دیکھا۔ چھت نیچی تھی —
دیواروں کے پتھروں کی نوکیں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ کونے میں ایک
پتھر کا مٹکا رکھا تھا۔ عنبر نے مٹکے میں جھانک کر دیکھا — اس میں
پانی تھا۔

سلوی سہمی سہمی عنبر کے ساتھ لگی چل رہی تھی — عنبر نے
کہا:

"یہاں دیا کس نے جلایا ہے؟ میرا خیال ہے ضرور یہاں کوئی
رہتا ہے۔ مٹکے میں پینے کا پانی بھی رکھا ہے — مگر سوال یہ ہے
کہ جو کوئی بھی یہاں رہتا ہے، وہ کہاں ہے؟"

عنبر خود ہی سوال کر رہا تھا اور خود ہی جواب دے رہا تھا
سلوی تو بس سوائے ڈرنے کے اور کچھ نہیں کر رہی تھی۔ عنبر مندر
کی کوٹھڑی سے باہر آ گیا — ساتھ ہی ایک بانس کا چھپر سا پڑا
تھا — اس کے نیچے خشک گھاس بچھی تھی —

عنبر نے کہا :

"ہم یہاں آرام کریں گے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ تمہیں
آرام کی ضرورت ہے — نہیں تو تم کل سفر نہ کر سکو گی۔ ابھی
ایکباب شہر تک یہیں جنگل میں پچیس میل تک چلنا ہے۔"

سلوی نے کہا :

"مجھے تو یہ جگہ بڑی ڈراؤنی لگ رہی ہے۔"

عنبر کہنے لگا :

"جنگلوں میں ایسی جگہیں ہی ہوا کرتی ہیں اور پھر میں تمہارے
ساتھ ہوں — تم سو جاؤ، میں پہرہ دوں گا۔"

"تم نہیں سوؤ گے کیا ؟" سلوی نے پوچھا۔

"نہیں، مجھے نیند کی ضرورت نہیں — تم آرام کرو۔"

اس نے سلوی کے لیے چھپر کے نیچے خشک گھاس پر جگہ بنا
دی۔ سلوی گھاس پر لیٹ گئی اور عنبر کا ہاتھ پکڑ کر بولی :

"مجھے چھوڑ کر چلے نہ جانا۔"

عنبر نے اس کا ہاتھ دبا کر کہا :

"ہمت سے کام لو سلوی، جی نہ ہارو — اب تم سو جاؤ۔
میں یہیں تمہارے پاس بیٹھا ہوں۔"

سلوی کو جب تسلی ہو گئی تو اس نے آنکھیں بند کر لیں —
بے حد تھکی ہوئی تھی۔ جلد ہی گہری نیند میں کھو گئی — عنبر کچھ دیر

بیٹھا مندر کے صحن میں پھٹے ہوئے گوتم بدھ کے مجسمے کو تکتا
رہا — مندر کے دروازے میں سے چراغ کی روشنی ہو رہی تھی
باہر اب چاندنی ترچھی ہو کر مشرق کو جا رہی تھی — چاند کافی
آگے نکل آیا تھا — اوس گرنے لگی تھی جس کی وجہ سے سردی
ہو رہی تھی۔ رات پُر اسرار خاموش اور ڈراؤنی تھی۔ سلوی ہلکے
ہلکے خراٹے لے رہی تھی —

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی — ٹیلے کے نیچے جنگل
سائیں سائیں کر رہا تھا۔ شیر بھی اپنا شکار ہڑپ کرنے کے بعد
سو گیا تھا — عنبر اپنے دوست ناگ کے بارے میں سوچ رہا
تھا کہ جانے وہ سمندر میں کس جگہ ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے
کہ وہ زنگون پہنچ چکا ہو — عنبر اپنے خیالوں سے اچانک چونک
سا گیا — اس نے کان کھڑے کر لیے — اس نے ابھی ابھی ایک
آواز سنی تھی — یہ آواز کچھ عجیب قسم کی تھی اور اس کے قریب
کی جھاڑیوں سے آئی تھی۔ یہ کیسی آواز تھی؟ عنبر اپنے ذہن پر
زور دینے لگا — جنگل خاموش تھا — عنبر کو آواز یاد نہیں آ
رہی تھی —

اچانک وہی آواز پھر سنائی دی — عنبر نے جلدی سے سلوی
کے اوپر خشک گھاس ڈال دیا اور خود پستول نکال کر ذرا پیچھے
اندھیرے میں ہو کر بیٹھ گیا — اس بار آواز اس نے صاف صاف

سُنی تھی — یہ ایسی آواز تھی جیسے کوئی درندہ کسی جھاڑی میں گوشت کھاتے کھاتے غرّایا ہو — اس کے بعد گہری خاموشی چھا گئی — خاموشی اچانک اتنی گہری ہو گئی کہ عنبر کو اپنے دل کی دھڑکن سنائی دینے لگی — جیسے کسی نے اچانک ہر شے پر موت کی مہر لگا دی ہو۔

عنبر بڑا حیران ہوا کہ یک لخت اتنی شدید خاموشی کیسے ہو گئی!

پھر اس بھیانک خاموشی کو چیرتی ہوئی آدھی رات کے سناٹے میں ایک اور آواز اُبھری۔ یہ آواز بے حد ڈراؤنی تھی۔ اور کسی عورت کی تھی، جیسے اُس نے روتے روتے ایک اونچی لمبی آواز نکالی ہو — یہ آواز بین کرنے کی آواز سے ملتی جلتی تھی —

عنبر کا دل ایک بار زور سے دھڑکا — آواز بے حد ڈراؤنی تھی اور آدھی رات کی موت ایسی خاموشی نے اُسے اور زیادہ بھیانک بنا دیا تھا —

یہ آواز کسی انسانی عورت کی نہیں، بلکہ کسی چڑیل کی آواز لگتی تھی۔ خدا کا شکر تھا کہ سلومی کی آنکھ نہیں کھلی تھی، ورنہ وہ ضرور چیخ مار دیتی — عنبر چپ بیٹھا، ریوالور ہاتھ میں لیے اندھیرے میں چمکتی آنکھوں سے مندر کے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عنبر کا خیال تھا کہ چڑیل کی آواز مندر کی جانب سے آئی

تھی — اس کی آنکھیں مندر کے دروازے پر لگی تھیں جس کی روشنی اس ڈراؤنی آواز کے ساتھ ہی ایسے لرزنے لگی تھی جیسے دیے کی لو دہشت کے مارے کپکپا رہی ہو۔

ایک بار جنگل پھر خاموش ہو گیا — چاند درختوں کے پیچھے چھپ گیا تھا اور مندر کے صحن میں اندھیرا اتر آیا تھا۔ پھر بھی اتنی بجھی بجھی سی روشنی ضرور تھی کہ عنبر کو صحن والا بُت صاف نظر آ رہا تھا۔

پہلے تو عنبر نے سوچا کہ اُٹھ کر آواز کا سراغ لگایا جائے۔ پھر وہ یہ سوچ کر بیٹھا رہا کہ سلومی کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اتنے میں وہی چڑیل کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی آواز پھر بلند ہوئی۔ اس دفعہ آواز قریب سے آئی تھی — عنبر نے ٹیلے کی ڈھلان کی جانب جھاڑیوں پر نظریں گاڑ دیں — آواز اُدھر سے آتی معلوم ہوئی تھی۔

اور پھر اُس نے ایک سائے کو دیکھا جو ڈھلان کی جھاڑیوں سے نکل کر آہستہ آہستہ دائیں بائیں جھومتا مندر کی طرف بڑھ رہا تھا —

یہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟ عنبر نے غور سے دیکھا — چاند غروب ہو چکا تھا — کھنڈر میں اندھیرا تھا — سایہ مندر کے دروازے کی طرف آ گیا — دروازے کی روشنی میں عنبر نے سائے کو دیکھا تو

خوف سے کانپ اٹھا۔ وہ ایک بھیانک چہرے والی چڑیل تھی۔ جس کے پاؤں الٹے تھے۔ ہاتھوں کے ناخن لمبے لمبے نوکیلے تھے۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ چہرہ توے کی طرح سیاہ تھا اور ایک ہاتھ میں اس نے ننگی تلوار پکڑ رکھی تھی۔

چڑیل مندر کی سیڑھیاں اُتر گئی۔ عنبر نے سوچا اب اُسے کیا کرنا چاہیے؟ کیا وہ سلومی کو یہاں سے لے کر بھاگ جائے؟ اگر سلومی نے ڈر کر چیخ ماردی تو چڑیل اس پر ضرور حملہ کرے گی۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مندر کے اندر سے چڑیل کی چیخ بلند ہوئی۔

عنبر نے سلومی کی طرف دیکھا، وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ عنبر آہستہ سے اُٹھا اور ریوالور ہاتھ میں تھامے مندر کے دروازے پر آگیا۔ پھر وہ دیوار کے ساتھ لگ کر آہستہ آہستہ سیڑھیاں اُترنے لگا۔

آخری سیڑھی سے کچھ اوپر اس نے دیوار کی اوٹ سے دیکھا کہ چڑیل چبوترے کے سامنے آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ تلوار اس نے بت کے آگے رکھی تھی اور وہ دونوں بازو اوپر اٹھائے بین کر رہی تھی، جیسے اس کے سارے گھر والے مر گئے ہوں۔ بین کی آوازیں بڑی ڈراؤنی تھیں۔ عنبر خاموشی سے یہ دہشتناک منظر کو دیکھتا رہا۔ چڑیل نے بین کرتے کرتے دیوتا کے بُت

کے سامنے سے ننگی تلوار اٹھائی اور اپنی گردن پر اس قدر زور سے تلوار کا وار کیا کہ چڑیل کی گردن کٹ کر نیچے گر پڑی۔ عنبر لرز گیا۔ ایسا بھیانک منظر اس نے شاید ہی پہلے کبھی دیکھا تھا۔

چڑیل کی کٹی ہوئی گردن سے خون نکل رہا تھا۔ گردن نیچے پڑی تھی، مگر چڑیل اُسی طرح بغیر سر کے دھڑ لیے آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ اس نے تلوار چبوترے پر رکھ دی تھی۔ پھر اُس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا کٹا ہوا سر پتھروں سے اٹھایا اور دیوتا کے بُت کے سامنے رکھ دیا۔ چراغ کی روشنی میں عنبر نے دیکھا کہ چڑیل کے کٹے ہوئے سر کی آنکھیں کھلی تھیں۔

عنبر نے اچانک محسوس کیا کہ کٹے ہوئے سر کی شعلہ برساتی آنکھیں اُسی کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی ہیں۔ وہ گھبرا سا گیا۔ اچانک کٹے ہوئے سر نے ایک چیخ ماری اور اپنی جگہ سے اُڑ کر عنبر کی طرف آیا۔ عنبر نے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا لیے۔ چڑیل کا کٹا ہوا سر چھت پر جا لگا اور عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قہقہے لگاتے ہوئے گردش کرنی شروع کر دی۔ چڑیل کا دھڑ بھی اب اپنی جگہ سے اُٹھ کر عنبر کی طرف بڑھا۔ چڑیل کے دھڑ سے خون بہہ رہا تھا۔

عنبر سے اور کچھ نہ ہو سکا تو اس نے گولی چلا دی۔ دھماکہ ہوا اور عنبر نے دیکھا کہ چڑیل کے دھڑ نے اپنا کٹا ہوا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا ہے اور اس کی طرف بڑھ رہا ہے — عنبر اوپر کی طرف بھاگا — وہ سیڑھیاں پھلانگتا ہوا مندر سے باہر آ گیا — چڑیل کے کٹے ہوئے سر کی چیخیں اُس کا تعاقب کر رہی تھیں — اُسے سب سے زیادہ پریشانی سلومی کی تھی — اب وہ چاہتا تھا کہ سلومی کو لے کر وہاں سے نکل بھاگے۔

عنبر پھلانگ لگا کر چھپر کی طرف بھاگا — مگر وہاں سلومی نہیں تھی — وہ پریشان ہو گیا — اس نے سلومی کو بے اختیار آوازیں دینا شروع کر دیں — جنگل اس کی آوازوں سے گونج اُٹھا — مگر سلومی کا کہیں کچھ پتا نہ تھا — کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے زمین کھا گئی تھی کہ آسمان اُٹھا لے گیا تھا — عنبر نے مندر کے دروازے کی طرف پلٹ کر دیکھا — سوچا کہیں چڑیل نے اُسے اپنے قبضے میں نہ کر لیا ہو — مندر کا دروازہ خالی پڑا تھا۔ عنبر لپک کر دروازے میں آیا — زینہ آخری سیڑھی تک خالی پڑا تھا۔ وہ نیچے اُتر گیا —

چبوترے پر چڑیل کا خون بکھرا ہوا تھا لیکن چڑیل کہیں نہیں تھی — نہ اس کا کٹا ہوا سر تھا اور نہ دھڑ — سوائے خون کے وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ عنبر نے کوٹھڑی کا ایک ایک کونا بار بار

دیکھا اور سلومی کو آوازیں بھی دیں مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ چڑیل نے اپنے ساتھ سلومی کو بھی غائب کر لیا تھا — چھپر کے نیچے گھاس ویسے ہی پڑی تھی — سلومی کہیں نہیں تھی — عنبر سر پکڑ کر بیٹھ گیا — رات کافی گزر چکی تھی اور اب کچھ ہی دیر بعد اجالا ہونے والا تھا — عنبر پریشان ہو گیا — اب وہ سلومی کو کہاں تلاش کرے؟ اسے ڈھونڈ کر اس کے ماں باپ کے پاس پہنچانا اب عنبر کی ذمے داری بن گئی تھی —

رات گزر گئی — جنگل میں دن کی روشنی پھیل گئی — عنبر نے دن کی روشنی میں مندر میں جا کر دیکھا تو چبوترے پر بت ویسے کا ویسا ہی تھا مگر وہاں چڑیل کے خون کا کوئی نشان تک نہیں تھا — تو کیا وہ شعبدہ بازی تھی؟ مگر نہیں، چڑیل کو اپنی گردن کاٹتے عنبر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، لیکن وہاں نہ چڑیل تھی، نہ اس کا خون تھا اور نہ سلومی تھی —

عنبر کافی دیر مندر میں گھوم پھر کر جائزہ لیتا اور سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہیے — وہ مندر کے پاس ڈھلان کی طرف آ گیا اور نیچے اُترنے لگا یہاں جھاڑیاں اُگی تھیں اور راستہ بڑا دشوار تھا — مگر عنبر نیچے اترتا چلا گیا۔ انھی جھاڑیوں سے عنبر نے چڑیل کو آتے دیکھا تھا — عنبر ٹیلے سے نیچے اُتر کر آیا تو اس کے سامنے ایک پگ ڈنڈی تھی جو گھنے جنگل کو

جاتی تھی۔

عنبر اُس پگ ڈنڈی پر چل پڑا۔ ایسا لگتا تھا کہ یہاں سے دیہاتی لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہاں کیلوں کے بڑے درخت تھے۔ آگے جا کر پگڈنڈی غائب ہو گئی جیسے گھنے جنگل میں ایک دم غائب ہو گئی ہو۔ عنبر رُک کر سوچنے لگا اُسے کس طرف جانا چاہیے۔ اس نے خدا کا نام لیا اور ایک درختوں کے نیچے نیچے روانہ ہو گیا۔ درخت گھنے اور ساگوان کے تھے۔ جو بڑے گنجان ہوتے ہیں اور بہت اونچے اوپر جا کر یہ آپس میں گڈمڈ ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے دن کی روشنی جنگل میں بہت کم آ رہی تھی۔ سارے جنگل میں سبز سبز اندھیرا سا پھیلا ہوا تھا۔

عنبر چلتا چلا گیا۔

اُسے پانی کے گرنے کی آواز آئی۔ وہ اس آواز کی طرف چلا۔ یہ ایک چھوٹی سی ندی تھی جو ایک پہاڑی ڈھلان سے نیچے تالاب میں گر رہی تھی۔

یہاں بڑے بڑے پتھر ٹیلوں کی شکل میں تھے جن پر بارشوں نے زنگ لگا دیا تھا۔ اگر کوئی ان ٹیلوں پر پاؤں رکھے تو پھسل کر نیچے تالاب میں گر جاتے۔ عنبر ان پتھروں سے بچ کر آگے نکل گیا۔ اب پہاڑی کی پتھریلی دیوار اس کے

بائیں جانب تھی۔ اور دائیں طرف گھنا جنگل تھا۔

عنبر چلا جا رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ چڑیل کا سراغ اس جنگل میں کہیں نہ کہیں ضرور مل جائے گا۔ اُسے جھاڑیوں میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ رُک گیا۔ قدموں کی چاپ بھی رُک گئی۔

عنبر نے مڑ کر دیکھا۔ جنگل ویران اور سنسان تھا۔ وہاں اُس کے سوا کوئی انسان نہیں تھا۔ عنبر آگے روانہ ہوا۔ قدموں کی چاپ کچھ دور جا کر پھر سنائی دی۔ عنبر نے ایک دم رُک کر پیچھے دیکھا۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ کہیں وہی چڑیل تو اس کا پیچھا تو نہیں کر رہی؟

اچانک عنبر کو فضا میں ایک بُو محسوس ہوئی۔ یہ شیر کی بُو تھی۔ کیا وہی آدم خور شیر اُس کا پیچھا کر رہا ہے۔

عنبر تیز تیز چلنے لگا۔ اب شیر کی دھاڑ سے جنگل گونج اُٹھا۔ عنبر ایک گھنے درخت کی طرف لپکا تاکہ وہاں سے شیر کا مقابلہ کر سکے۔ جونہی وہ درخت کے پاس پہنچا وہ دھڑام سے ایک گہرے گڑھے میں گر پڑا۔ یہ وہی گڑھا تھا جو شکاری یا شیر کی کھالوں کے چور اُسے پکڑنے کے لیے جنگل میں کھود رکھتے ہیں اور اوپر گھاس پھونس ڈال دیتے ہیں۔

یہ گڑھا کوئی بیس فٹ گہرا تھا۔ عنبر گرتے ہی اُٹھا اور

اس نے اوپر دیکھا — کھڈ کی منڈیر پر اسے شیر کا بہت بڑا
خونخوار سر دکھائی دیا — وہ نیچے عنبر کو دیکھ کر غرّا رہا تھا اور
کبھی ادھر جاتا تھا، کبھی ادھر ہو جاتا تھا —

عنبر نے سوچا کہ وہ کس طرح سے اس کھڈ سے باہر نکلے۔
اتنے میں شیر نے کھڈ میں چھلانگ لگا دی — وہ عنبر کے اوپر آن
کر گرا — اس نے عنبر کو دونوں پنجوں میں دبوچ لیا اور گردن
میں اپنے خونی دانت گاڑنے کی کوشش کی، مگر عنبر کی گردن
تو پتھر سے بھی زیادہ سخت تھی —

عنبر نے اس دوران میں اپنا ریوالور نکال کر شیر کی کھوپڑی
کے ساتھ لگایا اور اوپر تلے دو فائر کر دیے — دونوں گولیاں
شیر کا دماغ پھاڑ کر نکل گئیں — شیر نے ایک آخری چیخ ماری اور
عنبر کے اوپر سے نیچے لڑھک گیا — شیر مر چکا تھا — عنبر نے
ریوالور جیب میں رکھا اور کھڈ کے اوپر دیکھا کہ وہ کیونکر باہر
نکل سکتا ہے — باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا — عنبر سب
کچھ کر سکتا تھا، مگر اپنے دوست ناگ کی طرح اڑ کر وہاں سے
باہر نہیں جا سکتا تھا۔ تعویذ گم ہو جانے کی وجہ سے وہ ہوا میں اڑ کر بھی
باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

جنگل میں پُراسرار اندھیرا چھا گیا — ہر طرف خاموشی ہو گئی۔
عنبر شیر کی لاش سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا اور سوچتا رہا کہ اسے

کیا کرنا چاہیے — اتنے میں وہی بین کرنے کی رونگٹے کھڑے کر دینے
والی آواز پھر بلند ہوئی — آواز جنگل سے آ رہی تھی اور یہ اسی
چڑیل کی آواز تھی جس نے مندر میں تلوار سے اپنی گردن کاٹ
ڈالی تھی اور سلوی کو گم کر دیا تھا —

پُراسرار غار کی موتی
چڑیل سے کا عنبر سے کیسے سامنا ہوا؟
دونوں کے مقابلے میں کون جیتا؟
سلومی عنبر کو کس حالت میں ملی؟
کیا عنبر مغلیہ شاہی ہار بادشاہ کو پہنچا سکا؟
ناگ سے عنبر کی ملاقات کہاں ہوئی؟
ان سوالوں کا جواب آپ کو
اسی سیریز کی چوتھی قسط
"پُراسرار غار کی موتی"
میں ملے گا
مکتبہ اقراء
ناگ لندن میں
عنبر اژدہا کے پیٹ سے کیسے باہر نکلا؟
ناگ اور عنبر سلومی کی دوبارہ ملاقات کہاں ہوئی؟
اور عنبر نے شاہی نولکھے ہار کی امانت کس طرح
شہزادی زیب النساء تک پہنچائی؟
ان سارے سوالوں کا جواب
"ناگ لندن میں"
مکتبہ اقراء

انسپکٹر رضوی اور موتی کے
کارناموں پر
ستار طاہر کے ناول
جس رات شہر میں قتل ہوا ۴/-
بھوت اور موتی ۴/-
ایک سے بڑھ کر ایک ۴/-
موتی اور سمگلر ۴/-
ٹیلی فون پر موت ۴/-
پیلا لفافہ ۴/-
شیشے کا آدمی ۴/-
برف پر خون ۴/-
یہ ناول آج ہی اپنے قریبی بک سٹال سے خرید لیے یا براہ راست ہم سے منگوائیے!
مکمل سیٹ منگوانے کی صورت میں محصول ڈاک ہمارے ذمہ ہوگا!
نیا مکتبہ اقراء ۱۴۶ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

موت کے تعاقب کی واپسی
جو پانچ ہزار سال سے ٹکٹ بجا بجا رہا....
اے حمید واپسی کے سفر کی کہانی بیان کرتے ہیں
ناگ ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی
سنسنی خیز داستان
ایک جھلک
۱ لاش سے ملاقات اے حمید ۵/- روپے
۲ جہاز ڈوب گیا اے حمید ۵/- روپے
۳ مندر کی چڑیل اے حمید ۵/- روپے
۴ پُر اسرار غار کی مورتی اے حمید ۵/- روپے
۵ ناگ لندن میں اے حمید ۵/- روپے
۶ تابوت میں سانپ اے حمید ۵/- روپے
اپنے قریبی بک سٹال سے خریدئیے یا براہ راست
ہم سے منگوائیے!
نیا مکتبہ اقراء - ۱۴ - بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

پراسرار ناگ کی موتی
اے حمید
PDFBOOKSFREE.PK

ناگ، ماریا، عنبر کی واپسی

کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

پُراسرار غار کی مُورتی

اے۔ حمید

پیارے دوستو،

عنبر مغل جلا وطن بادشاہ کی امانت نولکھا شاہی ہار لے کر زگون پہنچتا ہے وہ سلومی کو ساتھ لیے جنگل میں ایک پہاڑی پر پہنچتا ہے۔ رات کو موسلا دھار مینہ برستا ہے۔ عنبر کو آدھی رات کے وقت مندر کے دروازے میں روشنی دکھائی دیتی ہے — وہ سیڑھیاں اُتر کر اندر جاتا ہے تو اُس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں — ایک چبوترے پر ایک بُت نظر آتا ہے جس کے آگے دیا جل رہا ہے اور ایک چڑیل اپنا سر کاٹ کر بُت کے آگے رکھ رہی ہے —

عنبر کی آہٹ پا کر چڑیل کا کٹا ہوا سر عنبر کو دیکھتا ہے اور پھر اُڑ کر اس کے چہرے سے ٹکراتا ہے — عنبر باہر کو بھاگتا ہے باہر سلومی غائب ہوتی ہے — چڑیل بھی غائب ہو جاتی ہے — عنبر آگے بڑھتا ہے — ادھر ناگ بادبانی جہاز لے کر سمندر میں سفر کرتا چلا آ رہا ہے — عنبر سنسان جنگل میں اکیلا زگون کی طرف چلا جاتا ہے — ایک جگہ اسے کیچڑ میں بڑے بڑے پاؤں کے نشان نظر آتے ہیں۔ پھر کسی عورت کے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ عنبر آواز کی طرف بڑھتا ہے — اور — اس کے آگے آپ خود پڑھ لیں گے —

قیمت: ۵/- روپے

بار اول

ناشر: نیا مکتبہ اقرار ۳۱ شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

ترتیب

چڑیل سے مقابلہ

عنبر جلدی سے مردہ شیر کی اوٹ میں ہوگیا۔

جنگل میں کل رات کی طرح پھر چاند نکل آیا تھا اور گڑھے کے اوپر گول سوراخ میں چاند کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ چڑیل کی آواز کے بعد جنگل کا سناٹا زیادہ بھیانک ہوگیا تھا۔

عنبر سانس روکے چڑیل کی آواز دوبارہ سننے کا انتظار کر رہا تھا۔ آخر آواز پھر بلند ہوئی۔ اس بار آواز گڑھے کے بالکل قریب سے آئی تھی۔ عنبر برابر اوپر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک گڑھے کے سوراخ کے ایک کنارے پر چڑیل کا ڈراؤنا چہرہ نمودار ہوا۔ اُس کے سرکنڈوں ایسے بال لٹک رہے تھے اور وہ دونوں ہاتھ گڑھے کے کنارے پر رکھے نیچے عنبر کو دیکھ رہی تھی۔ ایک بار تو عنبر کا بدن بھی خوف سے ٹھنڈا ہوگیا۔ پھر اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ریوالور کی نالی کا رُخ اوپر کر کے چڑیل کا نشانہ باندھا اور فائر کر دیا۔ گولی چڑیل کی کھوپڑی میں سے گزر گئی تھی۔ کیونکہ چڑیل نے ایک زور کی چیخ ماری اور اپنا سر

پیچھے کر دیا۔

کچھ دیر تک جنگل چڑیل کی چیخوں سے گونجتا رہا۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ یہ خاموشی بڑی بھیانک اور تکلیف دہ تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ ابھی کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ عنبر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ باہر کس طرح سے نکلے؟

اتنے میں گڑھے کے اوپر سے ایک تلوار سنسناتی ہوئی آئی اور عنبر کے سر سے ٹکرا کر پرے جا گری۔ چڑیل نے حملہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد دوسری پھر تیسری تلوار اس پر گری۔ چڑیل کا سر ایک بار پھر نمودار ہوا۔ چڑیل غرّا رہی تھی۔ سخت غصے میں تھی۔ اس نے چیخ مار کر دونوں ہاتھ نیچے کیے اور گڑھے میں گویا کسی نے آگ انڈیل دی۔ عنبر کے چاروں طرف دہکتے ہوئے انگارے ہی انگارے پڑے تھے۔ شیر کی لاش اس آگ میں جلنے لگی تھی۔

عنبر پر آگ نے کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ چڑیل نیچے دیکھ کر قہقہے لگا رہی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے شکار پر آگ نے اثر نہیں کیا تو اس نے ایک ہاتھ اوپر اٹھایا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا سانپ آ گیا۔ اس نے دوسرا ہاتھ اوپر اٹھایا، ایک اور سانپ اس کے دوسرے ہاتھ میں آ گیا۔ چڑیل نے دونوں سانپ عنبر کے اوپر گڑھے میں پھینک دیے۔

سانپ بے حد زہریلے تھے اور ان کے حلق سے خوفناک پھنکاروں کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ ان کے نیچے گرتے ہی آگ سرد پڑ گئی تھی۔ سانپوں نے عنبر پر حملہ کر دیا۔ ایک سانپ نے عنبر کے ماتھے پر اچھل کر ڈس دیا۔ دوسرے نے اس کی گردن کے گرد لپٹ کر اسے دبانا شروع کر دیا۔

عنبر کے لیے یہ حملہ کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ اس نے دونوں سانپوں کو پکڑ کر مسل ڈالا۔ سانپ مر گئے۔ چڑیل نے اپنے سانپوں کا یہ حشر دیکھا تو گڑھے کے ارد گرد پاگلوں کی طرح چیخنے اور چکر لگانے لگی۔ پھر اس نے ایک بہت بڑا پتھر اٹھا کر عنبر پر پھینک دیا۔ پتھر عنبر کے سر پر آ کر لگا۔ عنبر کی بجائے کوئی اور ہوتا تو وہ پس کر سرمہ بن گیا ہوتا۔ مگر یہاں یہ ہوا کہ پتھر عنبر کے سر سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ عنبر نے اوپر منہ کر کے کہا:

"اے خبیث چڑیل، میں اوپر آ کر تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ بتا سلومی کہاں ہے؟"

اس کے جواب میں چڑیل نے زور زور سے مکروہ قہقہے لگانے شروع کر دیے۔ پھر اس کے قہقہوں کی آواز آدھی رات کے سناٹے میں جنگل میں دور ہوتے ہوتے غائب ہو گئی۔ عنبر کو افسوس ہوا کہ جس چڑیل کی تلاش میں وہ یہاں تک آیا تھا

وہ ایک بار پھر اس کے ہاتھ سے نکل گئی — اب سلومی کی گمشدگی
کا معمّا کیوں کر حل ہوگا — خدا جانے اس چڑیل نے اُسے
کہاں گم کر رکھا تھا — کہیں یہ ڈائن سلومی کو کھا ہی نہ گئی ہو۔
اس خیال کے ساتھ ہی عنبر بے چین ہوگیا اور باہر نکلنے کی
ترکیب پر پوری توجہ سے غور کرنے لگا —

اس نے اوپر دیکھا تو اسے گڑھے کی دیوار میں سے کسی
درخت کی جڑ باہر نکلی ہوئی نظر آئی — جڑ اس سے کافی اوپر
تھی — عنبر نے اچھل کر دو ایک بار جڑ کو پکڑنے کی کوشش
کی — مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا — ناامید ہو کر بیٹھ گیا۔ کبھی
اسے ناگ کا خیال آتا کہ نہ جانے وہ کہاں چلا گیا ہے اگر وہ
کہیں آس پاس ہوتا تو ضرور اس کی مدد کو آتا، پھر اُسے
سلومی کا خیال آیا کہ خدا جانے وہ کہاں گم ہوگئی ہے۔ اسی طرح
سوچتے سوچتے کافی دیر ہوگئی —

عنبر نے محسوس کیا کہ گڑھے کے اندر جو چاند کی ہلکی ہلکی
روشنی آرہی تھی، وہ غائب ہوگئی ہے — اس نے اوپر گڑھے
کے گول سوراخ کی طرف دیکھا — وہاں بھی چاندنی نہیں تھی۔
اس کی جگہ ہلکا ہلکا اندھیرا چھا گیا تھا — اتنے میں بجلی چمک
کر بجھ گئی —

عنبر سمجھ گیا کہ آسمان پر بادل چھا گئے ہیں، پھر بادلوں

کے گرجنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی عنبر پر بارش کے قطرے
گرنے لگے —

بارش ایک دم سے ٹوٹ کر برسنے لگی — برما کے جنگلوں
میں اسی طرح سے بارشیں ہوا کرتی ہیں — چھاجوں پانی برسنے
لگا تھا اور پھر خدا جانے کدھر سے بارش کا پانی تیز نالے کی
شکل میں گڑھے میں گرنا شروع ہوگیا — دیکھتے دیکھتے گڑھے
میں اتنا پانی بھر گیا کہ شیر کی لاش اس میں تیرنے لگی اور
پانی عنبر کے کندھوں تک پہنچ گیا —

وہ بڑا خوش ہوا، کیونکہ اگر پانی اسی طرح سے گڑھے میں
بھرتا رہا تو وہ اس میں سے تیر کر باہر نکل سکے گا — اب وہ
تیز بارش کی دُعا مانگنے لگا — بارش موسلا دھار ہو رہی تھی اور
اس کے شور سے جنگل گونج رہا تھا — اب چاروں طرف سے
گڑھے میں بارش کا پانی گر رہا تھا — گڑھا آدھے سے زیادہ
بھر گیا — عنبر اس میں تیرنے لگا۔

پانی کی سطح بلند ہوتی گئی اور پھر گڑھا سارے کا سارا
پانی سے بھر گیا — عنبر تیرتا ہوا گڑھے سے باہر آگیا۔

باہر نکلتے ہی اس نے خدا کا شکر ادا کیا — اپنے کپڑے
نچوڑے — بارش کا زور ٹوٹ گیا تھا — لیکن درختوں میں سے
بارش کا پانی ٹپاٹپ گر رہا تھا —

عنبر نے سوچا کہ چڑیل کی تلاش اب بے کار ہے۔۔ نہ معلوم
وہ کہاں کی کہاں نکل گئی ہو گی۔۔ بہتر یہی ہے کہ شہر اکیاب کا
رُخ کیا جائے اور پھر وہاں سے رنگون پہنچ کر جلا وطن بادشاہ
کے ٹھکانے پر جا کر اُس کی امانت اُس کے حوالے کی جائے۔
اگر قسمت میں ہوا تو سلومی کہیں نہ کہیں ضرور مل جائے گی پھر
اُسے یہ بھی خیال تھا کہ ناگ ضرور رنگون پہنچے گا۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد عنبر بارش اور اندھیرے میں ہی
واپس روانہ ہو گیا۔۔ درختوں پر سے بارش کا پانی ٹپا ٹپ گر رہا
تھا۔ عنبر ٹیلے کی چڑھائی چڑھ کر مندر کے صحن میں آ گیا۔ گوتم بدھ
کا مجسمہ پانی میں آدھا ڈوب گیا تھا۔۔ عنبر نے ایک نظر مندر کے
اندر دیکھا۔۔ چبوترے پر بُت کے آگے جلتا ہوا چراغ بجھ چکا
تھا۔

عنبر مندر سے نکل کر ٹیلے سے نیچے اُتر آیا اور اکیاب شہر کو
جانے والی کچی چھوٹی سی سڑک پر چل پڑا۔ یہ سڑک جنگل کے
ساتھ ساتھ ہو کر جا رہی تھی۔۔ کافی دیر چلنے کے بعد عنبر کو دائیں
جانب سے سمندر کی بُو آتی محسوس ہوئی۔۔ سمندر کی خاص بُو ہوتی
ہے جس میں مچھلیوں اور گلی سڑی جھاڑیوں کی بُو شامل ہوتی ہے۔
وہ سمجھ گیا کہ سمندر بائیں جانب ہو گا۔

بارش رُک گئی تھی۔۔ رات بھی ڈھلنے لگی تھی۔ عنبر جنگل کے

ساتھ ساتھ جانے والی سڑک پر چلا جا رہا تھا۔۔ یہ سڑک کیچڑ سے
بھری ہوئی تھی۔۔ عنبر سڑک کے اوپر گھاس کی پگ ڈنڈی پر
چلا جا رہا تھا۔۔ پیدل چلنے سے اس کے کپڑے اب زیادہ گیلے
نہیں رہے تھے۔۔ آسمان پر گہرے بادل تھے۔۔ پَو پھٹنے میں ابھی
ایک آدھ گھنٹہ باقی تھا۔ بادلوں نے پچھلے پہر کی نیلی روشنی کو
بھی دبا دیا تھا جس کی وجہ سے عنبر کے اردگرد اور سامنے جنگل
میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ چونکہ عنبر کو تھکان بالکل نہیں ہوتی
تھی۔ اس لیے وہ برابر چلتا گیا۔۔ وہ اب جلدی سے جلدی
اکیاب کے شہر میں پہنچنا چاہتا تھا۔

سڑک ایک جگہ مڑ گئی۔۔ سامنے بڑی اونچی چٹان آ گئی جس
پر سبز رنگ کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔۔ نیچے اس کی پتھریلی دیوار
کے ساتھ ایک تیز برساتی ندی بہہ رہی تھی، جس کا ہلکا ہلکا شور
اُٹھ رہا تھا۔۔ عنبر کو ندی میں سے گزرنا تھا۔۔ اس کا پانی
بہت تیز تھا۔۔ عنبر ندی کے پانی میں اتر گیا۔ پانی اس کے
گھٹنوں تک آ گیا۔ یہ اس قدر تیز تھا کہ اگر عنبر کی جگہ کوئی
بہت بڑا درخت بھی ہوتا تو پانی اُسے تنکے کی طرح بہا کر لے
جاتا۔۔ مگر عنبر چٹان سے بھی زیادہ طاقت والا تھا۔ پانی عنبر
کے جسم سے پوری طاقت کے ساتھ ٹکراتا اور پھٹ کر آگے
نکل جاتا۔

عنبر ندی کے پار اتر گیا — پگ ڈنڈی چٹان کے گرد نصف
چکر کاٹ کر آگے ایک چھوٹی سی ٹیکری کے اوپر سے ہو کر
دوبارہ آگے جنگل میں داخل ہو گئی تھی — عنبر نے دیکھا کہ اندھیرے
میں ٹیکری کے اوپر کسی مکان کا خاکہ سا نظر آ رہا ہے — یہ کس کا
مکان ہو سکتا ہے؛ شاید کسی مکان کا کھنڈر ہو جس کے رہنے
والے مدت ہوئی جنگلی درندوں یا چڑیلوں کا شکار ہو گئے ہوں۔
لیکن مجھے اس مکان کا سراغ لگانے کی کیا ضرورت پڑی ہے۔
یہ سوچ کر عنبر مکان کو بائیں جانب اوپر ٹیکری پر چھوڑ کر آگے
نکل گیا۔

یہاں پہاڑی سلسلہ ختم ہو گیا تھا — سامنے میدان تھا۔ جس
میں کیلے، ناریل اور سپاری کے درختوں کے جھنڈ پو پھٹنے کی دھیمی
دھیمی روشنی میں ابھرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سڑک بھی چوڑی ہو گئی تھی؛ گویا اکیاب کا شہر اب قریب
آ رہا تھا، لیکن جنگل کا سماں ختم نہیں ہوا تھا — ایک سنسانی اور
ویرانی عنبر کے دونوں طرف پھیلی ہوئی تھی — مغرب کی طرف سے اب
سمندری ٹھنڈی ہوا آنے لگی تھی — سمندر یہاں سے زیادہ دُور
نہیں تھا۔

دن نکل آیا — بادلوں کی وجہ سے سورج تو نہ نکلا مگر
دن کی روشنی بادلوں میں سے چھن چھن کر پھیل گئی۔ عنبر نے دیکھا

کہ وہ جس سڑک پر جا رہا تھا اس پر گھنے درختوں نے سایا کر رکھا
تھا — سڑک پر رات کی بارش کا پانی اور گرے پڑے درختوں کی
شاخیں بکھری پڑی تھیں —

اچانک سامنے سے ایک ہاتھی سڑک پار کر گیا، پھر بندروں
کا ایک گروہ جنگل میں سے نکل کر سڑک پر سے گزرنے لگا۔ عنبر
بڑی دلچسپی سے انہیں دیکھ رہا تھا —

بندر جنگل کے دوسری جانب درختوں میں غائب ہو گئے —
عنبر نے اپنا سفر جاری رکھا — وہ سڑک کا ایک موڑ گھوم
کر سڑک کے دوسری طرف آیا تو درختوں میں سے چار آدمی نکل
کر اچانک اس کے سامنے آ گئے — انہوں نے سروں پر زرد
رومال باندھ رکھے تھے اور ہاتھوں میں خنجر تھے — ایک آدمی
نے پستول تان رکھا تھا —

یہ برمی ڈاکو تھے جو برما کے جنگلوں میں اکثر نہتے مسافروں
کو لوٹ کر ہلاک کر دیا کرتے تھے۔ عنبر جب رنگون میں رہا
کرتا تھا تو اس نے ان ڈاکوؤں کے بارے میں بہت کچھ سنا
تھا —

وہ آپس میں برمی زبان میں باتیں کر رہے تھے — انہوں
نے عنبر کے گرد گھیرا ڈال لیا — جس ڈاکو کے ہاتھ میں پستول تھا۔
وہ عنبر کی طرف پستول کی نالی کا منہ کر کے ٹوٹی پھوٹی اردو

زبان میں بولا :

"تمہاری جیب میں جو ہے نکال دو۔"

عنبر کی جیب میں تو بارہ بور کا جرمن ریوالور تھا۔ جس کی شکل ۱۸۵۰ء کے برمی ڈاکوؤں نے خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوگی۔

عنبر نے جیب سے ریوالور نکال کر سیدھا فائر کر دیا۔ گولی پستول والے ڈاکو کے حلق میں جا کر لگی اور اُسے تڑپتا ہوا زمین پر چھوڑ کر پیچھے درخت کے تنے میں جا کر گھس گئی۔ اپنے ساتھی کی لاش دیکھ کر باقی تینوں ڈاکوؤں نے عنبر پر خنجروں سے حملہ کر دیا۔

یہ اُن کی بڑی بہادری تھی ؛ وگرنہ اُن کی جگہ کوئی اور ہوتا تو بھاگ جاتا۔ عنبر کے لیے اُن کا حملہ کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ اُس نے اپنا ریوالور جیب میں ڈال لیا اور اپنی گردن، کمر اور ٹانگوں پر خنجروں کے وار کرتے ڈاکوؤں میں سے ایک کو بازوؤں سے پکڑ کر ذرا سا جھٹکا دیا۔ وہ عنبر کے قدموں پر اوندھے منہ آن گرا۔ اُس کی گردن پر عنبر نے پاؤں رکھ کر اُسے چیونٹی کی طرح مسل دیا۔ دوسرے کو گردن سے پکڑ کر اوپر کو زور سے اچھالا تو وہ اوپر گھنے درختوں کی شاخوں میں جا کر اٹک گیا۔ چوتھا دم دبا کر بھاگ گیا۔

عنبر نے ڈاکوؤں کے سردار کی تھیلی اٹھا کر کھولی تو اس میں کچھ نقدی تھی۔ عنبر نے یہ سوچ کر جیب میں رکھ لی کہ رنگون میں کام آئے گی۔

دوپہر کے وقت عنبر اکیاب پہنچ گیا۔

اس زمانے کا یہ ایک چھوٹا مگر پُررونق شہر تھا۔ دو سڑکیں شہر کے بیچ میں سے ایک دوسری کو کاٹتی ہوئی گزرتی تھیں۔ دکانوں پر پھل، پرانے کپڑے، آٹا، چاول اور پان بک رہے تھے۔ بادلوں کی وجہ سے موسم میں حبس ہو رہا تھا۔ عنبر ایک سرائے میں جا کر اُتر گیا۔ یہاں اس نے نہا دھو کر بازار سے خریدے ہوئے دوسرے کپڑے پہنے۔ کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام کیا۔

شام کو بازار میں رونق ہوگئی۔ دکانوں پر چراغ جل اٹھے۔ مگر یہ ساری رونق رات آٹھ بجے تک ہی رہی۔ اس کے بعد وہاں ویرانی چھا گئی۔ عنبر بھی واپس سرائے میں آگیا۔ اُس نے اپنا ریوالور جیب میں ہی رکھا ہوا تھا۔ مقناطیسی ہار بھی اس کی جیکٹ کی اندرونی جیب میں تھا۔ اکیاب سے ایک بھاپ سے چلنے والا اسٹیمر صبح سویرے رنگون کو جاتا تھا۔ عنبر اسی سٹیمر میں رنگون جا رہا تھا۔

رات اس نے سرائے میں بسر کرنا تھی۔ رات دس گیارہ

بجے تک وہ اپنی سرائے کی کوٹھڑی میں کھڑکی کے پاس چراغ جلائے بیٹھا رنگون شہر کا نقشہ دیکھتا رہا — وہ اس شہر میں پچاس برس پہلے آیا تھا — اب بھی شہر ویسا ہی تھا مگر تھوڑا تبدیل ہو گیا تھا — پہلے بادبانی جہاز چلتے تھے اب نیا نیا کوئلے سے چلنے والا انجن دریافت ہوا تھا اور رنگون کی بندرگاہ پر دھواں اگلتے جہاز آ کر لنگر ڈالتے تھے۔

دوسرے روز عنبر منہ اندھیرے اٹھا اور اکیاب کی چھوٹی سی بندرگاہ پر آ گیا — ایک چھوٹا سٹیمر کنارے کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ جس پر مسافر سوار ہو رہے تھے — عنبر بھی اس میں چڑھ گیا اور عرشے کے جنگلے کے پاس بچھی ہوئی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا جب سٹیمر رنگون جانے والے مسافروں سے کچھا کچھ بھر گیا تو اس نے بھاری اور بھدی وسل دیا اور پھر زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ وہ سمندر میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا۔

رنگون وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا — مگر آج سے سو برس پہلے سمندری جہازوں کی رفتار بہت سست ہوا کرتی تھی سٹیمر سارا دن اور ساری رات سمندر میں مینڈک کی طرح تیرتا رہا — دوسرے روز شام کو جا کر کہیں رنگون کے دریا ایراوتی میں داخل ہوا — سمندر کا پانی پیچھے رہ گیا تھا — ایراوتی دریا رنگون شہر کے باہر بہتا ہے اور اسی کے کنارے پر رنگون کی

مشہور بندرگاہ بنی ہوئی ہے — آج سے سو برس پہلے بھی یہ بندرگاہ بڑی رونق والی تھی — کیونکہ جاوا سماٹرا کے گرم مصالحے اور ریشمی کپڑا لے کر لندن جانے والے جہاز اسی بندرگاہ سے ہو کر گزرا کرتے تھے۔ ہندوستان کے ساتھ ہی ساتھ اس ملک میں بھی انگریزوں نے اپنی سازشیں پھیلا دی تھیں اور آدھے ملک پر ان کا قبضہ ہو چکا تھا — یہی وجہ تھی کہ آخری مغل بادشاہ کو انہوں نے رنگون میں ہی جلاوطن کیا۔

رات عنبر نے رنگون کی ایک سرائے میں بسر کی۔ ساری رات یہاں بھی بادل چھائے رہے اور تھوڑی دیر بعد بارش ہوتی رہی —

صبح اٹھ کر عنبر نے سرائے کی کھڑکی میں سے باہر جھانکا۔ بارش رکی ہوئی تھی — مگر بادلوں سے آسمان بھرا ہوا تھا۔ برمی عورتیں اپنے رنگ برنگ لباسوں میں بازار میں چل پھر رہی تھیں۔ کھانے پینے کی دکانوں پر گرم گرم چاول اور بھنی ہوئی مچھلی خوب بک رہی تھی — یہ لوگ چاول اور مچھلی کے بڑے شوقین ہوتے ہیں۔ مچھلی کا اچار تو ان کی من بھاتی غذا ہے۔

عنبر نے باتوں ہی باتوں میں سرائے کے مالک سے برمی زبان میں پوچھا :

"بہادر شاہ ظفر کو رنگون میں کس جگہ انگریزوں نے جلاوطن

کر رکھا ہے ؟"

سرائے والا برمی ادھیڑ عمر کا بوڑھا تھا۔ پہلے تو اُس نے پوچھا :

"تم برمی کیسے جانتے ہو ؟"

عنبر نے کہا :

"میں چھوٹا سا تھا جب اپنے باپ کے ساتھ زنگون میں رہا کرتا تھا۔ میرا باپ یہاں کوئلے کی دکان میں ٹھیکے داری کرتا تھا۔ پھر ہم لوگ ہندوستان چلے گئے اور میرا باپ مغل دربار میں ملازم ہو گیا۔ غدر کے بعد وہ شہید ہو گیا۔ اس نے مرتے ہوئے مجھے کہا تھا کہ بادشاہ کو زنگون جلا وطن کر دیا گیا ہے۔ زنگون جا کر تم بادشاہ کو میرا آخری سلام ضرور پہنچا دینا۔ پس میں اپنے باپ کی آخری وصیت پوری کرنے یہاں آیا ہوں۔"

سرائے کا مالک عنبر کی برمی زبان سے بڑا خوش ہوا۔ اُس نے کہا :

"یہاں تمہیں کوئی نہیں بتائے گا کہ بادشاہ کو کہاں جلا وطن کیا گیا ہے۔ کیونکہ لوگ انگریز سے ڈرتے ہیں۔ لیکن تم میرے برمی دوست ہو، اس لیے میں تمہیں بتاتا ہوں۔ بادشاہ بہادر شاہ ظفر یہاں سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر چالدہ نام کے ایک پہاڑی گاؤں میں قید ہے۔ تم بیل گاڑی میں ہی وہاں

پہنچ سکتے ہو۔ اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

عنبر نے کہا :

"شکریہ میرے دوست، مجھے اتنی معلومات ہی چاہیے تھیں۔"

جس وقت سرائے والا عنبر کو یہ معلومات بتا رہا تھا، ٹھیک اس وقت ایک پُراسرار سا برمی آدمی لکڑی کی پرانی کرسی پر بیٹھا سگار پیتے ہوئے یہ باتیں غور سے سُن رہا تھا۔ اس آدمی کے سر پر جامنی رنگ کا رومال باندھا ہوا تھا اور کمر کے گرد اسی رنگ کی برمی لنگی کس کر باندھی ہوئی تھی۔

اسی روز دوپہر کے وقت عنبر جب زنگون سے چالدہ گاؤں کی جانب بیل گاڑی پر روانہ ہوا تو وہ بھی زنگون کے ایک دریا کنارے والی بستی سے گھوڑے پر سوار ہو کر ایک طرف روانہ ہو گیا۔

اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ذرا ناگ کا بھی حال معلوم کریں۔

ناگ بحری ڈاکوؤں کے اغوا کیے ہوئے بادبانی جہاز میں زنگون کی طرف کھلے سمندروں میں سفر کر رہا تھا۔ دو راتیں ایک دن اور اس نے سمندر میں گزار دیے۔ جس وقت عنبر اکیاب پہنچا، اس روز سمندر میں بڑا بھیانک طوفان آ گیا۔ طوفان رات بھر سے شروع تھا۔ مگر دن نکلتے ہی اُس کی شدت بڑھ گئی اور لہریں قہر بن کر جہاز سے ٹکریں مارنے لگیں۔

ناگ ڈیک پر آکر جہاز کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

اس نے بادبان لپیٹ دیئے۔

مگر طوفان تھا کہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ بڑی بڑی موجیں لکڑی کے جہاز کو ایک کھلونے کی طرح سمندر میں اچھال رہی تھیں — جہاز میں سارا پانی بھر گیا —

ناگ نے یہ حالت دیکھی تو اُسے اندازہ ہو گیا کہ جہاز کوئی پل کا مہمان ہے — ایک پہاڑ ایسی لہر زور سے غضبناک ہو کر آئی اور جہاز سے اتنے زور سے ٹکر ماری کہ اُس کا مستول ٹوٹ کر ڈیک پر گر پڑا اور اس کے گرنے سے ڈیک میں گہرا شگاف پڑ گیا —

ناگ نے یہ حالت دیکھی تو فوراً کبوتر بن کر جہاز کی سب سے اُوپر والی لکڑی کی چھت کے بانس پر بیٹھ گیا۔ اس بانس کے ساتھ بحری ڈاکوؤں کا کھوپڑی والا کالا جھنڈا لگا تھا۔ جھنڈا سمندری تیز ہواؤں میں بڑے زور سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔ آخر وہی ہوا جس کا ناگ کو ڈر تھا — ایک ایسی لہر آئی کہ جس نے جہاز سے ٹکرا کر اُسے دو ٹکڑے کر دیا — ناگ بانس پر سے اُڑ گیا —

جہاز کے دونوں ٹکڑے دیکھتے دیکھتے طوفانی لہروں میں ڈوب گئے —

اب وہاں سوائے جھاگ اُڑاتی طوفانی موجوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ ناگ کو افسوس ہوا کہ ایسا آرام دہ جہاز طوفان کی نذر ہو گیا —

بہرحال وہ کچھ نہ کر سکتا تھا اور جہاز بھی تو ڈاکوؤں کا تھا — اس نے ایک نہ ایک دن تو غرق ہونا ہی تھا، کیونکہ ظلم اور ناانصافی سے کمائی ہوئی دولت اور بنائی ہوئی جائیداد ایک نہ ایک دن ضرور تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

ناگ نے اندازے کے مطابق زگون کی طرف اڑنا شروع کر دیا۔

اُس نے ایک کام یہ کیا کہ فضا میں بہت بلندی پر چلا گیا — یہاں سے اُس نے جنوب کی طرف دیکھا تو دُور اُسے زمین کی سیاہ لکیر دکھائی دی —

اتنی بلندی پر آنے کا یہی فائدہ ہوا تھا کہ ناگ کو زمین نظر آگئی تھی — یہ وہ دن تھا جس کی شام کو عنبر کا سٹیمر زگون کی بندرگاہ پر پہنچا تھا۔

ناگ زمین کی سیاہ لکیر کی طرف اُڑنے لگا — آہستہ آہستہ سیاہ لکیر درختوں کے جھنڈوں میں تبدیل ہونے لگی۔ پھر ساحل آ گیا، زمین آگئی —

سمندر ایک دریا میں سمٹ آیا تھا — اس دریا کو دیکھ کر

ناگ کو یقین ہو گیا کہ یہ دریائے ایراوتی ہے اور ملک برما ہے، جس کے مشہور شہر رنگون اُسے پہنچنا تھا تاکہ وہاں عنبر سے مل سکے۔

آسیبی بگھی

ناگ اڑتے اڑتے ایک شہر کے اوپر آ گیا۔
اس نے نیچے دیکھا — دریا کے کنارے ایک گنجان شہر آباد تھا — بندرگاہ میں جہاز کھڑے تھے — ان میں کچھ بادبانوں والے تھے اور کچھ دھواں چھوڑنے والے —
ناگ پہلی بار رنگون کو دیکھ رہا تھا — اُسے یقین تھا کہ یہی رنگون شہر ہے — وہ اڑتے اڑتے نیچے شہر کے اوپر آ گیا — پھر وہ شہر سے باہر ایک باغ میں اُتر گیا جہاں جھیلوں میں کنول کے سفید سفید پھول کھلے ہوتے تھے —
ناگ نے درختوں کے اوپر گول دائرے میں ایک چکر لگایا، اور پھر ایک جھیل کے کنارے اگی ہوئی گھاس پر اُتر آیا — وہ کبوتر سے انسان بننے والا تھا — اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اُسے کبوتر سے انسان بنتے دیکھے۔
باغ ویران ویران تھا — آج سے سو برس پہلے آبادی اتنی

زیادہ کہاں ہوا کرتی تھی۔ فاصلے فاصلے پر انسان دکھائی دیتے تھے۔
آج کل کی طرح نہیں کہ ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوتے ہیں۔
ناگ ایک سیکنڈ سے بھی کم عرصے میں کبوتر سے انسان بن گیا۔
بس اس نے اپنے دل میں انسان کا خیال ہی کرنا ہوتا ہے کہ اپنی
انسانی شکل میں آجاتا ہے۔ انسان کی شکل میں آنے کے بعد
ناگ شہر کی طرف چل دیا۔

وہ عنبر کا سراغ لگانا چاہتا تھا کہ وہ زنگون پہنچا ہے کہ نہیں۔
اس کے لیے بہترین ذریعہ یہی تھا کہ وہ بندرگاہ کے قریب کی
سراؤں میں پتا لگائے۔

ناگ بندرگاہ کے آس پاس کی سراؤں میں عنبر کے بارے میں
معلومات حاصل کرنے لگا۔ مصیبت یہ تھی کہ عنبر جس سرائے میں
ٹھہرا تھا، اس کا مالک اسی روز زنگون سے دو سو میل دور بھاگو
چلا گیا تھا۔ ناگ کو کسی بھی سرائے میں سے عنبر کے بارے
میں کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ وہ سوچنے لگا کہ عنبر کو کہاں
تلاش کیا جائے؟ پھر اسے خیال آیا کہ عنبر کو جلا وطن بادشاہ
کے پاس شاہی ہار دینے جانا تھا۔ وہ ضرور ادھر ہی گیا ہوگا۔
اب یہ معلوم کرنا باقی تھا کہ جلا وطن بادشاہ کس علاقے
میں قید ہے۔ وہاں انگریزوں کے ڈر کے مارے کوئی زبان
سے ایک لفظ نہیں نکالتا تھا۔ سارا دن ناگ شہر کے مختلف

علاقوں میں گھومتا پھرا۔ کسی نے اسے کچھ نہ بتایا۔ آخر تنگ آ
کر وہ شہر کے تجارتی علاقے کی ایک مسجد میں آگیا۔ اس کا
خیال تھا کہ شاید یہاں کا کوئی مسلمان اس کی رہنمائی کر سکے۔
کیونکہ مسلمانوں کو یقیناً جلا وطن بادشاہ سے ہمدردی ہوگی اور
انہیں معلوم ہوگا کہ وہ کہاں پر قید ہے۔

یہ مسجد شہر کے گنجان آباد علاقے میں تھی۔ مسلمان مغرب
کی نماز پڑھ کر باہر نکل رہے تھے۔ جب مسجد نمازیوں سے
خالی ہوگئی تو ناگ نے مولوی صاحب کو جا کر سلام کیا۔ اور کہا:

"میں پردیسی ہوں اور دہلی کے غدر سے جان بچا کر
آیا ہوں۔ کیا میں یہاں رات بسر کر سکتا ہوں؟"

مولوی صاحب نے کہا:

"ایک رات کے لیے تم میرے حجرے میں رہ لو۔ میں
مسجد میں سو جاؤں گا۔"

"شکریہ۔"

ناگ کو مولوی صاحب اپنے چھوٹے سے حجرے میں لے گئے۔
اندر چراغ جلا دیا۔ ناگ کو مولوی صاحب نے چاول اور مچھلی
کھانے کو دی۔

مولوی صاحب ہندوستان کے شہر لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔
اور کئی سال پہلے زنگون میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ کھانے کے

بعد ناگ نے جان بوجھ کر مولوی صاحب سے غدر کی باتیں شروع
کر دیں — پھر ہوتے ہوتے بات جلا وطن بادشاہ بہادر شاہ ظفر
تک آگئی ۔

ناگ نے کہا :

" انگریزوں نے شہزادوں کو قتل کر ڈالا — بادشاہ کو یہاں
رنگون میں جلا وطن کر دیا — مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہو گیا ۔ یہ
بڑا ظلم ہوا "

مولوی صاحب بھی اس پر افسوس کرنے لگے ۔

پھر ناگ نے پوچھا :

" یہاں بادشاہ کو انگریزوں نے کس جگہ قید کر رکھا ہے ؟ ہم
نے تو ہندوستان میں سُنا تھا کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے "

" نہیں ، ایسا نہیں ہے "

" تو پھر وہ کس مقام پر قید ہے ؟ "

مولوی صاحب نے اُٹھ کر حجرے کے باہر جھانک کر دیکھا ۔
پھر ناگ کے پاس آکر بولے :

" دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں بھائی — سُنو ، جلا وطن
بادشاہ کو انگریزوں نے چالوہ نامی پہاڑی علاقے میں قید میں
ڈال رکھا ہے جو یہاں سے ڈیڑھ سو میل کے دشوار گزار پہاڑی
راستے پر ہے "

ناگ نے کہا :

" خدا ہمارے بادشاہ کو یہ دکھ درد سہنے کی ہمت عطا فرمائے "

" آمین ! اچھا بھائی اب تم آرام کرو — صبح تمہارا ناشتا
لے کر آؤں گا "

مولوی صاحب جا کر مسجد میں سو گئے ۔ ناگ نے حجرے کا
دروازہ بند کر لیا اور سوچنے لگا کہ وہ ابھی وہاں سے چلا جائے ۔
یا صبح سفر شروع کرے ؟ اس طرح مولوی صاحب کو بتائے بغیر
چلے جانا کچھ اخلاقی طور پر ٹھیک نہیں لگتا تھا — مولوی صاحب
کیا کہیں گے کہ اچھا مہمان تھا ، چوروں کی طرح بھاگ گیا ۔ اس
لیے صبح ناشتے کے بعد چلیں گے ۔

یہ فیصلہ کر کے ناگ بانس کے تختے پر بچھی ہوئی صف
پر لیٹ گیا — نیند اس کی آنکھوں سے بالکل غائب تھی ۔ وہ
دن نکلنے کا انتظار کر رہا تھا کہ کب سورج نکلے اور وہ مولوی
صاحب سے اجازت لے کر عنبر کی تلاش میں روانہ ہو ۔

اس رات رنگون میں بادل چھائے ہوئے تھے — آدھی رات
کو بارش شروع ہو گئی — ناگ جاگ رہا تھا ۔ حجرے میں بادلوں
کے گرجنے اور بارش کے برسنے کی آواز صاف سنائی دے رہی
تھی —

اچانک مسجد میں سے مولوی صاحب کی چیخ کی آواز آئی —

ناگ پریشان ہو کر مسجد کی طرف جائے گا— جا کر دیکھا کہ مسجد کے برآمدے میں مولوی صاحب بانس کی چارپائی پر بیٹھے درد سے تڑپ رہے ہیں— ناگ نے انہیں سنبھالا اور پوچھا—

"کیا ہوا مولوی صاحب؟"

"سانپ— سانپ نے ڈس لیا ہے"

مولوی صاحب نے ایک طرف اشارہ کیا— اُدھر کچھ بھی نہیں تھا— سانپ مولوی صاحب کو ڈسنے کے بعد صحن کے آگے پیچھے کے درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو چکا تھا— ناگ نے دیکھا کہ مولوی صاحب کی پنڈلی پر سانپ نے کاٹا تھا— وہاں خون کا قطرہ جم گیا تھا— ناگ نے چراغ کی روشنی میں دیکھ کر خون کا رنگ نیلا پڑ گیا تھا— جس کا مطلب یہ تھا کہ سانپ بے حد زہریلا تھا— اور زہر کو سارے جسم سے نکالنے کے لیے سانپ کو واپس بلانا ضروری تھا— مولوی صاحب پر غشی طاری ہو رہی تھی— زہر اپنا کام تیزی سے کر رہا تھا۔

ناگ نے جدھر سانپ گیا تھا اُدھر منہ کر کے ایک عجیب سی پھونک ماری اور سانپوں کی زبان میں ایک لفظ منہ سے نکالا جو لمبی سیٹی کی شکل میں تھا—

مولوی صاحب نیم بے ہوش تھے۔ وہ بار بار سر مار رہے تھے اور کراہ رہے تھے—

"خدا حافظ— خدا حافظ دوست— سانپ نے اژدہا اژدہا سے"

ناگ کھیتوں کے جھنڈ کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا کہ وہاں سفید اور زرد رنگ کا ایک لمبا سانپ نمودار ہوا— ناگ نے دیکھا کہ وہ اس علاقے کا سب سے زہریلا سانپ تھا اور ایک طرح سے سانپوں کا بادشاہ تھا— سفید سانپ مسجد کے صحن میں رینگتا ہوا ناگ کے سامنے عظیم ناگ کو انسانی شکل میں دیکھا تو اس کا رنگ فق ہو گیا تھا—

ناگ نے مولوی صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"زہر واپس لو۔"

سفید سانپ کنڈلی مارے بڑے ادب سے بیٹھا تھا۔ اس نے سر جھکا کر کہا:

"جو حکم عظیم ناگ۔"

وہ رینگتا ہوا مولوی صاحب کی چارپائی پر پہنچا— اس وقت تک مولوی صاحب پورے بے ہوش ہو چکے تھے— ان کا بدن نیلا ہو گیا ہوا تھا— سانپ نے ڈسے ہوئے زخم کے ساتھ اپنا منہ لگا کر زہر کھینچنا شروع کر دیا—

ایک منٹ کے اندر اندر سانپ نے مولوی صاحب کے جسم میں سے سارا زہر واپس لے لیا— پھر ناگ کے قدموں میں

آکر اُس نے اپنا سر رکھ دیا۔

ناگ نے کہا :

"یہ میرا حکم ہے۔ آئندہ کبھی مسجد میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ خدا کا گھر ہے۔ یہ امن اور سلامتی کی جگہ ہے۔ اگر تم نے پھر کبھی ادھر آنے کی جرأت کی تو میں جہاں کہیں بھی ہوا، تمہیں جلا کر بھسم کر دوں گا۔"

سانپ گڑگڑایا :

"ایسا ہرگز نہیں ہوگا عظیم دیوتا۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔"

"جاؤ، میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔"

سفید سانپ نے اپنا سر ادب سے ناگ کے پاؤں پر رکھا اور واپس کیلوں کے جھنڈ میں غائب ہو گیا۔

اب مولوی صاحب ہوش میں آ چکے تھے۔ ان کی حالت بہتر ہو گئی تھی۔ ناگ کو دیکھ کر بولے :

"میں اچھا ہو گیا ہوں۔ تم نے تو کمال کر دیا بھائی۔"

ناگ نے کہا :

"میرے پاس اتفاق سے ایک مرہم رکھا تھا، بس اُسے آپ کے زخم پر لگایا اور آپ کو آرام آ گیا۔"

"میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں بھائی۔"

"شکریے کی ضرورت نہیں۔ اب آپ آرام کریں۔"

مولوی صاحب نے کچھ دیر بعد کہا :

"لیکن۔ لیکن مجھے ابھی ابھی ایسے لگا تھا جیسے کسی سانپ نے میری پنڈلی کے ساتھ اپنا منہ لگایا ہوا ہے۔ کیا یہ درست ہے بھائی؟"

ناگ نے سر ہلا کر کہا :

"بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ نہیں یہ آپ کا وہم ہے۔ سانپ اب ادھر کبھی نہیں آئے گا۔ آپ سو جائیں۔"

ناگ واپس اپنے حجرے میں آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد صبح ہو گئی۔ بارش تھم چکی تھی۔ ناگ نے اُٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ مولوی صاحب بھی آ گئے۔ بالکل صحت مند ہو گئے تھے۔ انہوں نے ایک بار پھر ناگ کا شکریہ ادا کیا۔ دونوں نے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کیا۔ مولوی صاحب نے کہا :

"بھائی، اگر تم مجھے وہ مرہم دے دو تو کسی دوسرے کے کام آ سکے گی۔ کیونکہ برسات میں یہاں سانپ بہت ہوتے ہیں۔"

ناگ کے پاس مرہم کہاں تھی بھلا! کہنے لگا :

"وہ تو بس تھوڑی سی رہ گئی تھی جو ختم ہو گئی۔ پھر کبھی ادھر آیا تو آپ کے لیے لیتا آؤں گا۔"

ناشتے سے فارغ ہو کر ناگ نے مولوی صاحب سے اجازت
لی اور مسجد سے نکل کر شہر کے بازاروں میں آگیا — مولوی صاحب
سے اُس نے باتوں ہی باتوں میں سب کچھ پوچھ لیا تھا کہ چاندہ
پہاڑی علاقے میں جانے کے لیے اُسے شہر کے کس کونے سے
سفر شروع کرنا ہوگا۔

ناگ رنگون شہر کے جنوبی علاقے میں آگیا۔ جہاں بڑے
کشادہ قدرتی باغ اور جھیلیں تھیں — ان جھیلوں میں کنول کے
پھول کھلے ہوئے تھے — اس زمانے میں نہ بجلی تھی نہ ریل گاڑی۔
لوگ گھوڑوں اور بیل گاڑیوں پر سفر کرتے تھے — ناگ کو کسی
بیل گاڑی کی ضرورت ہی نہیں تھی — وہ تو اُڑ کر اپنی منزل
پر پہنچ سکتا تھا — ابھی وہ کبوتر بن کر اڑنے کی تیاریاں ہی
کر رہا تھا کہ پیچھے سے اُسے ایک بند بگھی آتی نظر آئی۔

ناگ کچی سڑک پر سے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہوگیا کہ یہ
بگھی گزر جائے تو وہ اڑنا شروع کرے۔ بگھی کے آگے سیاہ رنگ
کے دو طاقت ور گھوڑے جُتے ہوئے تھے — اوپر والی سیٹ پر
ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا جس کے کندھوں پر کالا کپڑا تھا جو ہوا
اُڑ رہا تھا — سر پر کالا رومال بندھا تھا — یہ بڑا پراسرار شکل و
صورت کا آدمی تھا — بگھی کی کھڑکیاں بند تھیں اور پردے گرے
ہوئے تھے — بگھی بڑی تیزی سے اُس کے سامنے سے گزر گئی۔

ناگ کے دل میں یونہی خیال آیا کہ یہ کس قسم کی بگھی
سی بگھی ہے کہ چاروں طرف سے بند ہے اور کوچوان بھی پُراسرار قسم
کا لگ رہا ہے — ناگ نے سوچا کہ بگھی بھی اسی طرف جا رہی ہے
جس طرف اُسے جانا ہے تو کیوں نہ اس کا پیچھا کیا جائے —

ناگ ایک جھاڑی کی اوٹ میں آگیا — اس نے آنکھیں بند
کر کے ایک گہرا سانس لیا اور کبوتر بن گیا اور پھڑ پھڑ کر کے ہوا
میں اُڈاری مار کر درختوں سے اوپر آگیا اور اُس نے اپنی منزل
کی طرف اُڑنا شروع کر دیا —

بگھی اتنی دیر میں کافی دور نکل چکی تھی — ناگ بھی اڑتے
اڑتے بگھی کے اوپر آگیا اور اس کے ساتھ ساتھ اڑنے لگا۔
یہ سڑک پہاڑی جنگل کے درمیان سے ہو کر جاتی تھی — اس کے
دونوں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں — جن پر گھنے درخت اور
جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔

رات بھر کی بارش کی وجہ سے سڑک پر کیچڑ تھا۔ کئی جگہوں
پر پانی جمع تھا — بگھی کے گھوڑے تیزی سے پانی اور کیچڑ کے
چھینٹے اڑاتے بھاگے جا رہے تھے —

ناگ نے سوچا کہ اس بگھی میں کون سوار ہے اور یہ
کہاں جا رہی ہے؟

بہر حال ناگ نے اپنا سفر جاری رکھا۔

میری جیب میں ہے — یہی ہے نا وہ ہار۔"

عنبر نے دوسرے ہاتھ سے ہار باہر نکال لیا — اس کی موتیوں اور ہیرے کی چمک سے ڈاکوؤں کی آنکھیں چندھیا گئیں — ایک ڈاکو نے خنجر نکالا اور اچھل کر عنبر کے اوپر گرا — عنبر اپنی جگہ پر اسی طرح چٹان کی طرح کھڑا رہا — ڈاکو عنبر سے ٹکرا کر نیچے گر پڑا۔ عنبر نے ریوالور سے اس پر گولی چلا دی۔ ڈاکو وہیں مر گیا۔ دوسرا ڈاکو بھاگنے لگا تو عنبر نے ریوالور کی گولی چلانے کی بجائے لپک کر اُسے گردن سے دبوچ لیا اور کہا :

"میں اپنی ایک اور گولی ضائع نہیں کرنا چاہتا — تم نہ جانے کتنے مسافروں کو لوٹ کر ہلاک کر چکے ہو — اب تمہاری اپنی باری آگئی ہے۔ کیا خیال ہے ؟"

ڈاکو گھبرایا ہوا تھا — اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کا مقابلہ کسی انسان سے نہیں بلکہ کسی جن بھوت سے ہو گیا ہے — اس نے گڑگڑا کر کہا :

"مجھے چھوڑ دو — میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا :

"تم مجھے کیا کہہ سکتے ہو احمق — اپنی خیر مناؤ۔"

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے ڈاکو کی گردن دبانا شروع کر دی۔ عنبر کا ہاتھ فولادی شکنجے کی طرح ڈاکو کی گردن کے گرد کَس جا رہا تھا۔ ڈاکو کی آنکھیں باہر کو نکل آئیں اور وہ اسی وقت بے جان ہو کر نیچے گر پڑا — عنبر نے ہار اپنی جیب میں رکھا — دونوں لاشوں کو اسی جگہ پڑا رہنے دیا اور خود اوپر بادشاہ کے مکان کی طرف چڑھائی چڑھنا شروع کر دی۔

مکان کی ڈھلانی سرخ چھت اب اُسے دکھائی دے رہی تھی۔

مُردہ بول اُٹھا

جلاوطن بادشاہ کوٹھڑی میں قیدی بنا ایک پرانی چارپائی پر لیٹا تھا۔

اس کی جواں سال ملکہ زینت محل ساتھ والی چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی — ان کے چہروں پر اُداسی اور مایوسی تھی — کہاں تخت و تاج اور شاہی محل کی رنگینیاں اور کہاں پہاڑی کے اوپر بے کسی کی قید —

دونوں خاموش تھے — بادشاہ بے حد کمزور اور بوڑھا ہوگیا تھا — زینت محل کا چہرہ بھی ویران ویران تھا اور رنگت زرد ہو گئی تھی — یہاں انہیں کھانے کو سوائے چاول اور گندی سبزیوں کے شوربے کے اور کچھ نہ ملتا تھا۔

یہ ایک پُرانی فوجی بارک تھی جس کے ایک کمرے میں بادشاہ اور اُس کی ملکہ قید تھی — دروازے اور کھڑکی پر لوہے کی سلاخوں والے جنگلے چڑھا دیے گئے تھے اور ساتھ ہی چھوٹی سی کوٹھڑی میں دو انگریز فوجی پہرے دار رہتے تھے — ان میں سے ہر ایک باری باری قیدی بادشاہ کی کوٹھڑی کے باہر پہرہ دیتا تھا۔ اس وقت دونوں انگریز فوجی اپنی بارک میں کھڑکی کے پاس بیٹھے تاش کر رہے تھے اور اپنی قسمت کو کوس رہے تھے کہ انہیں اس قدر تکلیف دینے والی ڈیوٹی مل گئی ہے — خدا جانے وہاں سے انہیں کب چھٹکارا نصیب ہو۔

ایک انگریز پہرے دار نے کہا:

"میں تو کہتا ہوں، ہم ان دونوں کو گولی مار دیتے ہیں۔ کہہ دیں گے، ڈاکو رات کو آئے تھے اور بادشاہ کو گولی مار گئے —"

دوسرے انگریز نے کہا:

"نہیں، ہم ایسا نہیں کر سکتے — عدالت میں تحقیقات ہوئیں تو بھید کھل جائے گا اور ہمیں قید ہو جائے گی۔"

اچانک پہلے والے انگریز نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا:

"یہ کون چلا آ رہا ہے؟"

دوسرے انگریز نے بھی کھڑکی میں سے نیچے ڈھلان کی طرف دیکھا — وہاں عنبر آہستہ آہستہ جھاڑیوں کا سہارا لے کر چڑھائی چڑھ کر اوپر چلا آ رہا تھا۔

"دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے — اس آدمی کی شکل بری نہیں — ہندوستانیوں ایسی ہے — ضرور یہ دلی سے کوئی خاص پیغام

لے کر بادشاہ کے پاس آیا ہے۔"

دوسرا بولا:

"ہو سکتا ہے یہ بادشاہ کو قید سے چھڑانے آیا ہو۔ اگر یہ اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا تو ہمیں پھانسی مل جائے گی۔ اسے ختم کر دیتے ہیں۔"

"ذرا ٹھہرو، اسے اوپر تو آ لینے دو — ہم چھپ جاتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، بادشاہ کی کوٹھڑی کے پیچھے آ جاؤ۔"

دونوں انگریز فوجی بادشاہ کی کوٹھڑی کے پیچھے آ کر چھپ گئے — یہاں وہ بانس کی دیوار کی درز میں سے اندر کا سارا منظر دیکھ سکتے تھے — یہ جگہ انہوں نے خاص طور پر کبھی کبھی بادشاہ کی نقل و حرکت دیکھنے کے لیے بنائی ہوئی تھی۔

عنبر بادشاہ کی کوٹھڑی کے پاس آ کر رک گیا — اس نے کھڑکی کی سلاخوں میں سے جھانک کر دیکھا — بادشاہ اور اس کی ملکہ اداس اپنی چارپائیوں پر نیم دراز تھے —

عنبر نے دیکھا کہ وہاں پہرے دار بھی کوئی نہیں تھا۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا آہستہ آہستہ — وہ کوٹھڑی کے دروازے کے پاس آ گیا — لوہے کی سلاخوں والے دروازے پر بڑا سا تالہ لگا تھا — اُس نے وہیں سے جھک کر بادشاہ اور ملکہ کو آداب کیا اور آہستہ سے کہا:

"بادشاہ سلامت، میں آپ کی ایک امانت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔"

بادشاہ نے بڑی خاموشی اور وقار سے عنبر کی طرف دیکھا۔ ملکہ نے عنبر کو پہچان لیا تھا کہ یہ وہی نوجوان ہے جو ایک بار اُن کے دربار میں حاضر ہوا تھا اور اس نے بادشاہ کو خبردار کیا تھا کہ وہ محل چھوڑ کر ہمایوں کے مقبرے نہ جائیں — بادشاہ نے بھی اب عنبر کو پہچان لیا — وہ چارپائی سے اُٹھ کر سلاخوں کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا —

"تمہیں کسی پہرے دار نے نہیں دیکھا؟"

عنبر نے کہا:

"یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

ملکہ نے کہا:

"میرا خیال ہے، وہ کوٹھڑی میں بیٹھے ناشتا کر رہے ہوں گے — تم وہی نوجوان ہو نا، جو ہمارے دربار....."

"ہاں ملکہ عالیہ، میں وہی عنبر ہوں۔"

بادشاہ نے کہا:

"تمہاری پیش گوئی درست نکلی — ہمیں انگریزوں نے رنگون میں جلا وطن کر دیا — یہاں بے کسی کے عالم میں پڑے ہیں — کوئی پوچھنے والا نہیں — بس اب تو موت کا انتظار کر

رہا ہوں — کاش میرے ساتھ ملکہ زینت کو یہ دُکھ نہ سہنے
پڑتے۔"

ملکہ عالیہ نے بادشاہ کا ہاتھ تھام کر کہا:

"بادشاہ سلامت، قسمت میں جو لکھا ہو وہ ہو کر رہتا ہے
مجھے کم از کم یہ تو تسلی ہے کہ آپ میرے پاس ہیں — میرے
ساتھ ہیں۔"

بادشاہ نے عنبر کی طرف اداس اور آنسوؤں بھری آنکھیں
اُٹھا کر کہا:

"تم کس امانت کا ذکر کر رہے تھے عنبر؟"

عنبر نے جیب سے قیمتی اور شاہی ہار نکال کر بادشاہ کی
طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"یہ لیجیے اپنی نشانی۔"

بادشاہ کی آنکھیں حیرت اور خوشی سے کھل گئیں۔

"میرے پڑداداوں کی نشانی نو لکھا ہار — یہ تو میں نے —
عادل کہاں ہے؟"

عنبر نے شروع سے آخر تک ساری کہانی اور عادل کی موت
کی خبر سُنائی — بادشاہ اور ملکہ نے بڑا افسوس کیا کہ عادل چچا
اپنا فرض ادا کرتے ہوئے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ بادشاہ نے
عنبر سے کہا:

"میں تمہاری دیانت داری اور فرض شناسی سے بے حد متاثر
ہوا ہوں۔ اب تم میرا ایک اور کام کر دو۔"

"آپ حکم کیجیے۔" عنبر نے ادب سے کہا۔

بادشاہ کہنے لگا:

"میں نے اپنی ایک چہیتی پڑپوتی کو غدر کے دنوں میں
شہر لاہور بھجوا دیا تھا — میرے شاہی خاندان کی ایک نشانی باقی
رہ گئی ہے۔ یہ ہار تم اُسے جا کر دے دو۔ میں تو اب موت
کا انتظار کر رہا ہوں — میرے بعد یہ قیمتی ہار انگریزوں کے
قبضے میں آ جائے گا جو میں نہیں چاہتا — کیا تم میرا یہ کام
کر دو گے بیٹا؟"

عنبر نے کہا:

"میں یہ فرض ہر حالت میں ادا کروں گا — مجھے فرما
دیجیے کہ میں آپ کی پڑپوتی صاحبہ کو لاہور شہر میں کہاں تلاش
کروں؟"

بادشاہ نے کہا:

"اس کا نام زیب النساء بیگم ہے۔ اُس کی عمر اٹھارہ اُنیس
سال ہوگی — رنگ گورا ہے — آنکھیں نیلی مغل بادشاہوں ایسی
ہیں — وہ تمہیں لاہور شہر سے دُور مقبرہ جہانگیر کے پیچھے غریب
ماہی گیروں کی بستی میں ملے گی — رحمان بابا میرا خاص نوکر اس

کی دیکھ بھال کو اُس کے ساتھ ہے — تم انہیں تلاش کر کے یہ
ہار دے دینا —"

ملکہ زینت محل نے اپنی ایک انگوٹھی اتار کر عنبر کو دیتے
ہوئے کہا :

" یہ انگوٹھی رحمان بابا کو دکھاؤ گے تو وہ سمجھ جائے گا کہ
تمہیں ہم نے بھیجا ہے — یہ انگوٹھی تم میری پیاری چھوٹی شہزادی
زیب النساء بیگم کو دے دینا —"

عنبر نے انگوٹھی اور نولکھا ہار اپنی قمیص کی اندرونی جیب
میں رکھ لیا اور بادشاہ سے کہا :

" میں آپ کی اور کیا خدمت کر سکتا ہوں ؟"

بادشاہ نے آہ بھر کر کہا :

" بس خدا سے دعا کرو کہ ہمارا انجام بخیر ہو — سوائے موت
کے اب ہمیں کسی شے کی خواہش نہیں ہے —"

" خدا آپ کی حفاظت کرے ۔"

اتنا کہہ کر عنبر نے جھک کر ملکہ زینت محل اور بادشاہ
بہادر شاہ ظفر کو سلام کیا اور کوٹھڑی کے دروازے سے ہٹ کر
پیچھے آگیا — وہ اب واپس جا رہا تھا — اس پر ایک اور
بھاری ذمے داری آن پڑی تھی — اسے ناگ کا خیال بھی آیا —
کہ وہ ضرور رنگون اس کی تلاش میں پہنچ گیا ہوگا — عنبر نے

سوچا کہ وہ رنگون واپس جا کر سب سے پہلے اپنے دوست اور
بھائی ناگ کو ڈھونڈے گا اور پھر دونوں لاہور کی سمت روانہ
ہو جائیں گے —

عنبر پہاڑی بارک کے عقب سے ہو کر نیچے ڈھلان اُترنے
لگا —

اس دوران میں دونوں انگریز پہرے داروں نے بادشاہ اور
عنبر کی ساری باتیں سُن لی تھی —

ایک انگریز پہرے دار نے کہا :

" اس شخص کو ہلاک کر کے ہم ہار اپنے قبضے میں کر لیتے
ہیں — بڑا قیمتی ہار ہے — ہم اسے بیچ کر آدھی آدھی دولت
تقسیم کر لیں گے —"

دوسرا انگریز بولا :

" اس سے اچھا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا — شاہی ہار ہم
لندن جا کر بیچ دیں گے — کروڑوں پونڈ ملیں گے —"

" ہم راتوں رات دولت مند بن جائیں گے —"

" میں لندن میں ایک نئی بلڈنگ بنواؤں گا ۔"

" میں اپنے گاؤں کی ساری زمین خرید لوں گا ۔"

" کم بخت اسے تو پکڑو ، جس کے پاس ہماری ساری دولت
ہے —"

دونوں سنگین والی لمبی پرانی بندوقیں لیے عنبر کے پیچھے بھاگے۔
عنبر اس عرصے میں کافی نیچے جا چکا تھا — کیونکہ پہاڑی کی
ڈھلان پر انسان زیادہ تیزی سے جاتا ہے — دونوں انگریز تیزی
سے عنبر کے سراغ میں پہاڑی کی اترائی اُتر رہے تھے — عنبر
کافی آگے نکل چکا تھا —

عنبر اپنی دُھن میں جھاڑیوں کو ہٹاتا لمبی لمبی گھاس میں
سے گزرتا جا رہا تھا — اس پہاڑی علاقے میں کسی زمانے میں
انگریزوں نے اپنی بارک میں رہنے والے فوجیوں کے لیے ایک
کنواں کھودا تھا جو بعد میں خشک ہو گیا — اس کا منہ چھوٹا
تھا — چونکہ اُسے کبھی کسی نے اب استعمال نہیں کیا تھا، اس
لیے اس پر آہستہ آہستہ جنگلی بیلیں چڑھ گئیں اور جھاڑیوں اور
گھاس نے اسے ڈھانپ دیا تھا۔

عنبر کو ان راستوں کا کچھ پتا نہیں تھا — وہ ناگ اور
شہزادی زیب النساء کے بارے میں سوچتا چلا جا رہا تھا، کہ
اچانک اس کا پاؤں کنوئیں کے اُوپر پھیلی ہوئی جھاڑیوں پر
پڑ گیا — وہ دھڑام سے پھسل کر کنوئیں کے اندر جا گرا —
ایک دم سے اُٹھا — اوپر دیکھا کہ یہ کس مصیبت میں پھنس گیا
ہوں — کنوئیں کا منہ اوپر سے کھُل گیا تھا اور دن کی روشنی
نظر آ رہی تھی — عنبر سر پکڑ کر بیٹھ گیا — کم بخت یہ ایک

نئی مصیبت آن کھڑی ہوئی تھی — آگے بڑی مشکل سے ایکباب کے
جنگل کے گڑھے سے نکلا تھا — اب اس کنوئیں سے کیوں کر
چھٹکارا ملے گا۔ یہاں تو آس پاس کوئی انسان بھی نہیں ہے۔
اُدھر دونوں انگریز تعاقب کرتے کرتے جب کنوئیں کے
پاس آئے تو انہیں کنوئیں میں سے کسی انسان کی آواز سنائی
دی —

عنبر نے اوپر انسانی قدموں کی چاپ سُن کر نیچے سے مدد
کے لیے آواز دے دی تھی — انگریز فوجی چونک کر کھڑے ہو
گئے — انہوں نے کنوئیں میں جھانک کر دیکھا تو ان کا شکار کنوئیں
کی تہہ میں کھڑا مدد کے لیے پکار رہا تھا۔

دونوں انگریزوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔
"شکار اپنے آپ پھنس گیا —"
"میرا خیال ہے، اوپر سے گولیاں برسا کر اسے کنوئیں کے
اندر ہی ہلاک کر دیتے ہیں —"
"تو اور کیا کرنا ہے ہمیں — اسے ہلاک کر کے ہم رسی
کی مدد سے نیچے اتریں گے اور نو لکھا ہار ہمارے قبضے میں
آ جائے گا —"
اس کے ساتھ ہی دونوں انگریزوں نے اپنی بندوقوں کا منہ
کنوئیں کے اندر کر دیا اور دھڑا دھڑ دو فائر کر دیے — نگنے کی

گول گول گولیاں بڑی تیزی سے عنبر کے سر اور کندھوں پر آ کر لگیں — یہ اس قدر تیز رفتار تھیں کہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو اس کی کھوپڑی پھاڑ کر بھیجے میں جا گھستیں — مگر عنبر کے سر اور شانوں سے ٹکرا کر نیچے گر پڑیں —

اوپر انگریز فوجیوں نے اپنی بندوقوں میں پھر سے سکے کی گولیاں اور بارود بھرا — اور دوبارہ فائر کر دیے — ایک بار پھر گولیاں عنبر کے سر سے ٹکرا کر نیچے گر پڑیں —

عنبر بڑا پریشان ہوا کہ اس نے تو مدد کے لیے پکارا تھا۔ یہ کون لوگ ہیں جو اسے ہلاک کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس نے آواز دی :

"میں شریف انسان ہوں — مسافر ہوں — کنوئیں میں گر پڑا ہوں — مجھے باہر نکالو — میں تمہارا دشمن نہیں ہوں"

اب انگریز فوجیوں کے حیران ہونے کی باری تھی۔ انھوں نے چار فائر جھونکے تھے اور جو بالکل ٹھیک نشانے پر جا کر لگے تھے — پھر کیا بات ہے کہ یہ انسان ابھی تک زندہ سلامت ہے —

"ایک اور فائر مارو"

انھوں نے تیسری بار ایک ایک فائر کیا — مگر عنبر اسی طرح آوازیں دے رہا تھا — اچانک عنبر کو خیال آیا کہ کہیں یہ

بارک کے پہرے دار انگریز نہ ہوں اور انھوں نے بادشاہ کے ساتھ اس کی گفتگو سن لی ہو اور اب شاہی ہار کے لیے اُسے قتل کرنے آئے ہوں — کیونکہ جس قسم کی بندوقیں وہ کنوئیں کے اوپر سے چلا رہے تھے، وہ صرف انگریز فوجیوں کے پاس ہی ہوتی تھیں — عنبر نے اسی وقت ایک چال سوچ لی اور کنوئیں میں یوں گر پڑا جیسے مر گیا ہو۔

جب کنوئیں میں خاموشی ہو گئی تو انگریز فوجی بڑے خوش ہوئے —

"مر گیا ہے کم بخت — اب میں نیچے اترتا ہوں"

وہ بھاگ کر بارک سے رسّی لائے اور کنوئیں میں لٹکا دی۔ ایک انگریز فوجی اوپر ہی کھڑا رہا — رسّی انھوں نے ایک چٹان کے ساتھ باندھ دی تھی — دوسرا انگریز نیچے اترنے لگا۔ کنواں کافی گہرا تھا —

عنبر اس انگریز کو نیچے اترتے ایک آنکھ کھولے لیٹے لیٹے دیکھ رہا تھا — انگریز رسّی کو دونوں ہاتھوں سے تھامے کنوئیں کی گول دیوار کے ساتھ پاؤں ٹکائے آہستہ آہستہ نیچے اتر رہا تھا — عنبر اسی طرح اپنے آپ کو بے ہوش ظاہر کرتے ہوئے پڑا رہا —

انگریز کنوئیں کی تہ میں پہنچ گیا۔ اس نے پلٹ کر عنبر کو

عنبر یہی چاہتا تھا — وہ ایک آنکھ کھولے بڑے مزے سے انگریز فوجی کی لاش کے پاس بیٹھا اس کے ساتھی کو موت کے منہ میں اترتے دیکھ رہا تھا —

آہستہ آہستہ کنوئیں کی پتھریلی دیوار کا سہارا لیتا دوسرا انگریز بھی نیچے آ گیا — یہ تسلی کرنے کے لیے کہ نیچے کہیں سانپ تو نہیں ہے۔ اس نے کنوئیں کی تہ سے کچھ اوپر ہی رُک کر نیچے دیکھا — اُسے تہ میں دو لاشیں پڑی نظر آئیں، جن میں سے ایک اُس کے ساتھی کی لاش تھی — سانپ کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا — پھر بھی اس انگریز فوجی نے لٹکی ہوئی رسّی کو ہلا جلا کر اپنی پوری تسلّی کر لی — اگر سانپ وہاں ہوتا تو رسّی سے ڈر کر ضرور باہر نکل آتا —

عنبر ایک آنکھ ذرا سی کھول کر اس انگریز ڈاکو کی ساری حرکتیں دیکھ رہا تھا — اب وہ نیچے اتر آیا — پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا — دولت مل جانے کی اُسے اس قدر خوشی تھی کہ اُس نے اپنے دوست کی لاش کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ سیدھا عنبر کی طرف آیا — اور اس کی جیبوں کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔

اب عنبر کو کوئی غم فکر نہیں تھا — کنوئیں میں رسی لٹکی ہوئی تھی جس کی مدد سے وہ کنوئیں سے باہر نکل سکتا تھا۔ اُس نے بڑے آرام سے دونوں آنکھیں کھول کر کہا:

"کیوں مردے کو تنگ کر رہے ہو — مجھے آرام سے سونے دو۔"

عنبر کی آواز سُن کر انگریز فوجی اچھل کر پرے جا گرا۔ اس نے سنگین تان لی اور عنبر کی طرف دیکھا جس نے صرف اپنی آنکھیں کھول رکھی تھیں۔ باقی وہ ایک مردے کی طرح ہی پتھروں پر لیٹا ہوا تھا —

"تم زندہ ہو؟" انگریز فوجی نے خوف زدہ ہو کر کہا۔

عنبر بولا:

"نہیں یار، کہاں زندہ ہوں — میں تو مرا ہوا ہوں۔ دیکھتے نہیں ہو لاش کی طرح پڑا ہوں۔ یہ تو تم نے میری جیب میں ہاتھ ڈالا تو میں تھوڑی دیر کے لیے زندہ ہو گیا — لو اب پھر مر رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر عنبر نے آنکھیں بند کر لیں — دراصل وہ اس انگریز سے ایسے کھیل رہا تھا جس طرح سے بلّی چوہے کو کھانے سے پہلے اُس سے کھیلتی ہے —

انگریز فوجی پریشان ہو گیا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ اُس نے جُھک کر عنبر کے سینے پر ہاتھ رکھا — اس کا دل برابر دھڑک رہا تھا — سمجھ گیا کہ یہ شخص مچل مار کر پڑا ہے اور کسی وقت بھی اس پر حملہ کر دے گا — پس اسی لمحے انگریز فوجی نے سنگین والا ہاتھ اوپر اُٹھایا اور پوری طاقت سے عنبر کے

سینے پر سنگین کا وار کیا — وار اس قدر شدید اور سخت تھا کہ
سنگین ٹوٹ گئی — اور انگریز فوجی کے ہاتھ کی دو انگلیاں
سنگین کے پھل سے ٹکرا کر کٹ گئیں — اس نے درد سے
کراہتے ہوئے چیخ ماری۔ عنبر نے پھر آنکھیں کھول کر کہا :

"یار مرے ہوئے کو کیوں مار رہے ہو ؟"

اب انگریز فوجی گھبرا گیا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے اور یہ
شخص انسان نہیں، کوئی جن بھوت کی نسل سے تعلق رکھتا ہے۔
اس نے سوچا کہ اپنی جان بچانی چاہیے — وہ رسی کو پکڑ کر
اوپر چڑھنے ہی لگا تھا کہ عنبر اٹھ کر بیٹھ گیا —

"نہیں یار، میں تمہیں اس طرح تو نہیں جانے دوں گا۔
تمہیں اپنے دوست کے ساتھ ہی اس کنوئیں میں آرام کرنا ہوگا۔
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کیا خیال ہے ؟"

انگریز فوجی کوئی دو چار ہاتھ اوپر چڑھ چکا تھا۔ عنبر نے
نیچے سے رسی پکڑ کر اسے زور سے جھٹکا دیا — انگریز چوہے کی
طرح رسی سے الگ ہو کر نیچے گر پڑا —

"میرا خیال ہے، میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں — تمہارے
مردہ دوست کو کسی ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو اس کے پاس
بیٹھ کر اس کی لاش کی دیکھ بھال کر سکے — اس لیے تم اب
اسی کنوئیں میں اپنے دوست کے ساتھ ہی رہو گے — جب تک
کہ تم زندہ رہ سکو ۔"

اور عنبر رسی تھام کر اوپر چڑھنے لگا — انگریز فوجی نے نیچے
سے رسی کو کئی بار جھٹکے دیے کہ وہ عنبر کو اوپر نہ چڑھنے دے۔
لیکن عنبر کی طاقت کا بھلا وہ کہاں مقابلہ کر سکتا تھا۔ عنبر
بڑے آرام سے مسکراتا ہوا، اوپر چڑھ گیا۔ کنوئیں سے باہر آ کر
اس نے دیکھا کہ انگریز فوجی بھی رسی کو پکڑ کر اوپر آنے کی
جدوجہد کر رہا تھا — عنبر نے آواز دی :

"نہیں نہیں بھئی، تم اپنے دوست کو چھوڑ کر نہیں آ
سکتے — اسے تمہاری ضرورت ہے ۔"

اور عنبر نے اوپر سے رسی کو زور دار جھٹکا دیا — انگریز
فوجی رسی سے الگ ہو کر دھڑام سے اپنے دوست کی لاش
پر گر پڑا — عنبر نے آخری بار کنوئیں میں جھانک کر دیکھا۔
کہ انگریز فوجی اچھل کود کر شور مچا رہا تھا — جس نے عنبر
کے لیے موت کا جال بچھایا تھا، وہ خود اس جال میں پھنس
چکا تھا — عنبر آگے روانہ ہو گیا —

دن کافی نکل آیا تھا — عنبر کو اب واپس رنگون پہنچ
کر ناگ کو تلاش کرنا اور پھر اسے ساتھ لے کر لاہور کی طرف
روانہ ہو جانا تھا۔ اسے سلومی کا بھی خیال آ رہا تھا، لیکن وہ تو
ایسے غائب ہو چکی تھی کہ جیسے زمین پر زندہ ہی نہ تھی — اب

غائب سلومی کو عنبر کہاں تلاش کر سکتا تھا — یہ تو اتفاق سے کہیں مل جائے تو مل جائے، لیکن عنبر نے دل میں تہیہ کر رکھا تھا کہ نولکھے شاہی ہار کی امانت زیب النساء کو دینے کے بعد وہ ناگ سے مل کر سلومی کو ضرور تلاش کرے گا — سلومی کے ساتھ ہی عنبر کو اپنی بچھڑی ہوئی پرانی بہن ماریا کا بھی خیال آ گیا۔ ناگ اور ماریا نے عنبر کے ساتھ پانچ ہزار سال کا مل کر سفر کیا تھا — اب عنبر اسی پانچ ہزار سال کے پرانے سفر پر واپس جا رہا تھا — ناگ تو اسے مل گیا تھا، ماریا ابھی نہیں ملی تھی۔ اس کا ساتھ بھی بہت ضروری تھا — یہ تینوں مل کر سفر کریں تو کتنا اچھا ہو — عنبر نے سوچا —

کٹا ہوا سر

ناگ بادلوں میں اڑتا جا رہا تھا —

اس کے نیچے پُراسرار بند بگھی بھی پہاڑیوں کے درمیان وادی کی سڑک پر بھاگی جا رہی تھی — اب چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں قریب قریب آ گئی تھیں — سڑک دو پہاڑیوں کے درمیان پھنس کر گزرنے لگی تھی۔ ایک جگہ جھیل آ گئی — یہ چھوٹی سی جھیل تھی جو تالاب کی شکل کی تھی — اس کی آدھی سطح کنول کے سہانے پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی —

بند بگھی یہاں پر رک گئی — پراسرار سیاہ پوش کوچوان بگھی کے اوپر سے اتر کر نیچے آیا — اس نے بگھی کی کھڑکی کھول کر اندر ہاتھ ڈالا — پھر ایک شیشے کی صراحی باہر نکال کر جھیل سے پانی بھر کر اندر بگھی میں کسی کو دیا۔ دوبارہ اپنی سیٹ پر بیٹھا۔ گھوڑوں کو جھیل کی طرف لے گیا۔ انہیں پانی پلایا اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا — یہ سارا منظر ناگ نے ایک درخت کی ٹہنی پر بیٹھ کر دیکھا — بگھی آگے روانہ ہوئی تو ناگ نے بھی اس

کے ساتھ ساتھ اُڑنا شروع کر دیا۔

ابھی تک یہ بھید نہیں کھلا تھا کہ بگھی میں کون بیٹھا ہے، جسے کوچوان نے پانی دیا تھا — بگھی کے گھوڑے بڑی تیز رفتار سے اُڑے جا رہے تھے — یہ راستہ چالدہ کی طرف نہیں بلکہ پردوم کی پہاڑیوں کی طرف جاتا تھا جن کے بارے میں زنگون میں آج سے سو سال پہلے مشہور تھا کہ وہاں جن بھوتوں کا بسیرا ہے۔ اِدھر کبھی کوئی نہیں گیا تھا — ناگ کو اس کی کوئی خبر نہیں تھی — وہ کچھ بور ہو گیا — اُس نے دل میں سوچنا شروع کر دیا کہ اُسے واپس چل کر عنبر کی تلاش میں نکلنا چاہیے — آخر وہ کہاں تک اس بگھی کا تعاقب کرتا جائے گا۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بگھی ایک جگہ پہاڑیوں کے اندر ایک غار یا سرنگ میں داخل ہو گئی — ناگ پہاڑیوں پر سے نیچے اتر آیا — سرنگ کے اندر سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز کچھ دیر آتی رہی، پھر سرنگ خاموش ہو گئی۔

ناگ سوچنے لگا، یہ کون سا انوکھا راستہ ہے جدھر بگھی جا رہی ہے؟ کیونکہ سڑک اسی طرح آگے چلی جا رہی تھی۔ بگھی اس سڑک سے ہٹ کر سرنگ میں داخل ہوئی تھی۔

ناگ نے انسانی شکل میں آ کر سرنگ میں جھانک کر دیکھا۔ اندر تھوڑی دور تک دن کی روشنی تھی — اس کے بعد اندھیرا چھایا

ہوا تھا اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا — اب گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی — ناگ نے واپس جانے کا فیصلہ کیا اور سرنگ سے ہٹ کر سڑک پر آ گیا۔

ابھی وہ سڑک پر چڑھا نہیں تھا کہ اچانک اس کی نظر گھاس پر پڑے کاغذ کے ایک پرزے پر پڑی — یہ سو سال پہلے کے زرد رنگ کے موٹے کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جو لگتا تھا کسی کتاب کی جلد کے اندر سے پھاڑا گیا ہے — اس پر انگریزی میں کچھ لکھا تھا —

ناگ نے کاغذ اٹھا لیا — اس پر کسی نے آنکھوں میں لگانے والے اس زمانے کے روغنی سُرمے سے صرف تین لفظ لکھے تھے، "HLP" بڑے ایک کے پہلے لفظ تھے، جیسے کوئی اچھلتی بھاگتی بگھی میں جلدی میں لکھتا ہے — ان کے درمیان "E" کا لفظ بھی نہیں تھا، لیکن یہ ظاہر ہو جاتا تھا کہ کسی کو مدد کی ضرورت ہے۔

ناگ کا ماتھا ٹھنکا — ضرور اس بگھی میں کسی کے ساتھ ظلم ہونے والا ہے — کوئی زبردستی کسی عورت یا مرد کو اغوا کر کے لیے جا رہا ہے — اس کی مدد کرنا چاہیے — ناگ واپس مڑا اور سرنگ میں داخل ہو گیا —

وہ اس وقت انسانی روپ میں تھا — اس نے فوراً ایک چھوٹی نیلی چڑیا کی شکل اختیار کی اور سرنگ میں آگے کی طرف

اُڑنا شروع کر دیا۔ سُرنگ میں اندھیرا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ناگ اُڑتا چلا گیا۔ آگے جا کر سُرنگ گھوم گئی تھی۔ ایک جگہ اُسے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز آئی۔ ناگ اس آواز کی طرف لپکا۔

اُس نے دیکھا کہ سُرنگ میں اُوپر چھت پر سے کسی سوراخ میں سے ہلکی ہلکی روشنی نظر آ رہی تھی۔ اس روشنی میں بگھی اور گھوڑے ایک طرف سرنگ کی دیوار سے لگ کر کھڑے تھے۔ گھوڑے ابھی تک ہانپ رہے تھے اور کسی وقت وہ ہنہناتے تو ان کے نتھنوں سے جھاگ اُڑتی۔ ناگ اڑتے اڑتے نیچے آ گیا۔ بگھی کا دروازہ کھلا تھا، مگر اندر کوئی نہیں تھا۔ ناگ نے سوچا، کوچوان اور وہ مسافر جسے ناگ کی مدد کی ضرورت تھی کہاں ہو گا۔ ناگ نے سُرنگ کو آگے جا کر دیکھا۔ یہاں سُرنگ کی دیوار تنگ ہو گئی تھی اور بگھی یہاں سے نہیں گزر سکتی تھی۔ شاید اسی لیے اسے پیچھے ہی کھڑا کر دیا گیا تھا۔ ناگ آگے اُڑتا گیا۔ سرنگ چونکہ تنگ تھی، اس لیے وہ کھل کر نہیں اُڑ سکتا تھا۔ وہ اُڈاری مار کر ذرا آگے جاتا، پھر رُک جاتا۔ آگے ایک زینہ آ گیا۔ یہ پرانے پتھروں کا زینہ تھا جو سرنگ کے نیچے جا رہا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ چڑیا بن کر وہ گیا تو شاید کسی کی مدد نہ کر سکے۔ اُسے انسان یا سانپ کی

شکل میں نیچے جانا چاہیے۔ اُسی وقت ناگ نے ایک کالے سانپ کا روپ بدلا اور زینے کی دیوار پر رینگتے ہوئے نیچے اُترنا شروع کر دیا۔

زینہ کافی نیچے تک چلا گیا تھا۔ یہاں پھر بڑا گہرا اندھیرا تھا۔ کوئی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ فضا میں بڑی نم دار بو تھی۔ اب ناگ کو پانی کے گرنے اور بہنے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دینے لگی۔ برما کی پہاڑیوں میں کئی ایک مقامات پر پہاڑیوں کے اندر چھوٹی چھوٹی نہریں اور چھوٹے دریا بہتے ہیں۔ یہ ان چشموں کا پانی جمع ہو کر ندی یا دریا کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو پہاڑیوں کے نیچے گہری غاروں اور کھڈوں میں پھوٹے ہوتے ہیں؛ چنانچہ یہ اندر ہی اندر پہاڑوں کو توڑ کر راستے بنا لیتے ہیں اور میلوں بہتے چلے جاتے ہیں۔ پھر آخر میں کسی کھلی جگہ نکل کسی ندی یا دریا یا سمندر میں جا گرتے ہیں۔

ناگ اس قسم کی ندیوں اور چھپے ہوئے دریاؤں سے واقف تھا۔ وہ سانپ کی شکل میں رینگتا ہوا زینے سے نیچے اُتر گیا۔ اس کے سامنے ایک پانچ چھ فٹ چوڑی ندی کا پانی بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اس کے اوپر پہاڑی کی چھت تھی اور ایک جانب قدرتی پتھروں کا فٹ پاتھ سا بن گیا تھا۔ ناگ اس فٹ پاتھ پر رینگتے ہوئے ندی کے ساتھ ساتھ چلا۔

ندی کا سفید پانی سرنگ کے اندھیرے میں بڑی تیزی سے جھاگ اُڑاتا بہہ رہا تھا اور اس سے بڑی وحشت آ رہی تھی۔ آگے جاکر ندی ایک تاریک غار میں داخل ہو کر گم ہو جاتی تھی۔ اس غار کی چھت ندی کے جھاگ اُڑاتے پانی سے کوئی ایک فٹ اونچی تھی — ظاہر ہے یہاں سے کوئی انسان نہیں گزر سکتا تھا — پھر وہ بگھی کا سیاہ پوش کوچوان کہاں چلا گیا؟

ناگ نے اپنا پھن اٹھا کر دیوار کے اوپر نیچے دیکھا۔

اس کی نظر دیوار پر ایک جگہ رک گئی، جہاں وہ کنڈلی مارے بیٹھا تھا وہاں اس سے کوئی چار فٹ اوپر دیوار میں ایک سوراخ سا بنا ہوا تھا — ناگ دیوار کے اوپر رینگتا ہوا اس سوراخ میں آگیا۔

یہ ایک چوکور سوراخ تھا اور اس کا منہ اتنا تھا کہ اس میں سے ایک آدمی جھک کر بڑی آسانی سے گزر سکتا تھا۔ ناگ سوراخ میں داخل ہو گیا —

آگے پھر اندھیرا تھا — مگر چونکہ ناگ سانپ کی شکل میں تھا — اس لیے اُسے اندھیرے میں بھی دکھائی دے رہا تھا۔ سوراخ میں آگے جاکر پھر زینہ آگیا — یہ چھ سات سیڑھیوں والا پتھر کا زینہ تھا —

ناگ خاموشی سے رینگتا ہوا نیچے اُتر گیا — یہاں اُسے پہلی بار ایک انسانی آواز سنائی دی —

یہ کسی عورت کی چیخ کی آواز تھی —

ناگ چونکا — اس نے اپنا پھن کھڑا کر لیا اور پھنکار مار کر محسوس کیا کہ چیخ کی آواز کدھر سے آئی تھی — پھر وہ تیزی سے آگے بڑھا — گہرے اندھیرے میں اُسے ایک طرف ہلکی سی روشنی نظر آئی — یہ آگ کے ایک شعلے کی روشنی تھی جو تہہ خانے میں ایک جانب کونے میں رکھے کسی برتن میں جل رہی تھی —

یہاں بہت خطرہ تھا — ناگ کو اپنی جان کا بھی خیال تھا، کیونکہ وہ مر سکتا تھا — اس نے دیوار پر رینگنا شروع کر دیا — اب وہاں اس نے ایک انگریز خوب صورت لڑکی کو دیکھا کہ جسے پتھر کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا — وہی سیاہ پوش شیطان صورت کوچوان اُس کے منہ میں کپڑا ٹھونس رہا تھا — لڑکی سر مار رہی تھی — جب وہ قابو میں نہ آئی تو شیطان سیاہ پوش نے اُس کے سر پر ایک ڈنڈے کی ضرب لگائی، جس سے لڑکی بے ہوش ہو گئی۔

سیاہ پوش شیطان اب آگ کے برتن کی طرف متوجہ ہوا — اس نے اس کے آگے دو زانو بیٹھ کر کچھ منتر پڑھنے شروع کر دیئے — اس کی آواز بلند ہوتی چلی گئی۔ ساتھ ہی

ساتھ وہ ہاتھ ... میں کچھ منتر بھی پڑھتا جا رہا تھا۔ ناگ دیوار کے ساتھ ... سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ شیطان سیاہ پوش نے جیب سے ایک پڑیا نکال کر کھولی اور اس کا سفوف آگ میں ڈال دیا۔ ایک شعلہ بلند ہوا اور تہہ خانے میں بدبودار دھواں پھیل گیا۔ ناگ کا دم گھٹنے لگا۔

وہ واپس جانے لگا تھا کہ تہہ خانے کی چھت میں سے ایک بھاری پتھر اپنے آپ کھسک گیا۔ اندر روشنی آ گئی۔ چھت کے سوراخ میں سے ایک انسانی کٹا ہوا سر نیچے لٹکنے لگا۔ چھت کا پتھر واپس اپنی جگہ پر آ گیا۔

یہ ایک عورت کا سر تھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ سرخ آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں اور کٹی ہوئی گردن میں سے خون ٹپک رہا تھا۔ کٹے ہوئے سر کو دیکھ کر سیاہ پوش شیطان ہاتھ باندھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

کٹے ہوئے سر نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا اور ستون کے ساتھ بندھی ہوئی خوب صورت گوری چٹی انگریز لڑکی کے گرد ایک چکر کاٹا۔ واپس آگ کے شعلے کے اوپر آ کر وہ سر ہوا میں ٹک گیا۔ سیاہ پوش شیطان کی طرف دیکھ کر سر نے کہا:

"اب تم نے مجھے کس لیے بلایا ہے سامری کی اولاد؟ میں نے یہ ہم زاد خوب صورت لڑکی تجھے بخش دی تھی۔ اب منتر پڑھ پڑھ کر مجھے کیوں تنگ کر رہا ہے؟"

سیاہ پوش شیطان نے سر جھکا کر کہا:

"اے چڑیلوں کی ملکہ، میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لیکن یہ عورت مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ ہوش میں آتے ہی مجھ سے بھاگنے کی کوشش کرتی ہے۔"

چڑیل کے سر نے نفرت سے کہا:

"بکواس بند کر، اور یہ بتا کہ تو اب کیا چاہتا ہے؟"

سیاہ پوش نے کہا:

"چڑیلوں کی ملکہ، اس لڑکی کی یادداشت گم کر دے۔ اس کے دماغ پر ایسا اثر ڈال دے کہ اسے کچھ بھی یاد نہ رہے کہ یہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے۔ بس یہی سمجھے کہ میں اس کا مالک ہوں اور یہ میری کنیز ہے۔"

چڑیل کے کٹے ہوئے سر نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا اور بے ہوش انگریز لڑکی کے گرد تین چکر لگانے کے بعد آگ کے شعلے کے اوپر آ کر بولی:

"یہاں سے اسے لے جا۔ شہر جا کر کسی چھوٹے بچے کو قتل کر کے اس کے جسم کا سارا خون نچوڑ کر اس عورت کے سر پر ڈال دے۔ اس کے بعد یہ یادداشت کھو چکی ہو گی اور

تمہیں ہی اپنا سب کچھ سمجھے گی — اب دفع ہو جا میری آنکھوں
کے سامنے سے اور خبردار دوبارا کبھی مجھے منتر پھونک کر بلانے
کی کوشش نہ کرنا۔

چڑیل کا سر چیختا شور مچاتا چھت کی طرف بلند ہونے
لگا — چھت کی سِل خود بخود اپنی جگہ سے ہٹ گئی — سر باہر کو
اڑ گیا — سِل پھر اپنی جگہ پر آ گئی اور تہہ خانے میں اندھیرا چھا
گیا — جیسے آگ کا شعلہ دُور کرنے کی ناکام کوشش کر رہا
تھا — ناگ سانپ کی شکل میں دیوار کے ساتھ چمٹا یہ ہولناک
تماشا دیکھ رہا تھا — چڑیل کے جانے کے بعد سیاہ پوش شیطان
نے بے ہوش انگریز لڑکی کو کھول کر اپنے کندھے پر ڈالا اور
تہہ خانے سے نکل کر سوراخ میں سے گزرتا ہوا ندی کے پتھریلے
فٹ پاتھ پر آ گیا — ناگ سانپ کی شکل میں برابر اُس کا
پیچھا کر رہا تھا —

ندی کے فٹ پاتھ پر وہ اندھیرے میں جھکا جھکا چل رہا تھا۔
کیونکہ یہاں چھت زیادہ اونچی نہیں تھی — ندی کو پیچھے چھوڑ کر
سیاہ پوش شیطان دوسرے تہہ خانے میں آ گیا — لڑکی اس
کے کندھے پر بے ہوش پڑی تھی — یہاں سیڑھیاں چڑھ کر
وہ باہر اُس سُرنگ میں آ گیا جہاں اس کی پُراسرار بگھی اور
گھوڑے کھڑے تھے — ناگ اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ سیاہ پوش

شیطان نے لڑکی کو بگھی میں ڈالا — اوپر چڑھ کر کوچوان کی سیٹ
پر بیٹھا اور باگیں تھام کر زور سے گھوڑوں کو چابک مارا۔
گھوڑے ہنہناتے ہوئے اپنی دونوں اگلی ٹانگوں پر کھڑے ہو
گئے اور پھر واپس مُڑ کر سرپٹ دوڑتے ہوئے سُرنگ سے
باہر نکل گئے۔

ناگ کبوتر بن کر اس کے اوپر اُڑنے لگا۔ وہ یہ معلوم
کرنا چاہتا تھا کہ یہ سیاہ پوش شیطان کہاں جاتا ہے اور اس کے
ساتھی کون کون لوگ ہیں —

بگھی ایک بار پھر پہاڑیوں میں دوڑنے لگی۔ ناگ برابر اس کا
تعاقب کرتا چلا گیا — جنگل، پہاڑ عبور کرنے کے بعد بگھی ایک
پتھریلی سڑک پر آ گئی — یہ سڑک برما کے سب سے بڑے شہر
رنگون کو جاتی تھی —

اُڑتے اُڑتے اچانک ناگ کو اپنے دوست عنبر کی بُو محسوس
ہوئی — اس نے اُڑتے اُڑتے سڑک پر پیچھے کی طرف دیکھا۔ دُور
اسے ناریل کے درختوں میں ایک نوجوان آتا دکھائی دیا جس کی
چال ڈھال عنبر سے ملتی جلتی تھی۔

اُدھر عنبر نے بھی چلتے چلتے فضا میں ناگ کی بُو کو سونگھ
لیا تھا — وہ بڑا خوش ہوا کہ اس کا جگری دوست ناگ کہیں
آس پاس ہی ہے — وہ ارد گرد دیکھنے لگا — مگر ناگ اسے کسی

کسی شکل میں بھی نہ نظر آیا — اتنے میں ایک کبوتر اُڑتا اُڑتا آیا اور عنبر کے سر پر آکر بیٹھ گیا —

عنبر نے خوشی سے نعرہ لگایا:

"ناگ ۔"

کبوتر اُڑ کر عنبر کے سامنے آ گیا — پھر فوراً ہی انسان کی شکل میں سامنے ظاہر ہو گیا — وہ ناگ ہی تھا — دونوں دوست ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے —

عنبر نے کہا:

"خدا کا شکر ہے کہ ایک بار پھر تمہاری شکل دیکھی۔"

ناگ نے کہا:

"تم آدم خور جزیرے سے کہاں گم ہو گئے تھے؟"

عنبر نے کہا:

"پیارے دوست، یہ بڑی لمبی کہانی ہے — زنگون چل کر سناؤں گا — پہلے یہ بتاؤ کہ تم زنگون کیسے پہنچے اور ادھر تم میری تلاش میں اُڑتے پھر رہے تھے؟"

ناگ نے کہا:

"میری کہانی بھی بڑی دل چسپ ہے — لیکن اس وقت میں ایک لڑکی کی جان بچانے کی فکر میں ہوں۔"

"کون ہے وہ لڑکی؟" عنبر نے پوچھا۔

"گوری میم ہے — انگریز ہے کوئی۔"

"کیا اس کے بال سنہری ہیں؟"

"ہاں ۔"

"آنکھیں نیلی ہیں؟"

"ہاں ۔" ناگ نے کہا: "مگر کیا تم اُسے جانتے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"ارے وہ ضرور سلومی ہے — یہ مجھے آدم خور جزیرے میں ملی تھی — پھر ایک چڑیل نے اسے غائب کر دیا۔"

ناگ نے کہا:

"اسی چڑیل نے اُسے ایک شیطان کے حوالے کر دیا ہے۔ جو اُسے لے کر شہر زنگون کی طرف بگھی میں لیے جا رہا ہے۔ وہ ایک بے گناہ بچے کا خون کرنے والا ہے جو میں نہیں ہونے دوں گا — تم ایسا کرو، مجھے زنگون کی بندرگاہ والی سرائے میں ملنا۔"

ناگ نے جاتے جاتے پوچھا:

"کیا تم نے شاہی ہار نیلا دلدل بادشاہ کو دے دیا تھا؟"

عنبر نے جواب دیا:

"ہاں، مگر بادشاہ وہ ہار اپنی پڑپوتی زیب النساء بیگم کے حوالے کرنا چاہتا ہے جو لاہور میں مقبرہ جہانگیر کے قریب رحمان بابا کے پاس انگریزوں سے چھپ کر زندگی بسر کر رہی ہے۔ ہار

یہ پاس ہے — ہم دونوں اب لاہور کی طرف روانہ ہوں گے۔"
ناگ نے کہا:

"بہت خوب، ایسا ہی کریں گے — میں تمہیں رنگون کی بندرگاہ والی سرائے میں ملوں گا — اس شیطان کے پیچھے جاتا ہوں۔"

"ہاں ہاں ناگ، سلومی کی ضرور جان بچاؤ اور اُسے میرا بتانا اور ساتھ سرائے میں لے آنا۔"

"بہت اچھا — خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

اتنا کہہ کر ناگ ایک بار پھر کبوتر بن کر اُڈاری مار کر اُڑ گیا —

عنبر اسے دُور بادلوں میں جاتے دیکھتا رہا — پھر وہ اُس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا — عنبر نے سوچا کہ اب جب کہ ناگ اسے مل گیا ہے تو پھر کسی بیل گاڑی میں بیٹھ کر آرام سے باقی سفر طے کرنا چاہیے —

وہ سڑک کے کنارے کھڑا ہوگیا کہ شاید اُدھر سے کوئی بیل گاڑی گزرے — کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد پیچھے سے ایک گھوڑ سواروں کا دستہ آیا جو ایک پالکی کو اپنی حفاظت میں لیے جا رہا تھا — عنبر سڑک سے ایک طرف ہٹ گیا — پالکی میں رنگون شہر کا سب سے بڑا برمی جوہری چھامو سوار تھا — اس کی شان دار پالکی کو چار گھوڑے چلا رہے تھے۔

اچانک عنبر کے قریب سے گزرتے ہوئے پالکی رُک گئی — پالکی کا ریشمی پردہ ایک طرف ہٹا — جوہری چھامو نے سر باہر نکال کر عنبر کو دیکھا اور ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا:

"تم لوگ کو کدھر کو جاتا؟"

عنبر نے بڑی صاف ستھری برمی زبان میں کہا:

"میں رنگون جانا چاہتا ہوں۔"

برمی جوہری بڑا خوش ہوا کہ یہ تو برمی نکلا — اُس نے کہا:

"تم شکل سے اچھے خاندان کے نوجوان لگتے ہو — اس لیے میں نے پالکی رکوالی تھی کہ اس ویرانے میں تمہیں کوئی سواری نہیں ملے گی — مگر تم شکل وصورت سے برما کے رہنے والے معلوم نہیں ہوتے۔ پھر تم ہماری زبان کیسے بول لیتے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"جناب، میں چھوٹا سا تھا کہ باپ کے ساتھ اس ملک میں آگیا تھا، پھر یہیں رہنے لگا اور اسی ملک میں جوان ہوا۔"

"اندر آجاؤ۔"

جوہری چھامو نے عنبر کو پالکی میں اپنے سامنے بٹھا لیا۔ پالکی آگے روانہ ہوگئی — جوہری چھامو ساٹھ پینسٹھ برس کی عمر کا بڑا

"ہاں انکل، لیکن ابھی انہیں اکٹھا کرنے کا سیزن نہیں آیا۔"

"تو پھر آپ میرے غریب خانے پر چل کر رہنا۔"

عنبر نے سوچا کہ اس شخص سے پیچھا چھڑانے کو یہی ایک طریقہ ہے کہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتے جاؤ اور زنگون پہنچ کر اس سے الگ ہو جاؤ۔

عنبر نے کہا:

"بہت بہتر جناب۔"

جوہری بڑا خوش ہوا۔ بگھی زنگون کی طرف جا رہی تھی۔

دوسری طرف ناگ کبوتر کی شکل میں سیاہ پوش کی تیز رفتار بگھی کے اوپر برابر اڑا چلا جا رہا تھا۔ شہر زنگون ابھی تین میل کے فاصلے پر تھا کہ بگھی دریائے ایراوتی کے کنارے ایک طرف جنگل میں مڑ گئی۔ یہاں جنگل میں درختوں کے نیچے اندھیرا چھایا ہوا تھا اور دریا کے دلدلی کنارے پر جگہ جگہ خونی مگرمچھ کیچڑ میں لیٹے ہوئے تھے۔ درختوں کی گنجان اور جھکی جھکی شاخوں میں زرد اور سبز رنگ کے بڑے بڑے سانپ لٹک رہے تھے اور اپنی سرخ زبانیں نکال کر پھنکاریں مار رہے تھے۔ بگھی کے گھوڑوں کو آگے گزرنے میں بڑی دقت ہو رہی تھی۔ کیونکہ درختوں کی شاخیں نیچے راستے پر جھکی ہوئی تھیں۔

گھوڑے ایک جگہ رک گئے۔ سیاہ پوش نے انہیں زور سے

چابک مارنے شروع کر دیے۔ گھوڑے اگلے پاؤں اٹھا کر زور سے ہنہنائے۔ ایسا کرتے ہوئے درخت کے اوپر لٹکے ہوئے سانپوں نے ان کی گردنوں پر ڈس دیا۔ گھوڑوں نے ایک بھیانک چیخ ماری اور لڑکھڑا کر گر گئے۔

سیاہ پوش نے سانپوں کو ڈستے دیکھ لیا تھا۔ وہ اوپر والی سیٹ سے چھلانگ لگا کر نیچے اترا۔ بگھی کا دروازہ کھول کر بے ہوش لڑکی کو کندھے پر ڈالا اور جنگل کے اندر جانے والے رستے پر چل پڑا۔

ناگ کبوتر کی شکل میں اس کے اوپر منڈلا رہا تھا۔ یہ سارا تماشا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ دونوں گھوڑوں کی لاشیں دریا کنارے دلدل پر پڑی تھیں اور بگھی آگے کو جھک گئی تھی۔ ناگ بگھی کے اوپر آ کر بیٹھ گیا۔ وہ کبوتر کی شکل میں جنگل میں نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے فوراً ایک اڑنے والے دو فٹ لمبے نسواری رنگ کے سانپ کا روپ دھار لیا۔

ناگ سانپ بن کر بگھی پر سے چھلانگ لگا کر نیچے اترا اور اس نے سیاہ پوش کے پیچھے پیچھے رینگنا شروع کر دیا۔ جہاں کہیں کوئی دلدل یا کوئی پانی سے بھرا ہوا کھڈ آ جاتا تو وہ اڑ کر اسے عبور کر جاتا۔ اسی طرح ناگ نے سیاہ پوش کا تعاقب جاری رکھا۔ جنگل کے بیچ میں بہت آگے جا کر ایک چھوٹا سا

"میں کہاں ہوں؟"

ناگ نے مسکرا کر اسی کی انگریزی زبان میں کہا:

"تم اپنے بھائی کے پاس ہو — کیا تمہارا نام سلومی ہے؟"

"ہاں —"

"تو پھر میرے ساتھ چلو — تمہارا ایک اور بھائی عنبر تمہارا جنگل میں انتظار کر رہا ہے۔"

"عنبر؟ کہاں ہے وہ؟ مجھے اس کے پاس لے چلو — کم بخت ایک چڑیل مجھے ٹیلے کے کھنڈر سے اٹھا کر لے گئی تھی۔"

ناگ نے کہا:

"وہ چڑیل اب کبھی تمہارے پاس نہیں آئے گی — اس نے جس شیطان کے حوالے تمہیں کیا تھا، اسے ایک سانپ نے ہلاک کر دیا ہے اور اس کی لاش وہ پڑی ہے —"

اس کے بعد ناگ نے سلومی کو ساتھ لیا اور جنگل کے دشوار اور خطرناک راستے سے گزرنے لگا — اس نے سلومی کو بتایا کہ میرا نام ناگ ہے اور میں عنبر کا پرانا دوست ہوں۔ سلومی نے پوچھا:

"بہادر شاہ بادشاہ کو اس کی امانت پہنچا دی گئی ہے کیا؟"

ناگ نے اسے عنبر کی ساری داستان سنا ڈالی اور بتایا کہ اب وہ لوگ شاہی امانت لے کر لاہور جا رہے ہیں، جہاں وہ بادشاہ کی پوتی شہزادی زیب النساء کو مغلیہ شاہی ہار دے دیں گے۔

سلومی نے اداس ہو کر کہا:

"اور میں اپنے ماں باپ کے پاس لندن کب جاؤں گی؟"

ناگ نے کہا:

"یہ عنبر کے پاس چل کر فیصلہ کرتے ہیں۔"

پُراسرار غار کی موتی

جنگل زیادہ گھنا اور خطرناک ہو گیا۔

سلومی کو ناگ کے بارے میں سوائے اس کے اور کچھ علم نہ تھا کہ وہ عنبر کا دوست ہے — اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اصل میں ایک سانپ ہے — جو زمین پر پانچ سو برس زندہ رہنے کے بعد اب جس شکل میں چاہے، نمودار ہو سکتا ہے — وہ جنگل میں ناگ کے ساتھ بے حد ڈری ڈری چل رہی تھی۔ دریا کے کنارے کنارے چل کر جنگل کے اس کچے راستے پر آ گئے جو آگے جا کر رنگون جانے والی سڑک پر جا نکلتا تھا۔ ناگ سوچنے لگا کہ اگر یہ انگریز لڑکی اُسے کبوتر بن کر اُڑتا ہوا دیکھ لے تو

خود غش کھا کر گر پڑے —

رنگون جانے والی سڑک پر آتے ہی انہیں ایک گھوڑا گاڑی مل گئی، جس نے شام ہونے سے پہلے پہلے انہیں رنگون پہنچا دیا —

ادھر مکار جوہری عنبر کو ساتھ لے کر اپنے شاندار بنگلے پر گیا — عنبر سرائے میں پہنچ کر ناگ کا انتظار کرنا چاہتا تھا — مگر جوہری نے کچھ ایسی چکنی چپڑی باتیں کیں کہ عنبر اس کے بنگلے پر آ گیا — اس نے فوراً نوکروں کو حکم دیا کہ شام کی چائے لگا دی جائے —

جوہری چھامو کا بنگلہ بڑا خوب صورت تھا — دریائے ایراوتی اس کے پیچھے سے گزرتا تھا — دو منزلہ پختہ بنگلہ تھا جس کے کمرے بڑے کھلے تھے اور سجے ہوئے تھے — شام کی چائے پینے کے بعد عنبر نے جانے کی اجازت مانگی تو جوہری چھامو نے کہا :

"میں تمہیں اپنا خاص بدھ مندر دکھانا چاہتا ہوں جو میں نے اپنے بنگلے میں ہی بنوا رکھا ہے — اس میں تمہیں دنیا کے بہترین بُت ملیں گے — آؤ میرے ساتھ — مندر دیکھ کر چلے جانا —"

عنبر نے سوچا کہ چلو رات ہونے تک واپس سرائے میں

پہنچ جاؤں گا۔ شاید ناگ بھی رات ہونے سے پہلے سرائے میں
نہیں آئے گا۔

برمی جوہری نے اس دوران میں اپنے خاص نجومی کو
خفیہ کمرے میں بلا کر عنبر کے بارے میں پوچھا تو اس نے
عنبر کا زائچہ دیکھ کر کہا:

"اس نوجوان کے پاس ایک ایسا ہیرے کا ہار ہے
جس کی قیمت اس وقت دس کروڑ پونڈ ہے۔"

یہ سن کر جوہری پھامو خوشی سے اچھل پڑا۔

"بس بس، اس کے آگے مجھے کچھ نہ بتاؤ۔"

نجومی نے کہا:

"ایک اور بات بھی زائچہ بتا رہا ہے اور وہ یہ ہے
اس لڑکے کے پاس کوئی ایسی خفیہ طاقت ہے کہ جس
مدد سے یہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ہاں، کسی کنوئیں میں لڑ
جانے سے یہ بے بس ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ سب سمجھ گیا۔ اب تم جاؤ۔"

نجومی کو رخصت کر کے جوہری پھامو نے عنبر کو ساتھ
اور اپنے بنگلے کے عقب میں آگیا۔ یہاں ایک پرانا من
جس کا دروازہ کوئی پانچ سو برس پرانا تھا۔ جوہری پھا
نے دل میں ایک سازش تیار کر رکھی تھی۔ وہ عنبر کو

کر مندر کے اندر داخل ہوگیا۔

عنبر نے دیکھا کہ دیوار کے طاقوں میں مہاتما بدھ کی بڑی
خوب صورت سنگِ مرمر اور کانسی کی مورتیاں پڑی تھیں۔ مندر
میں اندھیرا تھا۔ مگر چھت کے ساتھ لٹکے ہوئے مومی شمعدان
ہلکی ہلکی روشنی بکھیر رہے تھے۔ یہاں کا ماحول بڑا پُراسرار
تھا۔ مندر کے نیچے سیڑھیاں جاتی تھیں۔ جوہری اپنی بھاری
بھرکم توند کو سنبھالے آگے آگے جا رہا تھا۔

"آؤ میرے بیٹے، تمہیں اپنے مندر کا سب سے پرانا
سونے کا بت دکھاتا ہوں۔ یہ بت میرے پڑدادا نے رنگون
کے ایک قدیمی بادشاہ کے بیٹے سے خریدا تھا۔ تم نے ایسا
بت ساری زندگی نہیں دیکھا ہوگا۔"

عنبر یوں ہی وقت گزارنے کی غرض سے ساتھ ساتھ
چلا جا رہا تھا۔ سیڑھیاں ایک ایسے اندھیرے کمرے میں جا
کر ختم ہو گئیں جہاں ایک چھوٹا سا پانی کا تالاب بنا ہوا تھا۔
اس کے ارد گرد پتھر کا چبوترہ تھا۔

عنبر نے کہا:

"موم بتی نہیں ہے یہاں؟"

جوہری پھامو نے ایک مومی شمع دان روشن کرتے ہوئے
کہا:

"بس وہ سامنے طاق میں ہے سونے کا بُت — آ جاؤ، اس طرف سے آ جاؤ۔"

جوہری پھامو خود تو ایک طرف مومی شمعدان لے کر کھڑا رہا اور عنبر کو اس نے دوسری طرف سے آنے کا اشارہ کر دیا۔ عنبر کے دل میں بھی ایک پل کے لیے یہ خیال نہ آیا کہ کہیں اُس کے ساتھ کوئی خوف ناک دھوکا تو نہیں ہو رہا؟ وہ بے دھڑک تالاب کے کنارے چبوترے کی طرف بڑھا — اُس نے تیسرا قدم اُٹھا کر رکھا ہی تھا کہ اس کا پیر نیچے چلا گیا اور وہ دھڑام سے ایک اندھے کنوئیں میں گر پڑا — اُسے مکّار جوہری کے قہقہے کی آواز سنائی دی —

عنبر نے کہا:

"تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا انکل، آخر کیوں؟ میں نے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔"

مکّار جوہری نے اوپر سے آواز دی:

"اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو میں ایک دھاگا نیچے لٹکاتا ہوں — اس دھاگے کے سرے کے ساتھ وہ قیمتی ہار باندھ ڈالو — جو تمہارے پاس ہے — پھر میں تمہیں یہاں سے نکال دوں گا۔"

عنبر نے کہا:

"یہ ہار کسی کی امانت ہے، میں تمہیں کیسے دے سکتا ہوں؟"

جوہری نے جواب میں کہا:

"تو پھر قیامت تک اسی کنوئیں میں پڑے رہو گے، کیونکہ میرے جوتشی نے مجھے بتا دیا ہے کہ تم مر نہیں سکتے۔"

عنبر بڑا حیران ہوا کہ کم بخت اس کا اتنا قابل جوتشی کہاں سے آ گیا کہ اس نے ٹھیک ٹھیک حساب لگا کر بتا دیا — اُس نے کہا:

"انکل، میں تمہیں ہار نہیں دے سکتا — یہ کسی کی امانت ہے — مجھے یہ امانت اس کے پاس پہنچانی ہے —"

جوہری نے کنوئیں کے اوپر لکڑی کا ایک تختہ ڈال دیا۔ اور واپس اپنے بنگلے میں آ گیا — اس نے جوتشی کو بلا کر اس سے مشورہ کیا —

جوتشی نے کہا:

"فکر نہ کرو مالک، دو ایک دن کنوئیں میں پڑا رہے گا تو اپنے آپ سیدھی راہ پر آ جائے گا — دو روز بعد جا کر پتا کرنا، وہ ضرور قیمتی ہار تمہارے حوالے کر دے گا۔"

مکّار جوہری کو اس لیے بھی زیادہ فکر نہیں تھا کہ ہار اس کے اپنے کنوئیں میں پڑا تھا — دو دن بعد بھی وہ عنبر سے گفتگو کر سکتا تھا اور دس دن بعد بھی — اس نے یہ بھی فیصلہ کر رکھا تھا

کہ اگر دو تین دن کے بعد بھی عنبر نہ مانا تو وہ کنوئیں میں کھولتا
ہوا تیل انڈیل دے گا — ہو سکتا ہے جوتشی کا حساب غلط ہو۔
کیونکہ کوئی بھی انسان کھولتے ہوئے تیل میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

ادھر ناگ اور سلومی رات کے پہلے پہر کو رنگون کی سرائے
میں پہنچ گئے — یہاں انہوں نے کوٹھڑی میں بستر لگوا دیے اور عنبر کی
تلاش شروع کر دی — عنبر ابھی تک وہاں نہیں پہنچا تھا — ناگ نے
سلومی کو کوٹھڑی میں بیٹھے رہنے کی ہدایت کی اور عنبر کی تلاش میں
شہر میں نکل آیا —

شہر میں کہیں کہیں پرانی طرز کے بانس کے مکانوں اور سڑک
کے دونوں جانب بنی ہوئی سو سال پہلے کی دکانوں میں تیل کے
دیے اور موم شمعیں روشن تھیں — بہت کم لوگ دکھائی دے رہے
تھے — یہاں نہ ریڈیو کی آواز تھی، نہ ٹیلی وژن کی آواز تھی — نہ
کاروں، بسوں، سکوٹروں اور رکشوں کا شور تھا — ہر طرف ایک خاموشی
تھی —

سو سال پہلے کا رنگون اتنا بڑا شہر نہیں تھا جتنا وہ آج کل ہے۔
لوگ اندھیرا ہوتے ہی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ ناگ
نے سارے شہر کی گشت لگائی — ہر دکان میں جھانک کر دیکھا۔ ہر
سرائے میں جا کر پوچھا — عنبر کہیں نہیں تھا — وہ یہ سوچ کر واپس
آ گیا کہ ہو سکتا ہے وہ کسی انسان کی مدد کرنے راستے میں کہیں

ل گیا ہو —

اس نے سلومی سے کہا:

"عنبر کو راستے میں شاید کوئی ضروری کام پڑ گیا ہوگا۔ ہم اس
اسی سرائے میں بیٹھ کر انتظار کریں گے۔"

سلومی نے کہا:

"کہیں وہ کسی مصیبت میں تو نہیں پھنس گیا؟"

ناگ بولا:

"مصیبت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی — فکر نہ کرو —"

لیکن اس وقت عنبر جس مصیبت میں تھا، کم از کم وہ اس کا
بہت کچھ بگاڑ سکتی تھی — یعنی یہ مصیبت کیا کم تھی کہ عنبر اس تنگ
ے اندھیرے کنوئیں میں سے باہر نہیں نکل سکتا تھا — وہ کنوئیں
کی تہہ میں خشک اور گیلے پتھروں پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ وہاں
سے کس طرح باہر نکلے —

اوپر سے کنوئیں کا منہ بند تھا اور اندر گہرا اندھیرا چھایا ہوا
تھا — عنبر نے اٹھ کر دوسری بلکہ تیسری بار کنوئیں کی گول دیوار
کو ٹٹولنا شروع کر دیا —

یہ کنواں ایک ہزار برس پرانا تھا اور مکار جوہری کو بھی نہیں
معلوم تھا کہ اس کے نیچے کیا اسرار اور راز چھپا ہوا ہے۔ عنبر نے
ایک اینٹ کو ذرا سا کھینچا تو وہ اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس نے

باقی سوراخ میں گردن ڈال کر دوسری طرف دیکھا۔ دوسری طرف اُسے
پانی کے کسی جگہ سے گرنے کی ٹپ ٹپ آواز آ رہی تھی۔ عنبر کو
محسوس ہوا کہ ادھر کافی جگہ خالی خالی ہے۔ وہ سوراخ میں سے
گزر کر دوسری طرف آ گیا۔ اس کے پاؤں پتھر کی سیڑھی پر ٹِک
گئے۔ تین سیڑھیاں اُتر کر وہ پانی میں آ گیا۔ پانی اُس
کے ٹخنوں تک تھا۔ اس کے کندھے دیواروں کو چھو رہے تھے۔ وہ
پانی میں آگے چل پڑا۔

اندھیرا بہت گہرا تھا۔ عنبر کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔
اتنا اُسے احساس تھا کہ وہ ایک لمبی سرنگ میں چل رہا ہے۔
چھت اُس کے سر سے کوئی دو تین فٹ اونچی تھی۔ خدا جانے اب
کس طرف سے روشنی کی دھندلی سی لہر آ رہی تھی، جس سے سرنگ
کا پانی عنبر کو دکھائی دینے لگا تھا۔

جوں جوں وہ آگے بڑھ رہا تھا، پانی گہرا ہوتا جا رہا تھا۔
آخر پانی عنبر کے کندھوں تک آ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا
رہا۔ سرنگ کبھی دائیں طرف کو مڑ جاتی اور کبھی بائیں طرف کو مڑ
جاتی تھی۔ عنبر کو یقین تھا کہ یہ سرنگ ضرور کہیں نہ کہیں کسی
نہ کسی جگہ باہر ضرور نکلتی ہے۔

پانی گدلا تھا اور اس میں سے تیز بُو اُٹھ رہی تھی۔ ایسے
لگتا تھا جیسے وہ کئی صدیوں سے سرنگ میں اپنی جگہ کھڑا ہے۔

کسی جگہ سے سرنگ کی چھت پر سے پانی کے قطرے بھی ٹپک
رہے تھے۔

شڑاپ کی آواز کے ساتھ کسی نے سرنگ کی دیوار کے
سوراخ میں سے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ عنبر رُک گیا۔ کوئی
شے پانی میں تیرتی ہوئی اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دھندلی
روشنی میں عنبر نے دیکھا کہ وہ شے پانی کی سطح پر اپنے پیچھے
لہریں چھوڑ رہی تھی۔

عنبر سمجھ گیا۔ وہ ایک سانپ تھا، پانی کا سانپ۔ برما
کے پانی کے سانپ بے حد زہریلے ہوتے ہیں اور یہ پانی کے
اندر ڈبکی لگا کر تیرتے انسانوں کو بھی کاٹ لیتے ہیں۔ سانپ عنبر
کے قریب آ گیا تھا۔

عنبر ایک طرف ہٹ کر سرنگ کی دیوار کے ساتھ لگ گیا،
لیکن سانپ نے اُسے ڈس دیا۔ عنبر نے ہاتھ بڑھا کر سانپ
کو گردن سے پکڑ لیا۔ سانپ پانچ چھ فٹ لمبا تھا۔ اس نے
عنبر کے بازو کے گرد بل ڈال دیے اور اُسے کسنا شروع کر دیا۔
لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ عنبر نے سانپ کے سر کو
سرنگ کی دیوار سے رگڑ کر کچل ڈالا۔

مرے ہوئے سانپ کو پانی میں پھینک کر عنبر نے پھر آگے
بڑھنا شروع کیا۔ سرنگ اب تھوڑی چوڑی ہو گئی تھی۔ پانی بھی

کم ہونے لگا تھا۔ آخر پانی ٹخنوں تک آگیا، مگر سرنگ پھر تنگ ہو
گئی — عنبر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ سرنگ کہاں جاکر
ختم ہوگی — کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ سرنگ سارے شہر زیگون
کے نیچے گھوم گئی ہے ! ایسی صورت میں تو اس کی بھول بھلیوں میں
پھنس کر رہ جائے گا — ہو سکتا ہے اسے پھر واپس اسی موت
کے کنوئیں میں آنا پڑے — لیکن اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ
سرنگ کہیں نہ کہیں ضرور باہر نکلتی ہے —

سرنگ کی روشنی ختم ہوگئی — اب پھر وہاں اندھیرا چھاگیا۔ عنبر
سرنگ کی دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا — وہ گیلی زنگ
بھری پتھریلی دیوار پر ہاتھ رکھے آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک
جگہ اس کا ہاتھ دیوار کے اندر چلا گیا — عنبر رُک گیا۔ یہاں دیوار
میں ایک سوراخ تھا — اس سوراخ میں سے ہلکی روشنی کی دھندلی
دھندلی کرنیں باہر آرہی تھیں —

سوراخ چھوٹا تھا، عنبر کا سر اندر نہیں جا سکتا تھا — وہ
بڑا حیران ہوا کہ وہاں روشنی کہاں سے آرہی تھی ؟ شاید یہاں سے
باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہو —

عنبر نے دیوار کی کچھ اینٹیں گرادیں — پھر اس نے سر ڈال کر
اندر جھانکا — یہ ایک چھوٹا سا تہ خانہ تھا — جس کے پہلو میں
ایک اور چھوٹی سی سرنگ اندر کو جا رہی تھی۔ روشنی اس سرنگ

سے نکل رہی تھی — وہ سوراخ میں سے گزر کر تہ خانے میں آگیا۔
یہاں فرش پر پتھر بکھرے پڑے تھے — فضا میں گھٹن اور تیز بُو
تھی —

عنبر پہلو والی سرنگ میں داخل ہوگیا — فرش پر پانی بالکل
نہیں تھا — روشنی کی وجہ سے عنبر آسانی سے آگے بڑھنے
لگا —

اُسے ایک آواز ہر قدم پر قریب آتی محسوس ہو رہی تھی۔
یہ آواز ایسی تھی جیسے کسی آپریشن تھیٹر کی مشین میں انسان کا دل
دھڑک رہا ہو —

دھم دھم دھم دھم —

بڑے رونگٹے کھڑے کر دینے والی آواز تھی۔ عنبر نے سوچا،
کہیں یہ اُس کے اپنے دل کی آواز تو نہیں ہے ؟ اُس نے
کھڑے ہوکر اپنے دل کی آواز سننے کی کوشش کی — نہیں، یہ
اس کے اپنے دل کی آواز نہیں تھی — یہ آواز سرنگ کے آگے
سے آرہی تھی — عنبر کو وہ چڑیل یاد آگئی۔ جس نے پہاڑی
والے مندر میں اپنا سر کاٹ کر الگ کر لیا تھا — کہیں یہاں
بھی تو کوئی چڑیل اس کا انتظار نہیں کر رہی !

پُر اسرار آواز اب زیادہ صاف سنائی دینے لگی — عنبر رکا
نہیں، بڑھتا رہا۔ وہ اس انسانی دل کی اتنی بلند آواز کا معما

حل کرنا چاہتا تھا — آواز زیادہ بلند ہوگئی۔ سرنگ ایک طرف
گھومی تو عنبر ششدر ہو کر وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا — اس کے
سامنے دیوار آگئی تھی — سرنگ یہاں بند ہوگئی تھی — سامنے
دیوار میں ایک طاق تھا، جس میں ایک سیاہ رنگ کی مورتی
رکھی تھی — مورتی کی شکل بڑی ڈراؤنی تھی اور کسی چڑیل سے
ملتی جلتی تھی — اس کے آگے ایک دیا جل رہا تھا — مورتی کی
آنکھیں سرخ تھیں جن میں سے سرخ شعاعیں نکل رہی تھیں —
مورتی کے سیاہ جسم کے اندر سرخ دل صاف دھڑکتا دکھائی
دے رہا تھا — یہ اسی دل کی آواز تھی جو سرنگ میں گونج
رہی تھی —

عنبر وہیں رکا، مورتی کو تکنے لگا۔

مورتی کی سرخ آنکھوں کے ڈیلے حرکت کرنے لگے۔ کبھی
وہ آہستہ سے دائیں ہو جاتے، کبھی بائیں طرف کو گھوم جاتے پھر
وہ سیدھے عنبر کے چہرے کی طرف گھورنے لگے — سیاہ مورتی کے
دو سفید دانت باہر نکلے ہوئے تھے، جن میں سے عنبر کو خون
کے قطرے ٹپکتے نظر آرہے تھے۔

مورتی کے دل کے دھڑکنے کی آواز آہستہ ہوتے ہوتے
غائب ہوگئی۔ مگر اسے مورتی کا دل اسی طرح دھڑکتا صاف دکھائی
دے رہا تھا —

اچانک مورتی کا ایک بازو اوپر اٹھنا شروع ہوا — عنبر نے
دیکھا کہ اس ہاتھ میں ایک ترشول تھا جس کے آگے تین خنجر
لگے تھے — پھر مورتی کے ہاتھ نے پوری طاقت سے عنبر کی
طرف تین خنجروں والا ترشول پھینک دیا — آندھی طوفان کی آواز
بلند ہوئی اور ترشول عنبر کی گردن سے ٹکرا کر نیچے گر پڑا — مورتی
نے عنبر کی گردن کا بڑا درست نشانہ لیا تھا —

مورتی کا دوسرا بازو حرکت میں آیا — اس ہاتھ میں سانپوں
کا ایک گچھا لہرا رہا تھا اور چھوٹے بڑے کتنے ہی سانپ پھنکاریں
مار رہے تھے۔ مورتی نے سارے سانپوں کا یہ گچھا عنبر کی طرف
اچھال دیا — سارے کے سارے سانپ عنبر کے سر پر آکر گرے۔
اور دیکھتے دیکھتے اس کے جسم سے لپٹ کر اسے ڈسنے لگے — مگر
ہوتا یہ تھا کہ جو سانپ عنبر کو ڈستا وہ اپنے آپ اس کے بدن
کو چھوڑ کر نیچے گرتا اور مر جاتا۔ تمام سانپ ایک ایک کر کے
مر گئے —

مورتی ابھی تک عنبر کی طرف غضب ناک آنکھوں سے دیکھ
رہی تھی — اس کا ہر وار ناکام جا رہا تھا — اس کا سرخ سرخ
دل ایک دم سے پھر دھم دھک کی آواز سے دھڑکنا شروع ہوگیا۔
تہ خانے میں گویا موت کی آواز گونجنے لگی —

اب عنبر نے آگے بڑھ کر مورتی پر حملہ کر دیا۔ اس نے فرش

پورے وہی ترشول اٹھا کر اس کے تینوں خنجر مورتی کے دھڑکتے
ہوئے دل میں گھونپ دیے — فضا میں ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی۔
اور سیاہ مورتی کے سینے سے خون کا فوارہ اچھل پڑا۔ عنبر جلدی
سے پیچھے ہٹ گیا —

اس کے ساتھ ہی مومی شمع بجھ گئی — تہ خانے میں اندھیرا
چھا گیا — مورتی غائب ہوئی اور اس کی جگہ دیوار میں ایک
گول سوراخ بن گیا —

وہ سوراخ میں سے دوسری طرف اتر گیا — اس کا خیال تھا کہ یہ
آبشار کسی پہاڑی کے دامن میں گر رہا ہے — اور وہ باہر
نکل سکے گا۔

یہ ایک گول سرنگ تھی، جس کی سیڑھیاں دور نیچے تک
چلی گئی تھیں — آگے جا کر سیڑھیاں پھر اوپر کو چڑھنا شروع
ہو گئیں — سیڑھیوں کے آخر میں ایک نیچی چھت کا ہال کمرہ سا
آ گیا — جس میں کتنے ہی پتھر کے ستون فرش سے چھت تک
گئے ہوئے تھے — یہاں ہر ستون کے ساتھ ایک مورتی بنی ہوئی
تھی — ہر مورتی کی آنکھوں سے آگ کے شرارے نکل رہے
تھے —

عنبر کے جاتے ہی فضا میں عورتوں کی چیخیں بلند ہونے لگیں۔
عنبر ایک ستون کے ساتھ چپ چاپ کھڑا ہو گیا — عورتوں کی چیخیں

ختم ہوئیں تو ایسی بھیانک آوازیں آنے لگیں جیسے قبرستان میں
بے شمار چڑیلیں ایک ساتھ بین کر رہی ہوں۔

عنبر نے دیواروں کو دیکھنا شروع کیا کہ شاید کہیں سے باہر
جانے کو کوئی راستہ مل جائے — مگر سب دیواریں سخت پتھر
کی تھیں پھر اچانک سامنے کی دیوار شق ہو گئی۔ اس میں سے ایک
بہت بڑا اژدہا جس کے چھ سات منہ تھے، باہر نکل آیا۔ اس
کا سب سے بڑا منہ درمیان میں تھا اور ایک غار کی طرح کھلا
تھا — اس کی سرخ زبان اس غار میں سے بار بار باہر نکل
رہی تھی —

عنبر کچھ پریشان سا ہو گیا — پھر اس نے بہادری سے
اس بلا کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور آگے بڑھا۔ اژدہا ایک
گرجدار پھنکار کے ساتھ اس کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا —
یہ اتنا بڑا اژدہا تھا کہ اس نے آدھا کمرہ چھپا لیا تھا۔ اس
کا سب سے بڑا سر چھت کو چھو رہا تھا — عنبر نے ایک پتھر
اٹھا کر زور سے اژدہا کے سر پر مارا — اس کا اژدہا پر کوئی اثر نہ
ہوا — اژدہا غصے میں آ کر پھنکارا — اس نے اتنے زور سے سانس
اندر کی طرف کھینچا کہ فرش پر گرے پڑے پتھر اُڑ اُڑ کر اژدہا
کے منہ میں جانے لگے —

عنبر نے ایک ستون کو پکڑ لیا — تیز آندھی اسے اژدہا کی

طرف کھینچ رہی تھی — اُس نے پوری طاقت سے ستون کو پکڑ لیا تھا، لیکن اژدہا نے دوسری بار جب سانس اندر کو کھینچا تو ستون اپنی جگہ سے ٹوٹ کر گر پڑا اور عنبر کا ہاتھ چھوٹ گیا۔ وہ کاغذ کے پرزے کی طرح اڑتا ہوا اژدہا کے منہ کے اندر چلا گیا — اس کے اندر آتے ہی اژدہا نے ایک گرج دار آواز نکالی اور اپنا منہ بند کر لیا — وہ واپس مڑا اور غار میں چلا گیا — دیوار پھر اپنی جگہ پر آ گئی —

عنبر اژدہا کے پیٹ میں پھسل کر آن گرا تھا — اُس نے آنکھیں کھول کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی — اُسے اپنے سر کے اوپر اژدہا کی پسلیوں کی چھت نظر آئی —

- عنبر اژدہا کے پیٹ سے کیسے باہر نکلا؟
- ناگ اور عنبر سلومی کی دوبارہ ملاقات کہاں ہوئی؟
- اگلی قسط میں ناگ عنبر کی پیاری بہن ماریا انہیں کیونکر ملی؟
- اور عنبر نے شاہی نوجھے یار کی امانت کس طرح شہزادی زیب النساء تک پہنچائی؟

اِن سارے سوالوں کے جواب

"ناگ لندن میں"

میں ملیں گے

ناگ لندن میں

اے۔ حمید

قیمت پانچ روپے

جملہ حقوق بحق [illegible] محفوظ ہیں

بار اول : نومبر [illegible]
تعداد : دو ہزار

[illegible]
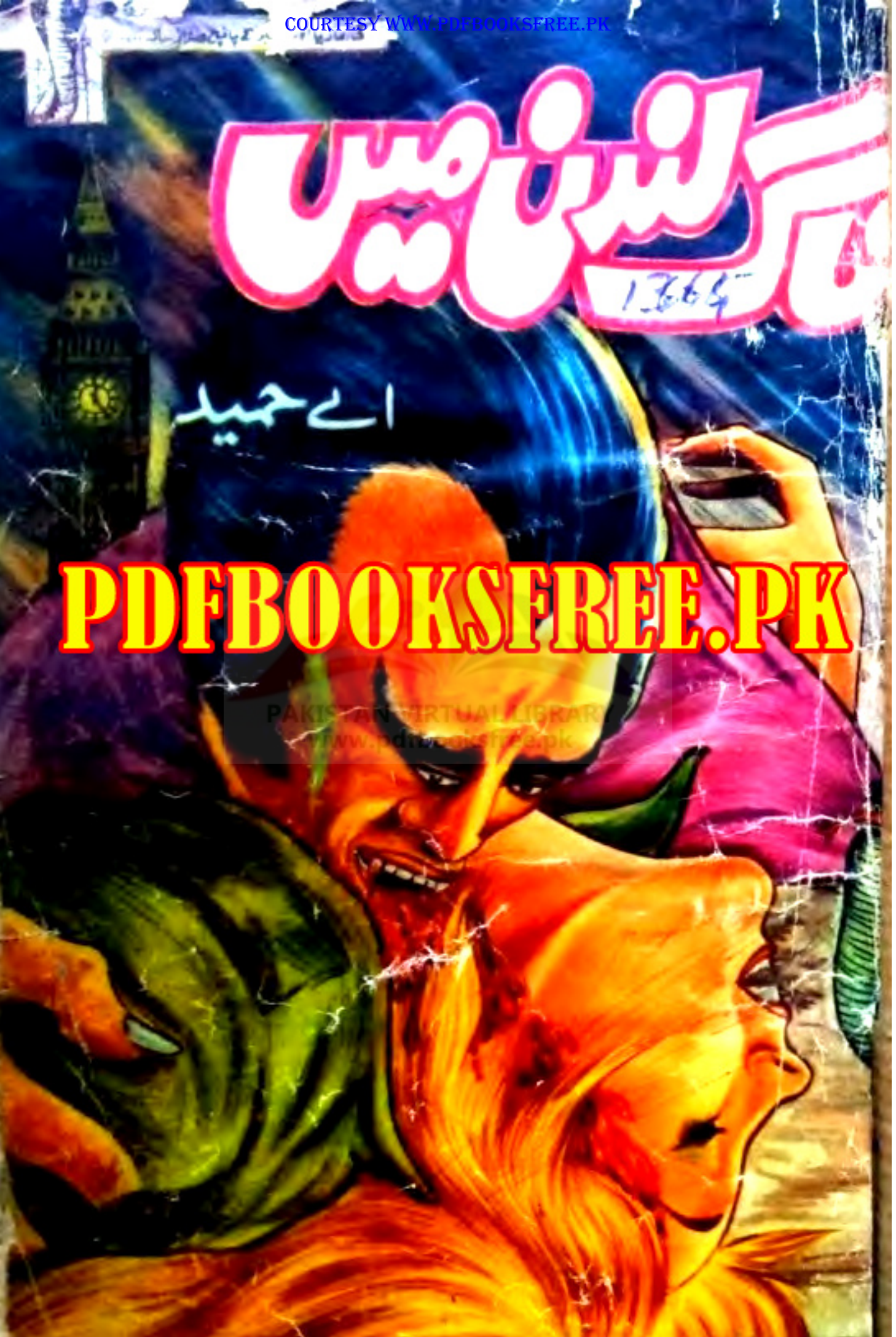
پیارے دوستو،

"موت کے تعاقب کی واپسی" کی پانچویں قسط حاضر ہے۔ پچھلی قسط میں آپ نے پڑھا کہ عنبر کو ایک غار میں اژدہا نے نگل لیا۔ اب کیا ہوا کہ عنبر اژدہا کی پسلیاں توڑ کر اس کے پیٹ سے باہر نکل آیا۔ اُس نے بڑی مشکل کے ساتھ سرنگ عبور کی کے پاس باہر آگیا۔ اُس نے مکار جوہری سے جا کر انتقام لیا۔ ناگ اُسے زنگون میں نہ مل سکا تو عنبر نولکھا ہار کی امانت شہزادی زیب النساء کو پہنچانے لاہور کی طرف روانہ ہوگیا۔ یہاں اُسے کئی سنسنی خیز واقعات پیش آتے ہیں۔ آدھی رات کو ایک سکھ ڈاکو چھت توڑ کر شہزادی کو اٹھا کر لے جاتا ہے۔ عنبر اُس ڈاکو کی حویلی میں جا کر زبردست لڑائی کے بعد شہزادی کو واپس لاتا ہے اور یہاں پہلی بار اس کی ملاقات اس کی بہن اور پرانی دوست ماریا سے ہوتی ہے۔ اب ان دونوں کا اکٹھا سفر شروع ہوتا ہے۔ دونوں شہزادی زیب النساء کو لے کر سرحد عبور کرنے لگتے ہیں کہ شہزادی پکڑی جاتی ہے۔ اب ماریا رات کے اندھیرے میں قلعے میں داخل ہوتی ہے اور اندھیری سیڑھیاں اترتی تہہ خانے میں آجاتی ہے۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ یہ آپ کو خود ہی پڑھنے کے بعد معلوم ہوجائے گا۔

ترتیب :

پُراسرار جاسوس

عنبر کے اوپر اژدہا کی پسلیوں کی چھت پڑی تھی۔

اژدہا کے پیٹ میں اندھیرا تھا — پھر بھی عنبر نے اژدہا کے پیٹ میں ایک سالم بکرے کو مُردہ پڑے دیکھا — اس نے سوچا کہ یہاں سے اب باہر نکلنا چاہیے۔ عنبر کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اس نے ہاتھ اوپر اُٹھا کر اژدہا کی دو پسلیوں کو پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا — دونوں پسلیاں ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گئیں — اژدہا تکلیف سے تڑپا — عنبر نے ایک ایک کر کے اژدہا کی کتنی ہی پسلیاں توڑ ڈالیں — پھر ایک پسلی کو چھری کی طرح پکڑ کر اژدہا کا پیٹ چیر ڈالا —

عنبر اژدہا کے پیٹ سے باہر آ گیا — اژدہا تڑپ رہا تھا۔ اس نے عنبر پر مرتے مرتے ایک بار پھر حملہ کیا — اپنا منہ کھول کر عنبر کو نگلنا چاہا — مگر عنبر نے اس کی موٹی گردن کو دبوچ کر ایسا دبایا کہ اژدہا کی جان نکل گئی — عنبر اژدہا کی غار سے باہر نکلا — اب غار کی پُراسرار موتی ایک چڑیل کی

شکل میں اس کے سامنے آن کر کھڑی ہو گئی اور اپنے لمبے لمبے ناخنوں والے ہاتھ اس کی طرف بڑھائے۔

عنبر نے کہا:

"اے خبیث چڑیل، تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی — میرے راستے سے ہٹ جا — نہیں تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

چڑیل نے ایک بھیانک چیخ ماری — غار کی دیواریں گونج اٹھیں۔

"تو نے میرے اژدہا کو مار ڈالا ہے۔ اب میں تجھے نہیں چھوڑوں گی — میں تجھے کھا جاؤں گی۔"

عنبر ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا — اُسے معلوم تھا کہ چڑیل اس پر حملہ کرے گی — وہ اُس کے حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا — چڑیل کے منہ سے اچانک آگ کا لمبا شعلہ نکلا اور عنبر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا — مگر عنبر کو کچھ نہ ہوا۔ چڑیل نے دوسرا وار کیا — اُس نے اپنا خونی پنجے والا ہاتھ عنبر کی گردن پر مارا — اس کا ہاتھ جیسے کسی فولاد کے کھمبے سے ٹکرایا۔ چڑیل نے چیخ ماری —

عنبر نے آگے بڑھ کر چڑیل کو گردن سے پکڑ لیا — چڑیل نے بہت زور لگایا مگر وہ اپنی گردن نہ چھڑا سکی — اس نے بھی عنبر کو اپنے خوفناک بالوں والے کالے سیاہ بازوؤں میں

جکڑ لیا — وہ اُسے بھینچ کر ہلاک کر دینا چاہتی تھی، لیکن وہ ایسا نہ کر سکی —

عنبر نے چڑیل کی گردن نہ چھوڑی —

چڑیل اپنے منہ سے آگ اُگلنے لگی۔ آگ کے نیلے سُرخ شعلے عنبر کے منہ پر پڑ رہے تھے، مگر عنبر پر ان کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا — اتنے میں عنبر نے چڑیل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا اور پھر اُسے پوری طاقت سے زمین پر دے مارا۔ ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ چڑیل نے چیخ ماری — عنبر نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر اُسے وہیں کچل دیا جس طرح سانپ کو کچلا جاتا ہے —

ایک آخری چیخ چڑیل کے منہ سے نکلی اور اس کی لاش بے حس ہو گئی — عنبر نے چڑیل کی لاش کو وہیں چھوڑا اور غار میں آگے بڑھنے لگا۔

اب اُسے غار کے آخر میں روشنی کا ایک نقطہ دکھائی دیا۔ جو آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا — یہ دن کی روشنی تھی جو باہر سے اندر آ رہی تھی — باہر دن چڑھ آیا تھا — خدا جانے عنبر کو غار میں کتنا وقت گزر گیا تھا۔

عنبر نے باہر آ کر دیکھا — وہ ایک جنگل میں تھا — چاروں طرف اونچے اونچے درخت تھے — ایک راستہ ان درختوں میں سے باہر

کو جاتا تھا۔ آسمان پر کالے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ ابھی بارش ہوئی کہ ہوئی۔

عنبر نے اس راستے پر چلنا شروع کر دیا۔ چلتے چلتے وہ دریائے ایراوتی کے کنارے آ گیا۔ اسے خیال آیا کہ جس مکار جوہری نے اسے ہلاک کر کے اس کے قیمتی شاہی ہار پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا بنگلہ دریا کنارے ایک طرف سپاری اور ناریل کے درختوں کے درمیان کھڑا ہے۔

عنبر نے سوچا کہ ذرا کمینے جوہری پھاموسے چل کر دو دو باتیں کی جائیں۔ وہ بنگلے کے دروازے سے گزر کر اندر باغ میں آ گیا۔ باغ خالی پڑا تھا۔ سامنے بنگلے کے برآمدے میں بانس کی کرسیاں بچھی تھیں۔ بیچ میں بانس کی گول میز رکھی تھی جس پر چائے کا سامان پڑا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ کوئی ابھی ناشتا کرنے آئے گا۔

عنبر بڑے آرام سے کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے پیالی میں چائے بنائی اور مزے سے پینے لگا۔ اتنے میں ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور مکار برمی جوہری اپنے جوتشی سے برمی زبان میں باتیں کرتا برآمدے میں نمودار ہوا۔ وہ اپنے جوتشی سے کہہ رہا تھا:

"وہ بچ کر نہیں جا سکتا۔ زمین کے نیچے پرانی سرنگ میں چلا گیا ہو گا۔ ہم اُسے ....."

اچانک اس نے اپنے سامنے عنبر کو کرسی پر بیٹھے چائے پیتے دیکھا اور اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ بات کرنی بھول گیا۔ جوتشی بھی حیرانی سے عنبر کو تکنے لگا۔ جوہری کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔

"تم۔ تم۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"ہاں، میں۔ تم مجھے دیکھ کر ضرور حیران ہو گے۔ تمہیں حیران ہونا ہی چاہیے۔ میں جانتا ہوں، یہ سب کچھ تم نے میرے نولکھے ہار پر قبضہ جمانے کے لیے کیا تھا۔ تم اپنی طرف سے مجھے مار بیٹھے تھے، لیکن کیا تمہارے اس جوتشی جادوگر نے یہ نہ بتایا کہ میں ابھی مر نہیں سکتا؟"

جوتشی نے جیب سے ایک سیاہ رنگ کا چھوٹا سا مٹی کا پتلا نکال کر اسے عنبر کی طرف پھینکا۔ عنبر کے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ جوہری بڑا خوش ہوا کہ جوتشی کے جادو سے عنبر بچ نہ سکے گا۔ اُس نے جوتشی سے کہا:

"شاباش، یہ زندہ بچ کر نہ جائے۔"

جوتشی نے جوش کے ساتھ کہا:

"یہ ابھی بھسم ہو جائے گا مالک۔"

مگر عنبر کے کپڑے صحیح سلامت تھے — آگ کے شعلے بجھ گئے اور عنبر کے جسم کا ایک بال بھی نہ آگ میں جل سکا — جوہری پریشان ہو گیا — اس نے جوتشی کو کوئی دوسرا جادو پھونکنے کے لیے کہا — عنبر بولا :

"اس کا کوئی جادو مجھ پر نہیں چلے گا۔"

پھر اس نے جوتشی کی طرف دیکھ کر کہا :

"اب میرے حملے سے بچ سکتے ہو تو بچ کر دکھاؤ۔"

جوتشی نے جیب سے ایک چھوٹی سی کتاب نکال کر اس کا ایک ورق پھاڑا اور اُسے اپنے سر کے اوپر رکھ لیا — جوتشی کے ارد گرد شیشے کی ایک گول دیوار کھڑی ہو گئی — عنبر ہنسا —

"تمہارا کوئی بھی جادو تمہیں موت سے نہ بچا سکے گا۔"

پھر عنبر نے آگے بڑھ کر شیشے کی گول دیوار پر زور سے ہاتھ مارا — شیشے کی دیوار چکنا چور ہو گئی — جوتشی بھاگنے لگا تو عنبر نے وہیں دبوچ لیا —

"اب تم بھاگ نہیں سکتے — تم نے نہ جانے اس ذلیل دولت کے پجاری جوہری پھامو کے لیے کتنے بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہو گا — اب تمہیں تمہارے بُرے کاموں کی سزا ملے گی۔"

جوتشی نے عنبر پر آخری وار کیا اور خنجر نکال کر عنبر کی گردن

میں گھونپنا چاہا لیکن خنجر عنبر کی گردن سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا — عنبر نے جوتشی کو گردن سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور پھر اسے اپنے سر کے ارد گرد دو تین بار گھما کر اتنے زور سے آسمان کی طرف اچھالا کہ وہ جوہری کے دیکھتے دیکھتے بادلوں میں گیا — پھر وہاں سے تڑپتا ہاتھ پاؤں مارتا باہر نکلا اور کیکڑے کی طرح الٹا پلٹتا بنگلے کے باغ سے بہت دور جنگل کی دلدل میں گر کر مر گیا —

عنبر نے مکار جوہری کی طرف دیکھا —

"انکل، اب تمہارا کیا خیال ہے، اپنے بارے میں ؟"

جوہری پھامو تھر تھر کانپ رہا تھا — وہ عنبر کے آگے گھٹنوں پر جھک گیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا :

"میری خطا معاف کر دو بیٹا، مجھ سے بڑی بھول ہو گئی — میں تمہاری طاقت کو نہیں جانتا تھا۔"

عنبر نے کہا :

"لیکن تمہیں تمہارے جرم کی سزا ضرور ملے گی تاکہ تمہیں احساس ہو جائے کہ کسی کے ساتھ برائی کرنا اور اس کی جان لینے کی کوشش کرنا کس قدر گھناؤنا گناہ ہے — میرے ساتھ آؤ۔"

"کہاں ؟" جوہری نے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔

عنبر نے جوہری کو بازو سے پکڑ کر کہا :

"جہاں تم نے مجھے پھینکا تھا —"

اس عرصے میں جوہری کے سارے نوکر وہاں جمع ہو چکے
تھے۔ ان میں سے ایک نوکر کے پاس سٹین گن تھی — اُس نے
جو اپنے مالک کو مصیبت میں دیکھا تو عنبر کے سر کا نشانہ لے کر
گولیاں چلانا شروع کر دیں — تڑاتڑ تڑاتڑ کی آوازوں کے ساتھ
سٹین گن کی گولیاں شعلہ اگلتی نالی سے نکل نکل کر عنبر کے سر
سے ٹکرانے اور نیچے گرنے لگیں — عنبر نے مُڑ کر نوکر کی طرف
دیکھا — نوکر پہلے ہی یہ دیکھ کر دہشت زدہ ہو چکا تھا کہ پچاس
گولیاں کھانے کے بعد بھی عنبر کے سر پر ہلکی سی خراش بھی نہ
آئی تھی — اس نے سٹین گن نیچے پھینک دی اور ہاتھ باندھ
کر سر جھکا دیا۔

"جے دیوتا ، جے دیوتا"

وہ عنبر کو کوئی آسمانی دیوتا سمجھنے لگا تھا کہ جس پر گولی
نے بھی کوئی اثر نہیں کیا تھا — عنبر نے دوسرے نوکروں کی طرف
دیکھا — سارے نوکر اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔
عنبر نے مکار جوہری کو ساتھ لیا اور بنگلے کے پچھواڑے پرانے مندر
کے آگے اندھے کنوئیں پر آ گیا — جوہری کی تو جان نکلی جا رہی
تھی۔ چہرہ خوف سے سفید پڑ چکا تھا — عنبر نے اُسے کنوئیں کی
منڈیر کے اوپر کھڑا کر کے کہا:

"جو کسی کے لیے گڑھا کھودتا ہے، اس کے لیے کنواں تیار

ہوتا ہے — اب اپنے کیے کی سزا بھگتو"

اور یہ کہہ کر عنبر نے جوہری کو کنوئیں میں دھکیل دیا — جوہری
کی بھیانک چیخ کنوئیں کے اوپر سے شروع ہو کر کنوئیں کی تہہ تک
گونجتی چلی گئی — اس کے بعد کنوئیں میں خاموشی چھا گئی۔ عنبر نے
کنوئیں میں جھانک کر کہا:

"اب اگر تم مر جاؤ یا تمہیں تمہارے نوکر رسی کی مدد سے
نکال لیں تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا"

اتنا کہہ کر عنبر واپس پلٹا — نوکر دور بنگلے کے پچھلے برآمدے
میں ہاتھ باندھے کھڑے تھے — عنبر ان کے قریب سے گزرا تو
وہ تھر تھر کانپنے لگے —

عنبر نے کہا:

"مجھے فوراً پالکی میں بٹھا کر رنگون کی بندرگاہ والی سرائے
میں لے چلو"

"جو حکم آقا"

ایک نوکر نے سر جھکا کر کہا اور عنبر کے آگے چل دیا — یہ
جوہری کا سائیس یعنی پالکی کا کوچوان تھا — عنبر ریشمی پردوں
اور مخمل کے گدوں والی پالکی میں بیٹھ گیا — نوکر نے گھوڑوں کو ہلکی
سی چابک دکھائی اور وہ شہر کی بندرگاہ کو جانے والی سڑک پر
دریا کے ساتھ ساتھ چل پڑے —

اب ہلکا ہلکا مینہ برسنا شروع ہو گیا۔ بادل بڑے گہرے ہو گئے تھے۔ دریا میں تیز ہوا کی وجہ سے ہلکی ہلکی لہریں اُٹھ رہی تھیں۔ یہ دریا چونکہ آگے جا کر سمندر سے جا ملتا تھا اس لیے اس کا پاٹ بڑا چوڑا تھا اور دوسرا کنارا بڑا دُور دکھائی دیتا تھا۔

اِدھر اب ایسا ہوا کہ شام کو ناگ اور سلومی نے عنبر کو سارے شہر میں تلاش کر مارا۔ عنبر کا کہیں کوئی پتہ نہ چلا۔ دوسرے دن بھی انہوں نے سرائے میں عنبر کا انتظار کیا۔ عنبر نہ آیا۔ اب سلومی پریشان ہو گئی۔ کیونکہ اُسے اب اپنے ماں باپ کی یاد ستانے لگی تھی جو لندن میں تھے۔ انہیں کوئی خبر نہ تھی کہ ان کی بیٹی کہاں ہے؟ جہاز کے غرق ہونے کی خبر اُن تک شاید پہنچ بھی چکی ہو اور وہ یہی سمجھے بیٹھے ہوں کہ سلومی سمندر میں ڈوب گئی ہو گی۔ سلومی اب جلدی سے جلدی اپنے ماں باپ کے پاس پہنچنا چاہتی تھی۔ اسی روز شام کو ایک جہاز لندن کی طرف روانہ ہو رہا تھا۔

سلومی نے ناگ سے کہا:

"ناگ بھائی! مجھے میرے ماں باپ کے پاس پہنچا دو۔ میں تمہارا احسان عمر بھر نہ بھولوں گی۔ خدا جانے عنبر اب کب واپس آئے۔"

ناگ کو اتنا معلوم تھا کہ عنبر رنگون سے سیدھا شہر لاہور جائے گا۔ جہاں اس نے مغلیہ خاندان کی آخری نشانی نو لکھا ہار جلا وطن مغل بادشاہ کی پوتی شہزادی زیب النساء کو پہنچانی ہے اور وہ رنگون سے سیدھا لاہور جائے گا۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ پہلے سلومی کو اس کے گھر چھوڑ آئے۔ پھر وہ بھی لاہور چلا جائے گا۔ پس اُس نے جہاز والوں کو کرایہ ادا کر دیا اور جہاز میں سلومی کو لے کر سوار ہو گیا۔ شام کو جہاز نے لندن کی طرف دریا میں اپنا سفر شروع کر دیا۔ ساری رات جہاز دریا میں چلتا رہا۔ صبح ہوئی تو وہ دریا کے ساتھ ہی کھلے نیلے سمندر میں داخل ہو چکا تھا اور تند موجوں کو چیرتا لندن کی طرف چلا جا رہا تھا۔

اِدھر عنبر جب بندرگاہ والی سرائے میں پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ ناگ اور سلومی لندن جانے والے جہاز میں جا چکے ہیں۔ وہ سرائے کے مالک کے پاس عنبر کے نام پیغام چھوڑ گئے تھے۔ ناگ نے کہا تھا کہ وہ عنبر کو لاہور میں مقبرہ جہانگیر میں ملے گا۔ وہاں وہ اس کا انتظار کرے۔

عنبر نے دل میں سوچا کہ چلو یہ بھی اچھا ہوا۔ کم از کم سلومی تو اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ جائے گی۔ اب اس کا رنگون میں رہنا بے کار تھا۔ وہ واپس کلکتے جانے والے ایک جہاز

میں سوار ہوگیا۔ اور دس روز کے سمندری سفر کے بعد ایک بار
پھر کلکتے پہنچ گیا۔ کلکتے میں بارشوں کا موسم ختم ہو رہا تھا۔

ایک روز عنبر اس بڑے شہر میں رہا۔ وہیں اُس نے
سُنا کہ انگریزوں کے حکم سے اودھ کے بادشاہ اور ملکہ کو کلکتے
کے ایک پُرانے محل میں نظر بند کر کے رکھا ہوا ہے۔ عنبر کے پاس
ایک بڑی ضروری اور بے حد قیمتی امانت تھی جو اس نے شہزادی
زیب النسا تک پہنچانی تھی۔ اس کی وجہ سے وہ خواہش کے باوجود
نظر بند بادشاہ اور اس کی ملکہ سے ملاقات نہ کر سکا۔ اس نے
تاریخ کی کتابوں میں پڑھا بھی تھا اور دیکھا بھی تھا کہ واجد علی شاہ
کو انگریزوں نے مٹیا محل میں قید کر دیا۔

کلکتے کی سب سے بڑی کاروان سرائے سے ایک قافلہ پنجاب
کی طرف جا رہا تھا۔ عنبر اس قافلے میں شامل ہوگیا۔ اور
ایک مہینے کے سفر کے بعد پنجاب کے شہر لاہور کے باہر شالامار
باغ کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں قافلے نے پڑاؤ ڈالا۔ لوگوں
نے کھانا کھایا۔ نہا دھو کر تازہ دم ہوئے۔ کچھ مسافر وہیں سے
الگ ہو گئے۔

دوپہر کے بعد یہ قافلہ شہر لاہور کی چار دیواری کے باہر
آگیا اور دہلی دروازے میں سے اندر داخل ہو کر سلطان کی
سرائے میں اُتر گیا۔

آج سے سو برس پہلے سلطان کی سرائے ایک طرح کا ریلوے
سٹیشن تھا۔ باہر سے آنے والے قافلے اسی سرائے میں اُترا کرتے
تھے۔ اس زمانے میں لاہور پر سکھوں کی حکومت تھی۔ رنجیت سنگھ
پنجاب کا راجہ تھا۔ شہر لاہور میں ہر طرف بنتی اور نیلی پگڑیوں والے
سکھ ہی سکھ پھرتے تھے۔ مسلمانوں پر بڑی سختی ہوتی تھی۔
مسلمان عورتیں تو گھر سے بہت ہی کم باہر نکلتی۔ سکھ
فوجی مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہو کر مسلمان عورتوں کو اٹھا کر
لے جاتے تھے۔ شہر میں اگرچہ غدر کا شور شرابا کم ہو چکا تھا۔
مگر مسلمانوں کی پکڑ دھکڑ ابھی تک ہو رہی تھی۔ سکھ راجہ انگریزوں
کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پھانسیاں دلوا رہا تھا۔
اور ذرا کسی مسلمان پر شک ہوتا، فوراً اُسے پھانسی پر لٹکا دیا جاتا۔

عنبر کی منزل جہانگیر کا مقبرہ تھا جس کے پاس ہی کسی
بستی میں رحمان بابا نام کا ایک مسلمان بزرگ رہتا تھا۔ زیب النسا
اسی کے پاس چھپ کر زندگی کے دن گزار رہی تھی۔ نولکھا ہار
عنبر نے اسی شہزادی کو دینا تھا۔

ان دنوں شہر چار دیواری کے اندر آباد تھا۔ باہر صرف مقبرہ
جہانگیر سے کچھ فاصلے پر راوی دریا کے پار ایک چھوٹی سی بستی
تھی۔ راوی دریا پر اس زمانے میں کشتیوں کا پُل بنا ہوا تھا۔ لوگ
کشتیوں میں بھی دریا پار کرتے تھے۔ شہر کی چار دیواری کے اردگرد

باغ تھا — جس میں ایک چھوٹی سی نہر بہتی تھی۔ اب یہ نہر کہیں دکھائی نہیں دیتی —

عنبر دہلی دروازے کی ڈیوڑھی سے باہر نکل آیا —

ڈیوڑھی میں سکھ سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے عنبر کو کچھ نہ کہا — صرف ایک بار گھور کر دیکھا۔ عنبر باغ میں آ گیا — یہاں اسے ایک بزرگ ملے جن کا حلیہ اور سفید شرعی ڈاڑھی بتا رہی تھی کہ وہ مسلمان ہیں — انہوں نے لمبا کرتہ اور سر پر پگڑی باندھ رکھی تھی — عنبر نے اُن سے اُس زمانے کی فارسی زبان میں پوچھا کہ جہانگیر کا مقبرہ کس طرف ہے — مسلمان بزرگ نے عنبر کو سر سے پیر تک دیکھا اور پوچھا :

"بیٹے تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ تم مجھے لاہور شہر کے نہیں لگتے۔"

عنبر نے کہا :

"آپ نے ٹھیک اندازہ لگایا — اصل میں میں ملک مصر کا رہنے والا ہوں۔ دہلی کی ایک مسجد میں امام صاحب سے پڑھا کرتا تھا۔ غدر پڑا تو سکھتے بھاگ گیا — اب لاہور اپنے ایک چچا سے ملنے آیا ہوں جو سُنا ہے، مقبرے کی بستی میں رہتے ہیں۔"

بزرگ نے پوچھا :

"تمہارے چچا کا کیا نام ہے؟"

اب عنبر سوچنے لگا کہ وہ رحمان بابا کا نام بتائے یا نہ بتائے؟ اس نے راز چھپائے رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا :

"میں ان کا نام بھول گیا ہوں — چھوٹا سا تھا کہ ان سے جدا ہو گیا — ہاں بابا بابا کر کے میں انہیں بلایا کرتا تھا۔"

مسلمان بزرگ کے سرخ و سپید چہرے پر ایک سنجیدگی چھا گئی۔ اُس نے عنبر کی طرف غور سے دیکھا اور قریب آ کر سرگوشی میں کہا

"کہیں تم رحمان بابا کی تلاش میں تو نہیں ہو؟"

اب عنبر کیا کر سکتا تھا — سوچا چلو یہ بھی مسلمان ہیں ان کو نام بتانے میں کیا حرج ہے — اس طرح وہ رحمان بابا کے گھر جلدی پہنچ جائے گا — لیکن وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اس بزرگ کو نولکھا ہار کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گا — اُس نے مسکراتے ہوئے کہا :

"جی ہاں، شاید یہی ان کا نام تھا۔"

"تو پھر میرے ساتھ آؤ — میں تمہیں تمہارے چچا کے گھر لیے چلتا ہوں۔"

بڈھا عنبر اور وہ بزرگ بوڑھا کو لے کر مقبرہ جہانگیر کی طرف باغوں باغ روانہ ہو گیا — دریا پر آ کر انہوں نے کشتی میں بیٹھ کر دریا پار کیا۔ مقبرہ جہانگیر کے چاروں مینار بڑی اچھی حالت میں تھے۔ اگرچہ سکھوں نے اس کی قیمتی پتھر کی ٹائیلیں اور جالیاں اتار کر امرت سر شہر میں

اپنے گردوارے دربار صاحب میں جا کر لگا دی تھیں۔ مقبرے کی دیواروں اور قبر پر لگے ہوئے قیمتی جواہرات بھی وہ اکھاڑ کر لے گئے تھے، پھر بھی مقبرے کے مینار غروب ہوتے سورج کی سنہری روشنی میں بڑی شان سے چمک رہے تھے۔

مقبرہ آم کے درختوں میں گھرا ہوا تھا۔۔ آج کی طرح وہاں کوئی ریلوے لائن نہیں تھی۔۔ کوئی ریل کا پل نہیں تھا۔ کوئی شاہدرہ اور بادامی باغ کے ریلوے سٹیشن نہ تھے۔۔ عنبر تو سو سال آگے سے ...کر پیچھے گیا تھا۔ وہ تو لاہور ریلوے سٹیشن کو دیکھ چکا تھا۔ زمانہ اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔۔ وہ سو برس پیچھے تاریخ کی کتاب میں آ گیا تھا۔

یہ بڑا عجیب تجربہ تھا جو عنبر کو ہو رہا تھا۔ اس نے پہلے تاریخ کے ساتھ ساتھ آگے کی طرف سفر کیا تھا اور انسانی تہذیب کو ترقی کرتے دیکھا تھا۔۔ اب وہ ترقی یافتہ تہذیب کو چھوڑ کر پیچھے کی جانب سفر کر رہا تھا۔۔ جہاں ترقی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ مسلمان بزرگ نے راستہ میں کوئی بات نہ کی۔۔ وہ خاموش عنبر کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ جہانگیر کے مقبرے کے اردگرد پھیلے ہوئے خوبصورت باغ میں سے ہو کر وہ بزرگ عنبر کو دور ایک بستی کی طرف لے کر چل پڑا۔

شام کے وقت اس بستی کے کچے مکانوں میں سے دھواں اٹھ

رہا تھا۔۔ بستی میں جا کر عنبر نے دیکھا کہ وہاں چند ایک کچے پکے مکان تھے۔۔ گلیاں چھوٹی اینٹ کی بنی ہوئی تھیں۔ کسی گھر کے صحن میں گائے بندھی نظر آ جاتی۔۔ گھروں میں عورتیں روٹیاں پکا رہی تھیں۔۔

بزرگ نے کہا:

"بیٹا، اس گاؤں میں زیادہ مسلمان گوالے رہتے ہیں۔ سکھوں کے مکان بستی کے دوسری جانب ہیں۔"

عنبر نے آہستہ سے کہا:

"سنا ہے اس شہر میں بھی سکھوں نے مسلمانوں پر بڑا ظلم کیا ہے؟"

بزرگ نے چونک کر اردگرد دیکھا، پھر عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"وہ ظلم تو مسلمانوں پر اب بھی ہو رہا ہے۔ مگر بیٹا، یہ بات کسی اور سے نہ کرنا۔"

بستی کی گلی بائیں طرف کو گھومنے لگی تو مسلمان بزرگ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔ ایک نیلی پگڑی اور لمبی سیاہ داڑھی والا سکھ دیوار کی اوٹ سے ان دونوں کو جاتے دیکھ رہا تھا۔ بزرگ پریشان ہو گئے۔ انہوں نے عنبر کو کندھے سے پکڑا اور جلدی سے گلی کا موڑ گھوم گئے۔۔

عنبر نے پوچھا:

"کیا بات ہو گئی بابا؟"

بزرگ نے کہا:

"وہی جس کا مجھے ڈر تھا — ایک سکھ ہمارا پیچھا کر رہا ہے جلدی سے اس مکان میں گھس جاؤ۔"

دونوں ایک مکان کی اندھیری ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے — بزرگ عنبر کو لے کر مکان کے پچھلے دالان میں آ گیا۔ یہاں سے ایک دروازہ دوسرے مکان کے صحن میں نکلتا تھا — دوسرے مکان کے کوٹھے سے ہو کر مسلمان بزرگ عنبر کو ایک تیسرے مکان کی ایک کوٹھڑی میں لے گیا — عنبر حیران تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے — کوٹھڑی میں شام ہونے کی وجہ سے اندھیرا تھا —

عنبر نے کہا:

"بابا، آپ مجھے رحمان بابا کے مکان پر پہنچا دیں، باقی سب کچھ میں سنبھال لوں گا۔"

بزرگ نے آہستہ سے کہا:

"یہی رحمان بابا کا مکان ہے بیٹا۔"

"تو کیا —"

"ہاں، میں ہی رحمان بابا ہوں — اب تم یہ بتاؤ کہ تم کہاں سے آئے ہو اور کس لیے آئے ہو۔"

عنبر نے کہا:

"کیا آپ دیا روشن نہیں کریں گے؟"

رحمان بابا نے طاق میں رکھے ہوئے چراغ کو پتھر رگڑ کر روشن کر دیا — کوٹھڑی میں ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی — عنبر نے کہا:

"میں شہزادی زیب النساء سے ملنا چاہتا ہوں۔"

رحمان بابا کے ماتھے پر بل پڑ گئے — انہوں نے بھنویں سکیڑ کر پوچھا:

"تمہیں شہزادی زیب النساء سے کیا کام ہے۔ وہ تو یہاں نہیں رہتی —"

عنبر نے کہا:

"مجھے زیب النساء کے دادا نے بھیجا ہے —"

اب رحمان بابا کے ماتھے پر اور بل پڑ گئے —

"دادا نے بھیجا ہے؟ تم کس کا ذکر رہے ہو؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"بابا، مجھے مغل خاندان کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے آپ کے پاس بھیجا ہے جو رنگون میں جلا وطن ہے۔ میں رنگون سے آ رہا ہوں۔"

رحمان بابا کو ابھی تک عنبر کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے یہ کوئی انگریزوں کا جاسوس ہو اور بھیس بدل کر شہزادی کا راز لینے وہاں آگیا ہو۔ انھوں نے کہا:

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تمہیں بادشاہ سلامت نے ہمارے پاس بھیجا ہے؟"

عنبر نے واسکٹ کی اندرونی جیب میں سے نولکھا ہار نکال کر رحمان بابا کے سامنے رکھ دیا اور کہا:

"میرا خیال ہے یہ ثبوت کافی ہوگا۔"

ہار کے موتی اور اس کا سب سے بڑا ہیرا چراغ کی روشنی میں چاند کی طرح جگمگا رہا تھا۔ کوٹھڑی میں اس ہیرے کی کرنیں چاروں طرف پھیل رہی تھیں۔ رحمان بابا نے ہار کو اپنے ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھا۔ وہ شاہی خاندان کا ایک وفادار بزرگ تھا۔ وہ اس ہار کو خوب پہچانتا تھا۔ اس نے عنبر کو اپنے سینے سے لگا کر اس کا ماتھا چوم لیا اور کہا:

"بیٹا! اس سے بڑا اور کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ خدا کا شکر ہے کہ شہنشاہ عالی بابر عالی مقام کی شاہی نشانی اس کے حق دار تک پہنچی۔ جب سے غدر پڑا اور بادشاہ سلامت کے خاندان پر تباہی آئی ہے۔ مجھے سب سے زیادہ فکر اسی نولکھا ہار کا تھا کہ کہیں یہ انگریزوں کے ہاتھ نہ آگیا ہو۔ اب اسے دیکھ کر دل کو اطمینان ہوا۔"

عنبر نے پوچھا کہ شہزادی زیب النساء کہاں ہے؟ رحمان بابا نے کہا:

"تم یہیں بیٹھو، میں اسے لے کر آتا ہوں۔"

عنبر نولکھا ہار لے کر وہیں بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بہت ہی خوب صورت سنہری بالوں اور نیلی آنکھوں والی گوری چٹی لڑکی رحمان بابا کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ اس نے سر پر دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ بادامی رنگ کا سادہ سا انگرکھا اور کھلے گھیر والی مغلیہ طرز کی شلوار پہن رکھی تھی۔ اس نے آکر عنبر کو گہری تیز نظروں سے دیکھا۔

عنبر صاف پہچان گیا کہ یہی شاہی خاندان کی شہزادی ہو سکتی ہے۔ عنبر نے ادب سے اٹھ کر سلام کیا۔ شہزادی نے ایک اداس مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا:

"دادا ابا کا کیا حال تھا؟"

عنبر نے کہا:

"رنگون شہر سے دور ایک مکان میں خاموشی اور اداسی سے زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔ آپ لوگوں کو یاد کرتے ہیں۔ یہ آخری نشانی مجھے عادل چچا نے دلی میں دی تھی۔"

شہزادی زیب النساء نے کہا:

"ہاں، عادل چچا ہمارے اتالیق تھے۔ کہاں ہیں وہ؟"

عنبر نے بتایا کہ وہ بے چارے راستے میں ہی شہید کر دیے گئے۔ شہزادی زیب النساء نے افسوس کا اظہار کیا۔ عنبر نے پھر جلا وطن بادشاہ تک پہنچنے کی ساری داستان بیان کر دی اور ہار شہزادی کی طرف بڑھا کر کہا:

"یہ لیجیے اپنی امانت اور مجھے اجازت دیجیے۔"

رحمان بابا نے کہا:

"نہیں آج کی رات ہمارا مہمان بن کر یہیں رہنا ہوگا بیٹا، ہم تمہاری کوئی خدمت تو نہیں کر سکتے، پھر بھی جو روکھی سوکھی ہم کھاتے ہیں، تمہاری خدمت میں بھی پیش کر دیں گے۔"

شہزادی زیب النساء نے نولکھا ہار رومال میں رکھ لیا اور کہا:

"عنبر بھائی، آج ہمارے غریب خانے پر ہی رہیں — صبح بے شک آپ چلے جائیں۔"

عنبر نے کہا:

"جیسے آپ کی مرضی شہزادی صاحبہ۔"

رات ہوئی تو اسی کوٹھڑی میں بیٹھ کر رحمان بابا، عنبر اور شہزادی زیب النساء نے کھانا کھایا — کھانا کیا تھا، بس کھچڑی تھی، اُبلے ہوئے آلو اور اچار تھا۔ شہزادی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا:

"کبھی ہمارے دستر خوان کے کھانے گِنے نہیں جا سکتے تھے۔ آج یہ عالم ہے کہ ہم اپنے مہمان کی بھی خاطر نہیں کر سکتے۔"

رحمان بابا نے شہزادی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"بیٹی صبر کرو — دلی اجڑ گئی — محل اجڑ گیا۔ خدا کو یہی منظور تھا — لاکھوں لوگ گھر سے بے گھر ہو گئے ہیں۔ ہم اکیلے اس مصیبت میں نہیں ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"بابا، آپ اس ہار کی حفاظت کا کیا انتظام کریں گے۔ کیا یہاں اس کے چوری ہو جانے کا ڈر نہیں ہے؟"

رحمان بابا نے کہا:

"ڈر تو ہے — ہم تو خود بڑے خطرے میں یہاں زندگی بسر کر رہے ہیں — اگرچہ انگریز بہادر نے ہمیں معافی دے دی ہے، پھر بھی سکھوں کی حکومت ہمارے خلاف ہے — راجہ رنجیت سنگھ کو شک ہے کہ ہم نے مغلیہ خاندان کا کوئی خزانہ یہاں دبا رکھا ہے، اس کے سکھ جاسوس ہمارے پیچھے لگے رہتے ہیں — جب ہم گلی کا موڑ مڑنے لگے تھے اور اس وقت بھی ایک سکھ ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔"

شہزادی زیب النساءٔ کا رنگ اُتر گیا، اس نے پوچھا:

"اسے ضرور نولکھے ہار کا علم ہو گیا ہوگا۔"

عنبر نے کہا:

"اس کا علم اس وقت سوائے ہمارے اور کسی کو نہیں ہے شہزادی صاحبہ — ہاں، آگے کے بارے میں ضرور غور کریں کہ اس کی حفاظت کیسے کریں گی آپ؟"

رحمان بابا نے کہا:

"ہم اسے زمین کھود کر دفن کر دیں گے۔"

ٹھیک اس وقت چھت کے اوپر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی — رحمان بابا نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے خاموش رہنے کو کہا اور خود آہستہ سے کوٹھڑی سے باہر نکل گیا —

گھوڑسوار فوجی

باہر آنگن میں اندھیرا تھا —

رحمان بابا پیچھے سے ہو کر چھت کے اوپر آ گیا۔ ستاروں کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ چھت خالی پڑی ہے۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا — اس کا مطلب یہ تھا کہ سکھ جاسوس وہاں سے جا چکا تھا —

رحمان بابا واپس کوٹھڑی میں آ گئے — شہزادی زیب النساء نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا:

"کون تھا بابا اوپر؟"

رحمان بابا نے سرگوشی میں کہا:

"جو کوئی بھی تھا، جا چکا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"وہ پھر آئے گا۔ آپ لوگ یہاں سخت خطرے میں ہیں۔"

رحمان بابا بولا:

"ہم تو اسی خطرے میں یہاں زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"نہیں بابا، شہزادی صاحبہ کی ابھی بڑی زندگی باقی ہے۔ انہیں آزادی اور سکھ کی فضا میں زندگی بسر کرنی چاہیے — یہاں خوف اور خطرے کی فضا میں وہ زندہ نہ رہ سکیں گی۔"

شہزادی نے کہا:

"مگر ہم لوگ یہ جگہ چھوڑ کر کہاں جا سکتے ہیں — ادھر دہلی کے آس پاس کی آبادیاں تو انگریزوں نے اجاڑ رکھی ہیں، وہاں تو مغل دربار کے لوگوں کو چن چن کر پھانسی پر لٹکایا جا رہا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"آپ اب آرام کریں — انشاء اللہ کل اس کے بارے میں ضرور کچھ سوچیں گے — کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔"

"اچھا بیٹا اب تم آرام کرو، خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

ان کے جانے کے بعد عنبر نے دروازہ اندر سے بند نہ کیا۔ اس نے فضا میں خطرے کی بو سونگھ لی تھی اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہتا تھا — وہ چارپائی پر لیٹ کر ناگ اور ماریا کے بارے میں سوچنے لگا۔ ماریا اسے ابھی تک نہیں ملی تھی — وہ چاہتا تھا کہ واپسی کے اس سفر میں ناگ

کے ساتھ ساتھ ماریا بھی اس کے ساتھ شامل ہو — ماریا نے آخری بار اس سے جدا ہوتے ہوئے وعدہ کیا تھا کہ اسے ضرورت محسوس ہوئی تو وہ آ جائے گی — اس وقت عنبر کو ماریا کی بڑی ضرورت محسوس ہو رہی تھی — مگر اس نے سوچا، خدا جانے ماریا کہاں ہو۔

ساتھ والی کوٹھڑی میں رحمان بابا نے کنڈی چڑھا لی تھی — شہزادی زیب النساء نے نولکھا ہار اپنی چارپائی کے نیچے سے لکڑی کا صندوقچہ نکال کر اس میں سنبھال کر رکھ دیا تھا — وہ اپنی چارپائی پر لیٹ گئی — رحمان بابا نے دروازے کے آگے زمین پر اپنا بستر بچھا لیا اور اس پر بیٹھ گیا — کوٹھڑی میں دیا جل رہا تھا۔ رحمان بابا نے کہا:

"یہ کوئی بڑا ایماندار نوجوان ہے۔ یہ ہماری مدد کر سکتا ہے۔"

"کیسی مدد بابا؟" شہزادی نے پوچھا۔

رحمان بابا نے گہرا سانس لے کر کہا:

"بیٹی، میرا خیال ہے ہمیں اب یہاں سے نکل جانا چاہیے — یہ شاہی ہار ہمارے لیے مصیبت کا باعث بن سکتا ہے — اب ہمیں اس کی حفاظت بھی کرنی ہے جو ہم یہاں سکھوں کی حکومت میں رہ کر نہیں کر سکیں گے — سکھ فوجی کسی وقت بھی ہمارے گھر میں داخل ہو کر ہار چھین کر لے جا سکتے ہیں۔"

شہزادی زیب النساء اپنے بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنے
خاندان کی آخری اور قیمتی نشانی سے محروم نہیں ہونا چاہتی تھی۔
اس نے کہا:
"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں بابا ۔۔۔ لیکن، لیکن ہم اس شہر
کو چھوڑ کر کہاں جائیں گے؟"
"کابل کی طرف اور پھر وہاں سے سمرقند بخارا کی طرف
کوچ کر جائیں گے جو تمہارے آباؤ اجداد کا اصلی وطن تھا ۔۔۔
وہاں ہمیں کسی قسم کا ڈر نہیں ہوگا۔"
شہزادی کہنے لگی:
"کیا انگریز اور سکھ ہمیں یہاں سے نکلنے دیں گے؟ وہ تو
ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔"
"یہی تو مصیبت ہے، جس کا ہمیں مقابلہ کرنا ہے۔ میرا دل
کہتا ہے کہ یہ نوجوان جس کا نام عنبر ہے، ہماری مدد کر سکتا ہے۔"
"مگر بابا، وہ بھی ہماری طرح کا ایک کمزور انسان ہے۔ ہم
خواہ مخواہ اس کی زندگی خطرے میں کیوں ڈالیں۔"
"یہ اس سے بات کرکے ہی ہم کوئی فیصلہ کریں گے۔ اب
تم آرام کرو ۔۔۔ صبح عنبر سے اس سلسلے میں گفتگو ہوگی۔ اگر وہ راضی
ہوگیا تو ہم یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔"
شہزادی زیب النساء نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے بستر

پر لیٹ گئی۔ اس کی آنکھوں میں اپنے شاہی خاندان کی تباہی کو
یاد کرکے آنسو آگئے ۔۔۔ اس کی آنکھوں کے سامنے مغل شہزادوں
کے کٹے ہوئے سر گھوم گئے ۔۔۔ وہ ہولے ہولے رونے لگی ۔۔۔ اور
روتے روتے ہی سو گئی۔
رحمان بابا ابھی تک سوچ رہا تھا کہ وہ اس بستی سے کیونکر
فرار ہو سکتا ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا ۔۔۔ یہ بڑا مشکل
کام تھا ۔۔۔ اس میں قدم قدم پر جان کا خطرہ تھا۔ شہزادی کی جان
سب سے زیادہ قیمتی تھی ۔۔۔ رحمان بابا نہیں چاہتے تھے کہ شہزادی کی
زندگی خطرے میں پڑے ۔۔۔ مگر اس کے سوا کوئی چارا نہیں
تھا ۔۔۔ انگریزوں کی طرف سے انہیں شہر چھوڑ کر جانے کی اجازت
نہیں تھی ۔۔۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے سپاہی ان کی نگرانی کرتے
تھے اور اب تو ایک سکھ جاسوس کو رحمان بابا نے اپنی آنکھوں
سے دیکھ لیا تھا ۔۔۔ اس وقت شہزادی زیب النساء کی زندگی
سخت خطرے میں تھی ۔۔۔ کیونکہ انتہائی قیمتی شاہی ہار اس کے پاس
تھا۔ سکھ فوجی وہ ہار حاصل کرنے کے لیے اُسے ہلاک بھی کر سکتے
تھے ۔۔۔ اسے اغوا کرکے بھی لے جا سکتے تھے ۔۔۔
آخر رحمان بابا نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ صبح اُٹھ کر وہ پہلا
کام یہی کرے گا کہ نوجوان عنبر سے مل کر فرار ہونے کا منصوبہ بنایا
جائے اور شہزادی کو وہاں سے نکال کر کسی طرح کابل اور پھر وہاں

سے سمرقند پہنچا دیا جائے، تاکہ باقی زندگی وہ اپنے آباؤ اجداد کے
شہر میں آرام و سکون سے بسر کر سکے۔

رحمان بابا کو نیند آنے لگی۔ اس نے شہزادی کی طرف
دیکھا، وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ رحمان بابا نے چراغ کی روشنی
مدھم کر دی۔ کوٹھڑی میں ہلکا ہلکا اندھیرا چھا گیا۔ رحمان بابا بھی
نیند کی دنیا میں کھو گیا۔

کوٹھڑی کے باہر رات کی تاریکی میں دیوار کے ساتھ لگا ہوا
سکھ فوجی شاید اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ جونہی اُسے محسوس
ہوا کہ کوٹھڑی میں چراغ کی لَو مدھم ہو گئی ہے اور بابا سو گیا ہو گا،
اُس نے ایک تیز ہتھیار سے ایک پکی دیوار کو بڑی آہستگی سے
کھودنا شروع کر دیا۔

اس سکھ نے منہ پر کپڑا لپیٹ رکھا تھا، وہ لمبا تڑنگا فوجی تھا۔
اور اُسے خبر ملی تھی کہ یہاں مغل شہزادی رہتی ہے، جس کے پاس بڑی
دولت ہے۔ وہ شہزادی کو اغوا کر کے اس سے خفیہ دولت کا سراغ
لگانا چاہتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اس مکان میں ایک نیا لڑکا بھی
آیا ہے جو ساتھ والی کوٹھڑی میں سو رہا ہے۔

یہ سکھ فوجی بڑا بے رحم تھا اور کئی مسلمانوں کو قتل کر چکا تھا۔
ہم یہی کہیں گے کہ آج اس کی موت اُسے یہاں کھینچ لائی تھی۔
اس وقت تو وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ دیوار میں سوراخ کرنے

کی کوشش کر رہا تھا۔ اس زمانے میں دیواریں کچی ہوتی تھیں۔ سکھ
فوجی اپنے کام میں بہت ماہر تھا۔ اُس نے تھوڑی ہی دیر میں دیوار
میں سوراخ کر دیا، پھر وہ اُسے چوڑا کرتا گیا۔ جب سوراخ اتنا چوڑا
ہو گیا کہ وہ اس میں سے گزر سکے تو اس نے سر ڈال کر اندر دیکھا۔

چراغ کی دھیمی روشنی میں بند دروازے کے آگے رحمان بابا
اور سامنے والی دیوار کے پاس شہزادی سو رہی تھی۔ سکھ فوجی کے
پاس بڑا تیز دھار والا خنجر تھا۔ وہ سوراخ میں سے کوٹھڑی کے
اندر داخل ہو گیا۔

اندر داخل ہوتے ہی اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ
بابا کو دبوچ کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ رحمان بابا بوڑھا
آدمی تھا۔ بتیرے ہاتھ پاؤں مارے، آواز ویسے وہ نہیں نکال
سکتا تھا۔ سکھ فوجی نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر وہیں
ڈال دیا۔ اب وہ شہزادی کی طرف بڑھا۔

رحمان بابا حسرت کی تصویر بنا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ سمجھ
گیا کہ اس سکھ فوجی کو نولکھا ہار کا پتا چل گیا ہے اور اب وہ
شہزادی کو ہلاک کر کے صندوقچی میں سے نولکھا ہار نکال کر لے جائے گا،
لیکن سکھ فوجی کو صندوقچی کے نولکھا ہار کی کوئی خبر نہ تھی۔ وہ تو
صرف شہزادی کو اغوا کر کے لے جانا چاہتا تھا، تاکہ اپنے ٹھکانے پر
پہنچ کر اس سے یہ پتا چلائے کہ مغل بادشاہ کا شاہی خزانہ اُس

نے کس جگہ دفن کر رکھا ہے —

سکھ فوجی نے بڑے آرام سے شہزادی کو قابو کر لیا۔ اس سے پہلے کہ شہزادی کے منہ سے چیخ نکلے، فوجی نے اس کے منہ میں بھی کپڑا ٹھونس دیا — شہزادی نے رحم طلب نظروں سے رحمان بابا کی طرف دیکھا — مگر وہ خود بے بس ہو کر پڑا تھا، وہ شہزادی کی کیا مدد کر سکتا تھا —

سکھ فوجی کا مشن کامیاب ہو چکا تھا — اس نے شہزادی کے ہاتھ پیر کپڑے سے باندھ دیے تھے۔ وہ اُسے اٹھا کر اُس کوٹھڑی سے باہر نکل گیا — باہر کالی اندھیری رات سنسان تھی۔ کئی سو سال پہلے کی راتیں بڑی سنسان اور خاموش ہوا کرتی تھیں — سکھ فوجی نے شہزادی زیب النساء کو کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ وہ بڑے آرام سے عنبر کی کوٹھڑی کے آگے سے گزر کر مکان کی ڈیوڑھی میں سے ہوتا ہوا گلی میں آ گیا —

گلی میں رات کے اندھیرے میں اس کا ایک ساتھی تلوار لیے کھڑا تھا — بستی سے باہر ان کے دو کالے رنگ کے گھوڑے درخت سے بندھے تھے۔ یہاں آ کر وہ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور شہزادی کو لے کر گھوڑے دوڑاتے رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے —

عنبر کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی ؛ حالانکہ وہ گہری نیند میں نہیں

تھا۔ بس ویسے ہی ایک پل کے لیے اس کی آنکھ لگ گئی تھی — اس نے بستی کے باہر گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی — سنسان خاموش رات میں یہ آواز بڑی صاف سنائی دے رہی تھی — پھر یہ آواز آہستہ آہستہ غائب ہو گئی —

عنبر نے سوچا کہ ہو سکتا ہے، آدھی رات کو سرکاری فوج کے سپاہی گشت کر رہے ہوں — وہ پھر سو گیا — باقی رات وہ سویا رہا —

اس کی آنکھ کھلی تو بند دروازے میں سے دن کی روشنی آ رہی تھی — اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا — دن نکل آیا تھا، طرف روشنی پھیل چکی تھی — اُسے خیال آیا کہ کیا وجہ ہے، رحمان بابا کی کوٹھڑی کا دروازہ ابھی تک بند ہے — وہ صبح کی نماز پڑھنے کے لیے بھی نہیں اُٹھا — عنبر نے کوٹھڑی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے کوئی آواز نہ آئی — اس نے دوسری بار ذرا زیادہ زور سے دروازے پر ہاتھ مارا۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا —

عنبر کا ماتھا ٹھنکا — اس نے آوازیں دیں — کوٹھڑی میں خاموشی چھائی تھی — عنبر نے دھکا دے کر دروازے کی کنڈیاں توڑ ڈالیں اور اندر داخل ہو گیا — اس کے ساتھ ہی دن کی روشنی بھی کوٹھڑی میں آ گئی۔ اس کی نظر رحمان بابا پر پڑی، جس کی مشکیں کسی ہوئی تھیں اور منہ میں کپڑا ٹھنسا تھا — سامنے شہزادی کی چارپائی

خالی پڑی تھی — عنبر نے لپک کر رحمان بابا کی مشکیں کھولیں اور پوچھا:
"کیا ہوا بابا؟ شہزادی کہاں ہیں؟"
رحمان بابا نے اپنا سر پکڑ لیا اور عنبر کو رات کا سارا واقعہ سنایا —

عنبر نے پوچھا: کیا وہ ہار بھی لے گیا؟
رحمان بابا نے صندوقچی کھول کر دیکھا — ہار وہیں پڑا تھا۔
عنبر نے کہا:
"آپ اس ہار کی حفاظت کریں اور یہاں سے بالکل کسی بھی جگہ نہ جائیں۔ میں اُن کا پیچھا کرتا ہوں — شہزادی زیب النساء کو انشاء اللہ ضرور تلاش کرکے لاؤں گا۔"

عنبر مکان سے باہر نکل آیا — رحمان بابا کا غم کے مارے بُرا حال تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ نوجوان لڑکا بھلا کیسے شہزادی کو واپس لا سکے گا جو خود اس شہر میں اجنبی ہے —

رحمان بابا کی آنکھوں میں آنسو آگئے — اس نے صندوقچی سے شاہی ہار نکال کر رومال میں باندھا اور اُسے اپنی قمیص کے اندر کمر کے گرد لپیٹ لیا — پھر انھوں نے وضو کیا، نماز پڑھی اور خدا کے آگے ہاتھ پھیلا کر شہزادی کی سلامتی کی دعا مانگنے لگے۔

عنبر نے بستی سے باہر نکل کر دیکھا کہ زمین پر دو گھوڑوں کے سموں کے نشان صاف نظر آرہے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ رات کو اُس

نے جو گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز سنی تھی، وہ انہی فوجیوں کی تھی۔ وہ گھوڑوں کے سموں کے نشانوں کا سراغ لگاتا آگے روانہ ہوا — نشان ریتی کے میدان میں آگے چلے جا رہے تھے — میدان کے بعد کھیت آگئے — کھیت کی پگ ڈنڈی پر یہ نشان صاف دکھائی دینے لگے — کھیتوں سے نکل کر سامنے ایک باغ آگیا، جہاں آم اور امرود کے بے شمار درخت تھے — سموں کے نشان یہاں سے بھی آگے نکل گئے تھے —

عنبر کو چلتے چلتے دوپہر ہوگئی — وہ چھوٹے دو تین گاؤں سے گزرا — کسی نے اس پر شک نہ کیا کہ وہ کس غرض کے لیے چلا جا رہا ہے۔ گاؤں کے سکھوں نے اس کی طرف گہری نظروں سے ضرور دیکھا —

دوپہر کے وقت اُس نے ایک نہر کنارے بیٹھ کر منہ ہاتھ دھویا، پانی پیا — نہ اسے کھانے کی ضرورت تھی اور نہ اُسے تھکاوٹ ہی ہو رہی تھی — وہ تو ویسے ہی کبھی کھا پی لیا کرتا تھا — اس قسم کی کوئی مہم پڑ جاتی تو عنبر کچھ نہیں کھاتا پیتا تھا — اب گھوڑوں کے سموں کے نشان ندی کے کنارے پر آگئے تھے۔

وہ ایک بڑے کھلے باغ کی چار دیواری کے پاس سے گزرا جس کے اندر کسی جاگیردار سکھ کی کوٹھی تھی — یہ پرانی طرز کی کوٹھی تھی جس کے کھنڈر ہمیں آج کل لاہور شہر کے ارد گرد یا شہر

کے اندر بھی کہیں کہیں مل جاتے ہیں۔ یہاں عنبر نے دیکھا کہ گھوڑوں
کے سُموں کے نشان اس طرح آپس میں گڈمڈ ہو گئے تھے۔ جیسے
گھوڑ سوار وہاں ایک پل کے لیے ٹھہرے ہوں۔ پھر اس نے وہاں
دو آدمیوں کے پاؤں کے نشان بھی دیکھے۔ یہ پرانی طرز کی مغلیہ
زمانے کی نبوتری جوتیوں کے نشان تھے۔ اس کے بعد گھوڑوں کے
سموں کے نشان پھر آگے چل پڑتے تھے۔ عنبر بھی اُن کا کھُرا
لیتا آگے روانہ ہو گیا۔

تیسرے پہر جب دن ڈھلنے لگا تھا، اُسے دُور ایک مٹی
کے ٹیلے کے نیچے ایک بارہ دری اور اس کے پیچھے دو چار کچے مکان
دکھائی دیے۔ گھوڑوں کے نشان اسی طرف جا رہے تھے۔
بارہ دری کے پاس آکر عنبر نے دیکھا کہ سموں کے نشان جو سامنے
تین چار کچے مکان تھے، اس طرف چلے گئے تھے۔

عنبر سوچنے لگا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے فوجی
اسی جگہ چھپے ہوئے ہوں۔ اگر وہ اچانک ان پر جا کر حملہ کر
دے تو ہو سکتا ہے وہ شہزادی کو انتقامی طور پر ہلاک کر دیں۔
اس لیے بڑی ہوشیاری کی ضرورت تھی۔ عنبر پھونک پھونک کر قدم
اٹھاتا اُن مکانوں کے قریب سے گزر گیا۔ گھوڑوں کے سموں کے
نشان ایک پُرانی حویلی کی ڈیوڑھی کے اندر جا رہے تھے۔ عنبر
کو یقین ہو گیا کہ شہزادی اسی پرانی حویلی میں ہے۔ وہ واپس بارہ دری

میں آکر بیٹھ گیا۔

وہ شام کا اندھیرا ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ سورج ابھی
پوری طرح سے غروب نہیں ہوا تھا۔ دن کی روشنی پھیکی پڑنے لگی
تھی کہ عنبر نے دیکھا کہ اُسی پُرانی حویلی سے ایک گھوڑ سوار باہر نکلا۔
اس نے اپنے آگے کوئی شے کپڑے میں لپیٹ کر بوری کی طرح
ڈال رکھی تھی۔ عنبر چوکنا ہو گیا۔ گھوڑ سوار بارہ دری کے دوسری طرف
سے ہو کر واپس روانہ ہو گیا۔

عنبر نے بارہ دری سے اُتر کر گھوڑ سوار کا پیچھا شروع کر دیا۔
گھوڑ سوار بہت تیز تیز جا رہا تھا۔ عنبر گھوڑوں کے سموں کے نشان
پر چلنے لگا۔ وہ اُسی پرانے باغ کی چار دیواری کے پاس پہنچ
گیا۔ گھوڑے کے سموں کے نشان اس کوٹھی کے اندر چلے گئے
تھے۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ وہی فوجی تھا اور شہزادی کو گھوڑے
پر ڈال کر یہاں لایا ہے۔

ایک جگہ سے آم کے درخت کی ٹہنی کوٹھی کے اندر چلی گئی
تھی۔ عنبر اس درخت کی ٹہنی پر چڑھ گیا۔ اُس نے دیکھا، کوٹھی کا
باغ پُرانی طرز کا تھا۔ سرو کے درخت اُگے تھے۔ بیچ میں
جھروکوں والی دو منزلہ کوٹھی تھی، جس کے برآمدے کے باہر ایک
کالا گھوڑا درخت سے بندھا ہوا تھا۔ یہ اُسی سکھ فوجی کا گھوڑا
تھا۔

عنبر ٹہنی سے اتر کر باغ میں داخل ہو گیا۔ وہ جھاڑیوں کے پیچھے سے ہوتا پرانی کوٹھی کے برآمدے کے قریب آ کر چھپ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے دو سکھوں کو دیکھا کہ باتیں کرتے برآمدے سے نکل رہے تھے۔ ایک سکھ لمبا تڑنگا تھا اور بڑے ادب سے دوسرے سکھ کے آگے جھک کر بات کر رہا تھا۔ دوسرا سکھ موٹا تازہ بھاری بھرکم دیو کی طرح تھا۔ مغلیہ طرز کا انگرکھا اور چوڑی دار پاجامہ اس نے پہن رکھا تھا اور سر پر بھاری پگڑ تھا۔ فوجی اُسے کہہ رہا تھا:

"مہاراج، اب شہزادی آپ کے حوالے ہے۔ چاہے اس سے خزانہ حاصل کریں، چاہے اس سے بیاہ کر لیں۔"

جاگیردار سکھ نے جھومتے ہوئے کہا:

"ہم اس کے خزانے کا بھی پتا لگائیں گے اور اس سے شادی بھی کریں گے۔ اب تم ادھر کا رُخ نہ کرنا۔ تم نے اپنے پیسے لے لیے ہیں، ہم سے۔ جاؤ اب یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

"ست بچن مہاراج۔"

اور وہ سکھ فوجی گھوڑے پر سوار کر باغ سے باہر نکل گیا۔ عنبر جھاڑیوں میں چھپا موٹے جاگیردار سکھ کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ شکل و صورت سے بہت خوفناک اور ظالم شخص نظر آ رہا تھا۔ اس نے گلا پھاڑ کر کسی کو آواز دی۔ اِدھر اُدھر سے

چھ سات سکھ نوکر جنھوں نے تلواریں اور نیزے لگا رکھے تھے، سامنے آ کر جھک گئے۔

"حکم مہاراج۔"

"ہماری کوٹھی سے ارد گرد سخت پہرہ لگا دو۔ کوئی چڑیا بھی اندر نہ پھٹکنے پائے۔ نہیں تو میں تم سب کی گردنیں اتار دوں گا۔"

"مہاراج، کسی کی کیا مجال کہ کوٹھی کے اندر بغیر آپ کے حکم کے پاؤں دھر سکے۔"

"جاؤ اور ساری کوٹھی میں پہرہ لگا دو۔"

سارے سکھ نوکر اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ عنبر گھبرایا۔ کم بخت ایک سکھ تلوار ہاتھ میں لیے اس کی طرف بھی آ رہا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ شام کے سائے لمبے ہو چکے تھے اور باغ میں ہلکا ہلکا اندھیرا اُتر آیا تھا۔ سکھ پہرے دار تلوار جھاڑیوں میں چلاتا کوئی پنجابی گیت گنگناتا اُس جھاڑی کی طرف آ رہا تھا جس کے پیچھے عنبر چھپا ہوا تھا۔

کم بخت یہ تو ادھر ہی کو چلا آ رہا ہے، عنبر نے سوچا۔ وہ اور زیادہ جھاڑی کے اندر سمٹ گیا۔ سکھ تلوار لہراتا اُس کے قریب سے گزرا تو عنبر کو چھینک آ گئی۔ سکھ پہرے دار نے غضب ناک ہو کر پیچھے دیکھا۔ جھاڑیوں میں اسے ایک اجنبی چہرہ نظر آیا تو اس نے تلوار اوپر اُٹھائی کہ عنبر کا سر دو ٹکڑے کر دے۔

لیکن عنبر اس سے پہلے ہی اپنی جگہ سے اُچھل کر سکھ کی گ
دبوچ کر اُسے جھاڑیوں میں گرا چکا تھا — عنبر کی گرفت میں آ
ہوئی گردن بچ نہیں سکتی تھی — سکھ نے تلوار والا ہاتھ پورے
طاقت سے عنبر کی گردن پر بار بار مارا — وہ گلا بند ہونے
وجہ سے بول نہیں سکتا تھا اور یہی عنبر چاہتا تھا —

دو سیکنڈ کے بعد سکھ کی لاش جھاڑیوں میں پڑی تھی — اب
عنبر کو ایک انوکھی ترکیب سوجھی — اس نے جلدی جلدی اپنے
کپڑوں کے اوپر اس سکھ پہرے دار کا لمبا نیلا کُرتا پہنا —
پر اس کی بھاری بھرکم پگڑی رکھی اور اس کا ایک پلّہ منہ کے
آگے کر لیا تاکہ اس کی منڈھی ہوئی ڈاڑھی دیکھ کر کسی کو شک
نہ پڑے —

عنبر تلوار لے کر باغ میں یوں اِدھر اُدھر گھومنے لگا جیسے پہ
دے رہا ہو — خوش قسمتی سے باغ میں اب اندھیرا پھیل گیا
صرف کوٹھی کے برآمدے کے آگے نوکروں نے تیل کے بڑے
شمعدان روشن کر دیے تھے جن کی روشنی بس وہاں تک ہی تھی
کوٹھی کے اندر بھی موٹی شمعوں نے کہیں کہیں روشنی کر دی تھی
عنبر باغ کے پیچھے سے ہو کر کوٹھی کے پچھواڑے والے برآمدے
میں آ گیا — یہ برآمدہ کوٹھی کے چاروں طرف گول دائرے کی
شکل میں چلا گیا تھا —

یہاں بھی باغ میں ایک شمع جل رہی تھی — عنبر دیوار کے
ساتھ ساتھ ہو کر برآمدے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اچانک سامنے
سے ایک اور سکھ پہرے دار آ گیا — اُس نے عنبر کو آواز دی :
"او نہال سنگھ، تیرا پہرہ تو بڑے دروازے پر ہے تو اِدھر کیسے
آ گیا ؟"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنی جگہ پر رُک گیا — وہ سکھ
اس کے پاس آ گیا :

"اوئے تُو بولتا کیوں نہیں نہال سنگھا ؟ کیا ہو گیا ہے تجھے ؟"

یہاں باغ کی شمع کی روشنی پڑ رہی تھی — سکھ نے بہت
قریب آ کر عنبر کے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا :

"اوئے تو پتھر کیوں ہو گیا ہے ؟"

عنبر نے پلٹ کر آنے والے سکھ کی طرف دیکھا۔ اس کا پلّو
چہرے سے ڈھلک گیا — اُس کی ڈاڑھی نہیں تھی — جس کا مطلب تھا
کہ وہ سکھ نہیں ہے — دوسرے سکھ نے فوراً پہچان لیا کہ یہ کوئی
اور ہے — اُس نے بھی شور مچانے کی بجائے اپنی تلوار اٹھائی کہ
عنبر کی گردن کاٹ کر رکھ دے — لیکن اس سے پہلے عنبر کی
تلوار کا بھرپور وار سکھ کی گردن کاٹ کر تن سے جدا کر چکا تھا۔
سکھ کے منہ سے کوئی ہلکی سی آواز بھی نہ نکل سکی — اس کا سر
جھاڑیوں میں اور اُس کا سر کٹا جسم گھاس پر گر کر تڑپنے لگا۔ عنبر

نے جھک کر اپنی تلوار کے ساتھ لگا ہوا خون گھاس پر پونچھا او
برآمدے کے اندر آ گیا — یہاں اندھیرا تھا — کونے میں چو
سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں — عنبر آہستہ آہستہ قدم رکھتا او
والی منزل کے برآمدے میں آ گیا — یہاں کوئی تیس قدم کے فا
پر ایک کمرے کے روشن دان میں روشنی ہو رہی تھی۔ عنبر ا
کے کمرے کی طرف بڑھا

باغ میں لاشیں

دروازہ بڑا بھاری لکڑی کا تھا —

عنبر نے کان لگا کر سنا — اندر سے اُسے شہزادی زیب النساء کی سسکیوں کی آواز آتی سنائی دی — دروازہ بڑی مضبوطی سے بند تھا اور کوئی درز یا معمولی سا سوراخ بھی نہیں تھا کہ جس میں سے عنبر اندر دیکھ سکتا تھا — تھوڑی دیر بعد شہزادی کی سسکیوں کی آواز بھی ڈوب گئی — ایک گہری خاموشی چاروں طرف پھیل گئی۔ عنبر کو یہ بھی احساس تھا کہ نیچے باغ میں دو سکھوں کی لاشیں پڑی ہیں — اگر کسی پہرے دار کی ان پر نظر پڑ گئی تو ساری حویلی میں شور مچ جائے گا اور پھر شہزادی کو وہاں سے نکال کر لے جانا مشکل ہو جائے گا — اُسے تو کوئی کچھ نہ کہہ سکتا تھا، لیکن شہزادی کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ اس لیے وہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا —

عنبر نے جب اندازہ لگا لیا کہ کمرے میں سوائے شہزادی کے دوسرا کوئی نہیں ہے تو اس نے دروازے پر دونوں ہتھیلیاں رکھ کر

ایک جھٹکا دیا — دروازے کی اندر والی کنڈی ٹوٹ گئی اور اس کا
ایک پٹ کھل گیا —

کنڈی ٹوٹنے اور دروازہ کھلنے کی آواز ایک ساتھ بلند ہوئی۔
کمرے میں شمع جل رہی تھی — مسہری پر رسیوں میں جکڑی ہوئی شہزادی
نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا — اندر کوئی اور نہیں تھا۔ عنبر
نے جلدی سے اپنے پیچھے دروازہ بند کر لیا اور ہونٹوں پر انگلی رکھ
کر شہزادی کو خاموش رہنے کی ہدایت کی —

کمرہ لکڑی اور ہاتھی دانت کے سو سال پرانے فرنیچر سے بھرا
ہوا تھا — فرش پر قیمتی قالین بچھا تھا — چھت پر فانوس لٹک رہا
تھا جو روشن نہیں تھا — اس کی جگہ شہزادی کی مسہری کے سرہانے
کی طرف ایک شمع جل رہی تھی۔

عنبر نے شہزادی کے پاس جا کر اس کے ہاتھ پاؤں کی رسیاں
کھول دیں اور کہا :

"خاموشی سے میرے پیچھے پیچھے چلی آئیں"

شہزادی کی آنکھوں میں آنسوؤں کے خشک نشان تھے اور چہرے
کا رنگ خوف سے زرد ہو چکا تھا — وہ مسہری سے اٹھی ہی تھی
کہ ساتھ والے کمرے کے اندرونی برآمدے میں سے کسی کے جوتوں
کی چاپ ادھر آتی سنائی دی — عنبر نے فوراً شہزادی کو اسی طرح
مسہری پر لٹا کر اس کے ہاتھوں میں رسیاں ڈال دیں اور سرگوشی

میں کہا :

"اسی طرح خاموشی سے لیٹی رہیں"

اور خود ایک بڑے صوفے کے پیچھے چھپ گیا۔ بغلی کمرے کا بھاری
ریشمی پردہ ہٹا اور وہی بھاری بھر کم سکھ جاگیردار اپنی مونچھوں کو مروڑتا
ہوا بڑے غرور سے گردن اکڑائے اندر داخل ہوا — اس نے مسہری
کے قریب کھڑے ہو کر شہزادی کی طرف دیکھ کر گرج دار آواز میں
کہا :

"میں مسلمان لڑکیوں کا دشمن ہوں — میں تمہیں اپنی لونڈی
بنا کر یہاں رکھوں گا — نہیں تو بتا دو، شاہی خزانہ لاہور میں
کس جگہ دفن ہے"

شہزادی زیب النساء کو ابھی تک عنبر کی خفیہ طاقت کا علم
نہیں تھا — وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ اس کے ساتھ عنبر کی زندگی
بھی خطرے میں ہے — اس لیے وہ بڑی منت سماجت کے انداز
میں کہنے لگی :

"مجھے چھوڑ دو — میں کسی خزانے کو نہیں جانتی"

سکھ جاگیردار نے بڑی تیزی سے اپنے کرتے میں سے چھوٹا سا
خنجر نکال کر شہزادی کی گردن پر رکھ کر اسے دبوچ لیا اور بھیڑیے
کی طرح غراتے ہوئے بولا :

"میں تجھے ابھی جان سے مار دوں گا — نہیں تو بتا دے خزانہ

کس جگہ دفن ہے؟"

بے چاری شہزادی کا تو دم ہی گھٹ گیا۔ تھر تھر کانپنے لگی
اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی گردن پر رکھ دیے۔

"نہیں نہیں، مجھے نہ مارو۔ میں بے گناہ ہوں۔"

اچانک بکھ جاگیردار کو احساس ہوا کہ میں تو اس کے دونوں
ہاتھ باندھ کر گیا تھا، یہ کس نے کھول دیے۔ وہ پلٹ کر اُٹھ کھڑا
ہوا۔ پھر اس نے گردن گھما کر دروازے کو دیکھا۔ تیز تیز قدموں
سے جاکر دروازہ دیکھا تو وہ اندر سے کھلا تھا اور کنڈی ٹوٹی پڑی
تھی۔ اس کی آنکھوں میں غضب اُتر آیا۔

"کون آیا تھا اندر؟ کس نے یہ کنڈی توڑ دی؟"

وہ چیخا۔ اب عنبر کے لیے انتظار کرنا خطرناک تھا، کیونکہ
بکھ چیخ کر سارے نوکروں کو کمرے میں بلا سکتا تھا۔ عنبر نے
اپنے سر پر سے سکھوں والی پگڑی اتار دی تھی اور نیلا کرتا بھی
پھینک دیا تھا۔ وہ صوفے کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا۔ جب بکھ
جاگیردار خنجر لے کر دوسری بار شہزادی کی طرف بڑھا تو اس کی
آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ عنبر صوفے کے پیچھے سے نکل
آیا۔

بکھ جاگیردار نے جو ایک اجنبی مسلمان کو اپنے خاص کمرے
میں دیکھا تو غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس نے عنبر سے کچھ پوچھے

کی بجائے اسی جگہ سے کھڑے کھڑے خنجر عنبر کی طرف پھینکا۔ عنبر
اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ خنجر اس کے سینے سے ٹکرا کر گر پڑا۔
جاگیردار بکھ نے لپک کر مسہری کے نیچے چھپا کر رکھی ہوئی خم دار
تیز پھل والی تلوار نکال لی اور عنبر پر لپکا۔

"تم کو میرے کمرے میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی
بدبخت، اب مرنے کے لیے تیار ہو جا۔"

شہزادی زیب النساء نے جب دیکھا کہ عنبر جواب میں کوئی
حرکت نہیں کر رہا اور ویسے ہی بت بنا کھڑا سکھ جاگیردار کی طرف
دیکھ کر مسکرا رہا ہے تو خوف سے اس کی گھگھی بندھ گئی۔ سمجھ
گئی کہ یہ اپنی جان سے گیا۔ بکھ دیکھ اسے زندہ نہیں چھوڑے
گا۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ خنجر کے وار سے بچ گیا۔ سکھ
جاگیردار نے تلوار کا بھرپور وار کیا۔ تلوار سیدھی عنبر کی کھوپڑی
میں لگی۔ اسے یقین تھا کہ اس کا سر دو ٹکڑے ہو کر نیچے گر
پڑے گا، کیونکہ عنبر اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا رہا تھا۔ اس
نے اپنی تلوار سے وار روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ لیکن
ایسا نہ ہوا۔

سکھ جاگیردار نے جب دیکھا کہ عنبر کی کھوپڑی کو کچھ بھی نہیں ہوا
بلکہ الٹا اس کی تلوار عنبر کے فولاد ایسے سر سے ٹکرانے کے بعد
ذرا ٹیڑھی ہو گئی ہے تو وہ کچھ پریشان سا ہوا۔ پھر اس نے

سوچا کہ شاید عنبر نے سر پر فولادی ٹوپی پہن رکھی ہے — اس نے دوسری بار پہلے سے زیادہ طاقت کے ساتھ وار کیا — تلوار ایک بار پھر عنبر کے سر پر پڑی اور ٹوٹ گئی۔

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"پہلے تو اپنی حسرت پوری کرے، پھر میں وار کروں گا۔"

ٹوٹی ہوئی تلوار کا دستہ سکھ جاگیردار کے ہاتھ میں تھا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے عنبر کو تک رہا تھا — اچانک اُس نے بھاگ کر دیوار کے ساتھ لگا ایک خنجر اُتارا اور نعرہ لگا کر عنبر کے پیٹ میں گھونپ دیا، یعنی اپنی طرف سے گھونپ دیا — کیونکہ عنبر کے پیٹ سے ٹکراتے ہی خنجر ٹیڑھا ہو کر سکھ کے ہاتھ سے گر پڑا — اب تو شہزادی زیب النساء بھی ہکّی بکّی ہو کر رہ گئی تھی اور عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی — جیسے وہ کوئی آسمانی مخلوق ہو — عنبر نے سکھ جاگیردار کے کندھے پر اپنا فولادی پنجہ رکھا اور اُسے ذرا سا ہلا کر کہا:

"اب میرا وار سہنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

سکھ جاگیردار نے شور مچایا ہی تھا کہ عنبر نے تلوار اس کے دل میں گھونپ دی۔ سکھ جاگیردار نے دل کو تھام لیا — خون کا فوارہ اس کے ہاتھوں کی انگلیوں میں سے اچھل پڑا — وہ اسی طرح دل تھامے تھامے لڑکھڑایا اور قالین پر بے جان ہو کر گر پڑا۔

عنبر نے تلوار نیام میں ڈالی اور شہزادی سے کہا:

"ہو سکتا ہے، اس کی آواز کسی نوکر نے سُن لی ہو — ذرا دیر انتظار کریں۔"

اور ایسا ہی ہوا — بغلی کمرے کے برآمدے میں سے گزرتے ہوئے ایک سکھ پہرے دار نے اپنے مالک کی آواز سُن لی تھی — وہ نیزہ تانے چھلانگ لگا کر کمرے میں آ گیا۔ عنبر پردے کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ اس نے ٹانگ آگے کر دی۔ سکھ پہرے دار نیزے سمیت منہ کے بل گر پڑا — عنبر نے اسی کا نیزہ چھین کر اس کی پیٹھ میں گھونپ دیا۔

"یہاں سے بھاگ چلیں — آئیں —"

عنبر اپنے ساتھ شہزادی زیب النساء کو لے کر دوسری منزل کے برآمدے میں آ گیا۔ وہاں اندھیرا تھا — سیڑھیاں اُتر کر وہ نیچے والے برآمدے میں آ گئے — یہاں بھی اندھیرا تھا — باغ میں سکھوں کی جو لاشیں پڑی تھیں، اس کی ابھی تک کسی کو خبر نہیں ہوئی تھی — اب یہاں سے فرار ہونا ذرا مشکل کام تھا — کیونکہ حویلی کے ارد گرد باغ میں پہرہ لگا تھا — دروازے پر بھی سکھ سپاہی بیٹھے پہرہ دے رہے تھے —

عنبر نے سوچا کہ اسی درخت کی ٹہنی کی مدد سے باہر نکلنا چاہیے — وہ شہزادی کو لے کر باغ کی دیوار کے پاس آ گیا —

درخت کی ٹہنی نیچے جھکی ہوئی تھی — عنبر نے اُسے اور نیچے کھینچ لیا
اور شہزادی سے کہا :

"اسے پکڑ کر باہر نکلنے کی کوشش کریں "

شہزادی زیب النساء کو موت کے خوف نے بہادر بنا دیا تھا۔
اس نے اچھل کر درخت کی ٹہنی کو تھاما اور پھر عنبر کی مدد سے
درخت پر چڑھ گئی اور دیوار کی دوسری طرف اُتر گئی۔ اس کے
ساتھ ہی عنبر بھی دوسری طرف آ گیا —

رات کافی گزر چکی تھی — آسمان ستاروں سے روشن تھا۔
چاروں طرف خاموشی تھی — عنبر نے شہزادی کو ساتھ لیا اور مقبرہ
جہانگیر کی بستی کی طرف چل پڑا — ایک باغ میں سے گزرتے ہوئے
انہیں درخت کے ساتھ گھوڑا بندھا دکھائی دیا — عنبر نے شہزادی
کو گھوڑے پر بٹھا دیا اور خود اس کی باگ تھام کر ساتھ ہو لیا۔
بستی دور سے اندھیرے میں ڈوبی دکھائی دے رہی تھی۔ صرف
ایک مکان کے باہر دیا جل رہا تھا جس کی روشنی ٹمٹما رہی تھی —
بستی کی گلیاں سنسان تھیں — عنبر نے بستی کے باہر ہی سے گھوڑے
کو واپس موڑ دیا تھا تاکہ وہ اپنے باغ میں مالک کے پاس پہنچ
جائے — رحمان بابا نے آہستہ سے ڈیوڑھی کے دروازے کے
پیچھے سے پوچھا :

"کون ہے ؟"

"میں ہوں بابا!"

شہزادی زیب النساء کی آواز سُن کر رحمان بابا نے خدا کا
شکر ادا کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا — وہ تیزی سے ایک
کوٹھڑی میں آ گئے — عنبر نے دروازہ بند کر دیا — رحمان بابا نے
شہزادی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا :

"یا اللہ تیرا شکر ہے کہ شہزادی واپس مل گئی — نہیں تو حشر
کے دن بادشاہ سلامت کو کیا جواب دیتا "

عنبر نے کہا :

"بابا! اس وقت یہاں خطرہ ہی خطرہ ہے "

پھر اس نے ساری رام کہانی اُسے سُنا ڈالی اور بتایا کہ
اس وقت یہاں سے چند کوس کے فاصلے پر سکھ جاگیردار کی
حویلی میں اور اس کے باغ میں کتنی ہی لاشیں پڑی ہیں۔

"صبح ہوئی تو سب کو پتا چل جائے گا اور سکھ فوجی ہماری
تلاش میں یہاں پہنچ جائیں گے۔ اس صوبے کا راجہ اس بہانے
تم دونوں کو پھانسی چڑھا دے گا "

شہزادی نے کہا :

"ہمیں یہاں سے فوراً فرار ہو جانا چاہیے "

"مگر آپ لوگ کہاں جائیں گے ؟" عنبر نے سوال کیا۔

اس کے جواب میں رحمان بابا نے اسے سمجھایا کہ وہ فرار ہو کر

سمرقند پہنچنا چاہتے ہیں جو شہزادی کے آباؤاجداد کا اصل وطن ہے۔
یہ بات عنبر کو پسند آئی — کیونکہ صرف سمرقند یا ایران پہنچ کر ہی
شہزادی اور شاہی ہار محفوظ ہو سکتا تھا — لیکن سوال یہ تھا کہ یہاں
سے فرار ہو کر کس طرف جایا جائے؟

عنبر نے کہا:

"یہ بعد میں سوچیں گے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جاسوسوں
سے کیونکر بچ کر نکلا جائے — پہلے یہاں سے نکلنا ضروری ہے۔"

رحمان بابا بولا:

"تو پھر ہمیں رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

"یہی میں بھی چاہتا ہوں۔" عنبر نے کہا: "افسوس میں
نے گھوڑے کو واپس بھگا دیا — شہزادی ہمارے ساتھ زیادہ دُور
تک پیدل نہ جا سکے گی۔"

شہزادی نے کہا:

"میں آزادی اور زندگی کی خاطر بڑی سے بڑی تکلیف اُٹھا
سکتی ہوں — آپ میرا فکر نہ کریں۔"

"تو پھر تیار ہو جائیں۔"

رحمان بابا نے کہا:

"ہم تیار ہیں۔"

"تو پھر میرے ساتھ آئیں۔" عنبر بولا۔

عنبر نے ان دونوں کو ساتھ لیا اور مکان کے پچھلے دروازے
سے نکل کر رات کے اندھیرے میں بستی کے کھیتوں میں آ گئے۔
رات کا پچھلا پہر تھا — ستاروں سے بھرا ہوا آسمان بڑا روشن تھا۔
چونکہ اس زمانے میں نہ تو کارخانے ہوتے تھے اور نہ ریلوے انجن۔
اس لیے آسمان پر دھواں بالکل نہیں پھیلتا تھا اور رات کو ستارے
بڑے چمکا کرتے تھے — ان کی روشنی میں کھیت دُور تک پھیلے
نظر آ رہے تھے۔

یہ لوگ راتوں رات دریائے چناب پار کر کے جہلم کی پہاڑیوں
کی جانب نکل جانا چاہتے تھے — تاکہ وہاں کسی پہاڑی غار میں
آرام کر کے آگے جانے کی سکیم تیار کر سکیں۔

شہزادی زیب النساء کو یہ علم ہو چکا تھا کہ عنبر کے پاس جادو
کی کوئی غیر معمولی طاقت ہے جس کی وجہ سے اُس پر خنجر تلوار اور
نیزے کا کچھ اثر نہیں ہوتا — وہ اس جادو کے بارے میں عنبر
سے کچھ سوال کرنا چاہتی تھی، مگر کسی سکون کی جگہ پہنچنے کے بعد —
ابھی تو اسے اپنی جان کی فکر پڑی تھی، پھر بھی اُسے عنبر کی جادو
گری پر بڑا بھروسا تھا کہ وہ ان دونوں کی حفاظت کر سکتا ہے۔

ستاروں کی دھیمی دھیمی روشنی میں وہ تینوں بستی سے دُور
نکل آئے — اب وہ کلکتے سے پشاور تک جاتی شیر شاہ سوری کی
بنائی ہوئی شاہراہ اعظم سے ذرا ہٹ کر مگر اس کے ساتھ ساتھ

آگے بڑھ رہے تھے۔ کھیتوں کی پگ ڈنڈیوں پر چلتے چلتے شہزادی
تھک گئی تھی۔ اسے پیدل چلنے کی عادت نہیں تھی پھر بھی
یہ خیال اسے حوصلہ دے رہا تھا کہ وہ اپنی عزت اور زندگی کی
خاطر یہ قربانی دے رہی ہے۔

رحمان بابا نے ذرا فاصلے پر شیر شاہ سوری کی بڑی سڑک
کے کنارے اُگے درختوں کے جھنڈ دیکھے تو کہا:

"ہمارے لیے وہ سڑک خطرناک ثابت ہو سکتی ہے وہاں
ہمارے پکڑے جانے کا ڈر ہے۔"

عنبر بولا:

"اسی لیے میں اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہوں مگر اُس
طرف کا رُخ نہیں کر رہا۔"

شہزادی نے کہا:

"سوال یہ ہے کہ کیا ہم دریائے چناب تک یونہی پیدل
چلتے چلتے جائیں گے؟"

عنبر بولا:

"دن چڑھنے سے پہلے پہلے ہم کوشش کریں گے کہ کہیں
سے گھوڑے مل جائیں۔ اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر ہم جنگل میں
جا کر کسی جگہ آرام کریں گے اور جب رات ہو گی تو گھوڑوں کا
بندوبست کریں گے۔"

رحمان بابا نے کہا:

"سڑک پر جو سرائیں پڑتی ہیں، وہاں سے ہم گھوڑے خرید
سکتے ہیں۔ میرے پاس سونے کے کچھ سکے محفوظ پڑے ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"یہاں کے سکھ سپاہی جو گھوڑے لیے پھرتے ہیں، وہ بھی
مسلمانوں کے ہی ہیں۔ ہم ان سے ہتھیانے کی کوشش کریں
گے۔"

اسی طرح باتیں کرتے وہ کافی دور تک نکل گئے۔ بڑی
سڑک پر جب بھی کوئی سرائے آتی تو انہیں دور سے اس کے
جلتی مشعل کی روشنی دکھائی دیتی۔ رحمان بابا نے پانی سے
بھری ہوئی چھاگل اور ستو ساتھ رکھ لیے تھے۔ شہزادی نے دو
تین مرتبہ پانی پیا۔ ذرا کی ذرا آرام کیا اور دوبارہ سفر شروع
کر دیا۔

ابھی دن نہیں نکلا تھا کہ عنبر کو گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز
سنائی دی۔

عنبر نے کہا:

"یہ آواز سڑک کی طرف سے آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے، کوئی
سوداگر گھوڑے بیچنے دوسرے صوبے میں جا رہا ہے۔ آپ لوگ
اسی جگہ ٹھہر کر میرا انتظار کریں۔"

وہ جانے کے لیے مُڑا تو شہزادی نے کہا:

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

عنبر نے جاتے جاتے کہا:

"گھوڑوں کا انتظام کرنے۔"

عنبر رات کی دم توڑتی تاریکی میں گم ہو گیا — رحمان بابا اور شہزادی ایک جگہ درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گئے —

عنبر کھیت میں سے ہو کر شاہراہ اعظم پر آ گیا — اونچے اونچے گھنے درختوں کے سائے میں بڑی سڑک خاموش تھی۔ یہ پتھر اور اینٹوں کو ساتھ ساتھ جوڑ کر بنائی گئی تھی — ہر پانچ کوس کے فاصلے پر کنواں اور سرائے ملتی تھی۔ جہاں بیٹھ کر مسافر آرام کرتے تھے اور پھر تازہ دم ہو کر آگے سفر کرتے تھے — یہ بھی ایک چھوٹی سی سرائے تھی جس کا دروازہ بند تھا اور اندر سکھ سپاہی شور مچا رہے تھے۔

سرائے کے دروازے پر مشعل جل رہی تھی، جو بجھنے کے قریب تھی — ایک سکھ سپاہی بیٹھا پہرہ دے رہا تھا — عنبر اوپر سے ہو کر سرائے کے پیچھے آ گیا — وہ دبے پاؤں چلتا پہرے دار کے قریب آ کر رک گیا — پاس ہی چھ سات گھوڑے کھڑے تھے — ان کے آگے چارہ ڈال دیا گیا تھا، جسے وہ مزے

ے کر کھا رہے تھے —

عنبر کے پیر سے ایک پتھر ٹکرا کر لڑھک گیا — آہٹ پر کھ پہرے دار اُٹھ کر عنبر کی طرف آیا — عنبر دیوار کی ٹ میں ہو گیا — اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا — کمر کے ساتھ وار لٹک رہی تھی اور بڑی سی پگڑی کے ساتھ چکر بندھے ہوئے تھے —

جب یہ سکھ سپاہی عنبر کے بالکل قریب سے گزرا تو عنبر نے پیچھے سے اس کے سر پر ایک ہاتھ مارا، وہ وہیں بیہوش ہو کر گر پڑا —

عنبر جلدی سے گھوڑوں کے پاس آیا — اُسے ایک ہی ڈر تھا کہ کہیں گھوڑے آواز نہ پیدا کر دیں — اس خیال سے عنبر نے قریب آ کر گھوڑوں کو پیار کیا — ذرا سا پچکارا - پھر بڑے آرام سے تین گھوڑے کھولے اور انہیں لے کر کھیتوں کی طرف چل پڑا —

گھوڑے بڑے شریف تھے — کسی نے ذرا سا بھی اعتراض نہ کیا — شاید وہ بھی سکھوں کے پاس رہ رہ کر تنگ آ چکے تھے —

رحمان بابا اور شہزادی نے دُور سے تین گھوڑوں کو آتے دیکھا تو جھاڑیوں سے باہر آ گئے —

عنبر نے قریب آ کر کہا :

" ان پر سوار ہو کر یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے ، نکل چلیں ۔"

ماریا مل گئی

تینوں گھوڑے سرپٹ دوڑے جا رہے تھے ۔

ابھی پو پھٹی ہی تھی کہ انہوں نے دور سے دریائے چناب کے پل والی چوکی کو دیکھا ، جہاں ایک مشعل جل رہی تھی ۔ اس چوکی پر ہر شخص کی پڑتال ہوتی تھی ۔ اس زمانے میں ٹیلیفون یا وائرلیس تو تھا نہیں کہ اس چوکی والوں کو شہزادی کے فرار کی خبر مل گئی ہوتی ۔ پھر بھی پڑتال کرنے پر وہاں کے سپاہیوں کو شک پڑ سکتا تھا ۔

عنبر نے کہا :

" میرا خیال ہے ، ہم کسی دوسری جگہ سے دریا پار کرتے ہیں ۔"

رحمان بابا کہنے لگا :

" میرا خیال ہے ، سوائے اس کشتیوں کے پل کے دریا پر دوسرا کوئی پل نہیں ہے ۔"

عنبر نے کہا :

" اس پل کی چوکی پر تو شہزادی کو پہچان لیا جائے گا ۔"

رحمان بابا نے کہا :

"ہم کوشش کرتے ہیں کہ سپاہیوں کو جُل دے کر نکل جائیں۔ آؤ میرے ساتھ ۔"

شہزادی نے کہا :

"عنبر، کیا تمہارا جادو ہمیں یہاں سے نہیں نکال سکتا ؟"

رحمان بابا نے پوچھا :

"کون سا جادو ؟"

پھر شہزادی نے بابا کو بتایا کہ عنبر بہت بڑا جادوگر بھی ہے۔ اس پر تلوار، نیزہ اور خنجر کوئی اثر نہیں کرتا۔ رحمان بابا نے عنبر سے پوچھا :

"کیا شہزادی صاحبہ سچ کہہ رہی ہیں عنبر بیٹا ؟"

عنبر نے جواب میں کہا :

"کسی حد تک سچ کہہ رہی ہیں۔ مگر، مگر میرا جادو کبھی کبھی چلتا ہے اور پھر میں اپنے آپ کو تو جادو کے زور سے بچا سکتا ہوں۔ کسی دوسرے کو نہیں بچا سکتا ۔"

رحمان بابا مسکرایا :

"چلو کوئی بات نہیں — ہمارا بچانے والا خدا جو ہے۔ جادو ہمارے دین میں حرام ہے ۔"

اور وہ تینوں دریا کی چوکی پر آگئے جو پُل کے پاس ہی

تھی ہوئی تھی — صبح کی ہلکی ہلکی روشنی اب پھیلنے لگی تھی اور دریا کا پاٹ صاف دکھائی دے رہا تھا — ہوا چل رہی تھی — کشتیوں کے پل پر سے چند بھینسیں اپنے گوالے کے ساتھ گزر رہی تھیں —

چوکی کے باہر دو سکھ سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے پُرانے زمانے کی لمبی لمبی سنگینوں والی توڑے دار بندوقیں کندھوں پر لگا رکھی تھیں — چوکی کے اندر ایک ہندو منشی پیچ دار مغلیہ طرز کی پگڑی باندھے بیٹھا سامنے زرد کاغذوں کا دستہ رکھے کام کر رہا تھا —

عنبر نے سوچا کہ ان لوگوں کو اگر بتا دیا جائے کہ سو سال بعد اس جگہ ایک شاندار ریلوے پل تعمیر ہو گا اور اس کے اوپر سے ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ڈیزل ریل کار گزرا کرے گی تو انہیں ہرگز یقین نہیں آئے گا —

رحمان بابا کوٹھڑی میں چلا گیا — عنبر شہزادی کے پاس کھڑا رہا — رحمان بابا نے ہندو منشی کو جا کر بتایا کہ وہ اپنی بیٹی اور بیٹے کے ساتھ جہلم گھوڑے خریدنے جا رہا ہے اور وہ گھوڑوں کا سوداگر ہے —

منشی نے چراغ کی روشنی میں بڑے غور سے رحمان بابا کو دیکھا — دو چار سوال کیے اور پھر کہا :

"جاؤ۔"

دریا پر سے گزرتے ہوئے عنبر نے رحمان بابا سے کہا:

"اگر ان لوگوں کے پاس ٹیلی فون ہوتا تو وہ اس جگہ فوراً گرفتار کر لیے جاتے۔"

"ٹیلی فون — وہ کیا ہوتا ہے؟" شہزادی نے پوچھا۔

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"یہ آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔"

رحمان بابا نے کہا:

"پھر بھی کچھ بتاؤ تو سہی۔"

عنبر نے انہیں بتایا کہ ٹیلی فون کیا ہوتا ہے — ٹیلی ویژن کیا ہوتا ہے — ایٹم بم کیا ہوتا ہے اور کمپیوٹر کیا ہوتا ہے۔ رحمان بابا اور شہزادی اس کی باتیں یوں سن رہے تھے جیسے وہ کسی انوکھی کہانی سنا رہا ہو۔

شہزادی نے کہا:

"تمہیں ان ساری چیزوں کی کیسے خبر ہو گئی؟"

عنبر بولا:

"میں سو سال بعد کی دنیا سے آ رہا ہوں۔"

رحمان بابا ہنس پڑا:

"عنبر بیٹا، تمہاری باتیں سن کر مجھے گمان ہونے لگا ہے کہ شاید تمہارے دماغ میں ذرا سا خلل پڑ گیا ہے۔"

شہزادی نے کہا:

"یہ تو کسی دوسرے سیارے کی باتیں لگتی ہیں۔"

عنبر بولا:

"نہیں شہزادی صاحبہ، یہ اسی سیارے، اسی زمین کی باتیں ہیں — سو سال بعد یہ زمین بے حد ترقی کر چکی ہوگی، بلکہ ترقی کر چکی ہے — میں سو سال پیچھے آ گیا ہوں، مگر آپ لوگ سو سال آگے نہیں جا سکتے — اس کے لیے سو سال گزارنے ہوں گے جو آپ نہیں کر سکیں گے۔"

دونوں عنبر کی باتیں منہ کھولے سن رہے تھے۔ وہ منہ سے کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔ دماغ دونوں کے یہی سوچ رہے تھے کہ عنبر شاید زیادہ سفر کی وجہ سے پاگل ہو گیا ہے — رحمان بابا نے دل میں طے کر لیا کہ دریا پار کر کے عنبر کو آرام کرنے کا مشورہ دیا جائے گا —

عنبر خاموش ہو گیا — اس کے پاس یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ سو سال بعد کے زمانے سے آیا ہے، کوئی ثبوت نہیں تھا — اس کا ٹیپ ریکارڈر، پستول، کیلکولیٹر اور سگریٹ لائیٹر سب کچھ ضائع ہو چکا تھا —

دریا کا پل انہوں نے پار کر لیا —

اب دن نکل آیا تھا — سامنے جہلم کی پہاڑیاں تھیں۔ یہ آج سے بہت پہلے کی پہاڑیاں تھیں — اور عنبر نے دیکھا کہ کچھ زیادہ ہی خشک اور بنجر نظر آ رہی تھیں — وہ بڑی پتھریلی سڑک پر گھوڑے دوڑاتے چلے گئے — آگے ایک اور سرائے آ گئی — یہاں انہوں نے آرام کیا، غسل کیا، کچھ ناشتا کیا اور تازہ دم ہو کر دوبارا سفر پر روانہ ہو گئے —

رحمان بابا، شہزادی زیب النساءؒ اور عنبر اسی طرح سفر کرتے رہے — انہیں تین دن گزر گئے — جہلم کی پہاڑیوں میں انہوں نے دو روز قیام کیا اور پھر سفر پر چل پڑے — اسی طرح سفر کرتے کرتے وہ پشاور کی سرحد پر پہنچ گئے — یہاں انگریزوں نے ایک زبردست قلعہ بنا رکھا تھا — اس جگہ شہزادی اور رحمان بابا کے فرار کی اطلاع تیز رفتار گھوڑ سواروں کی وجہ سے پہنچ چکی تھی۔ اور سرحد پار کرنے والے ایک ایک مسافر کی پوری طرح سے جانچ پڑتال کی جا رہی تھی۔

عنبر نے دُور ہی سے خطرے کی بو سونگھ لی تھی — اُس نے گھوڑے یہاں فروخت کر دیے اور کاروان سرائے میں جا کر اُتر گیا — رحمان بابا اور شہزادی کو اس نے خطرے سے آگاہ کر دیا کہ یہاں ان کے فرار کی یقیناً اطلاع پہنچ چکی ہے۔

"پھر کیا کریں؟" رحمان بابا نے کہا۔

شہزادی کہنے لگی:

"کیوں نہ ہم پہاڑیوں کی طرف سے سرحد پار کر کے کابل پہنچ جائیں —"

عنبر نے کہا:

"ادھر بھی انگریزی اور سکھ فوج گشت کرتی رہتی ہے۔ آپ لوگوں کی زندگی کو خطرہ ہو گا۔"

"پھر تمہارا خیال کیا ہے؟" بابا نے پوچھا۔

عنبر بولا:

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اس طرح پڑے نہیں رہنا چاہیے۔ بھیس بدل کر سرحد کی چوکی سے گزرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

یہ خیال سب کو پسند آیا — دوسرے روز رحمان بابا اور شہزادی نے فقیروں ایسا بھیس بدلا — گلے میں منکے ڈالے اور سرحد کے دروازے پر جا پہنچے —

ان دنوں سرحدوں پر اتنی زیادہ چیکنگ نہیں ہوا کرتی تھی۔ لیکن اگر کوئی مفرور قیدی یا مجرم ملک سے بھاگ رہا ہو تو سرحدوں پر جانچ پڑتال سخت ہو جاتی تھی — پاسپورٹ تو اس زمانے میں کوئی نہیں ہوتا تھا — نہ ہی ویزا لینا پڑتا تھا — عنبر دُور کھڑا ان دونوں کو سرحد کے دروازے پر کھڑے دیکھ رہا تھا۔

انگریزوں کو بھی اُن کے جاسوسوں نے پوری پوری خبر کر دی تھی کہ

رحمان بابا اور شہزادی آج مرحلہ پار کرنے کی کوشش کریں گے۔ انگریز کپتان کے ساتھ ایک سکھ سپاہی بھی کھڑا تھا — انہوں نے بڑے غور سے رحمان بابا اور شہزادی کی طرف دیکھا — شہزادی نہیں چاہتی تھی کہ وہ فقیروں کا بھیس بدلے — مگر اسے ان لوگوں نے مجبور کر کے فقیرنی بنا دیا تھا — پھر بھی اس کی نیلی آنکھوں میں وہی وجاہت اور شاہی خاندان کی کشش تھی۔

مکار تجربہ کار انگریز کپتان نے ایک ہی نظر میں اسے پہچان لیا۔ عنبر نے نولکھا ہار اپنے پاس لے کر رکھ لیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ انگریز کپتان نے سپاہی کو اشارہ کیا۔ سکھ سپاہی نے آگے بڑھ کر شہزادی اور رحمان بابا کو گرفتار کر لیا اور ان دونوں کو پکڑ کر قلعے کے اندر لے گئے۔

عنبر ایک دم پریشان ہو گیا کہ انہوں نے کیا سوچا تھا اور کیا ہو گیا ہے — نولکھا ہار عنبر نے رحمان بابا سے لے کر اپنی کمر کے گرد لپیٹ رکھا تھا — اب اُسے شہزادی کی فکر ہوئی۔ کیونکہ انگریز تو اسے فوراً واپس لاہور پہنچا دیں گے اور شاہی قلعے میں لے جا کر قید میں ڈال دیں گے جہاں سے وہ ساری زندگی رہا نہ ہو سکے گی۔

شام تک عنبر یہی سوچتا رہا کہ قلعے کے اندر کس طرح سے اور کس طرف سے داخل ہو — اسے یہی خطرہ تھا کہ اس کی دم

[illegible] شہزادی کو اور رحمان بابا کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ [illegible] انہیں فرار ہوتا دیکھ کر انگریز یا سکھ سپاہی انہیں [illegible] ہلاک بھی کر سکتے تھے — شام کو قلعے کا دروازہ بند کر دیا [illegible] اب صرف ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلی تھی جس میں سے بہت [illegible] کے وقت کوئی آ جا سکتا تھا۔

عنبر کاروان سرائے سے نکل کر باہر درختوں کے نیچے آ کر [illegible] پر بیٹھ گیا — دو ایک جگہوں پر شمعیں جل رہی تھیں جن [کی] روشنی میں کچھ مسافر بیٹھے کھانا وغیرہ پکانے کی تیاریاں [کر] رہے تھے۔ عنبر کو اچانک محسوس ہوا، جیسے کسی نے اس کے [قر]یب آ کر گہرا سانس لیا ہے۔ عنبر ایک دم چونک پڑا۔

"ماریا، کیا یہ تم ہو؟"

عنبر کو کسی عورت کی ہنسی کی آواز آئی — عنبر کو اپنی پیاری بہن ماریا کی ہنسی کی آواز پہچاننے میں ذرا دیر نہ لگی۔ ماریا نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا — عنبر ماریا کا ہاتھ تو نہیں دیکھ سکتا تھا، مگر اس کے ہاتھ کی گرماہٹ کو فوراً پہچان گیا۔

"ماریا، میری بہن — تم آ گئیں؟"

"ہاں عنبر بھائی"

ماریا عنبر کی بہن تھی، جیسا کہ آپ موت کے تعاقب کی پہلی قسطوں میں پڑھ چکے ہیں — ماریا میں یہ خوبی تھی کہ وہ

لوگوں کو دیکھ سکتی تھی، مگر خود کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ ایک عرصے سے ماریا عنبر سے بچھڑ گئی تھی— اس نے کہا تھا کہ وہ وقت آنے پر اُسے ضرور ملے گی۔

عنبر نے کہا:

"خدا کا شکر ہے کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔"

ماریا نے پوچھا:

"ناگ کہاں ہے؟ کیا وہ بھی ملا کہ نہیں؟"

عنبر نے کہا:

"ہاں ناگ بھی مل گیا ہے— وہ اس وقت میرا خیال ہے کہ سوی کو لے کر اُس کے ماں باپ کی طرف جا رہا ہوگا۔"

ماریا نے پوچھا:

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

عنبر نے ماریا کو شروع سے لے کر آخر تک ماریا کو سارے واقعات ایک ایک کر کے سنائے— ماریا اُسے دکھائی تو نہیں دے رہی تھی لیکن اسے معلوم تھا کہ وہ اُس کے قریب ہی بیٹھی اس کی باتیں بڑے غور سے سن رہی ہے۔ عنبر آہستہ آہستہ بول رہا تھا کہ کوئی دوسرا اسے دیکھ کر یہ نہ سوچے کہ یہ کوئی پاگل ہے کیا کہ اکیلا بیٹھا اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہے— اور آخر ایسا ہی ہوا— ایک نوجوان لڑکا دیکھ رہا تھا کہ عنبر اکیلا بیٹھا اپنے آپ

باتیں کر رہا ہے— وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ شخص کس کے ساتھ گفتگو کر رہا ہے، جب کہ اس کے پاس تو کوئی بھی نہیں بیٹھا— وہ عنبر کے قریب آ گیا اور ہنس کر بولا:

"معاف کیجیے، آپ کو اپنے آپ سے باتیں کرنے کی عادت ہے کیا؟"

ماریا مسکرانے لگی— عنبر نے ذرا سا کھانس کر کہا:

"میں اپنی بہن سے باتیں کر رہا ہوں۔"

نوجوان نے حیران ہو کر پوچھا:

"کہاں ہے آپ کی بہن، مجھے تو یہاں سوائے آپ کے کوئی نظر نہیں آتا۔"

عنبر نے کہا:

"آپ میری بہن سے ملیں گے؟"

وہ نوجوان ہنسنے لگا— سمجھ گیا کہ یہ کوئی پاگل شخص ہے۔ چلو اس کی ہاں میں ہاں ملا لیتے ہیں— ذرا خوش ہو جائے گا۔ نوجوان نے عنبر سے ہنستے ہوئے کہا:

"چلو بھائی ملا دو۔"

عنبر نے کہا:

"اپنا ہاتھ مجھے دو۔"

اس نوجوان نے اپنا ہاتھ بڑھا کر عنبر کے ہاتھ میں دے دیا۔

عنبر نے چپکے سے وہ ہاتھ ماریا کی طرف بڑھا کر کہا:

"بہن اس شخص سے ہاتھ ملاؤ۔"

ماریا نے آگے ہو کر نوجوان کا ہاتھ تھام لیا — جب اس نوجوان نے اپنے ہاتھ میں ایک ایسی عورت کا ہاتھ محسوس کیا۔ جسے وہ دیکھ نہیں رہا تھا تو دہشت سے اُسے پسینہ آگیا۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ ماریا نے آہستہ سے اس کا ہاتھ دبا کر کہہ دیا:

"کیا حال ہے بھائی جان؟"

ماریا کی آواز سن کر اُس نوجوان نے ایک چیخ ماری اور بھوت بھوت کہتا وہاں سے ایسا بھاگا کہ پھر پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھا — ماریا اور عنبر ہنسنے لگے۔

عنبر نے ماریا سے کہا:

"اب تمہیں قلعے کے اندر جا کر شہزادی زیب النساء اور رحمان بابا کو وہاں سے نکالنا ہے — یہ کام اگرچہ مشکل ہے، مگر میں جانتا ہوں کہ سوائے تمہارے اور کوئی یہ کام نہیں کر سکتا —"

ماریا بولی:

"تم ایسا کرو کہ اس کاروان سرائے سے ہٹ کر کوئی ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک پرانی کوٹھڑی کھیت میں ہے۔ تم وہاں جا کر میرا انتظار کرو۔ جب تک میں نہ آؤں، تم وہاں سے مت جانا۔"

"تم کب تک واپس آسکو گی؟"

"یہ قلعے کے اندر کے حالات دیکھ کر ہی اندازہ ہو سکے گا۔ بہرحال تم مجھے جانتے ہو اور میرے کارناموں سے بھی واقف ہو۔ میں جلد سے جلد آنے کی کوشش کروں گی۔ میں جا رہی ہوں۔"

ماریا کو ہر بار جاتے ہوئے کہنا پڑتا تھا کیونکہ عنبر ماریا کو جاتے یا آتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا، وہ تو کسی کو بھی نظر نہیں آسکتی تھی —

ماریا کے جاتے ہی عنبر کاروان سرائے کے پیچھے سے ہو کر کھیتوں میں ماریا کی بتائی ہوئی کوٹھڑی کی طرف چل دیا۔ یہ ایک کھیت میں کچی کوٹھڑی تھی۔ جہاں دن میں شاید گوالے لوگ آکر بیٹھا کرتے تھے — وہاں اندھیرا تھا — عنبر کوٹھڑی کے باہر ایک جگہ بیٹھ گیا۔

ماریا چونکہ غیبی عورت تھی، اس لیے وہ بڑی آسانی سے قلعے کے اندر داخل ہو سکتی تھی، اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا — پس وہ بڑے آرام سے قلعے کے دروازے پر پہنچ گئی — قلعے کا بڑا دروازہ تو بند تھا — ہاں اس کی ایک ہی کھڑکی تھی، جس کے اندر کی جانب ایک سکھ سپاہی بیٹھا پہرہ دے رہا تھا اور جب کوئی اندر سے باہر یا باہر سے اندر جاتا تو وہ کھڑکی بند کر دیتا تھا — جب ماریا وہاں پہنچی تو کھڑکی بند تھی — اُس نے دروازے پر

دستک دی —

اندر بیٹھے ہوئے پہرے دار نے کھڑکی کھول کر پوچھا:

"کون ہے؟"

پھر اس نے باہر جھانکا — وہاں کوئی بھی نہیں تھا — لیکن اس دوران میں ماریا بڑے آرام سے کھڑکی میں سے اندر داخل ہو چکی تھی۔

قلعے کے اندر ایک لمبی ڈیوڑھی تھی جہاں دونوں جانب چبوتروں پر شمعیں روشن تھیں — آگے گول میدان تھا، جس کے تینوں طرف برآمدہ تھا اور کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں — ان کوٹھڑیوں میں دو ایک جگہوں پر روشنی ہو رہی تھی — ماریا نے برآمدے کا چکر لگایا اور ہر کوٹھڑی میں جھانک کر دیکھا — وہاں سوائے انگریز یا سکھ سپاہیوں کے اور کوئی نہیں تھا۔

عنبر نے ماریا کو شہزادی اور ریحان بابا کا پورا پورا حلیہ بتا رکھا تھا — ماریا نے سوچا کہ شہزادی کو انگریزوں نے یا تو قلعے کے کسی برج میں اور یا پھر کسی تہہ خانے میں قید کر رکھا ہوگا — سب سے پہلے ماریا اوپر ایک برج میں گئی — وہ خالی تھا — قلعے کے چار برج تھے — چاروں ہی خالی تھے اور وہاں پہرے دار بیٹھے پہرہ دے رہے تھے — اب ماریا تہہ خانے کو جانے کا راستہ تلاش کرنے لگی — اُسے یہ راستہ بھی کہیں دکھائی نہ دیا۔

وہ برآمدے کے ستون کے پاس کھڑی تھی کہ ایک سکھ سپاہی اس کے قریب سے گزرا — اس کے ہاتھ میں ٹین کا ایک ڈبا تھا۔ جس کے اندر شاید کھچڑی پڑی تھی — ماریا نے سوچا کہ یہ اس کا اپنا رات کا کھانا ہوگا۔ مگر ایک کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور ایک انگریز افسر باہر نکلا — اسے دیکھ کر سکھ سپاہی نے سلیوٹ کیا۔ انگریز افسر نے کہا:

"کھانا لے آئے قیدیوں کا؟"

"یس سر —"

"آؤ میرے ساتھ —"

ماریا سمجھ گئی کہ یہ لوگ جن قیدیوں کا کھانا لے کر جا رہے ہیں وہ ضرور شہزادی زیب النساء اور ریحان بابا ہی ہیں — ماریا اُن کے پیچھے پیچھے چل دی — برآمدے میں سے گزر کر یہ دونوں فوجی ایک گول کمرے میں داخل ہو گئے — یہاں ایک چکر دار پتھریلا زینہ تھا جو نیچے جاتا تھا — سپاہی شمع روشن کر کے آگے ہو گیا۔ اس کی روشنی میں ماریا بھی اُن کے ساتھ ہی نیچے اُترنے لگی۔ کافی نیچے جا کر ایک تنگ سا نیچی چھت والا تہہ خانہ آ گیا، جس میں ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا — اس چراغ کی روشنی میں ماریا نے دیکھا کہ سامنے دیوار کے ساتھ خشک گھاس پر ایک بوڑھا اور ایک نوجوان لڑکی غم زدہ ہو کر بیٹھی ہے — اس کا لباس بھکاریوں جیسا ہے — چہرے پر پریشانی ہے —

انگریز افسر نے سکھ سے کہا:

"انہیں کھانا دے دو۔"

سکھ سپاہی نے کھچڑی کا ڈبا ان کے آگے رکھ دیا۔ کونے میں مٹی کا ایک مٹکا بھی پڑا تھا — رحمان بابا اور شہزادی نے کھچڑی کو ہاتھ بھی نہ لگایا — انگریز افسر نے کہا:

"ہمارے جاسوس نے ہمیں خبر دی ہے کہ تم لوگوں کے پاس ایک قیمتی ہار ہے جو بادشاہ کی آخری نشانی ہے، وہ ہار ہمارے حوالے کر دو۔ یا ہمیں بتا دو کہ وہ ہار تم لوگوں نے کہاں چھپا رکھا ہے — اگر تم نے مکاری سے کام لیا تو دونوں کو توپ کے آگے باندھ کر اڑا دیا جائے گا — میں تمہیں آج رات کی مہلت دیتا ہوں — کل صبح پھر آؤں گا۔ اگر تم نے ہار کا سراغ بتا دیا تو تمہیں واپس لاہور بھجوا دوں گا، اگر نہ بتایا تو اسی قلعے میں توپ دم کر دیا جائے گا۔"

اس کے بعد انگریز افسر سکھ سپاہی کے ساتھ واپس چلا گیا۔

سانپ۔ سانپ۔ بچاؤ

شہزادی اپنا سر بانہوں میں چھپا کر سسکیاں بھرنے لگی — رحمان بابا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"بیٹی، خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ زندگی موت تو اسی کے اختیار میں ہے۔"

شہزادی نے دوپٹے سے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا:

"ایسا لگتا ہے — یہ رات ہماری آخری رات ہے۔ خدا معلوم عنبر کیا سوچ رہا ہے — کیا وہ ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتا؟ اس کے پاس تو جادو کے منتر بھی ہیں۔"

رحمان بابا کہنے لگا:

"وہ بے چارا کیا کر سکتا ہے — خدا کا شکر ہے کہ شاہی ہار اس کے پاس رہ گیا — کم از کم وہ نوجوان اسے واپس بادشاہ سلامت کے پاس تو پہنچا دے گا — اگر میرے پاس ہوتا تو انگریز لے چکے ہوتے — اور یوں ہم مغلیہ خاندان کی آخری نشانی سے بھی محروم ہو جاتے۔"

ماریا نے دیکھا کہ شہزادی اور رحمان بابا کے پاؤں کے ساتھ لوہے
کی زنجیر بندھی تھی — ماریا نے سوچا کہ وہ ان کے سامنے اپنا آپ
کس طرح ظاہر کرے؟ کہیں وہ ڈر نہ جائیں — پھر اُسے خیال آیا
کہ یہ شاہی خاندان کے لوگ ہیں — یہ یونہی نہیں گھبرا جایا کرتے
ٹھیک اسی وقت طاق میں رکھے ہوئے تیل کے دِیے کی لَو پھڑپھڑانے
لگی — شہزادی نے کہا:

"بابا، دیے کو بجھنے نہ دیں — اس کی لَو اُونچی کر دیں۔"

رحمان بابا ابھی اُٹھ ہی رہا تھا کہ ماریا نے آگے بڑھ کر اُنگلی
سے دیے کی لَو کو اُونچا کر دیا — کوٹھڑی میں روشنی زیادہ ہو گئی —
شہزادی اور رحمان بابا دیے کی بڑھی ہوئی لَو کو دیکھتے کے دیکھتے
رہ گئے —

"یہ اپنے آپ کیسے اونچی ہو گئی بابا؟" شہزادی نے حیرانی
سے پوچھا —

رحمان بابا نے کہا:

"بیٹی، دیے کی لَو کبھی کبھی اپنے آپ بھی اونچی ہو جایا کرتی
ہے۔"

اس پر ماریا نے کہا:

"اسے میں نے اُونچا کیا تھا۔"

ماریا کی آواز سُن کر دونوں کو ایک جھٹکا سا لگا اور وہ اپنی اپنی
جگہوں پر بیٹھے بیٹھے خوف سے اُچھل پڑے اور ایک دوسرے کا منہ
تکنے لگے — شہزادی تو سہم کر رحمان بابا کے ساتھ لگ گئی —

"یہ کس کی آواز تھی بابا؟"

رحمان بابا نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا:

"گھبراؤ نہیں بیٹیا، کوئی جن بھوت لگتا ہے — میں اللہ کے
کلام کا وِرد کر رہا ہوں — ابھی بلا دُور ہو جائے گی۔"

ماریا نے کہا:

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کے کلام میں بڑا اثر ہے مگر
بابا میں جن بھوت یا کوئی چڑیل نہیں ہوں۔"

رحمان بابا خاموش تھا — شہزادی بھی خاموش تھی — رحمان بابا
برابر پڑھ پڑھ کر دم پھونکے جا رہا تھا —

ماریا نے کہا:

"بابا، میرا نام ماریا ہے اور مجھے میرے بھائی عنبر نے آپ کے
پاس بھیجا ہے۔"

"عنبر نے بھیجا ہے؟" رحمان بابا نے اُچھل کر کہا: "کہاں
ہے وہ؟ کس حال میں ہے؟ کہیں وہ بھی تو انگریزوں کے قبضے
میں نہیں آ گیا؟"

ماریا نے کہا:

"نہیں، وہ خیریت سے ہے اور آپ کا انتظار کر رہا ہے —

میں آپ کو یہاں سے نکالنے آئی ہوں۔"

اب شہزادی نے بھی ڈرتے ڈرتے پوچھا:

"تم — تم کون ہو؟"

ماریا نے مسکرا کر کہا:

"یہ بڑی لمبی کہانی ہے کہ میں کون ہوں اور غائب کیوں ہوں
آپ لوگوں کو یا عنبر کو یا دنیا کے کسی بھی انسان کو دکھائی کیوں
نہیں دیتی؟ اس وقت آپ لوگوں کے لیے اتنا جاننا ہی بہت ہے
کہ میں بھی آپ ہی کی طرح ایک انسان ہوں — ایک عورت ہوں۔
فرق صرف اتنا ہے کہ ایک خاص منتر پھونکنے کی وجہ سے میں
غائب ہوگئی ہوں — میں تو لوگوں کو دیکھ سکتی ہوں، مگر لوگ مجھے
نہیں دیکھ سکتے — میرا نام ماریا ہے۔"

رحمان بابا نے کہا:

"مگر بیٹی ماریا، تم ہمیں یہاں سے کیسے نکالو گی؟ اوپر تو قدم
قدم پر پہرہ لگا ہے —"

ماریا نے کہا:

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں — میں اوپر کے حالات معلوم کرکے
آتی ہوں۔ میں جاتی ہوں۔"

یہ ماریا کو عنبر اور ناگ سے عادت پڑی تھی — وہ جاتے
ہوئے ہمیشہ یہ کہہ کر جاتی کہ میں جاتی ہوں — تاکہ انہیں پتا چل جائے
کیونکہ دیکھ تو وہ اُسے سکتے نہیں تھے۔

ماریا نے اوپر جاکر سارے حالات کا جائزہ لیا۔ وہاں پہرہ
بڑا سخت تھا — ان لوگوں کو قلعے سے نکال کر لے جانا خاصا مشکل
کام تھا — لیکن ماریا نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ہر حالت میں آج
رات انہیں وہاں سے نکال کر لے جائے گی — کیونکہ ہو سکتا تھا،
وہ پاگل انگریز افسر کل ان دونوں کو توپ کے آگے باندھ کر
اُڑا دے —

قلعے کی ڈیوڑھی میں پوری گارد پہرہ دے رہی تھی — یہاں سے
نکلنا مشکل تھا — شہزادی اور رحمان بابا فوراً پکڑے جاتے — آخر ماریا
نے یہی سوچا کہ ان دونوں کو قلعے کی فصیل سے نیچے اتارا جائے —
سب سے پہلے تو اس نے رسہ تلاش کیا — یہ مضبوط رسی اُسے
ایک کوٹھڑی میں پڑی مل گئی — ماریا رسی لے کر اوپر قلعے کی فصیل
پر آگئی — اُس نے ایک برجی کے ساتھ رسی کو مضبوطی سے باندھا
اور اُسے باہر کی جانب پھینک دیا — یہ فصیل کافی اونچی تھی اور
نیچے ایک کھائی تھی، جس میں پانی نہیں تھا — خشک جھاڑیاں اُگی
ہوئی تھیں —

اس کام سے فارغ ہوکر نیچے آگئی — اب اُسے شہزادی کا
راستہ صاف کرنا تھا — راستے میں برآمدہ آتا تھا — پھر دروازہ جس پر
دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے — اُسے یہ بھی خیال تھا کہ شور بالکل

نہ ہو کیونکہ شور مچ گیا تو قلعے کی ساری فوج وہاں آجائے گی۔ رات گہری ہو رہی تھی — یہ سب کچھ صرف رات کے اندھیرے میں ہی ہو سکتا تھا — ماریا نے سب سے پہلے اس پہرے دار سے نمٹنے کا فیصلہ کیا جو تہہ خانے کے اوپر والے دروازے پر پہرہ دے رہا تھا۔

یہاں سلاخ دار دروازہ لگا تھا — باہر ایک مرہٹہ ہندو سپاہی بندوق اٹھائے ٹہل ٹہل کر پہرہ دے رہا تھا — ماریا سلاخ دار دروازے میں سے گزر کر تہہ خانے کی سیڑھیوں میں آگئی — اس نے آوازیں دینا شروع کر دیں:

"بچاؤ — بچاؤ — سانپ — سانپ"

پہرے دار نے سنگین والی بندوق لی اور سلاخدار دروازہ کھول کر نیچے دیکھا:

"یہ کیا ہو گیا ہے؟"

"سانپ — سانپ — بچاؤ، اسے مارو" ماریا نے پکارا —

"کیا مصیبت ڈال رہی ہو تم بدبخت عورت —"

یہ کہہ کر ہندو مرہٹہ سپاہی بندوق کی سنگین تانے نیچے سیڑھیاں اترنے لگا — ماریا اس کے سامنے سیڑھیوں میں کھڑی تھی، مگر وہ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا — جب وہ اس کے قریب سے گزرنے لگا تو ماریا نے اپنی ٹانگ آگے کر دی — سپاہی منہ کے بل لڑکھڑایا اور سیڑھیوں پر سے لڑھکتا ہوا نیچے جا گرا — اس کی بندوق اس کے

ہاتھ سے نکل کر پرے جا پڑی تھی — ماریا نے لپک کر بندوق اٹھالی ماریا کے ہاتھوں میں جاتے ہی بندوق بھی غائب ہو گئی۔ سامنے شہزادی اور رحمان بابا دیوار کے ساتھ لگے سہمے ہوئے یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہے تھے —

مرہٹہ سپاہی سر کو سہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا —

"کہاں ہے سانپ؟"

اس نے دیکھا کہ نہ وہاں سانپ ہے اور نہ ہی اس کی بندوق۔ وہ حیران پریشان تھا کہ بندوق کہاں غائب ہو گئی۔ خوف کے مارے اس کے منہ سے نکلا۔

"میری بندوق کہاں چلی گئی؟"

ماریا نے کہا:

"میرے پاس ہے"

"یہ کون بول رہا ہے؟" مرہٹے سپاہی نے گھبرا کر ماریا کی آواز کی جانب دیکھا — وہاں کوئی بھی نظر نہ آیا۔ اسی دوران میں ماریا نے پوری طاقت سے بندوق کا دستہ گھما کر مرہٹہ سپاہی کے سر پر دے مارا — وہ چکرا کر گرا اور گرتے ہی بے ہوش ہو گیا —

ماریا نے شہزادی سے کہا:

"شہزادی، میرے ساتھ تہہ خانے کی سیڑھیوں میں چلیں۔ جلدی کریں، وقت کم ہے"

رحمان بابا اور شہزادی زیب النساء نے کہا:

"ہمارے پاؤں زنجیروں میں بندھے ہیں۔"

"ارے، یہ تو میں بھول ہی گئی تھی۔"

ماریا نے اتنا کہہ کر بندوق کے دستے مار مار کر زنجیریں توڑ ڈالیں۔ شہزادی اور رحمان بابا تہہ خانے کی سیڑھیوں میں کھلے سلاخ دار دروازے کے پاس آکر رُک گئے۔ ماریا انہیں دکھائی تو نہیں دے رہی تھی لیکن اس کی آواز برابر دونوں کی راہنمائی کر رہی تھی۔

"یہیں ٹھہر کر میرا انتظار کرو۔"

اُوپر جانے والی سیڑھیوں پر دو سکھ سپاہی پہرہ دے رہے تھے — ماریا کے راستے کی رکاوٹ یہی دو پہرے دار تھے۔ اب اُسے ان دونوں سے نمٹنا تھا —

ماریا نے ایسا کیا کہ بڑی خاموشی سے ان کے درمیان سے ہو کر اوپر فصیل کی طرف جانے والی سیڑھیاں چڑھ گئی — اُوپر جا کر اس نے سیڑھیوں کی جانب منہ کر کے کہا:

"بچاؤ، مجھے بچاؤ۔"

اوپر سے جب ایک عورت کی آواز آئی جو مدد کے لیے پکار رہی تھی تو ایک سکھ سپاہی بندوق لیے اوپر کو بھاگا۔ دوسرا نیچے پہرہ دیتا رہا۔ سکھ سپاہی نے فصیل کے پاس جا کر ادھر ادھر دیکھا کہ آواز دینے والی عورت کہاں ہے، لیکن وہاں کوئی عورت اسے دکھائی نہ دی؛ حالانکہ ماریا اس کے بالکل قریب کھڑی تھی — وہ واپس جانے لگا تو ماریا نے ذرا پرے ہٹ کر اندھیرے میں پھر آواز دی:

"بچاؤ — مجھے بچاؤ —"

سکھ سپاہی ادھر کو بھاگا — یہاں ماریا بالکل تیار کھڑی تھی۔ جونہی سکھ سپاہی اندھیرے میں فصیل کے پاس آیا — ماریا نے اُس کی گردن پر ایک زور دار دوہتڑ مارا — سپاہی کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ قلابازیاں کھا کر فصیل سے نیچے کھائی میں گر پڑا — ماریا لپک کر دوبارا زینے کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی — اُس نے پھر آواز دی — "بچاؤ، بچاؤ —"

وہ برج جس میں چھ سات سپاہی پہرہ دے رہے تھے، وہاں سے دُور تھا جس کی وجہ سے وہ سپاہی ماریا کی آواز نہیں سُن سکتے تھے — دوسرے پہرے دار سپاہی نے جب دوبارا اس عورت کی آواز سنی تو حیران ہوا کہ اس کے ساتھی کے ساتھ کیا گزری کہ یہ عورت ابھی تک مدد کے لیے پکار رہی ہے — وہ بھی بھاگ کر سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر آ گیا — اوپر آتے ہی اس نے اپنے ساتھی کو آواز دی — کوئی جواب نہ آیا — ابھی اس نے دوسری آواز نکالی ہی تھی کہ اس کی گردن پر جیسے کوئی بہت وزنی شے زور سے ٹکرائی اور اس کی گردن ایک طرف لڑھک گئی —

ماریا نے اس سکھ سپاہی کی لاش کو بھی گھسیٹ کر اندھیری رات میں فصیل سے نیچے گرا دیا — اب تقریباً میدان صاف تھا —

ماریا بھاگ کر سیڑھیاں اُترتی شہزادی اور رحمان بابا کے پاس گئی اور بولی:

"راستہ صاف ہو گیا ہے — مگر تم دونوں کو دیوار کے ساتھ ساتھ ہو کر فصیل تک جانا ہو گا — کسی کی نظر پڑ گئی تو پھر میں تمہاری جان کی ذمّے دار نہیں ہوں گی، آؤ میرے ساتھ — میں تمہارے آگے آگے چل رہی ہوں۔"

رحمان بابا اور شہزادی تہہ خانے کے دروازے سے نکل کر برآمدے میں آ گئے — یہاں اندھیرا تھا — پھر بھی وہ دیوار کے ساتھ لگ کر آگے بڑھنے لگے۔ اوپر جانے والے زینے کا دروازہ کھلا تھا — وہاں اوپر ایک شمع جل رہی تھی۔

ماریا نے سرگوشی کی:

"تیزی سے اوپر نکل چلو۔"

رحمان بابا اور شہزادی بھاگ کر سیڑھیوں میں آ گئے اور پھر اوپر قلعے کی چھت پر فصیل کے پاس آ کر رُک گئے — ماریا نے آہستہ سے کہا:

"میرا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ کر میرے پیچھے پیچھے چلو۔"

کیونکہ اُٹھ کر چلنے سے دُور بُرج میں پہرہ دیتے سپاہیوں کی اُدھر نظر پڑ سکتی تھی — اگرچہ وہاں روشنی کہیں نہیں تھی — پھر بھی ستاروں کی چمک میں برج کے سپاہیوں کو حرکت کرتے صاف نظر آ سکتے تھے۔ ماریا ان دونوں کو لے کر فصیل پر اس جگہ آ گئی جہاں اُس نے رسی باندھ کر باہر کو لٹکا رکھی تھی — رات کی تاریکی میں قلعے کے

نیچے میدان پر پہاڑیوں پر گہری خاموشی چھائی تھی — ماریا نے آہستہ سے رحمان بابا سے کہا: "یہاں سے لٹک کر نیچے اُتر جائیں۔"

سب سے پہلے رحمان بابا نے رسّی کو تھاما اور قلعے کی دیوار کے ساتھ پاؤں لٹکا کر نیچے اُتر گیا — کھائی کے کنارے اُتر کر اس نے رسّی کو ہلایا — ماریا نے آہستہ سے شہزادی سے کہا:

"شہزادی صاحبہ، اب آپ اتر جائیں۔"

یہ زندگی اور موت کا سوال تھا۔ شاید اسی لیے شہزادی زیب النساء بے خوف ہو کر رسّی کے ساتھ دوسری طرف اُترنے لگی۔ اندھیرے کی وجہ سے اُسے نیچے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا — اگر دن کی روشنی ہوتی تو ہو سکتا تھا کہ وہ قلعے کی دیوار کی اونچائی دیکھ کر ڈر جاتی — کھائی کے کنارے پہنچ کر اس نے زمین پر پاؤں ٹکائے تو رحمان بابا نے اسے سنبھال لیا — شہزادی کا جسم خوف سے سرد ہو رہا تھا — اب ماریا بھی رسّی کے ذریعے نیچے اتر آئی۔ کیونکہ وہ ان کے ساتھ جانا چاہتی تھی۔

آدھی رات کو قلعے کی دیوار کے نیچے بھی گشت ہوا کرتی تھی۔ وہ ابھی کھائی میں اترے ہی تھے کہ انہوں نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی۔ ماریا نے انہیں جلدی سے چھپ جانے کو کہا۔ اندھیرے میں تین گھوڑ سوار نیزے پکڑے ان کے سامنے سے گزر گئے۔ یہ سپاہی رات کی راؤنڈ پر تھے — جب وہ قلعے کے دروازے کی جانب کافی

آگے نکل گئے تو ماریا نے کہا:

"جلدی سے یہاں سے نکل چلو۔"

کھائی سے نکل کر ماریا انہیں ساتھ لے کر بنجر میدان کا ایک چکر لگوا کر دُور اوپر سے بڑی پکی سڑک عبور کر کے اُن کھیتوں میں لے گئی۔ جہاں کوٹھڑی میں عنبر ان کا انتظار کر رہا تھا۔ ماریا نے عنبر سے کہا:

"عنبر بھائی، میں تمہاری امانت تمہارے پاس لے آئی ہوں۔"

عنبر نے کہا:

"یقیناً انہیں تم سے مل کر خوشی ہوئی ہوگی۔"

شہزادی تھکی ہوئی تھی، کہنے لگی:

"عنبر بھائی، ماریا اگر مجھے نظر آتی تو میں اسے زیادہ پیار کرتی۔"

ماریا نے کہا:

"شہزادی، آپ اب بھی مجھے پیار کر سکتی ہیں۔"

رحمان بابا بولا:

"بیٹی، وہ تو ہم سب تم سے کرتے ہیں۔ اس وقت اگر تم ہماری مدد نہ کرتیں تو خدا جانے صبح ہمارے ساتھ کیا گزرتی۔"

اسی رات عنبر نے ماریا، شہزادی اور رحمان بابا کو ساتھ لیا اور کافی آگے جا کر سرحد عبور کی اور پھر کابل کی سرزمین میں داخل ہو گئے۔ اب وہ محفوظ تھے۔ دوسرے دن وہ ایک کاروان سرائے میں آرام

تے رہے۔ شام کو وہ ایک قافلے میں شامل ہو کر کابل پہنچ گئے۔ ابل میں عنبر نے نولکھا ہار شہزادی کے حوالے کیا اور ایک ایسے فلے میں شامل کر دیا۔ جو سمرقند کی طرف جا رہا تھا۔ رحمان بابا ے عنبر کو گلے لگا لیا۔ ماریا اور شہزادی نے ایک دوسرے کو دا حافظ کہا۔ شہزادی نے عنبر کا دلی شکریہ ادا کیا اور قافلہ سمرقند ی طرف روانہ ہو گیا۔ ان کے جانے کے بعد عنبر سے ماریا نے پوچھا:

"اب ہمارا کیا پروگرام ہے عنبر بھائی؟"

عنبر نے کہا:

"مجھے یقین ہے کہ ناگ سلونی کو لے کر لندن پہنچ گیا ہوگا۔ ہمیں بھی لندن کی طرف کوچ کرنا ہوگا۔"

اگلے روز ماریا اور عنبر ایران کی سرحد عبور کر کے ملک انگلستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں وہ ناگ سے ملاقات کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

ناگ لندن میں

ہندوستان سے آیا ہوا بحری جہاز ولایت کی بندرگاہ پر لگ چکا تھا۔

مسافر اُتر کر اپنی اپنی منزل کو روانہ ہو چکے تھے — ناگ بھی سلومی کے ساتھ ساؤتھمپٹن شہر کی ایک سڑک پر بندرگاہ سے باہر کھڑا بگھی کا انتظار کر رہا تھا — ایک بگھی اُن کے قریب آ کر رُکی — اس میں سوار ہو کر دونوں لندن شہر آ گئے — سو سال پہلے کا لندن اتنا ترقی یافتہ اور روشنیوں والا جگمگاتا لندن نہیں تھا۔ شام کے وقت دکانوں میں گیس کی روشنیاں جل رہی تھیں۔ سڑکوں پر بھی گیس کے ہنڈے روشن تھے۔ آسمان پر بادل تھے، جس کی وجہ سے سڑکیں دھندلی تھیں — ناگ اس سے پہلے بھی لندن کی سیر کر چکا تھا۔

سلومی کے ماں باپ لندن شہر سے تھوڑی دُور ایک قصبے کے پرانے قلعے کے پاس رہتے تھے۔ لندن سے وہ ایک اور بند بگھی میں بیٹھ کر اپنے قصبے کی طرف روانہ ہوئے۔ رات کے

پہلے پہر وہ پُرانے قلعے کے قریب سے گزرے — بڑا پُراسرار قلعہ تھا۔ فصیل کی بُرجیاں رات کے اندھیرے میں بھوتوں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں — بگھی سلومی کے پرانے مکان کے آگے جا کر کھڑی ہو گئی۔ سلومی بھاگ کر اپنے گھر میں داخل ہوئی — ناگ نے بگھی والے کو کرایہ دے کر رخصت کر دیا۔

سلومی کو دیکھ کر اس کے ماں باپ سکتے میں آ گئے۔ پھر انہوں نے روتے ہوئے اپنی بچی کو گلے لگا لیا — وہ تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ سلومی جہاز کے ساتھ ہی سمندر میں ڈوب گئی ہو گی۔ سلومی نے اپنے ماں باپ سے ناگ کو ملوایا اور کہا:

ڈیڈی، ناگ مجھے موت کے منہ سے نکال کر یہاں تک لایا ہے:

سلومی کے ممی ڈیڈی نے ناگ کا بے حد شکریہ ادا کیا۔ وہ رات قصبے میں بسر کرنے کے بعد ناگ نے اجازت لی اور لندن چلا آیا — وہ لندن رہ کر عنبر کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ عنبر اس سے ملاقات کرنے زگون سے سیدھا لندن آئے گا —

لندن شہر میں ان دنوں ایک ایسے قاتل نے دہشت پھیلا رکھی تھی جو آدھی رات کے اندھیرے میں لندن کی پُراسرار گلیوں میں نکلتا تھا اور صرف جوان لڑکیوں کو پکڑ کر اُن کی گردن چھری سے کاٹ کر ان کا خون پی جاتا تھا — لندن کی پولیس اور سراغرساں اس بے رحم جوان لڑکیوں کا خون پینے والے قاتل کی بڑی سرگرمی سے تلاش

ہیں تھی۔ مگر یہ ایسا چالاک قاتل تھا کہ پولیس کے قابو میں نہیں آرہا
تھا — ہر دوسری تیسری رات کو لندن کی کسی نہ کسی گلی میں کسی
جوان لڑکی کی لاش اس حالت میں مل جاتی تھی کہ اُس کی گردن
کٹی ہوتی تھی اور مردہ جسم میں خون کا ایک قطرہ نہیں ہوتا تھا۔

لندن کے اخبار حکومت پر زور دے رہے تھے کہ شہر کے
پولیس انسپکٹر کو تبدیل کر کے اس کی جگہ کوئی ایسا تجربہ کار انسپکٹر
لایا جائے جو اس بھیانک قاتل سے شہریوں کو نجات دلا سکے۔
حکومت بھی سر توڑ کوشش کر رہی تھی، مگر قاتل بارہ لڑکیوں کا
خون پینے کے بعد بھی گرفتار نہیں ہو سکا تھا۔

ناگ شہر کے گنجان آباد محلے کے ایک ہوٹل میں آکر ٹھہر گیا۔
اس نے اخباروں میں خونی قاتل کے بارے میں پڑھا اور لوگوں سے
بھی سنا — ناگ نے محسوس کیا کہ سارے شہر پر ایک دہشت چھائی
ہوئی ہے اور رات کو کوئی عورت گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی۔ اب قاتل
نے یہ کرنا شروع کر دیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی کے گھر میں داخل ہو جاتا
اور وہاں سے سب سے نوجوان لڑکی کو بے ہوش کر کے اُٹھا کر
لے آتا اور باہر کسی ویران جگہ پر لے جا کر اس کی شاہ رگ کاٹ
کر سارا خون پی جاتا اور لاش کو وہیں پھینک کر فرار ہو جاتا —
ایک بار کسی شہری نے اپنے گھر کی کھڑکی سے اسے دیکھ لیا کہ وہ
ایک لڑکی کو اٹھائے اندھیری گلی میں داخل ہو رہا ہے۔ اگلے روز
اسی گلی میں لڑکی کی لاش ملی — اس آدمی کو پولیس اپنے ساتھ لے
گئی۔ اس کے قاتل کا حلیہ دریافت کرنے لگی — اس شخص نے
بتایا کہ میں نے اس کی پشت دیکھی ہے — وہ چوڑے شانوں والا
ایک اونچا لمبا آدمی ہے جس نے سیاہ لمبا گرم کوٹ اور سر پر
کالا ہیٹ پہن رکھا تھا —

" اور میرا خیال ہے کہ اس نے ہاتھوں پر بھی کالے دستانے
چڑھا رکھے تھے —"

دوسرے دن اس کا بیان لندن کے سارے اخباروں میں چھپ گیا
لوگ اونچے لمبے چوڑے شانوں والے آدمی کو شک کی نظروں سے
دیکھنے لگے — پولیس بھی ایک بار پھر نئے جوش سے باہر نکل آئی
مگر نتیجہ وہی نکلا کہ پولیس ناکام اپنی جگہ پر بیٹھی رہی اور قاتل خون پر
خون کرتا چلا گیا —

ناگ نے سوچا کہ اس خونی اور بے رحم قاتل کے ظلم سے
شہر کے لوگوں کو نجات دلانی چاہیے — کیوں نہ اسے میں بھی تلاش
کروں۔

اسی روز ناگ لندن کے سب سے پرانے جاسوسی کے دفتر
سکاٹ لینڈ یارڈ گیا اور وہاں کے بڑے افسر انسپکٹر وکٹر سے ملاقات کی
اور کہا کہ میں خونی قاتل کو گرفتار کرنے میں آپ کی مدد کرنا چاہتا
ہوں — انسپکٹر وکٹر ایک بھاری بھرکم ادھیڑ عمر تجربہ کار جاسوس تھا —

وہ ایک بہت بڑی میز کے سامنے گدّے دار کرسی میں دھنسا بڑے مزے سے گرم گرم کافی کی چسکیاں لے رہا تھا — اُونچی کھڑکی میں لندن شہر کی پُرانی عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں۔

"مسٹر، تمہارا نام کیا ہے؟ تم کہاں سے آئے ہو؟ تم کیوں آئے ہو؟ کیا تمہیں وقت ضائع کرنے کے لیے سارے لندن شہر میں ایک میں ہی نظر آیا؟"

انسپکٹر وکٹر نے ریچھ کی آواز میں غرّاتے ہوئے ناگ پر کئی ایک سوال کر دیے اور اُسے کہا کہ وہ یہاں سے آیا ہے، وہیں واپس چلا جائے۔

"ہم ایک مکّار قاتل کو پکڑنے کے منصوبے بنا رہے ہیں — کوئی مچھلیاں پکڑنے یہاں نہیں آئے۔ اس لیے ہمارا وقت ضائع نہ کرو اور واپس جاؤ۔"

ناگ کو پہلے تو بڑا غصہ آیا — پھر یہ سوچ کر وہ خاموش رہا کہ معاملہ شہریوں اور خاص طور پر بے چاری بے گناہ عورتوں کو ایک سنگدل قاتل کے ظلم سے نجات دلانے کا ہے۔ ناگ نے بڑے ادب سے کہا:

"جناب، میرا نام ناگ ہے اور میں ملک مصر کا رہنے والا ہوں۔ اور لندن شہر کی سیر کرنے آیا ہوا ہوں — میں نے اخباروں میں خونی قاتل کے بارے میں پڑھا اور آپ کی مدد کرنے یہاں آ گیا۔"

انسپکٹر وکٹر نے کافی کی پیالی زور سے میز پر رکھی اور قہر آلود آنکھوں سے ناگ کی طرف گھور کر دیکھا اور اپنے غصے کو دباتے ہوئے پوچھا:

"تم ہماری کیا مدد کر سکتے ہو مسٹر؟"

ناگ نے کہا:

"اگر آپ اپنی تفتیش میں مجھے بھی شامل کر لیں اور یہ بتائیں کہ قاتل عام طور پر کن کن علاقوں میں وارداتیں کرتا ہے تو میرا خیال ہے، میں اُسے پکڑ کر آپ کے حوالے کر سکتا ہوں۔"

انسپکٹر نے غرّا کر کہا:

"وہ کیسے؟ کیا تم عورت بن کر اس کے سامنے جاؤ گے؟"

"میں ایسا بھی کر سکتا ہوں۔"

انسپکٹر نے سر تھام لیا — پھر گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلایا اور کہا:

"اس نوجوان کو باہر سڑک پر چھوڑ آؤ اور ہو سکے تو پاگل خانے کی طرف جانے والی بس پر سوار کرا دو۔"

"یس سر۔"

اور یہ چپراسی نے ناگ کو کندھے سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا:

"چلو مسٹر۔"

ناگ کو بڑا غصہ آیا کہ میں تو ان لوگوں کی مدد کرنا چاہتا

ہوں اور یہ مجھے دھکے دے کر اپنے دفتر سے نکال رہے ہیں۔ پھر وہ اپنے غصے کو پی گیا — کیونکہ وہ موقع غصہ دکھانے کا نہیں، بلکہ کوئی کام کر کے دکھانے کا تھا — ناگ نے انسپکٹر کی طرف دیکھ کر کہا:

"انسپکٹر، بہت جلد تم مجھ سے اپنے رویے کی معافی مانگ رہے ہو گے۔"

انسپکٹر نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور سامنے رکھی ہوئی فائل کے ورق الٹنے لگا — ناگ کو چپراسی نے سڑک پر لا کر کہا:

"گیارہ ایل نمبر کی بس سیدھی پاگل خانے جاتی ہے۔"

اور ہنستا ہوا واپس دفتر کی سیڑھیاں چڑھتا اوپر چلا گیا۔ ناگ سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر ایک گیس لیمپ کے کھمبے کے ساتھ لگ کر خاموش کھڑا ہو گیا — پھر وہ آہستہ آہستہ فٹ پاتھ پر لندن برج کی طرف روانہ ہو گیا — اس کے پاس پیسے ختم ہو رہے تھے۔ اس کے کپڑے بھی پرانے اور پھٹے ہوئے تھے — شاید یہی وجہ تھی کہ کسی نے اچھی طرح اس کے ساتھ بات نہیں کی تھی۔ ابھی اسے عنبر کا انتظار کرنا تھا — نہ جانے اسے کتنی مدت اور لندن میں رہنا پڑے۔ ہوٹل کا بل ادا کرنے کے لیے بھی اسے روپوں کی ضرورت تھی۔

اس نے سوچا کہ اپنے زمین کے اندر والے بنک سے کچھ رقم نکلوانی چاہیے — پس وہ شہر سے دور دریا کے کنارے ایک پرانے اور اُجڑے ہوئے باغ میں آ کر بیٹھ گیا — اس کے ایک جانب لندن برج تھا اور دوسری طرف دریا بہہ رہا تھا — وہ گھنے درختوں کی چھاؤں میں بیٹھا تھا — موسم ابر آلود تھا۔ جس کی وجہ سے بڑی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی — ناگ کو گرم کپڑوں کی بھی ضرورت تھی۔

اس نے اپنے دائیں بائیں دیکھا، وہاں کوئی نہیں تھا۔

ناگ نے آنکھیں بند کر کے ایک خاص منتر پڑھا اور اپنے اردگرد پھونکیں ماریں — ابھی دو منٹ بھی نہیں ہوئے ہوں گے کہ ایک جانب گھاس پر ایک سلیٹی رنگ کا پانچ فٹ لمبا سانپ رینگتا ہوا ناگ کے حضور آ کر ادب سے سر جھکاتے ہوئے بولا:

"اے ناگ دیوتا، اے عظیم دیوتا، میرے لیے کیا حکم ہے؟"

ناگ نے کہا:

"یہاں زمین کے اندر کہیں کوئی خزانہ دفن ہے؟"

سانپ نے کہا:

"حضور، اس دریا کے پل کے نیچے ہنری ہشتم کے وقتوں کا ایک بیش بہا خزانہ دفن ہے — یہ خزانہ بارہ لوہے کی بڑی بڑی پیٹیوں کی صورت میں ہے جو ہیرے جواہرات اور سونے کے شاہی زیورات سے بھری ہوئی ہیں۔"

ناگ نے بے نیازی سے کہا:

"مجھے خزانے کی ضرورت نہیں ہے — تم ایسا کرو کہ اس خزانے

میں سے صرف سونے کا ایک ہار لا کر مجھے دے دو۔"

"جو حکم میرے آقا۔"

سانپ جدھر سے آیا تھا، تیزی کے ساتھ ادھر کو واپس چلا گیا۔ ناگ باغ میں درختوں کے سائے میں بیٹھا اس کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہی سلیٹی رنگ کا سانپ واپس آ گیا — اس کے منہ میں ایک سونے کا بے حد چمکیلا لاکٹ دبا ہوا تھا۔ یہ لاکٹ سانپ نے ناگ کے قدموں میں لا کر رکھ دیا اور کہا:

"اے عظیم ناگ دیوتا، آپ کے حکم کے مطابق سونے کا ہار آپ کی خدمت میں پیش ہے۔"

"شکریہ میرے دوست، اب تم جا سکتے ہو۔"

سانپ نے ادب سے سر جھکایا اور واپس چلا گیا — ناگ نے لاکٹ کو دیکھا — سونے کی زنجیر کے ساتھ پان کی شکل کا سونے کا لاکٹ تھا — جس کے درمیان میں شیر کی تصویر بنی تھی — اس میں چھوٹے چھوٹے ہیرے بھی جڑے ہوئے تھے — یہ لاکٹ کس قدر قیمتی تھا، اس کا ناگ کو احساس نہیں تھا — لاکٹ اس نے جیب میں ڈالا اور لندن شہر کے صرافہ بازار میں آ کر ایک جوہری کی دکان میں داخل ہو گیا۔

جوہری نے لاکٹ کو دیکھا اور اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ناگ کا حلیہ بھی کسی چور سے کم نہیں تھا — پھٹی ہوئی پتلون، میلا

کوٹ اور گھسے ہوئے جوتے — وہ سمجھ گیا کہ اس ایشیائی چھوکرے نے یہ لاکٹ لندن میوزیم سے چوری کیا ہے۔ کیونکہ وہ لاکٹ ہنری ہشتم بادشاہ کی بیوی کا خاص لاکٹ تھا اور اس کی قیمت اس وقت لندن کے بازار میں پچاس لاکھ روپے پڑتی تھی — ناگ نے جوہری کی طرف دیکھ کر کہا:

"کیا دیں گے آپ اس لاکٹ کا؟"

جوہری اپنے ایک خاص نوکر کو آنکھ کا اشارہ کر چکا تھا اور وہ سکاٹ لینڈ یارڈ سے پولیس کو بلانے جا بھی چکا تھا۔ جوہری اب ناگ کو باتوں میں لگا کر وہیں روکنا چاہتا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا:

"مسٹر، آپ جو کہیں میں پیش کر دوں۔"

ناگ نے کہا:

"بس مجھے اتنی رقم چاہیے کہ تین گرم کپڑے بنوا لوں اور لندن شہر کے ہوٹل کا مہینہ دو مہینے کا خرچ برداشت کر سکوں۔ اس سے زیادہ مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔"

جوہری نے تھوڑی دیر اور ناگ کو باتوں میں لگائے رکھا — اتنی دیر میں پولیس اچانک آ دھمکی اور اس نے ناگ کے ہاتھوں میں آتے ہی ہتھکڑی ڈال دی — انسپکٹر وکٹر پولیس کے ساتھ تھا — کیونکہ معاملہ ہنری ہشتم کے لندن میوزیم سے چرائے ہوئے قیمتی لاکٹ

کا تھا۔ اُس نے جو ناگ کو دیکھا تو چنگھاڑتا ہوا ناگ کے اُوپر آ کر
بولا :

"اچھا تو یہ تم ہو — میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ تم کوئی آوارہ
چور ہو — لے جاؤ اسے اور بند کر دو حوالات میں۔"

ناگ ایک ایک کا منہ دیکھ رہا تھا — اُسے حیرت بھی ہو رہی
تھی اور غصہ بھی آ رہا تھا کہ یہ گینڈا انسپکٹر پھر اُس کے لیے ایک
مصیبت بن کر آیا — اب ناگ نے بھی دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ
اسے تھوڑا سا مزہ چکھائے گا —

انسپکٹر نے ناگ کا لاکٹ اپنے قبضے میں کر لیا اور ناگ کو
گرفتار کر کے سکاٹ لینڈ یارڈ کی حوالات میں بند کر دیا۔ حوالات میں
بند ہوئے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ ناگ نے آنکھیں بند کر کے
اس سانپ کو اپنی زبان میں آواز دی، جس نے ناگ کو خزانے
میں سے قیمتی لاکٹ لا کر دیا تھا —

ناگ کی خاموش آواز کے ساتھ ہی کمرے کی زمین ایک
جگہ سے شق ہوئی اور وہی سانپ زمین میں سے نکل کر ناگ کے
حضور پیش ہو گیا — اس نے اپنا سر زمین پر رکھا اور کہا :
"کیا حکم ہے اے ناگ دیوتا"

ناگ نے اسے کہا کہ اس کا دیا ہوا لاکٹ انسپکٹر
وکٹر کے کمرے کی الماری میں ہے۔ وہاں سے لاکٹ لے کر واپس چلے
جاؤ اور جب تک میں تمہیں دوبارہ نہ بلاؤں نہ آنا — سانپ نے سر
جھکا کر سلام کیا اور زمین کے اندر غائب ہو گیا —

انسپکٹر وکٹر اکیلا اپنے کمرے میں میز کے سامنے بیٹھا لاکٹ
سامنے رکھے اُسے غور سے دیکھ رہا تھا — بالکل اصلی لاکٹ ہے۔
وہ حیران تھا کہ اتنا قیمتی لاکٹ ناگ کو کہاں سے مل گیا۔ کیونکہ
لندن میوزیم والوں نے کہہ دیا تھا کہ یہ لاکٹ ان کے پاس کبھی
بھی نہیں تھا — انسپکٹر کا خیال تھا کہ ناگ کے ہاتھ کوئی خفیہ
خزانہ لگ گیا ہے جہاں سے وہ لاکٹ نکال کر فروخت کرنا چاہتا
تھا — اُس نے لاکٹ کو میز پر رکھی طشتری میں رکھ دیا اور جیب
سے گھڑی نکال کر وقت دیکھا — شام کے چار بج رہے تھے۔
وہ چائے پینے کے لیے اُٹھنے ہی لگا تھا کہ اچانک اُسے ایک
زبردست پھنکار کی آواز سنائی دی — یہ آواز سانپ کی تھی۔ انسپکٹر
وکٹر کرسی پر سے اُچھل کر پرے ہٹ گیا — ایک سانپ دیوار
پر سے چھلانگ لگا کر انسپکٹر وکٹر کے سامنے میز پر پھن پھیلا کر
جھومنے لگا —

انسپکٹر کو سخت سردی میں بھی پسینہ آ گیا۔ سانپ اس
کی آنکھوں میں اپنی لال لال آنکھیں ڈالے اُسے گھور رہا تھا۔
اور بار بار اپنی زبان باہر نکال کر لہرا رہا تھا۔ انسپکٹر تو اپنی جگہ
پر پتھر بن کر کھڑا تھا — سانپ کنڈلی مارے، پھن اٹھائے آہستہ

ناہیرے لاکٹ والی طشتری کی طرف آگیا۔ اُس نے جھک کر لاکٹ کو منہ میں رکھا اور رینگتا ہوا میز سے نیچے اُتر گیا۔ اُس کے نیچے اترتے ہی انسپکٹر نے شور مچا دیا۔ سارے لوگ بھاگ کر اندر آگئے مگر سانپ کا کہیں نشان تک نہ ملا۔ وہ تو جیسے غائب ہو چکا تھا۔

انسپکٹر تو غم سے نڈھال ہو گیا۔ قیمتی لاکٹ جس کی قیمت پچاس لاکھ روپے تھی، اس کی میز پر سے گم ہوا تھا۔ اُس پر مقدمہ بھی چل سکتا تھا۔ ناگ کو حوالات کے اندر ہی معلوم ہو گیا کہ لاکٹ سانپ لے گیا ہے۔ وہ بڑا خوش ہوا۔ اب اُس نے بھی انسپکٹر کو ذرا مزہ چکھانے کے لیے ایک ترکیب کی۔ ناگ حوالات میں دیوار کے ساتھ گھاس سے بھرے ہوئے گدے پر لیٹا تھا۔ باہر ایک انگریز پہرے دار سٹول پر بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اٹھ کر ٹہلنے لگتا تھا۔ ناگ کو وہاں سے باہر جانے کے لیے اُس کی منت سماجت کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے لیٹے لیٹے ایک ہلکی سی پھنکار ماری اور سبز رنگ کا ایک چھوٹا سا سانپ بن کر فرش پر رینگتا ہوا بند دروازے کی سلاخوں کے نیچے سے گزر کر باہر نکل گیا۔

ناگ ٹھنڈے فرش پر رینگتا ہوا سیدھا انسپکٹر وکٹر کے کمرے میں چلا گیا۔ انسپکٹر وکٹر کمرے میں پریشانی کی حالت میں

کاغذوں سے بھری ہوئی فائلیں دیکھ رہا تھا۔ ناگ کو کمرے میں داخل ہوتے ایک پہرے والے نے دیکھ لیا تھا۔ اُس نے سانپ سانپ کا شور مچا دیا۔ انسپکٹر اپنی کرسی سے ایک بار پھر سانپ کا نام سُن کر اچھل پڑا۔ سپاہی اندر آگئے۔ ناگ ایک الماری کے پیچھے چھُپ گیا۔ سانپ کی تلاش شروع ہو گئی۔ وہ کہیں نہ ملا تو سپاہیوں کو انسپکٹر نے واپس بھیج دیا اور خود کرسی پر بیٹھ کر کاغذات دیکھنے لگا۔ وہ بڑا پریشان تھا۔ تاریخی لاکٹ کے کھو جانے سے اُس پر مصیبت نازل ہو سکتی تھی۔ اس کی نوکری اور عزت کا سوال تھا۔

سانپ اب الماری کے پیچھے سے کھسک کر انسپکٹر کی کرسی پر پیچھے سے چڑھا اور انسپکٹر کے گرم موٹے کوٹ پر سے ہوتا ہوا اچانک اُس کی گردن کے گرد لپیٹ کر اپنا منہ انسپکٹر کی طرف کھول کر پھنکارنے لگا۔ انسپکٹر جیسے بیٹھا تھا، ویسے ہی بیٹھا رہ گیا۔ خوف سے اُس کی آنکھوں کی پتلیاں پھیل گئیں اور ہونٹ کپکپانے لگے۔ موت اُس سے دس انچ کے فاصلے پر پھنکار رہی تھی۔

ناگ نے انسانی آواز میں کہا:

"انسپکٹر، تم نے مجھے پہچانا؟"

پھر خود ہی کہا:

"تم مجھے نہیں پہچان سکے، لیکن شاید میری آواز سُن کر تمہیں احساس ہو کہ تم نے یہ آواز پہلے بھی سنی ہے — میں تمہارا مسٹر ناگ ہوں۔"

اور پھر ناگ انسپکٹر کی گردن سے اُتر کر میز پر آگیا۔ ایک ہلکی سی پھنکار ماری اور انسان کی شکل میں ظاہر ہو گیا۔ انسپکٹر کے سامنے بڑی میز پر ناگ آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا — انسپکٹر کا دل اچھل کر اُس کے حلق کے پاس آگیا — اُس نے ایسی جادوگری زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی — ناگ میز پر سے نیچے اُترا اور کُرسی پر بیٹھ گیا —

"اب تمہیں یقین آگیا ہوگا کہ میں لندن کے خونی قاتل کو گرفتار کرنے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

انسپکٹر کی زبان پر جیسے تالا لگا تھا۔ وہ ابھی تک اس حیرت سے باہر نہیں نکلا تھا کہ یہ نوجوان سانپ کیسے بن گیا اور پھر سانپ سے انسان کیسے بن گیا —

ناگ نے مسکرا کر کہا:

"تم یہی سمجھ لو کہ میں ایک جادوگر ہوں اور جو شکل چاہوں، اختیار کر سکتا ہوں۔ تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، مگر میں تمہیں زیادہ پریشان نہیں کروں گا، کیونکہ تم واقعی دیانت دار افسر ہو — میں تمہارا لاکٹ ابھی واپس منگوائے دیتا ہوں۔"

پھر ناگ نے آنکھیں بند کر کے سلیٹی رنگ کے سانپ کو آواز دی — تھوڑی دیر بعد ہی کمرے کے کونے میں سے وہی سانپ منہ میں تاریخی لاکٹ لیے آن موجود ہوا — ناگ نے اُس کے منہ سے لاکٹ لے لیا — سانپ کو واپس جانے کا حکم دیا اور لاکٹ انسپکٹر کی طرف بڑھا کر بولا:

"یہ لاکٹ میں نے چوری نہیں کیا — زمین کے اندر بے شمار خزانے دفن ہیں — میں جس خزانے سے جتنی دولت چاہے حاصل کر سکتا ہوں — یہ لاکٹ بھی میرے غلام سانپ نے مجھے اسی زمین کے نیچے دفن شدہ خزانے سے لا کر دیا تھا — لیکن چونکہ اب تمہاری عزت کا معاملہ ہے اس لیے میں اسے تمہارے حوالے کرتا ہوں —"

انسپکٹر نے رومال سے ماتھے کا پسینہ پونچھا اور خشک آواز میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک سپاہی لپک کر اندر آیا اور بولا:

"سر! حوالات میں سے مسٹر ناگ غائب ہے۔"

انسپکٹر نے مسکرا کر اپنے سامنے بیٹھے ہوئے ناگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"مسٹر ناگ میرے پاس ہے، تم جاؤ۔"

سپاہی واپس چلا گیا — انسپکٹر نے لاکٹ لے کر دراز میں رکھ لیا اور کہا:

"مسٹر ناگ! میں تمہارا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھلاؤں گا۔"

اب میرا ایک اور کام کر دو۔ کسی طرح سے اُس خونی قاتل کو گرفتار کروا دو جو کتنی ہی لڑکیوں کو قتل کر کے ان کا خون پی چکا تھا۔"

ناگ نے کہا:

"یہ کام تو میں خود کرنا چاہتا تھا؛ بہرحال میں تمہاری اب بھی مدد کروں گا۔ مجھے یہ بتایا جائے کہ قاتل شہر کے کس علاقے میں زیادہ حملے کرتا ہے۔"

انسپکٹر ناگ کو دیوار پر لگے ہوئے نقشے کے قریب لے گیا۔ اور سمجھانے لگا کہ قاتل نے پچھلے دنوں کس جگہ سے ایک لڑکی کو قتل کر کے اس کا خون پیا تھا۔ انسپکٹر نے ناگ کو اگلے روز ہی نئے گرم کپڑے خرید کر دیے۔ ناگ لمبے گرم اوور کوٹ میں ملبوس سر پر کالا گول ہیٹ رکھ کر آدھی رات کے اندھیرے میں لندن کے ایک ایسے علاقے میں نکل گیا۔ جہاں دو منزلہ فلیٹ بنے ہوئے تھے۔ آخری قتل اسی علاقے میں ہوا تھا۔ سردی کی وجہ سے یہاں درختوں میں اور مکانوں کے باغوں میں دھند پھیلی ہوئی تھی۔ ناگ ہیٹ کو ماتھے پر ذرا آگے کیے، دونوں ہاتھ اوور کوٹ کی جیبوں میں ڈالے مکانوں کے پچھواڑے والی سڑک پر چلا جا رہا تھا۔

مکانوں میں کہیں کہیں ہلکی روشنی تھی۔ اچانک نا

ایک لمبے انسانی سائے کو باغ میں درختوں کے پیچھے جاتے دیکھا۔ ناگ جلدی سے ایک طرف اندھیرے میں ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک اونچے لمبے انسان کا جھکا جھکا سایا باغ میں سے ہو کر ایک مکان کے پچھواڑے جا رہا ہے۔ ناگ نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ سایا مکان کے باغ کی دیوار پھاند گیا۔ ناگ نے آہستہ سے دیوار کے اوپر چڑھ کر دیکھا۔ سایا آنگن میں کہیں نہیں تھا۔ وہ یقیناً مکان میں داخل ہو چکا تھا، جہاں اندھیرا چھایا تھا۔ صرف اوپر والے کمرے میں مدھم روشنی ہو رہی تھی۔

ناگ نے بھی باغ میں چھلانگ لگا دی۔ وہ مکان کی دوسری منزل کی سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ یہاں بڑا گہرا اندھیرا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ناگ کو اوپر والے کمرے سے آتی کسی عورت کی دل کو ہلا دینے والی چیخ سنائی دی۔ وہ دیوانہ وار اوپر کی طرف بھاگا۔ بیڈ روم کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ ناگ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گیا۔ ایک سائے کو اس نے کھلی کھڑکی میں سے باہر باغ میں چھلانگ لگاتے دیکھا۔ ناگ لپک کر کھڑکی کے پاس آیا۔ سایا جھاڑیوں میں گم ہو گیا تھا۔ ناگ نے دیکھا، گیس لیمپ کی دھیمی روشنی میں پلنگ پر ایک خوبصورت نوجوان عورت کی لاش پڑی تھی۔ خون اس کی گردن میں سے ابھی تک سفید بستر پر ٹپک رہا تھا۔ ناگ نے اسے وہیں چھوڑا

اور پھنکار مار کر کبوتر کا رُوپ بدلا اور کھڑکی میں سے پھڑپھڑاتا ہوا باہر اُڑ گیا۔ وہ خونی قاتل کی تلاش میں جھاڑیوں اور درختوں سے ہوتا ہوا اندھیری رات میں باہر دریا کے اُوپر ہو کر اُڑنے لگا۔ پھر اُسے دُور پل کی طرف ایک لمبا سایا بھاگتا دکھائی دیا۔ ناگ بڑی تیزی سے اس سائے کی طرف اُڑا۔

- ناگ نے خونی قاتل کو کس طرح گرفتار کیا؟
- عنبر اور ماریا کیسے لندن پہنچے؟
- راستے میں انہیں کن کن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا؟
- جب انسپکٹر کی بیٹی قتل ہوئی تو کیا ہوا؟
- زمین کے نیچے دفن قیمتی خزانے کا کیا بنا؟
- یہ آپ اگلی قسط "تابوت میں سانپ" میں پڑھیں گے۔

١: لاش سے ملاقات
٢: چاند ڈوب گیا
٣: مندر کی چڑیل
٤: پراسرار غار کی مورتی
۵: ناگ لندن میں
٦: تابوت میں سانپ
٧: موت کا دریا
٨: سانپ کا انتقام

آئندہ شائع ہونے والی کتابیں

٩: سانپ کی آواز
١٠: ناگ کا قتل
١١: شاہ بلیط کا خزانہ
١٢: پتھر کا ہاتھ
١٣: طوفانی سمندر کا بھوت
١٤: ڈاکٹا سوری کا جزیرہ
١۵: سیاہ پوش سائے
١٦: النانی بی

نیا مکتبہ اقرار
۱۳۔بی شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

تابوت میں سانپ

اے۔ حمید

پیارے دوستو! یہ تو آپ پانچویں قسط میں پڑھ چکے ہیں کہ ناگ لندن شہر کے خونی قاتل کی تلاش میں ہے جو رات کے اندھیرے میں نوجوان عورتوں کو ہلاک کر کے اس کی گردن سے منہ لگا کر سارا خون پی لیتا ہے۔ ناگ ایک رات خونی قاتل کا تعاقب کرتا شہر کے پرانے علاقے میں دریا کے پل کے نیچے ایک غار میں جاتا ہے۔ جہاں اُسے خونی قاتل تو نہیں ملتا لیکن لاشوں کے چوروں سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ تازہ قبروں سے لاشیں نکال کر لندن کے ڈاکٹروں کے پاس فروخت کرتے ہیں اور جب کوئی تازہ لاش نہیں ملتی تو کسی زندہ عورت یا آدمی کو اغوا کر کے ہلاک کرتے ہیں اور لاش کو بیچ دیتے ہیں۔ ناگ دیکھتا ہے کہ لاشوں کے چوروں نے ایک عورت کو ہلاک کر دیا ہے۔ اور اب اس کی جوان بیٹی کو ہلاک کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں تاکہ ایک ہی وقت میں دو لاشوں کو بیچ کر پیسے کمائیں۔ ناگ وہاں سانپ کی شکل میں موجود ہے۔ جونہی وہ لڑکی پر خنجر کا وار کرنے لگتے ہیں تو ناگ ——— مگر یہ تو آپ خود ہی پڑھیں تو زیادہ لطف اٹھائیں گے۔

لاشوں کے چور

رات کی تاریکی میں دریا خاموشی سے بہہ رہا تھا۔

دریا کی سطح پر دھند پھیلی ہوئی تھی۔ پرانے پُل کے دونوں ٹاور اندھیرے میں بھوتوں کی طرح منہ پھاڑے کھڑے تھے۔ قاتل کے سائے کو ناگ نے اسی ٹاور کے قریب پُل کے نیچے جاتے دیکھا تھا۔ ناگ کبوتر کی شکل میں ٹاور کے اوپر چکر لگانے لگا۔ ٹاور کی چھت خالی پڑی تھی۔ وہ پُل کے نیچے آگیا۔ یہاں پُل کی چھت کی وجہ سے دریا کے بہنے کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی۔ آدھی رات کے سناٹے میں یہ آواز ایسی لگ رہی تھی جیسے جنگل میں سویا ہوا اژدہا ہولے ہولے خراٹے لے رہا ہو۔

ناگ اُسی وقت کبوتر سے انسانی شکل میں آگیا کیونکہ اب خونی قاتل کا کھوج لگانے کی ضرورت تھی۔ پُل کے نیچے دریا نے تھوڑا سا کنارہ چھوڑ دیا تھا۔ یہاں اونچی اونچی دلدلی گھاس اُگی تھی۔ اندھیرے میں یہ گھاس دھندلی دھندلی دکھائی دیتی تھی

اندھیرے کی وجہ سے ناگ یہاں قدموں کے نشان بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پُل کی محرابی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ناگ کو ایک جگہ سے دیوار کی اینٹیں اُکھڑی ہوئی دکھائی دیں۔ اُس نے جھک کر دیکھا۔ ناگ میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اندھیرے میں اُسے ہر شے دکھائی دے جاتی تھی۔ صرف درخت اور سبزہ اُسے دھندلا نظر آتا تھا کیونکہ وہ اصل میں سانپ تھا اور انسان کے بھیس میں چل پھر رہا تھا۔

جہاں سے اینٹیں اکھڑی ہوئی تھیں وہاں ایک سوراخ ہو گیا تھا۔ اور ایک زنگ آلود زینہ اندر کو اترتا تھا۔ ناگ سمجھ گیا کہ خونی قاتل کا ٹھکانہ اسی پُل کے نیچے کسی تہہ خانے میں ہے اُس نے انسان بن کر نیچے اُترنے کی بجائے سانپ بن کر جانے کا فیصلہ کیا اور ایک چھوٹا سا سانپ بن کر اندھیرے سوراخ کی [illegible] اتر گیا۔ نیچے زمین گیلی تھی اور دیوار [illegible]

ہو۔ لیکن کوئی شے اسے آگے چلنے کے لئے کہہ رہی تھی۔ ناگ سانپ کی شکل میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ آگے سُرنگ ذرا چوڑی ہو گئی اور اس کی چھت سے لٹکا ہوا جالا ناگ نے اندھیرے میں لہراتا دیکھا۔ کسی طرف سے یہاں ہلکی ہلکی تازہ ہوا آرہی تھی۔

ذرا آگے جانے کے بعد ناگ نے ہلکی سی روشنی دیکھی۔ یہ روشنی ایک نیچی جگہ سے آرہی تھی۔ ناگ رینگتا ہوا ایک دیوار پر چڑھ گیا۔ دوسری طرف دیکھا کہ ایک دالان سا بنا ہوا تھا جس کی ایک جانب کوٹھڑی تھی۔ دالان تنگ سا تھا اور کونے میں تیل کا ایک چراغ روشن تھا۔ سانپ دیوار پر سے رینگتا ہوا نیچے دالان میں آگیا۔ وہ پتھریلے فرش پر بل کھا کر آیا۔ یہ [illegible] کوٹھڑی کے ادھ کھلے دروازے میں داخل ہو گیا۔ آواز آرہی تھی۔ اندر [illegible] تھی۔ یہاں دیوار تھی جیسے جنگل میں سویا ہوا اژدہا ہولے ہولے خراٹے [illegible] رہا ہو۔

قدموں کی چاپ کے ساتھ اب ناگ کو ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی کسی بھاری شے کو زمین پر گھسیٹ کر لا رہا ہے۔ پھر اسے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز آئی۔

"جلدی کرو جم!"

دالان میں دیئے کی روشنی میں ناگ نے دیکھا کہ دو آدمی کسی بھاری بھرکم عورت کی لاش کو گھسیٹتے لئے آرہے ہیں۔ دالان کے بیچ میں لا کر انہوں نے لاش کو چھوڑ دیا اور سانس درست کرنے لگے۔ دونوں دبلے پتلے آدمی تھے اور انہوں نے سروں پر کالی اُونی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔ ایک آدمی نے ہاتھ میں پکڑا ہوا لمبا چاقو بند کر کے نیلی جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ عورت ادھیڑ عمر کی تھی جس کی لاش پر جگہ جگہ خون کے بڑے بڑے دھبے پڑے تھے۔

دونوں لاش کے قریب ہی پتھروں پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

"ہمیں دن نکلنے سے پہلے پہلے یہ لاش ڈاکٹر کے گھر

دو پونڈ تو فی لاش ہمیں دینے چاہییں۔"

دوسرا بولا۔ "ڈاکٹر کہتا ہے ہمیں تجربے کے لئے جوان عورت کی لاش چاہئے۔ بوڑھی لاشوں کی اب ہمیں ضرورت نہیں ہے اس لئے ہمیں آئندہ کسی جوان لڑکی کو قتل کر کے اس کی لاش ڈاکٹر کے ہاں لے جانا ہو گی۔ پھر ہم اس سے دو پاؤنڈ فی لاش کی بات کر سکتے ہیں۔"

پہلا کہنے لگا: "کم بخت ایک تو اس قاتل کے بچے نے شہر میں دہشت پھیلا رکھی ہے جو عورتوں کو قتل کر کے اس کا خون پی کر لاش وہیں چھوڑ جاتا ہے۔"

دوسرا بولا۔ "اگر یہ ڈراکولا کا بچہ خون نہ پیئے تو اس کی چھوڑی ہوئی لاشیں بھی ہمارے کام آ سکتی تھیں لیکن ڈاکٹر کہتا ہے کہ جس لاش کے جسم سے خون سارے کا سارا نکل چکا ہو وہ اُن کے کسی کام کی نہیں ہے۔"

"تو پھر اسے اٹھا کر ڈاکٹر کے پاس لئے چلتے ہیں۔ کل

"چلو یار اب اس موٹی عورت کی لاش کو اٹھاؤ۔"

"یار جس وقت ہم اس عورت کو اٹھا رہے تھے تو تمہیں یاد ہے اس کی جوان بیٹی جاگ پڑی تھی اور اس نے شور بھی مچایا تھا۔"

"ہاں۔ مگر وہ پولیس کو لے کر یہاں کہاں پہنچ سکتی ہے بھلا۔"

اتنے میں ایک لڑکی کی آواز آئی۔

"ممی! ممی! تم کہاں ہو؟ میری ممی کو چھوڑ دو۔ میری ممی کو چھوڑ دو۔"

دونوں ایکدم چونک پڑے۔

"یہ تو وہی لڑکی ہے۔"

"ہاں۔ اس عورت کی لڑکی۔"

"آنے دو۔ آج ہم اس بوڑھی لاش کے ساتھ ایک جوان لڑکی کی لاش بھی ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔ اس عورت کی لاش کو ادھر کونے میں چھپا دو۔ جلدی جلدی کرو۔"

ناگ دیوار کے ساتھ لگا یہ سارا بھیانک کھیل دیکھ رہا تھا۔ وہ تو خونی قاتل کی تلاش میں آیا تھا لیکن یہاں اُسے دوسرے قاتلوں سے واسطہ پڑ گیا۔ یہ لوگ قبروں سے تازہ لاشیں چرا کر ڈاکٹروں کے پاس فروخت کرتے تھے ان دونوں

لندن میں یہ وارداتیں بھی اکثر ہوتی رہتی تھیں۔ ڈاکٹری تجربے کے لئے ڈاکٹروں کو لوگ اپنی خوشی سے اپنے دوستوں یا عزیزوں کی لاشیں نہیں دیتے تھے۔ ڈاکٹروں کو لاشوں کی ضرورت رہتی تھی۔ چنانچہ جرائم پیشہ لوگوں نے قبروں سے تازہ لاشیں چرا کر ڈاکٹروں کے پاس فروخت کرنی شروع کر دیں۔ اور پھر کچھ پرانے خونی قاتلوں نے لاشیں حاصل کرنے کے لئے زندہ لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ یہ دونوں اُن قاتلوں میں سے تھے۔

اتنے میں اس مردہ عورت کی جوان بیٹی جس کی عمر تیرہ چودہ سال کی ہوگی سہمی سہمی اپنی ماں کو آوازیں دیتی وہاں آگئی۔ معلوم ہوا کہ اس سرنگ کا کوئی دوسرا راستہ بھی تھا۔ قاتلوں نے پہلے اس لڑکی کی ماں کو اٹھایا اور پھر سرنگ کے اندر لا کر قتل کر دیا۔ لڑکی پیچھا کر رہی تھی اور اس نے ان کو سرنگ کے اندر جاتے دیکھ لیا اور وہاں پہنچ گئی۔

دونوں قاتلوں کو اپنے سامنے دیکھ کر لڑکی کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ قاتلوں نے مسکراتے ہوئے لڑکی کا استقبال کیا اور کہا۔

"آؤ بہن آؤ۔ اچھا ہوا تم آگئیں۔ تمہاری ممی کو خونی قاتل اور اس کے ساتھی اٹھا کر لے گئے تھے۔ ہم نے بڑی مشکل سے تمہاری ماں کو قاتلوں سے چھڑایا ہے۔ فکر نہ کرو۔ تمہاری ممی

بالکل ٹھیک ہے اندر آرام کر رہی ہے۔"

لڑکی کو ان کی باتوں کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ لیکن وہ مصیبت میں پھنس چکی تھی۔ اب وہ وہاں سے اچانک بھاگ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کے پاؤں من من بھاری ہو رہے تھے۔ پھر بھی اس نے ذرا سا ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے ان دونوں کا جھوٹ موٹ شکریہ ادا کیا اور یہ کہتے ہوئے واپس مڑی۔

"میں ابھی آتی ہوں۔"

ایک قاتل نے لپک کر لڑکی کو دبوچ لیا۔

"ایسی جلدی بھی کیا ہے۔ آئی ہو تو اپنی ماں سے بھی ملتی جاؤ۔ وہ اندر کوٹھڑی میں ہے۔ آؤ تمہیں اُس سے ملاتے ہیں۔"

لڑکی کانپ اٹھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھے ہوئے تھے۔ آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ اُسے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ ماں کی لاش اندھیرے کونے میں پتھروں کے ڈھیر کے پاس پڑی تھی جسے اس نے کنکھیوں سے دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے جانے دو۔ مجھے کچھ نہ کہو۔ میں سکول میں پڑھتی ہوں مجھے صبح سکول جانا ہے۔"

دونوں قاتل قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ ایک نے لڑکی کی نازک

گردن پر انگلی پھیر کر اپنے ساتھی سے کہا۔

"میں نے نشان لگا دیا ہے جم! اب تم جانو اور تمہارا کام۔"

لڑکی جیسے بت بن کر رہ گئی۔ موت کے ٹھنڈے ہاتھ نے اس کی گردن پر اپنی انگلیاں رکھ دی تھیں۔ دوسرے قاتل جم نے اپنی رسلی جیکٹ سے چاقو نکال کر اُسے کھول دیا۔ لڑکی کی چیخ نکل گئی۔

"مجھے نہ مارو۔ میں نے صبح سکول جانا ہے۔ مجھے نہ مارو۔ ممی! ممی! مجھے بچاؤ۔"

اس کی بدنصیب ماں تو خود مردہ پڑی تھی وہ بے چاری اپنی بے بس بچی کو کیسے بچاتی۔ لیکن اُسے بچانے کے لئے وہاں ناگ موجود تھا ایک انتہائی زہریلے سبز اور سیاہ سانپ کی شکل میں وہاں موجود تھا۔ جس کا زہر ان دونوں کے پورے خاندان کو موت کی نیند سُلا سکتا تھا ناگ دیوار کے ساتھ سانپ بن کر لگا موقع کا انتظار کرنے لگا۔ وہ بچید معصوم سکول کی بچی تھی جو اپنی ماں کی بے رحمانہ قتل کی وجہ سے سخت غم زدہ تھی۔ اب اسے اپنی گردن کی طرف تیز دھار والا چاقو آتا نظر آرہا تھا۔ بے چاری اس قدر خوف زدہ تھی کہ اس کے حلق سے چیخ نہیں نکل رہی تھی۔ ایک قاتل اس کے سر پر کھڑا تھا اور دوسرے قاتل نے لڑکی کو پکڑ کر زمین پر گرا لیا تھا اور اس کی گردن پر چاقو چلانے ہی والا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ لڑکی کی گردن پر چاقو چلاتا اور اُسے ذبح کرتا ناگ اپنا پہلا فرض ادا کر چکا تھا۔

اس قاتل کا اوپر کو اٹھا ہوا چاقو والا ہاتھ اوپر ہی رہ گیا۔ اس کے ناک کان اور منہ سے اچانک خون بہنا شروع ہو گیا اور چاقو اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور وہ ایک بے جان ریت کی بوری کی طرح پیچھے کو فرش پر لڑھک گیا۔ جو قاتل کھڑا تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ ناگ نے اس کی شہ رگ پر ڈسا تھا اور سانپ ابھی تک مرے ہوئے قاتل کی لاش کے کوٹ کے اندر موجود تھا۔

لڑکی نے جب قتل کرنے والے کو خود ہی کتے کی موت مرتے دیکھا تو ایکدم اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور ایک طرف کو بھاگنے لگی لیکن اب دوسرے قاتل نے اسے دبوچ لیا اور فرش پر گرا کر اس کا گلا دبانا شروع کر دیا۔ لڑکی کے حلق سے خرخر کی آوازیں نکلنے لگیں۔ وہ بے بسی سے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ ناگ لاش کے کوٹ کے اندر سے باہر نکل آیا تھا۔ وہ دوسرے قاتل کی طرف بڑھا۔ اچانک قاتل کی نظر سانپ پر پڑی۔ اُسے اپنے ساتھی کی موت کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ لڑکی کو اس نے وہیں چھوڑا اور قریب سے ایک پتھر اٹھا کر سانپ پر دے مارا۔ پتھر ناگ کے بالکل قریب آکر پڑا۔

ناگ تڑپ کر ایک طرف ہو گیا۔ قاتل اس کے پیچھے پتھر لے کر بھاگا۔ اپنی موت کو خود آوازیں دے رہا تھا۔ ناگ

نے اندھیرے میں جاتے ہی ایک زوردار پھنکار ماری اور دوسرے
ہی لمحے وہ ایک بہت بڑے اژدہا کی شکل میں سامنے آگیا
لڑکی تو اژدہا کو دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ قاتل حیران
ہو کر چھپا ہوا تھا کہ وہاں اچانک اتنا بڑا اژدہا کہاں سے آگیا۔
اژدہا ایک بہت بڑے ہاتھی کی سونڈ کی طرح کا تھا اور اس
کا منہ ہاتھی کی طرح کھلا تھا۔

قاتل بھاگ کھڑا ہوا۔ اژدہا نے منہ کھول کر زور سے سانس
اندر کی طرف کھینچا۔ قاتل سرنگ کے دوسرے دروازے کے
قریب پہنچ چکا تھا کہ اپنے آپ پیچھے کھسکنے لگا۔ وہ آگے کو
جھک کر دوڑنے کی کوشش کر رہا تھا اور اژدہا کا سانس اسے
پیچھے کی طرف کھینچ رہا تھا۔ وہ اپنے آپ ایک ایک قدم پیچھے آرہا
تھا۔ یہاں تک کہ وہ اژدہا کے منہ کے پاس آ پہنچ گیا اور
اژدہا کی لرزتی پھنکارتی زبان اور گرم گرم سانس اس کی
گردن کو چھونے لگا۔

اژدہا نے ایک ہی سانس میں قاتل کو سالم کا سالم نگل
لیا اور غائب ہو گیا۔ اس کی جگہ اب وہاں ناگ انسان کی
شکل میں موجود تھا۔ انگریز معصوم لڑکی بے ہوش پڑی تھی۔
ناگ اسے ہوش میں لایا تو اس نے کپکپاتے ہونٹوں کے ساتھ
اژدہا کے بارے میں پوچھا۔ ناگ نے اسے بتایا کہ اژدہا دونوں

قاتلوں کو ختم کر کے جا چکا ہے۔ اپنی ماں کی لاش دیکھ کر لڑکی
دھاڑیں مار کر رونے لگی۔ ناگ لڑکی اور اس کی ماں کی لاش
کو اس کے گھر لے آیا اور پولیس کو اطلاع کر دی

انسپکٹر وکٹر نے قاتل کی لاش کو قبضے میں لے کر دوسرے قاتل
کے بارے میں پوچھا تو ناگ نے اسے آہستہ سے راز داری کے ساتھ کہا۔

"اسے میں اژدہا بن کر کھا گیا ہوں۔"

انسپکٹر وکٹر سہم کر ایک قدم پرے ہٹ گیا۔ پھر اس نے
ذرا سا مسکرا کر ناگ سے کہا۔

"کیا ہضم کر لیا قاتل کو؟"

"کب کا۔"

اسی رات خونی قاتل نے ایک اور لڑکی کو اس کے بیڈ
روم میں ہلاک کر کے اس کی شہ رگ کاٹ کر سارا خون پی لیا

انسپکٹر وکٹر نے اگلے روز ناگ کو بلوا کر اس سے مشورہ کیا کہ
قاتل کو گرفتار کرنے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے۔ ناگ نے کہا۔

"وہ کم بخت وہ میرے سامنے آجائے تو پھر مجھ سے بچ کر
نہیں جا سکتا۔ اس رات دکھائی بھی دیا۔ میں اس کے پیچھے بھی
گیا۔ لیکن وہاں لاشوں کے قاتل چور مل گئے۔"

انسپکٹر وکٹر کہنے لگا۔ "ان کا سراغ لگانا بھی ضروری تھا۔" پھر
کچھ سوچ کر بولا۔ "یہ جو خونی قاتل ہے یہ عام طور پر شمالی لندن

کے علاقے میں آدھی رات کو ایسی عمارتوں میں داخل ہو کر واردات کرتا ہے جس کے بیڈ روم میں روشنی دیر تک رہتی ہو۔"

ناگ نے چٹکی بجا کر کہا۔ "کیوں نہ میں ایک خوبصورت لڑکی کا روپ بدل کر خونی قاتل کو دھوکہ دے کر پھنسا لوں؟"

"بڑا اچھا خیال ہے ناگ۔ مگر —— مگر اس میں تمہاری جان کا خطرہ بھی ہے۔"

"اس کی تم پروا نہ کرو انسپکٹر۔ انسانیت کی خاطر میں اپنی جان کی بازی بھی لگا سکتا ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ یہ راز تمہارے اور میرے درمیان ہی رہے گا۔ سکاٹ لینڈ یارڈ کے کسی شخص کو اس کی خبر نہ ہو گی۔"

اسی روز شمالی لندن میں انسپکٹر نے ایک بلڈنگ کا دوسرا فلیٹ کرائے پر لے لیا اور بیڈ روم کو تمام ضروری چیزوں سے سجا دیا گیا۔ شام کو انسپکٹر وکٹر ناگ سے ملنے آیا۔ ناگ بڑی خوبصورت لڑکی کا بھیس بدل کر آئینے کے سامنے بیٹھا سنگھار کر رہا تھا۔ انسپکٹر نے اسے مذاق کرتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کے خاوند گھر پر ہیں؟"

ناگ نے پلٹ کر انسپکٹر کو دیکھا اور کہا

"میرا خیال ہے آج رات آ جائیں گے وہ بھی۔ آپ تشریف رکھیں۔"

دونوں ہنس دیئے۔ انسپکٹر نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے چھوٹے ڈنڈے کو اپنی پنڈلی پر مارتے ہوئے کہا۔

"ہم تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ تم سے پچاس قدم کے فاصلے پر تمہاری حفاظت کر رہے ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے تم مجھ سے دُور ہی رہو تو بہتر ہو گا۔ میں اپنی حفاظت کر لوں گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔ مگر ہمیں بھی تو اپنی ڈیوٹی ادا کرنی ہو گی۔"

جب آدھی رات ہو گئی تو ناگ نے اپنے بیڈ روم کا گیس کا لیمپ جلتا چھوڑا اور ایک نوجوان لڑکی کے بھیس میں وہ بلڈنگ سے نکل کر لندن کے شمالی علاقے میں چلنے پھرنے لگا اس کا خیال تھا کہ خونی قاتل اسی علاقے میں گھوم رہا تھا اور وہ اُسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا۔ قاتل کی بجائے ایک ناٹے قد کا گول مٹول ادھیڑ عمر انگریز اس کے پیچھے لگ گیا۔ جہاں وہ جاتا یا جاتی یہ مسخرہ انگریز اس کے پیچھے پیچھے جاتا۔ راستے میں جہاں اندھیرا آ گیا اس نے ناگ کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور گندے گندے دانت نکال کر ہنسا۔

ناگ نے کہا: "میری جان! ذرا باغ میں چل کر باتیں کرتے ہیں۔"

گول مٹول مسخرہ تو بڑا خوش ہوا۔ جھٹ ناگ کا بازو تھام

کر باغ میں آ گیا۔ کہنے لگا۔

"تمہارا بازو کچھ سخت سخت سا ہے۔ عورتوں کے بازو ایسے نہیں ہوتے۔ کیا تم ورزش کرتی رہتی ہو؟"

ناگ نے کہا۔ "ہاں میں ورزش کیا کرتی ہوں۔"

اس کے بعد ناگ نے ہلکی سی پھنکار مار کر انسان سے سانپ کا بھیس بدل لیا۔ اپنے سامنے ایک خوبصورت لڑکی کی بجائے سانپ کو پھن اٹھائے پھنکاریں مارتا دیکھ کر وہ مسخرہ تو وہیں بے ہوش ہو کر دھڑام سے گر پڑا۔ ناگ دوبارہ لڑکی کے روپ میں آیا اور ہنستا ہوا باغ سے نکل کر چھوٹی سی سڑک پر چہل قدمی کرنے لگا۔

تابُوت میں سانپ

خونی قاتل باغ کی شمالی دیوار کی اوٹ میں کھڑا تھا۔

اس کا قد لمبا شانے چوڑے تھے اور اس نے ایک سیاہ چغہ پہن رکھا تھا۔ سر پر سیاہ ہیٹ تھا۔ جیب میں لمبا چاقو تھا۔ وہ آدھی رات کو اپنے شکار میں نکلا تھا۔ اس نے ایک خوبصورت نوجوان لڑکی کو باغ کے ایک گیس لیمپ کی روشنی میں کھڑے دیکھا تو اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس کا شکار اس کے سامنے تھا۔ لڑکی باغ کی چھوٹی سڑک پر سامنے والی بلڈنگ کی طرف چلنے لگی۔ خونی قاتل نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

لڑکی کے روپ میں ناگ بلڈنگ میں داخل ہو کر اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ اس نے بھی دیکھ لیا تھا کہ ایک لمبا سا سایہ اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ ناگ نے کتنی دیر خونی قاتل کا انتظار کیا مگر وہ نہ آیا۔ اصل میں خونی قاتل نے اپنے پیچھے تعاقب کرتے پولیس انسپکٹر کو دیکھ لیا تھا۔ خطرے کی بو پا کر خونی قاتل وہیں سے ایک طرف مڑ گیا۔ ناگ سڑک پر آیا تو

انسپکٹر اسے ملا۔

"یہ ہو نہیں سکتا کہ قاتل مجھے دیکھ کر میرے بیڈ روم میں نہ آتا۔ ضرور اس نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔ اب تم واپس چلے جاؤ میں خود اس کو تلاش کر کے ہلاک کر دوں گا۔ تم میری فکر نہ کرنا۔"

انسپکٹر وکٹر کو وہاں سے بھیج کر ناگ لڑکی کے بھیس میں ہی باغ میں آ گیا اور جدھر اس نے خونی قاتل کو پہلی بار دیکھا ادھر کو روانہ ہوا۔ خونی قاتل اس رات شکار کے خیال کو دل سے نکال کر واپس شمالی لندن کے پرانے قبرستان کی طرف جا رہا تھا کہ ناگ نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر اسے دیکھ لیا۔ ناگ اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا۔ وہ لپک کر قاتل کے پیچھے آیا اور قبرستان میں داخل ہو گیا۔

یہ قبرستان کوئی پانچسو برس پرانا تھا اور اس کی پرانی قبروں کے کتبے اور صلیبیں جھکی ہوئی تھیں۔ راستے میں گھاس اور جھاڑیاں اگی تھیں اور قبروں کے ٹوٹے پھوٹے پتھر بکھرے پڑے تھے خونی قاتل کو معلوم نہیں تھا کہ وہ لڑکی اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ ناگ نے اب لڑکی کا بھیس چھوڑ دیا تھا اور پھر سے اپنی اصلی مردانہ شکل اختیار کر لی تھی۔

قبرستان میں رات کا اندھیرا اور خاموشی کچھ زیادہ ہی خوفناک تھی۔ سینکڑوں سال پرانے درخت چڑیلوں کی طرح بازو پھیلائے قبروں پر جھکے ہوئے تھے۔ خونی قاتل ایک ٹوٹے پھوٹے کھنڈر بنے گرجا گھر میں داخل ہو گیا۔ اس گرجا گھر کی دیواروں میں دراڑیں پڑی ہوئی تھیں اور یہاں کبھی کوئی عبادت کرنے نہیں آیا تھا۔ دروازے کا ایک پٹ ٹوٹ کر زمین پر گرا پڑا تھا اور دوسرا پٹ آدھا زمین میں دھنسا ہوا تھا۔

ناگ اندھیرے میں ہر شے اچھی طرح سے دیکھ رہا تھا۔ جھاڑیوں کی اوٹ سے نکل کر وہ بھی گرجے کے اندر داخل ہو گیا۔ آگے ایک ڈھلوانی راستہ تھا جس کے آخر میں ایک دیوار کھڑی تھی دائیں بائیں دو کوٹھڑیاں بنی تھیں جن کے دروازے غائب تھے۔ ایک زینہ بائیں طرف کو جاتا تھا۔ خونی قاتل اسی زینے سے اتر کر نیچے گیا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ اب انسانی شکل میں جانے سے خونی قاتل کو پتہ چل جائے گا بہتر ہے کہ سانپ کی شکل میں جایا جائے۔ پس اسی وقت ناگ نے ایک سیاہ سانپ کا روپ بدلا اور زینے کی دیوار کے ساتھ رینگ کر نیچے اتر گیا۔

وہ ایک اونچی چھت اور شکستہ دیواروں والے کمرے میں آ گیا۔ جہاں چبوترے پر ایک تابوت پڑا تھا۔ خونی قاتل کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ ناگ رینگتا ہوا دیوار پر آیا۔ سامنے والی دیوار میں ایک شگاف پڑا ہوا تھا جو شاید کسی زلزلے کا نتیجہ تھا۔ اس شگاف میں ہلکی روشنی ہوئی۔ جیسے کسی نے اندر

موم بتی روشن کی ہو۔ ناگ شگاف کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا
کہ کھٹکا سا ہوا۔ ناگ نے اپنی سانپ کی آنکھوں سے پیچھے
دیکھا۔ اور پھر وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔

چبوترے پر جو تابوت دھرا تھا اس کا ڈھکنا آہستہ آہستہ
اپنے آپ اوپر اٹھ رہا تھا۔ پھر تابوت کے اندر سے مٹی اور
کیچڑ میں لتھڑا ہوا ایک ہاتھ باہر نکل آیا۔ ناگ دیوار پر سے
اتر کر چبوترے کی طرف آگیا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تابوت
میں سے نکلنے والی لاش کس کی ہے؟ اب تابوت میں سے
دوسرا ہاتھ بھی باہر آگیا اور پھر ایک سر اوپر آیا جس کی
دونوں آنکھیں پتھرائی ہوئی بے جان تھیں۔ اس لاش کے سر
پر سیاہ بالوں کا گھنا جنگل تھا اور اس کے دانتوں میں ایک
خنجر چمک رہا تھا جو لاش نے اپنے منہ میں پکڑ رکھا تھا۔

ناگ پیچھے کی طرف سے چبوترے پر چڑھ گیا۔ وہ تابوت
کے اندر جھانک کر دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے تابوت کی لکڑی
کی دیوار پر رینگتے ہوئے اپنی گردن اندر ڈال کر دیکھا۔ جونہی
اس نے گردن تابوت کے اندر ڈالی ایک تیز بو جو کسی
خطرناک گیس کی طرح تھی اس کے نتھنوں سے ٹکرائی اور
وہ بے ہوش ہو کر تابوت کے اندر نیچے جاتی لوہے کی چکردار
سیڑھی پر سے اچھلتا ہوا نیچے تہہ خانے کے گندے فرش

پر آ کر گر پڑا۔ ناگ سانپ کے روپ میں بے ہوش ہو چکا تھا۔

لاش کو سانپ کی کوئی خبر نہ ہوئی۔ اسے خبر ہو بھی نہیں
سکتی تھی۔ اس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں تو اُس خونی قاتل کو
تلاش کر رہی تھیں جس نے اسے مار کر اس کا خون پی کر
تابوت کے نیچے والے خفیہ تہہ خانے میں پھینک رکھا تھا۔
اس لاش میں ابھی اتنی جان باقی تھی کہ وہ اپنے قاتل تک
پہنچ سکے۔

لاش تابوت میں سے نکل کر چبوترے پر سے اُتری اور
دیوار کے شگاف سے آتی روشنی کی طرف چلی۔ لاش نے خنجر
اب اپنے سیدھے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ شگاف
کے پاس آ کر لاش نے آہستہ سے جھانک کر دیکھا۔ اندر لمبا
تڑنگا سیاہ لبادے والا خونی قاتل پتھر کی بڑی سی میز کے آگے
بیٹھا تھا۔ میز پر کسی بچے کی تازہ لاش پڑی تھی اور وہ چاقو
سے اس کے بازو کا گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہا تھا۔ یہ بچہ
اس لاش کا تھا۔

لاش کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں بجلی سی چمک گئی۔
زندگی کی آخری چمک تھی۔ اس نے اپنے مردہ جسم میں ایک
زبردست طاقت محسوس کی۔ خنجر پر ہاتھ کی گرفت مضبوط ہو
گئی۔ خونی قاتل کی شگاف کی جانب پیٹھ تھی۔ میز پر موم بتی

جل رہی تھی۔ دیوار پر خونی قاتل کا بھیانک سایہ لہرا رہا تھا
لاش آہستہ سے شگاف کے اندر داخل ہو گئی۔

خونی قاتل بچے کا گوشت کھانے میں مشغول تھا۔ اسکے دانتوں
میں ہڈیوں کے چبائے جانے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی
لاش آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی خونی قاتل کے پیچھے جا کر کھڑی ہو
گئی۔ لاش کا خنجر والا ہاتھ اوپر اٹھا۔ اچانک خونی قاتل نے مڑ
کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں دہشت زدہ ہو گئیں۔ لاش نے پوری
طاقت سے خنجر خونی قاتل کی گردن میں گھونپ دیا۔

ایک چیخ قاتل کے منہ سے اور ایک چیخ لاش کے ہونٹوں
سے نکل کر گرجا گھر کی ویران فضاؤں میں کھو گئی۔ خونی قاتل
نے اپنی گردن میں دھنسا ہوا خنجر نکال کر لاش کے پیٹ میں
گھونپ دیا۔ لیکن لاش کا کیا بگڑ سکتا تھا۔ قاتل نے دو تین
بار لاش کے پیٹ پر خنجر کے وار کئے۔ لاش اپنی جگہ پر
کھڑی مسکرا رہی تھی۔ لاش نے اپنا انتقام لے لیا تھا۔
کیونکہ خونی قاتل کی گردن کا فوارہ اچھل رہا تھا۔ اب وہ لاش
پہ وار کرتے کرتے لڑکھڑانے لگا تھا۔ اس نے خنجر پھینک کر
دونوں ہاتھوں سے گردن کے خون کو روکنے کی کوشش کی
مگر اس کی شہ رگ کٹ چکی تھی اور خون بڑی تیزی سے
اس کی انگلیوں کے درمیان سے ابل ابل کر بہہ رہا تھا۔

وہ کمزوری کی وجہ سے لڑکھڑا کر گر پڑا۔ لاش اس کی طرف
آئی۔ اس نے جھک کر اپنے ٹھنڈے سفید ہونٹ خونی قاتل
کی گردن پر اسی جگہ رکھ دیئے جہاں سے لال لال خون ابھی
تک ابل رہا تھا۔ لاش کے ہونٹ ایکدم سرخ گلنار ہو گئے۔
لاش نے ایک کتے کی طرح خونی قاتل کی گردن کا ابلتا ہوا
خون چاٹنا شروع کر دیا۔

قاتل نے آخری بار اپنے لمبے بازو اوپر اٹھا کر لاش کی
گردن کو دبوچنا چاہا۔ اس کے ٹھنڈے ہاتھ لاش کی ٹھنڈی
گردن تک آئے اور پھر بے جان ہو کر نیچے گر پڑے۔ خونی
قاتل مر چکا تھا۔ لاش نے جب سارا خون پی لیا تو وہ آہستہ
سے اٹھ کر پیچھے گئی۔ زمین پر پڑا ہوا خنجر اٹھایا۔ خونی قاتل
کے مردہ جسم کے پاس آ کر اسے جگہ جگہ سے کاٹنا اور ادھیڑنا
شروع کر دیا۔ لاش شاید اسے پیارے مردہ بچے کا بدلہ
لے رہی تھی۔ اس نے خونی قاتل کا سر تن سے جدا کر دیا
اس کے دونوں بازو کاٹ کر ان کا تھوڑا سا گوشت کھایا
پھر اس کا سینہ کھول کر دل باہر کھینچ لیا اور اس کو خنجر
سے کاٹ کر کھانا شروع کر دیا۔

اب لاش کی اپنی حالت بھی بگڑنے لگی تھی۔ اس نے
خونی قاتل کا جتنا خون پیا تھا وہ اس کے پیٹ کے زخموں

میں سے باہر بہہ رہا تھا۔ لاش کے انتقام کی آگ سرد ہوئی
تو وہ اٹھ کر اس میز پر آئی جس پر اس کے پیارے بچے
کی کٹی پھٹی لاش پڑی تھی۔ لاش کی پتھرائی ہوئی آنکھوں
میں آنسوؤں کے دو موتی جھلملائے۔ ایک کمزور سی بھیانک
اور اداس چیخ اس کے حلق سے نکلی اور وہ دو ایک بار
آگے پیچھے لہرا کر دھڑام سے فرش پر گر پڑی۔

لاش ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی تھی۔

انسپکٹر وکٹر اپنے دو پولیس والوں کے ساتھ ساری رات
ناگ کو شمالی لندن کے باغوں اور پرانے پارکوں میں تلاش
کرتا پھرا۔ اسے ناگ کہیں نہ ملا۔ ——— وہ پولیس
کے ساتھ گھوڑے پر سوار پرانے قبرستان کے قریب سے گذرا
تو سوچا یہاں بھی دیکھ لیا جائے۔ انسپکٹر قبرستان میں آ گیا
قبرستان میں رات کے پچھلے پہر اندھیرا اور ویرانی تھی۔ سامنے
گرجے کا کھنڈر دیکھ کر انسپکٹر نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ وہ
باہر ٹھہریں اور خود ہاتھ میں پرانے زمانے کا طمنچہ لے کر
گرجے کے اندر داخل ہو گیا۔ اندر جا کر وہ بائیں جانب
والا زینہ اتر کر تہہ خانے میں آ گیا۔ یہاں چبوترے پر
ایک تابوت پڑا تھا۔ انسپکٹر نے تابوت کی طرف کوئی دھیان
نہ دیا۔ وہ یہی سمجھا کہ یہ کسی کی پرانی قبر ہے۔

سامنے دیوار کے شگاف میں سے روشنی نظر آئی وہ شگاف
کے اندر چلا گیا۔ اندر جاتے ہی اس نے جو منظر دیکھا اس سے
اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ سامنے پتھر کے میز پر موم بتی
جل رہی تھی۔ اسی میز پر ایک بچے کی کٹی پھٹی لاش پڑی تھی
میز کے پاس ہی فرش پر ایک عورت کی لاش پڑی تھی جس
کے ہونٹوں پر سرخ خون جما ہوا تھا اور پیٹ میں زخم کے
گہرے شگاف تھے۔ اس سے ذرا آگے خونی قاتل کی لاش پڑی
تھی۔ اس نے لمبا سیاہ چغہ سیاہ ہیٹ پہن رکھا تھا جو خون
میں لتھڑ چکے تھے۔ انسپکٹر وکٹر نے سیٹی بجا کر پولیس والوں
کو اندر بلا لیا۔ تینوں لاشیں وہاں سے اٹھوا دی گئیں۔ انسپکٹر
نے ناگ کو بہترا تلاش کیا۔ وہ اسے کہیں بھی نہ ملا۔ انسپکٹر
لاشوں کو لے کر پولیس سٹیشن آ گیا۔

اگلے روز سارے لندن شہر میں شور مچ گیا کہ خونی
قاتل کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ اس کی لاش کی تصویر اخباروں
میں چھپ گئی۔ لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ مگر انسپکٹر
ناگ کے لئے پریشان تھا کہ وہ کہاں گم ہو گیا ہے۔ پورے
پندرہ دن انسپکٹر نے سارا لندن چھان مارا۔ ناگ کا کچھ
پتہ نہ چل سکا۔ ناامید ہو کر انسپکٹر نے ناگ کی تلاش چھوڑ دی
دوسری طرف ماریا اور عنبر ایک قافلے کے ساتھ سفر

کرتے یورپ کی سرحدوں کے اندر پہنچ چکے تھے۔ اب انہیں گھوڑا گاڑیاں مل گئیں جو زیادہ تیز تھیں۔ سفر جلدی طے ہونے لگا۔ پورے ایک مہینے کے بعد عنبر اور ماریا ملک فرانس میں پہنچ گئے۔ آج سے سو برس پہلے کا فرانس مصوروں، شاعروں اور افسانہ نگاروں اور موسیقاروں سے بھرا پڑا تھا۔ کافی ہاؤسوں میں رات گئے تک رونق رہتی تھی۔ عنبر اور ماریا نے دو راتیں فرانس کے شہر پیرس میں بسر کیں۔ ماریا کے ساتھ رہ کر سفر کرنے سے عنبر کو بڑا فائدہ رہتا تھا۔ اُسے ایک آدمی کا کرایہ دینا پڑتا اور ایک ہی کمرہ لینا پڑتا جسکے ایک کونے میں ماریا پڑ کر سو رہتی۔

عنبر کے ساتھ ہی ماریا پیرس کے بازاروں اور ہوٹلوں کی سیر کرنے جاتی مگر ماریا کو عنبر کے ساتھ کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اُسے تو عنبر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر بھی وہ ہوٹل میں جا کر دو آدمیوں کا کھانا منگواتا، تاکہ ماریا بھوکی نہ رہ جائے۔ اُسے خود تو کھانے پینے کی اتنی ضرورت نہیں تھی۔ یہاں سے اب انہیں لندن جانا تھا۔ کیونکہ ناگ سے ملاقات لندن میں ہی ہو سکتی تھی۔ ہر ہفتے کی شام کو فرانس کی بندرگاہ سے ایک چھوٹا بادبانی جہاز مسافروں کو لیکر انگلستان کے ساحل کی

جانب روانہ ہوتا تھا۔ ایک ہفتے کی شام کو عنبر اور ماریا بھی اسی جہاز پر سوار ہو گئے اور سمندر عبور کر کے ملک انگلستان پہنچ گئے۔

بندرگاہ پر عنبر سے پوچھا گیا کہ وہ کون ہے کہاں سے آ رہا ہے اور لندن کس لئے جا رہا ہے۔ عنبر کے پاس کوئی کاغذات نہیں تھے۔ بندرگاہ کے انگریز افسر نے عنبر کو روک دیا۔

"تمہارے پاس ایک بھی کاغذ نہیں ہے میں تمہیں کیسے جانے کے اجازت دے سکتا ہوں"

بندرگاہ کے افسر نے کہا۔

"میں تمہیں اجازت نہیں دے سکتا"

عنبر پریشان ہو گیا۔ ماریا اُس کے بالکل پاس ہی کھڑی تھی افسر اُسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ماریا نے عنبر کے کان میں کہا۔

"میں بندوبست کرتی ہوں"

پھر وہ میز کے اوپر سے ہو کر بندرگاہ کے موٹے لال چقندر ایسے انگریز افسر کے بالکل قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ ایک بڑے رجسٹر پر دوسرے مسافروں کے نام لکھ رہا تھا۔ ماریا نے اس کے ہاتھ سے قلم چھین لیا۔ قلم غائب ہو گیا افسر نے

پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

"میرا قلم —— میرا قلم کون لے گیا۔ کسی نے میرے ہاتھ سے قلم چھین لیا ہے۔"

ماریا نے اب اس کے سر پر سے گول ہیٹ اتار لیا۔ ہیٹ بھی ماریا کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا۔ افسر گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"میرا ہیٹ! میرا ہیٹ کون لے گیا؟"

دوسرے لوگ بھی اس کے اردگرد آ کر جمع ہو گئے۔ وہ بھی حیران تھے کہ افسر کے سر سے ہیٹ کہاں گم ہو گیا۔ اتنے میں ماریا نے موٹے افسر کی باہر نکلی ہوئی توند پر ایک زور کی لات ماری۔ افسر اچھل کر پرے جا گرا۔ اس بے چارے کا خوف کے مارے بُرا حال ہو گیا تھا۔ اس کے حلق سے کانپتی ہوئی آوازیں نکلنے لگیں۔

"بھ..... بھ....... بھوت......"

اب ماریا نے اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر سرگوشی میں کہا۔

"میں تمہاری ماں کی روح ہوں۔ الّو کے پٹھے! اس عنبر نامی مسافر کو لندن جانے دے نہیں تو میں تمہاری توند پر ایک اور لات جما رہی ہوں۔"

"معاف کر دو —— معاف کر دو ممی۔ معاف کر دو۔"

وہ فرش پر سے کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا اور عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"تم جا سکتے ہو۔ تم جا سکتے ہو۔"

عنبر مسکرا کر وہاں سے آگے چل دیا۔ اتنے میں افسر کی میز پر گول ہیٹ اور اس کا قلم واپس نمودار ہو گئے۔ ماریا نے یہ چیزیں میز پر واپس رکھ دی تھیں۔ جاتے جاتے ماریا کو شرارت سوجھی اور اس نے وہاں کھڑے ایک ا یرہ ہیٹ پکڑ کر فضا میں اچھال دیا اور ذرا بلند آواز میں بولی:

"میں اہرام مصر کی چڑیل ہوں۔ تم سب کو کھا جاؤں گی۔"

یہ سن کر وہاں بھگدڑ مچ گئی اور لوگ اٹھ دوڑے۔ عنبر نے آہستہ سے کہا۔

"ماریا! مت تنگ کرو لوگوں کو۔"

ماریا ابھی اُس کے پاس نہیں آئی تھی۔ پھر وہ عنبر کے پاس آ کر آہستہ سے بولی۔

"یونہی ذرا کھیل تماشہ کرنے کو جی چاہا تھا۔"

اور وہ ہولے ہولے مسکراتی ہوئی عنبر کے ساتھ بندرگاہ سے باہر نکل آئی۔ باہر لندن کو جانے والی بند بگھیاں تیار کھڑی تھیں۔ ایک بگھی پر بڑی بڑی بادامی مونچھوں والا بھاری

بھرکم انگریز کوچوان بیٹھا تھا۔ بگھی میں تین سواریاں بیٹھ چکی تھیں
اُسے صرف ایک سواری کی ضرورت تھی۔ ماریا نے کہا۔

"عنبر! اس بگھی میں بیٹھ جاتے ہیں۔"

"اس کو تو ایک سواری کی ضرورت ہے۔ تم کہاں بیٹھو گی؟"
ماریا نے کہا۔ "میں تو کسی کو نظر ہی نہیں آتی۔ میرا کیا ہے
میں اوپر موٹے کوچوان کے پاس جاکر بیٹھ جاؤں گی۔"

"اوپر تمہیں سردی نہیں لگے گی۔ یہاں کا موسم تو بہت
سخت ٹھنڈا ہے۔ بلکہ اب تو دو ایک روز میں شاید برف بھی
گرنے لگے۔"

ماریا بولی: "سردی لگنے لگی تو بگھی کے اندر آجاؤں گی۔ کسی
عورت کی گود میں بیٹھ جاؤں گی۔ میرا کونسا بوجھ ہے اور پھر مجھے
تو کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا۔"

عنبر نے کوچوان کو جاکر ایک سواری کے پیسے دیئے اور بگھی
کے اندر جاکر بیٹھ گیا۔ بگھی میں پہلے ہی تین سواریاں بیٹھی ہوئی
تھیں۔ ان میں ایک پولیس کانسٹیبل تھا۔ ایک بوڑھا انگریز تھا۔
جو اخبار پڑھ رہا تھا اور تیسری ایک بھاری موٹی عورت تھی۔
جس نے سر پر بڑا سا پھولدار ہیٹ پہن رکھا تھا۔ عنبر کھڑکی
کے پاس بیٹھا باہر دیکھ رہا تھا۔ وہ ماریا کو دیکھ تو نہیں سکتا
تھا لیکن یونہی وہ تسلی کر لینا چاہتا تھا کہ ماریا اوپر کوچوان کے

پاس بیٹھ گئی ہے کہ نہیں۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ
وہ کس طرح سے اپنی تسلی کرے کہ چھت پر کسی نے ٹھک
ٹھک کی۔

انگریز بوڑھے اور کانسٹیبل نے بگھی کی چھت کو دیکھا کہ یہ
آواز کس چیز کی ہے۔ عنبر کو معلوم ہو گیا کہ یہ آواز ماریا نے
چھت پر ہاتھ مار کر پیدا کی تھی۔ عنبر زیرِ لب مسکرا کر خاموش ہو
گیا۔ کوچوان نے گھوڑوں کو ہلکی سی چابک لگائی اور گھوڑے
لندن کو جانے والی سڑک پر روانہ ہو گئے۔ شام ہو گئی تھی
رات راستے میں ہی پڑ گئی۔ بڑی ویران اور سرد تھی۔ کھیتوں
میں سوائے دھند کے اور کچھ نہیں تھا۔

ماریا کو اب اوپر ٹھنڈ لگنے لگی تھی۔ بگھی ایک پڑاؤ پر رکی
تو ماریا نیچے اتر آئی۔ تینوں مسافر بگھی سے اُتر کر سرائے میں
چائے پینے چلے گئے۔ عنبر بھی باہر نکل آیا۔ ماریا نے اس کے
کان میں کہا۔

"گڈ ایوننگ!"

عنبر مسکرا دیا۔

"یہ تم نے انگریزی کب سے بولنی شروع کر دی میرے ساتھ؟"
ماریا نے ہنس کر کہا۔

"جیسا دیس ویسا بھیس۔ یہ لندن ہے۔ یہاں ہم سب کو

انگریزی بولنی پڑے گی۔ تم تو دنیا کی ساری زبانیں بول لیتے ہو
میں نے بھی انگریزی سیکھ لی ہے۔"

"چلو کافی پیتے ہیں۔"

عنبر اور ماریا سرائے میں آکر ایک خالی میز پر بیٹھ گئے۔ عنبر
نے دو آدمیوں کے لئے کافی منگوائی۔ بیرے نے حیرانی سے پوچھا۔

"مسٹر! دوسرا آدمی کہاں ہے؟"

عنبر بولا۔

"میں اکیلا ہی دونوں کپ پیوں گا۔"

بیرا اپنے سر کو تعجب سے جھٹک کر چلا گیا۔ واپس آکر اس
نے کافی کے دو کپ میز پر رکھ دیئے۔ دوسرے مسافر بھی
دلچسپی سے عنبر کی طرف دیکھنے لگے کہ یہ مسافر ایک ساتھ دو
کپ کیسے پئے گا؟ ماریا عنبر کے سامنے کرسی پر بیٹھی تھی۔

"ماریا! تم میرے سامنے بیٹھی ہو ناں؟"

"ہاں۔ کیوں کیا بات ہے؟"

"لوگ میرے دوسرے کپ کو دیکھ رہے ہیں۔"

"دیکھتے ہیں تو دیکھیں۔ مجھے ان کی کیا پرواہ ہے۔"

اور ماریا نے اپنے آگے رکھا کپ اٹھا لیا۔ اس کے اٹھاتے
ہی کپ غائب ہو گیا۔ جو مسافر میز کو دیکھ رہے تھے وہ بھونچکے
ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ماریا نے دو تین گھونٹ

پینے کے بعد کپ واپس میز پر رکھ دیا۔ کپ دوبارا میز پر ظاہر
ہو گیا۔ اب مسافر اور زیادہ پریشان ہوئے۔ تیسری بار کپ میز
پر سے غائب ہوا تو اتفاق سے بیرا وہاں سے گذرا۔ اس نے
قریب آکر عنبر سے پوچھا۔

"مسٹر! دوسرا کپ کہاں ہے؟"

عنبر نے کہا۔ "وہ سامنے پڑا ہے۔"

بیرا ہنس کر بولا۔ "مسٹر! مجھ سے مذاق کرنے کی ضرورت
نہیں اگر تم نے کپ توڑ دیا ہے تو تمہیں اس کی رقم ادا کرنی
ہو گی۔"

اتنے میں ماریا نے کپ میز پر رکھ دیا۔ کپ دوبارا ظاہر
ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

"وہ دیکھو کپ تمہارے سامنے پڑا ہے۔"

سرائے کا نوکر اپنی آنکھیں ملتے ہوئے میز پر پڑے کپ
کو تکنے لگا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کیونکہ
اپنی آنکھوں سے اُس نے ایک سیکنڈ پہلے دیکھا تھا کہ میز پر
سے کپ غائب تھا۔ باقی مسافر بھی حیران تھے۔ موٹی عورت
تو عنبر کو دہشت زدہ آنکھوں سے تک رہی تھی جیسے وہ کوئی
جن بھوت ہو۔ اُن دنوں لندن میں جادوگری کی سزا موت تھی
اور جو کوئی عورت یا آدمی جادو کرتا پکڑا جاتا تھا اسے زندہ

جلا دیا تھا۔ پولیس کانسٹیبل مسافر نے عنبر کے پاس آکر کہا۔
"اگر تم نے مزید جادوگری دکھائی تو مجھے مجبوراً تمہیں گرفتار
کرکے عدالت میں پیش کرنا پڑے گا اور مذہبی عدالت تمہیں
آگ میں جلا ڈالنے کی سزا دے گی۔"
عنبر نے کانسٹیبل کی طرف دیکھ کر کہا۔
"تمہارے سارے ملک کی عدالتیں ایک ساتھ مل جائیں
تو بھی میرے سر کا ایک بال تک نہیں جلا سکتیں۔"
کانسٹیبل نے اپنی مونچھوں پر الٹا ہاتھ پھیر کر کہا۔
"مسٹر! میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں۔ اگر اب تم نے
جادوگری کی تو میں تمہیں ہتھکڑی ڈال دوں گا۔"
عنبر مسکراتا رہا۔ اتنے میں ماریا نے دوبارا پیالہ اٹھا لیا۔ کپ
ایک بار پھر میز پر سے غائب ہو گیا۔ کانسٹیبل کو غصہ آ گیا۔
اس نے اپنی جیب سے ہتھکڑی نکال کر عنبر کے ہاتھ میں
ڈالتے ہوئے کہا۔
"میں تمہیں ملکہ الزبتھ کی مذہبی عدالت کے نام پر گرفتار
کرتا ہوں۔ یہ تین گواہ عدالت میں تمہارے خلاف شہادت دیں گے۔"
تینوں نے ہاں میں ہاں ملا دی۔ عنبر مسکراتا رہا اور دوسرے
ہاتھ سے کافی پیتا رہا۔ ماریا کو بڑا غصہ آیا کہ یہ احمق کانسٹیبل
اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ اس نے کانسٹیبل کو مزہ چکھانے کا

سوچا ہی تھا کہ کوچوان نے اندر آکر کہا۔
"بگھی سفر کے لئے تیار ہے۔ چلو۔"
تینوں مسافر سرائے سے باہر نکل آئے۔ کانسٹیبل اور عنبر کو
ساتھ لیا، اور بگھی میں آکر بیٹھ گیا۔ ہتھکڑی کی وجہ سے کانسٹیبل
اور عنبر، دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے
اور گھوڑے اپنی منزل کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔

بنک میں ڈاکہ

ماریا بگھی کے اندر آگئی تھی۔

وہ سامنے والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی موٹی عورت کی گود میں بیٹھی تھی۔

موٹی انگریز عورت یہ تو ماریا کو دیکھ سکتی تھی اور نہ اس کا بوجھ محسوس کر سکتی تھی۔ عنبر یہ سمجھ رہا تھا کہ ماریا بگھی کے اُوپر بیٹھی ہے لیکن جب موٹی عورت کا پرس اچانک غائب ہو دوبارہ اسکی گود میں آن گرا تو عنبر سمجھ گیا کہ ماریا اس کی گود میں بیٹھی ہے۔ موٹی عورت نے شور مچایا کہ میرا پرس کہا گیا؟ پھر جب ماریا نے پرس اس کی گود میں واپس ڈال دیا تو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے عنبر کی طرف تکنے لگی۔

"یہ تو اسی جادوگر کی کارستانی تھی"

کانسٹیبل نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

کیا تم باز نہیں آؤ گے؟

عنبر مسکرا دیا۔ اسنے کوئی جواب نہ دیا۔ صبح ہو رہی تھی کہ بگھی لندن شہر میں داخل ہوگئی اور ایک پرانی کاروان

سرائے کے احاطے میں آکر ٹھہر گئی۔

ماریا نے عنبر کے کان میں کہا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو عنبر اس کانسٹیبل سے پیچھا نہیں چھڑاؤ گے۔ میں ابھی اس کی ہڈی پسلی ایک کرنے لگی ہوں؟

عنبر نے آہستہ سے کہا: تم تماشا تو دیکھو۔

کانسٹیبل نے چونک کر پوچھا: یہ تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟

عنبر نے کہا: تم تو جانتے ہو کہ میں جادوگر ہوں۔ روحیں میری قبضے میں ہیں۔ میں ایک روح سے باتیں کر رہا تھا۔ کہو تو تمہیں بھی اس سے ملا دوں۔

"بکواس بند کرو" کانسٹیبل نے کہا۔

عنبر کو غصہ تو بہت آیا مگر خاموش رہا۔ کانسٹیبل عنبر کو سیدھا عدالت میں لے گیا جہاں شام کو مذہبی عدالت نے گواہوں کے بیان لینے کے بعد فیصلہ دے دیا کہ عنبر کو دریائے ٹیمز کے کنارے پُرانے آگ میں جلا کر مار دیا جائے۔ عنبر کو قلعے میں لے جا کر قید میں ڈال دیا گیا۔ ماریا اُس کے ساتھ تھی۔ باہر ایک کانسٹیبل پہرہ دے رہا تھا۔

ماریا نے عنبر سے کہا۔

"میں ان سب کو مار ڈالوں گی، کم بختوں نے اپنے آپ کو کیا سمجھ رکھا ہے"

عنبر بولا۔ "لندن میں ہمیں ناگ کو تلاش کرنا ہے۔ جب میں
آگ میں نہیں جلوں گا تو شہر کے اخبار میں میری تصویر کے
ساتھ چھپے گی۔ اُسے ناگ جہاں کہیں ہو گا پڑھ لے گا اور
یوں مجھ سے ملنے آجائے گا۔ بس اسی لئے میں یہ تماشا
کر رہا ہوں۔"

سارے شہر میں شور مچ گیا کہ آج شام ایک جادوگر کو قلعے
میں آگ میں ڈالا جا رہا ہے۔ لوگ قلعے کی طرف اُمڈ پڑے۔
پولیس نے بڑی مشکل سے اُنہیں تتر بتر کیا۔ صرف شاہی خاندان
کے کچھ لوگوں کو قلعے میں یہ تماشا دیکھنے کی اجازت ملی۔ شاہی
خاندان کے ایک شہزادی بھی تھی جس کا نام سوسن تھا۔ شام
کو قلعے کے صحن میں لوہے کا ایک کھمبا گاڑ کر اس کے اردگرد
سوکھی لکڑیوں کا ڈھیر لگا دیا گیا۔ عنبر کو لے جا کر زنجیر کے ساتھ
کھمبے سے باندھ دیا گیا۔ شاہی خاندان کے مہمان ذرا دور
چبوترے پر بیٹھے تھے۔ دینی عدالت کے پادری بھی وہاں موجود تھے۔
بڑے پادری کے حکم پر لکڑیوں کو آگ لگا دی گئی۔ ماریا
بھی چبوترے پر ایک طرف کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ سوکھی
لکڑیوں نے بڑی جلدی آگ پکڑ لی۔ شعلے عنبر کے قریب پہنچ
گئے۔ تھوڑی دیر بعد عنبر بھڑکتی ہوئی آگ کے بلند شعلوں میں
گم ہو گیا۔ آگ کا یہ الاؤ آدھ گھنٹے تک چلتا رہا۔ ہر ایک کو

یقین تھا کہ عنبر کی ہڈیاں بھی باقی نہیں رہی ہوں گی۔ وہ راکھ
بن کر راکھ میں مل گیا ہوگا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

جب آگ کے شعلے کم ہوئے تو شاہی خاندان والوں اور
پادریوں کے منہ سے حیرت سے چیخیں نکل گئیں۔ کیونکہ وہ اپنے
سامنے کھمبے کے ساتھ عنبر کو اپنے کپڑوں سمیت اسی طرح
کھڑے دیکھ رہے تھے جس طرح کہ اُسے باندھا گیا تھا۔ عنبر کا
ایک بال بھی نہیں جلا تھا۔ اس کے سارے کپڑے ویسے ہی
تھے۔ وہ خود زندہ سلامت تھا اور مسکرا رہا تھا۔ اگرچہ جس
زنجیر سے اُسے باندھا گیا تھا وہ سُرخ ہو کر پگھل رہی تھی۔
عنبر نے ایک معمولی سا جھٹکا دیا۔ زنجیر اس کے جسم سے الگ
ہو گئی۔ عنبر آگ کے دہکتے انگاروں میں سے نکل کر باہر آگیا۔
چبوترے پر سارے لوگ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے منہ کھلے
تھے اور ہاتھ بے اختیار ہو کر تالی بجا رہے تھے۔ پادری سخت
غصے میں تھا۔ اُس نے بلند آواز سے کہا۔

"اس کی شعبدہ بازیوں اور جادوگری کے آگے ہم ہتھیار
نہیں ڈالیں گے۔ میں بادشاہ کے حکم پر اس مجرم کو صلیب
پر چڑھانے کا حکم دیتا ہوں۔"

اسی وقت لکڑی کی ایک صلیب لا کر چبوترے کے آگے
رکھ دی گئی۔ عنبر نے شاہی خاندان کے لوگوں اور ضدی

پادریوں کی طرف منہ کر کے کہا۔

"میں جادوگر نہیں ہوں۔ خدا نے مجھے یہ طاقت دے رکھی ہے۔ تم لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجاؤ۔ میں صلیب پر بھی زندہ رہوں گا۔"

پادری نے چیخ کر کہا۔ "اسے صلیب پر چڑھا دو۔"

چار جلاد کالے نقاب پہنے آگے بڑھے۔ انہوں نے عنبر کو لکڑی کی صلیب کے اوپر سیدھا لٹا دیا۔ پھر اس کا ہاتھ صلیب کی لکڑی پر رکھ کر اس میں بڑی سی لوہے کی کیل ٹھونکنی شروع کر دی۔ کیل عنبر کی ہتھیلی کے اندر نہیں جا رہی تھی۔ کیل ٹوٹ گئی۔ جب بھی نئی کیل ٹھونکنے کی کوشش کی جاتی وہ ٹوٹ جاتی۔ یہی حال اس کے پاؤں کے ساتھ ہو رہا تھا۔ کوئی بھی کیل اس کے جسم میں داخل نہیں ہو رہی تھی۔

اب تو جلاد بھی گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ آخر شاہی خاندان کے ایک بوڑھے ڈیلوک نے اٹھ کر کہا۔

"میں اس کی سزا معاف کرتا ہوں۔"

عنبر نے اس آدمی کی طرف دیکھا۔ اس کے قریب ہی سنہرے بالوں والی ایک خوبصورت لڑکی بیٹھی تھی۔ یہی شہزادی سوسن تھی۔ عنبر نے کہا۔

"لیکن آپ نے میری توہین کی ہے۔ میرے ساتھ زیادتی کی

ہے۔ اگر مجھ میں خدا کی دی ہوئی طاقت نہ ہوتی تو میں جل کر راکھ بن چکا تھا۔"

پادری غصے سے اٹھ کر چلے گئے۔ شاہی خاندان کا ایک بوڑھا ڈیلوک اٹھ کر عنبر کے پاس آیا اور اس کے ہاتھوں کو جھک کر غور سے دیکھنے لگا کہ کہیں اس نے کوئی دوا تو نہیں ملی ہوئی۔ شہزادی سوسن نے عنبر سے مسکرا کر کہا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

ماریا بھی قریب ہی کھڑی تھی۔ اس نے اونچی آواز سے کہا۔

"تم کون ہوتی ہو میرے بھائی کا نام پوچھنے والی؟"

شہزادی اور ڈیلوک نے چونک کر اردگرد دیکھا۔ شہزادی سوسن بولی۔

"یہ کس کی آواز تھی؟"

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک روح کی آواز تھی جو ہمیشہ میرے ساتھ ہوتی ہے اور میری حفاظت کرتی ہے بہرحال میرا نام عنبر ہے اور میں پانچ ہزار سال سے تاریخ کے میدان میں سفر کر رہا ہوں۔"

ڈیلوک شہزادی کا اور شہزادی ڈیلوک کا منہ تکنے لگی۔ وہ عنبر کو کوئی پاگل شخص سمجھنے لگے جس کے پاس زبردست جادو تھا۔ ڈیلوک نے عنبر سے ہاتھ ملا کر جاتے ہوئے کہا۔

"مسٹر عنبر! خدا تمہیں صحت دے۔ خدا حافظ!"
ڈیوک نے شہزادی سوسن کو ساتھ لیا اور جانے لگا تھا
کہ شہزادی عنبر کے قریب آکر بولی۔
"آج رات کھانا میرے قلعے میں میرے ساتھ کھانا۔"
اتنا کہہ کر وہ شاہی بگھی میں ڈیوک کے ساتھ بیٹھ کر وہاں
سے چلی گئی۔ ماریا نے عنبر سے کہا۔
"کیا تم قلعے میں کھانا کھانے جاؤ گے؟"
"تمہارا کیا خیال ہے؟"
"میرا خیال ہے کہ جانا چاہیئے۔"
ماریا نے کہا۔ "ابھی تو چل کر لندن کی کسی سرائے یا
ہوٹل میں چل کر ٹھہرنے کا بندوبست کرتے ہیں۔"
"آؤ چلیں۔ میرا خیال ہے کیوں نہ شہر کے سب سے
اونچے ہوٹل میں کمرہ لیا جائے؟"
"بڑا خوبصورت خیال ہے۔"
عنبر بولا۔ "لیکن ہمارے پاس تو صرف دو چار پونڈ ہی
رہ گئے ہیں۔"
ماریا نے کہا۔ "اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں ابھی بینک آف
انگلینڈ میں جا کر جتنی رقم چاہے اٹھا کر لے آتی ہوں۔"
عنبر مسکرا دیا۔ دونوں کارواں سرائے سے باہر آگئے۔ شہر

کے اخباروں کے رپورٹر وہاں آن پہنچے تھے۔ انہوں نے عنبر
سے انٹرویو لینے شروع کر دیئے۔ عنبر بڑی مشکل سے جان
چھڑا کر وہاں سے نکل آیا۔ اس نے شہر کے ایک خوبصورت
ہوٹل "سیوائے" کی تیسری منزل پر دریا کے رُخ پر ایک
بڑا کمرہ کرائے پر لے لیا۔ ماریا نے کہا۔
"تم شہزادی سوسن کے ہاں کھانے پر جاؤ میں ذرا بینک
آف انگلینڈ میں جا کر رقم کا بندوبست کرتی ہوں۔"
"کیا شام کو بینک کھُلا ہوگا؟" عنبر نے پوچھا۔
ماریا بولی۔ "ہم پہلے بھی تو لندن آچکے ہیں۔ تمہیں یاد نہیں
لندن کا یہ بڑا بینک دن رات کھُلا رہتا ہے۔ آج کل تو
ہندوستان سے لُوٹے ہوئے زر و جواہرات آرہے ہیں۔ بینک
رات بھر کھُلا رہتا ہے۔ میں تمہیں بعد میں شہزادی کے قلعے
میں آکر مل لوں گی۔ میں اس کے محل والے قلعے سے واقف ہوں۔"
ماریا ہوٹل سیوائے سے نکل کر بینک آف انگلینڈ کی طرف
اور عنبر شہزادی سوسن کے پرانے قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔
یہ قلعہ شہر سے دس بارہ میل دُور ایک چھوٹے سے ٹیلے پر
واقع تھا۔ ایک خوبصورت درختوں میں گھرا ہوا راستہ اوپر
قلعے کے دروازے تک جاتا تھا۔ عنبر بگھی میں تھا۔ قلعے کے
دروازے پر مشعلیں جل رہی تھیں۔ دو ملازم عنبر کو قلعے کے

اندر شاہی محل میں لے گئے۔ ایک خوبصورت اونچی چھت والے
کمرے میں پرانے بادشاہوں کی قد آدم تصویریں لگی تھیں۔
فرش پر ریشمی قالین بچھے تھے۔ شہزادی سوسن نے مسکراتے
ہوئے عنبر کا استقبال کیا اور اُسے اپنے بھولے بھالے سے
چھوٹے بھائی ہنری سے ملایا۔ کھانے کے میز پر بوڑھا ڈیوک
اور دوسرے رشتے دار بیٹھے تھے۔ عنبر شہزادی کیساتھ بیٹھ گیا۔

کھانے پر عنبر کی جادوگری کے کمالات پر باتیں ہوتی
رہیں۔ عنبر زیادہ تر خاموش رہا اور ہوں ہاں میں جواب دیتا
رہا۔ شہزادی سوسن کا چچا بڑا مکار تھا۔ خطرناک آنکھوں میں
چالاکی جھلک رہی تھی۔ کھانے کے بعد شہزادی سوسن نے
عنبر کو ساتھ لیا اور محل کی بالکونی میں آکر بیٹھ گئی۔ نیچے
وادی میں رات کا اندھیرا پھیلا تھا۔ یہاں بڑی خاموشی تھی۔
شہزادی سوسن نے عنبر کو بتایا۔

"میں اور میرا بھائی ہنری اس قلعے اور قلعے کی ساری جاگیر
کے وارث ہیں۔ یہ ہمارے پڑدادا ہنری ہشتم کی طرف سے ہمیں
ورثے میں ملی ہے۔ کہتے ہیں ہنری ہشتم کا ایک خزانہ بھی تھا جو
اسی لندن شہر میں کسی جگہ دفن ہے جس کا کسی کو کچھ علم نہیں
ہے۔ اب معاملہ یہ ہے کہ ہمارا چچا ہم دونوں بہن بھائیوں کو
راستے سے ہٹا کر خود سارے قلعے اور اس کی جاگیر پر قبضہ کرنا
چاہتا ہے۔ ہم دونوں بہن بھائی یہاں بہت خطرے میں ہیں۔
ہمیں اکیلا یہاں سے کہیں باہر بھی نہیں جانے دیا جاتا۔ کیا تم
ہماری مدد کرو گے عنبر بھائی؟"

عنبر نے کہا: "میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

شہزادی سوسن کہنے لگی: "کیا تم ہمیں یہاں سے نکال کر کسی
طرح فرانس ہمارے ایک دور کے نیک دل رشتے دار کے پاس
پہنچا سکتے ہو؟"

عنبر نے کہا: "یہ میں بڑی آسانی سے کر سکتا ہوں۔ لیکن تم
اپنی جائز جائیداد کو کیوں چھوڑ رہی ہو؟"

سوسن نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کوئی ان کی گفتگو تو نہیں سُن رہا
پھر وہ آہستہ سے بولی۔ "مجھے اپنے چھوٹے بھائی ہنری سے بڑی
محبت ہے۔ ہمارا ظالم چچا میرے ساتھ میرے بھائی کو بھی ہلاک
کر دے گا۔ میں بھائی کی جان بچانا چاہتی ہوں۔ جائیداد سے
مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

عنبر نے کہا۔ "سوسن! تمہارا چچا تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا
تم بے فکر ہو کر اپنے محل میں رہو گی۔"

"نہیں نہیں عنبر بھائی! تم چچا کو نہیں جانتے۔ وہ محل کے
کتنے ہی آدمیوں کو زہر دے کر ہلاک کر چکا ہے۔ وہ ہمیں زندہ
نہیں چھوڑے گا۔"

عنبر نے سوسن کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"سوسن بہن! میں اپنی بہن ماریا کو تمہارے پاس چھوڑ جاؤں گا۔ وہ تمہاری حفاظت کرے گی۔"

سوسن بولی۔ "چچا اسے بھی مار ڈالے گا۔"

عنبر نے کہا۔ "وہ ماریا کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ میری بہن ماریا ایک روح ہے۔ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ اسے تم بھی نہیں دیکھ سکو گی۔ اب بتاؤ۔"

سوسن نے تعجب سے عنبر کو دیکھا۔ اُسے یاد آ گیا کہ عنبر بہت بڑا جادوگر ہے اور روحیں اُس کے قبضے میں ہیں۔ اُس نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا وہ روح ہر وقت میرے پاس رہے گی؟"

"ہاں۔ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہو گی۔ اور اگر تمہارے چچا نے تمہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی تو ماریا کی روح اسے زندہ نہیں چھوڑے گی۔ پھر وہ دن تمہارے چچا کی زندگی کا آخری دن ہو گا۔"

اتنے میں شہزادی سوسن کا رنگ زرد ہونے لگا۔ عنبر نے پلٹ کر دیکھا۔ شہزادی کا مکار، قاتل چچا بالکونی کی طرف آ رہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کوئی راز کی بات ہو رہی ہے یہاں۔"

اس نے بڑی گہری نظروں سے عنبر اور سوسن کی طرف دیکھ کر

کہا۔ عنبر نے کہا۔

"ہم لندن کے موسم اور مصر کے جادوگروں کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔"

مکار چچا بولا۔ "میں نہیں چاہتا کہ کوئی باہر کا آدمی یہاں آ کر ہماری شہزادی کو مصری جادوگروں کی خوفناک باتیں سنائے۔"

پھر اس نے شہزادی سے کہا۔

"سوسن بیٹی! جاؤ یہ تمہارے آرام کا وقت ہے۔"

"اچھا انکل!"

شہزادی نے شب بخیر کہا اور عنبر کی طرف ایک خاص انداز میں دیکھتی ہوئی اپنے سونے والے کمرے کی طرف چل دی۔ مکار چچا عنبر کے سامنے بیٹھ کر اس کی شعبدہ بازیوں اور جادوگری کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ پھر عنبر سے پوچھنے لگا۔

"کیا تمہارے پاس کوئی ایسا جادو ہے کہ جو زمین کے اندر دبے ہوئے خزانے کا پتہ بتا دے؟"

عنبر کو سوسن کی بات یاد آ گئی کہ اس شہر کے نیچے کسی جگہ ہنری ہشتم بادشاہ کا شاہی خزانہ دفن تھا۔ جس کا شاہی محل کے کسی آدمی کو علم نہیں تھا۔ مکار چچا عنبر سے اس خزانے کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ عنبر نے سوچ رکھا تھا کہ جونہی ناگ سے اس کی لندن میں ملاقات ہوئی وہ اس کی

مدد سے زمین کے دفن شدہ شاہی خزانے کا سراغ لگائے گا اور وہ خزانہ شہزادی سوسن اور شہزادے ہنری کے حوالے کر دے گا۔ لیکن اُس نے مکار چچا سے کہا۔

"زمین میں دبے ہوئے خزانے کا پتہ چل سکتا ہے لیکن پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ وہ خزانہ کس کا ہے اور اس کا جائز وارث کون ہے۔ جب تک جائز وارث کا علم نہ ہو ہمارا جادو نہیں چل سکتا۔"

مکار چچا نے بھنوئیں سکیڑ کر کچھ غور کیا۔ اور عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"وہ خزانہ ہمارے پڑدادا کا ہے اور میں اسکا جائز حقدار ہوں"

عنبر نے کہا۔ "ہر خزانے پر ایک سانپ بیٹھا اسکی حفاظت کر رہا ہوتا ہے۔ جب کوئی اس خزانے کا جائز وارث آگے بڑھتا ہے تو سانپ پرے ہٹ جاتا ہے اور اُسے خزانہ لے جانے کی اجازت دے دیتا ہے لیکن اگر کوئی دوسرا آدمی خزانے پر قبضہ جمانا چاہے تو سانپ اُسے ڈس کر ہلاک کر دیتا ہے کیا آپ یہ شرط پوری کر سکیں گے۔"

مکار چچا سوچ میں پڑ گیا۔ پھر سر جھٹک کر بولا۔

"اگر تم مجھے اس خزانے کا پتہ بتا دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آدھا خزانہ تمہیں دے دوں گا۔ یقین کرو کہ خزانے کا سانپ

مجھے کچھ نہیں کہے گا۔"

مکار چچا یہ سوچ رہا تھا کہ خزانہ تو تلاش کر لیا جائے۔ جب خزانے تک پہنچوں گا تو تلوار کے ایک ہی وار سے سانپ کی گردن اُڑا دوں گا۔ عنبر نے کہا۔

"کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ آدھا خزانہ مجھے دے دیں گے۔"

مکار چچا نے عنبر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"وعدہ کرتا ہوں۔ اگر تم چاہو تو میں لکھ کر بھی دے سکتا ہوں۔"

اب عنبر نے مکار چچا کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے کہا

"مگر میں نے تو سنا ہے کہ اس محل کے کچھ اور لوگ بھی اس خزانے کے مالک ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔"

مکار چچا غصے میں بولا۔

"اگر کوئی ایسا شخص ہوگا تو میرے لئے اُسے راستے سے ہٹانا کوئی مشکل کام نہیں۔ تم اپنے جادو سے خزانے کا پتہ چلاؤ۔"

عنبر یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں کل سے اپنا کام شروع کر دوں گا اور آپ کو پھر ملوں گا۔"

چچا نے آہستہ سے کہا۔

"ہمیشہ رات کے پہلے پہر آنا۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے منصوبے کا کسی دوسرے کو علم ہو۔"

"ایسا ہی ہوگا۔"

عنبر قلعے سے واپس اپنے ہوٹل میں آگیا۔ ماریا ابھی تک نہیں آئی تھی۔

ماریا شام کے وقت عنبر سے الگ ہو کر جب بینک آف انگلینڈ میں پہنچی تو وہاں بیوپاری اور سوداگر لوگ غدر کے بعد ہندوستان کی لوٹی ہوئی دولت جمع کرانے آئے ہوئے تھے۔ یہ دولت سونے اور جواہرات کی شکل میں تھی جو ان سوداگروں نے انگریز لیٹروں سے اونے پونے خریدی تھی۔ مصیبت یہ تھی کہ ان لوگوں کے پاس اپنی اپنی دولت کے صرف کاغذات ہی تھے۔ سونا اور جواہرات وہ ساتھ لے کر نہیں آئے تھے کہ کہیں کوئی ڈاکو نہ لوٹ لے۔ یہ دولت وہ بینک کی ایک شاخ کے تہہ خانے میں جمع کرا کر آئے تھے۔

ماریا کافی دیر سوچتی رہی کہ وہ کیا کرے۔ بینک کا خزانچی دیر بعد آیا۔ اس نے سیف کھولا اور سوداگروں سے کاغذات لے کر رسید لکھ لکھ کر دینی شروع کر دی۔ روپیہ پیسہ وہاں کہیں بھی نہیں تھا۔ کچھ غریب لوگ ایک طرف کھڑے نوٹ گن رہے تھے۔ ماریا کسی غریب کو اس کی پونجی سے محروم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ تو ڈاکوؤں کے خزانے پر ڈاکہ مارنا چاہتی تھی۔ اچانک اس نے کیا دیکھا کہ ایک نقاب پوش بینک میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پرانی طرز کا پستول تھا۔ اس نے خزانچی کو پستول دکھایا۔ اس کی گھگھی بندھ گئی۔ ڈاکو نے تھیلا آگے کر دیا۔

"اس میں سیف میں سے ساری دولت نکال کر ڈال دو۔"

خزانچی نے ڈرتے ڈرتے کانپتے ہاتھوں سے لوہے کی الماری کھولی۔ اتفاق سے اس وقت الماری میں سونے کی صرف ایک ہی چھوٹی اینٹ پڑی تھی۔ ڈاکو نے اشارہ کیا۔

"اسے میرے تھیلے میں ڈال کر تھیلا میرے حوالے کر دو۔"

خزانچی نے ایسا ہی کیا۔ ڈاکو تھیلا لے کر چھت کے رُخ گولیاں چلاتا وہاں سے باہر نکلا اور گھوڑے پر بیٹھ کر رفوچکر ہو گیا۔ ماریا کو اسی ڈاکو کی تلاش تھی۔ ڈاکو بڑا خوش تھا۔ آج اس نے لمبا ہاتھ مار لیا تھا۔ سونے کی اینٹ دس ہزار پاؤنڈ سے کم کی نہ ہوگی۔ وہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑائے لئے جا رہا تھا۔ شہر میں ان دنوں اتنی روشنیاں اور رونق کہاں ہوا کرتی تھی بھلا۔ سراؤں میں شمعیں جلتی تھیں۔ بازاروں میں دور دور گیس کے لیمپ جلا کرتے تھے۔ سردی کی وجہ سے ویسے بھی لندن شہر میں شام کو دھند پھیل جاتی تھی۔

ڈاکو دھند میں غائب ہو چکا تھا۔

مگر وہ ماریا کی نظروں سے غائب نہیں ہو سکتا تھا جونہی

اس نے دریائے ٹیمز کا پرانا پل عبور کیا ماریا اس کے پاس پہنچ گئی۔ ڈاکو دریا کے دوسرے کنارے درختوں کے درمیان گھوڑا دوڑائے بھاگا جا رہا تھا۔ ماریا اس کے ساتھ ساتھ ہوا میں اڑ رہی تھی۔ اس نے ڈاکو کے کان میں کہا۔

"یار! یہ سونے کی آدھی اینٹ مجھے دے دو۔"

ڈاکو نے کان میں کسی لڑکی کی آواز ضرور سُنی مگر اُس نے سر کو جھٹک دیا۔

ماریا نے پھر اس کے کان میں کہا۔

"کیوں بے اُلو کے پٹھے! کیا حال ہے تمہارا ہے؟"

ڈاکو نے دوسری بار بھی سر کو جھٹک دیا۔ اب ماریا نے اس کے سر پر ایک مکا مارا۔ اس کا ہیٹ پچک گیا اور وہ [illegible] وہ ادھر تکنے لگا۔ ماریا نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بے حرامی! رکھ دے اس سونے کی اینٹ کو یہاں۔"

ڈاکو بھوت بھوت کہہ کر گھوڑے کو اور تیز کرنے ہی لگا تھا کہ ماریا نے ڈاکو کے گلے سے سونے کا تھیلا اتار کر گھوڑے کی پیٹھ پر اس زور سے لات ماری کہ گھوڑے کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ اتنی تیزی سے بھاگا کہ پھر ماریا کو بھی دکھائی نہ دیا۔ ماریا تھیلا لئے کر "ہوٹل سیوائے" کی طرف روانہ ہو گئی۔

قتل کی سازش

ماریا ہوٹل پہنچی تو عنبر اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

"یہ دیکھو میں تمہارے لئے کیا لائی ہوں۔"

ماریا نے تھیلا عنبر کے آگے رکھ دیا۔ عنبر نے اس میں سے سونے کی اینٹ کو نکال کر دیکھا تو ہنس کر بولا۔

"یہ کس غریب کا سونا ہے ماریا؟"

ماریا نے کہا۔ "غریبوں کے پاس سونا نہیں ہوتا۔ یہ تو ایک ڈاکو پر ڈاکہ ڈالا ہے میں نے۔"

"پھر ٹھیک ہے۔"

ماریا نے کہا۔ "ویسے بھی یہ سونا ہندوستان سے لوٹ کر یہاں لایا گیا ہے۔ ان بھوکے ننگے آلو کو بھی کھانے والے انگریزوں کے پاس سونا کہاں سے آسکتا ہے بھلا۔ اچھا تم سناؤ شہزادی سوسن کے ہاں دعوت کھا آئے؟ کیا کیا کھانے تجھے وہاں پر؟"

عنبر نے ماریا کو شہزادی سوسن کی ساری دکھ بھری داستان سنائی کہ کس طرح وہ اور اس کا بھائی ہنری قلعے اور قلعے کی

جاگیر کے جائز وارث ہیں مگر ان کا چچا وراثت پر قبضہ کرنے کے
لئے انہیں زہر دے کر ہلاک کرنے کی فکر میں ہے۔
"اور یہاں اس شہر کے نیچے کہیں شہزادی کے پڑدادا
بادشاہ ہنری ہشتم کا زبردست خزانہ دفن ہے اس کا چچا بھی
اس خزانے کی تلاش میں ہے۔ میں نے تو اس کے چچا سے
حامی بھر لی ہے کہ میں اپنے جادو کے زور سے خزانے کی
جگہ بتا دوں گا۔"
"وہ کیسے؟" ماریا نے پوچھا۔
عنبر کہنے لگا۔"ناگ بھی لندن میں ہے۔ آج نہیں تو کل اس
سے ملاقات ہو جائے گی۔ وہ اپنے کسی سانپ سے کہہ کر زمین کے
خزانے کا حال معلوم کرے گا۔"
"اور تم شہزادی کے مکار چچا کو بتا دو گے؟"
"ارے نہیں ایسا نہیں ہے۔ خزانے پر سانپ تو ضرور ہو گا۔
میں نے چچا سے کہہ دیا ہے کہ اسے سانپ کے پاس اکیلے ہی
جانا ہو گا اگر وہ جائز وارث ہوا تو سانپ کچھ نہیں کہے گا
نہیں تو اسے ڈس لے گا۔"
ماریا نے پوچھا" اور اگر اس چالاک شخص نے سانپ کو
کسی ہتھیار سے ہلاک کر دیا تو کیا خزانہ اسے دے دو گے؟"
عنبر نے کہا" سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خزانہ تو ہر حال
میں شہزادی سوسن اور اس کے چھوٹے بھائی کو ہی ملے گا۔ میں
تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ بجائے اس کے کہ ہم مکار چچا کو
ہلاک کریں وہ اپنے آپ سانپ کے ڈسنے سے مر جائے۔"
ماریا بولی:" اچھا خیال ہے۔ لیکن یہ تم نے شہزادی سوسن
کے ساتھ میری ڈیوٹی کس خوشی میں لگا دی ہے؟"
عنبر نے کہا۔"شہزادی سوسن اور اس کا چھوٹا بھائی ہنری اصل
وارث ہیں۔ اصل حقدار کو اس کا حق مل کر رہنا چاہئے۔ دونوں
بہن بھائی بڑے معصوم اور بھولے بھالے ہیں۔ بے چاروں کا سارے
قلعے اور محل میں کوئی ہمدرد اور سگا نہیں ہے۔ ایک چچا تھا وہ
بھی ان کی جان لینے کی فکر میں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ان
کا خیال رکھو۔ ناگ سے ملنے سے پہلے پہلے، چچا کہیں انہیں
زہر نہ دے دے۔"
ماریا نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔
"تم کہتے ہو تو یہ ڈیوٹی کر دوں گی۔ ویسے چوبیس گھنٹے
اٹین شن رہنا ہو گا۔ اچھا کوئی بات نہیں۔ تم نے شہزادی سوسن
کو میرا بتا دیا تھا ناں؟"
"ہاں میں نے اُسے کہہ دیا ہے کہ ماریا میری ایک بہن
کی روح ہے۔ تم بھی یہی بتانا کہ تم روح ہو۔ کیونکہ وہاں
سب یہی سمجھتے ہیں کہ روحیں میرے پاس آتی جاتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ ایسا ہی کروں گی۔ اب سوال یہ ہے کہ ناگ کو کہاں تلاش کیا جائے؟ اس کا ملنا بہت ضروری ہے۔"

عنبر نے کہا۔ "اُسے سلومی کو لے کر لندن آنا تھا تاکہ وہ اسے اس کے ماں باپ کے پاس پہنچا دے۔ میرا خیال ہے سلومی کو اس نے پہنچا دیا ہوگا۔ سلومی کے گھر کا پتہ بھی مجھے معلوم نہیں۔"

ماریا نے کہا۔ "ناگ کسی نہ کسی سرائے یا ہوٹل میں اترا ہوگا وہ بھی ضرور تمہاری تلاش میں ہوگا۔ کیونکہ اسے میرے ملنے کی تو ابھی خبر ہی نہیں ہے۔"

عنبر کہنے لگا۔ "تم اُس کی تلاش زیادہ آسانی سے کر سکتی ہو کیونکہ تم کسی کو دکھائی نہیں دیتی اور یوں ہر کسی کے گھر کے اندر جا کر تلاشی لے سکتی ہو۔"

ماریا نے کہا۔ "لیکن تم نے تو میری ڈیوٹی شہزادی سوسن کے ساتھ قلعے میں لگا دی۔ میں شہر میں ناگ کو کہاں تلاش کرتی پھروں گی؟ یہ کام تو تمہیں کرنا ہوگا۔ آخر تم بھی تو کوئی کام کرو۔"

عنبر ہنس پڑا۔ "اچھا بابا! یہ کام میں اپنے ذمے لیتا ہوں اب کیا خیال ہے۔ ہم آرام نہ کریں؟"

ماریا بولی۔ "میں تو تھک گئی ہوں۔ کافی منگواؤ۔ کافی پیتے ہیں۔"

یہ لندن کا سب سے مہنگا اور آج سے سو سال پہلے کا سب سے خوبصورت ہوٹل تھا جس کی ہر منزل کے برآمدوں میں گیس کے لیمپ روشن تھے۔ راہ داریوں میں قالین بچھے تھے۔ عنبر نے گھنٹی بجائی۔ نیچے سے ایک چاق و چوبند بیرا آگیا۔ یہ گورا بیرہ تھا اور کالوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ عنبر کا رنگ گورا نہیں تھا۔ بلکہ گہرا سانولا تھا۔ جیسا کہ مصریوں کا عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ بیرے کو پسند نہیں تھا کہ کالے اس شاندار ہوٹل میں آکر ٹھہریں۔ اُس نے کمرے میں آکر بڑے غرور کے ساتھ گردن اکڑا کر کہا۔

"یس سر! کیا چاہیے؟"

عنبر نے کہا۔ "دو کافی۔"

بیرے نے بھنوئیں چڑھا کر پوچھا۔

"دو؟ آپ تو ایک ہیں۔"

عنبر نے جھڑکتے ہوئے کہا۔ "تم کون ہو یہ پوچھنے والے؟ دفع ہو جاؤ اور دو کافی لاؤ۔"

"یس سر"

بیرا نفرت سے منہ بنا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ ماریا نے پوچھا کہ وہ سونا کب اور کہاں فروخت کرے گا؟ عنبر نے کہا۔

"صبح اسے لندن کے گنجان علاقے میں لے جا کر کسی یہودی

کے پاس بیچ دوں گا۔ جو دے گا لے لوں گا۔ میرا خیال ہے
اتنی رقم ضرور مل جائے گی کہ ہم ایک مہینہ اس ہوٹل میں
آرام کر سکیں گے۔ اور ناگ بھی مل گیا تو ہمارے پاس
ٹھہر سکے گا۔"

ماریا کہنے لگی۔ "یہ شہزادی سوسن کا خزانہ اسے مل جائے تو
ہم یہاں سے آگے چلیں گے۔ ابھی ہمارا سفر بہت لمبا ہے
پورے پانچ ہزار سال ہمارے سامنے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔ "اگر ہم اسی طرح جُوں کی رفتار سے وقت
کے ساتھ ساتھ رینگتے رہے تو پھر یقیناً ہمیں پانچ ہزار سال
ہی گذارنے ہوں گے۔ لیکن اگر قدرت ہمیں اٹھا کر ایک دم
سے چار سو سال پیچھے لے گئی تو ہمارا سفر جلدی ختم ہو سکتا ہے۔"

ماریا نے کہا۔ "آتی دفعہ تو ہمارے ساتھ تو ایسا ہی ہوا
تھا۔ جاتی دفعہ تو ابھی ہم نے سفر شروع کیا ہی ہے اور سو
سال ہی پیچھے آئے ہیں۔"

"دیکھو قدرت ہمارے ساتھ ابھی کون کون سا مذاق کرتی ہے۔"

اتنے میں انگریز بیرا آ گیا۔ اس نے میز پر کافی کے برتن
رکھے اور چلا گیا۔ اس بیرے نے ماریا اور عنبر کی باتیں سُن لی
تھیں اور اُسے پتہ چل گیا تھا کہ عنبر کے پاس جو تھیلا ہے
اس میں سونے کی اینٹ پڑی ہے۔ اُس نے دروازے کے
پیچھے چھپ کر یہ بھی سُن لیا تھا کہ عنبر کسی عورت سے باتیں کرتا رہا
تھا جواب غائب تھی۔ وہ یہ سمجھا کہ اس نوجوان عنبر کے ساتھ کوئی
عورت بھی رہ رہی ہے جس کو وہ کسی کے آنے پر پلنگ
کے نیچے چھپا دیتا ہے۔ بیرے کے خیال میں عنبر نے یہ کام
ہوٹل کے دوسرے کمرے کا کرایہ بچانے کے لئے کیا تھا۔ کیونکہ
اس ہوٹل کے سنگل کمرے میں دو آدمیوں کو رہنے کی اجازت
نہیں تھی۔ بیرے نے سوچا کہ ہوٹل کے مینجر کو بعد میں شکایت
کروں گا۔ پہلے عنبر کے تھیلے میں سے سونا چُرا لیا جائے۔"

اس بیرے کی موت آدھی رات کو سونے کے لالچ کی شکل
میں اسے عنبر کے کمرے میں لے آئی۔ پلنگ پر ماریا سو رہی تھی
وہ لحاف کے اندر دُبکی ہوئی تھی۔ اس کے لحاف کے اندر
ہونے کی وجہ لحاف اوپر کو اُبھرا ہوا تھا۔ بیرا کمرے کے
خفیہ دروازے سے آیا تھا۔ گیس کا لیمپ دھیما روشن تھا۔ بیرے
نے سوچا کہ عنبر پلنگ پر سو رہا ہے۔ تھیلا اس کے سرہانے کے
نیچے ہو گا۔ حالانکہ پلنگ پر ماریا سو رہی تھی اور عنبر صوفے کی
دوسری جانب اوٹ میں کمبل اوڑھ کر سو رہا تھا۔

بیرا دبے پاؤں پلنگ کے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں
کھلا ہوا خنجر تھا۔ بیرے کا خیال تھا کہ وہ عنبر کے منہ پر سے
لحاف اٹھا کر خنجر اُس کی گردن پر رکھ کر تھیلا چھین کر بھاگ

جائے گا۔ ہیرے نے چہرے پر نقاب اس لئے ڈال رکھا تھا کہ
عنبر اسے پہچان نہ لے۔
سرہانے کے قریب آکر وہ جھکا اور ایک ہاتھ سے اُس نے
لحاف اوپر اٹھا دیا۔ وہ حیران رہ گیا۔ لحاف کے نیچے کوئی بھی
نہیں تھا۔ تو پھر یہ لحاف اوپر کو کیسے اُبھرا ہوا تھا؟ لحاف
ابھی تک اوپر کو ابھرا ہوا تھا جیسے اس کے اندر کوئی لیٹا ہوا
ہو۔ ماریا جاگ پڑی تھی اور اپنے اوپر جھکے ہوئے نقاب پوش
کو تک رہی تھی۔

ہیرا جلدی سے ہٹ کر کمرے میں عنبر کو تلاش کرنے لگا۔
اس کی نظر میز کی دراز پر پڑی۔ اس نے دراز کو کھولا تو اندر
سونے کی اینٹ والا تھیلا پڑا تھا۔ خوشی سے اُس کی باچھیں کھل
گئیں۔ اُس نے تھیلا اٹھا کر بغل میں دبایا اور باہر نکلنے کے لئے
کمرے کے خفیہ دروازے کی طرف بھاگا۔ مگر کسی کی ٹانگ سے
ٹکرا کر منہ کے بل سامنے والی الماری کے اوپر گر پڑا۔ وہ جلدی
سے اٹھ کر بھاگا۔ دوسری بار کسی نے اُسے گردن سے پکڑ کر
پیچھے کھینچ لیا۔

عنبر بھی جاگ پڑا تھا اور بلی چوہے کا یہ تماشا لیٹے لیٹے
بڑے مزے سے دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ شخص سونے
کی اینٹ چرانے آیا تھا اور اب ماریا اس سے ذرا کھیل رہی
ہے۔ بار بار فرش پر گرنے سے ہیرے کا نقاب الٹ گیا۔ ماریا
اور عنبر نے دیکھا کہ یہ تو کم بخت وہی ہیرا ہے۔ عنبر نے وہیں
سے آواز دی۔

"ماریا! جانے نہ پائے۔"
ماریا نے کہا۔ "کہو تو اسے تیسری منزل کی کھڑکی میں سے
نیچے پھینک دوں؟"
ہیرا تھیلا پھینک کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔
"نہیں نہیں۔ مجھے معاف کر دو۔ میرے بچوں پر ترس
کھاؤ۔ میں معافی مانگتا ہوں۔"
عنبر نے کہا۔ "معاف کر دو ماریا۔"
"اچھا جاؤ معاف کیا۔"

ہیرا حیران تھا کہ یہ شخص کس سے باتیں کر رہا ہے؟ اور
جس عورت نے مار مار کر جوڈو کراٹے سے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا
کیا یہ کوئی چڑیل ہے جس کو عنبر نے قابو کر رکھا ہے؟ سو برس
پہلے انگریز چڑیلوں سے بڑا خوف کھاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ
جہاں کہیں اُسے کسی عورت پر چڑیل ہونے کا ذرا سا شبہ پڑتا
لوگ اُسے اٹھا کر آگ میں ڈال دیتے تھے۔ ہیرا تو اپنی جان
بچا کر بھاگ گیا۔ لیکن جانے سے پہلے عنبر نے اُسے بلا کر اتنا کہہ دیا۔
"یاد رکھو! اگر تم نے میری چڑیل کے بارے میں کسی کو

کچھ بتایا تو یہی چڑیل رات کو آکر تمہارا کلیجہ نکال کر کھا جائے گی:
بیرے نے کانپتے ہوئے کہا۔

"کبھی نہیں۔ کبھی نہیں۔ میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا:"
جب وہ چلا گیا۔ تو ماریا نے پلنگ پر لیٹتے ہوئے کہا۔

"یہ تم نے مجھے چڑیل کب سے بنا دیا عنبر بھیا؟"
عنبر ہنسنے لگا۔ "بھئی، تو اسے ڈرانے کے لئے تمہیں چڑیل بنا دیا ہے۔ وگرنہ تم تو میری بہت ہی پیاری چھوٹی بہن ہو۔ اچھا اب سو جاؤ۔ تمہیں صبح اٹھتے ہی شہزادی سوسن کے قلعے میں جانا ہے:"

"اور تمہیں نگ کی تلاش میں — نہیں پہلے اس سونے کو جا کر فروخت کرنا ہے:" ماریا نے کہا۔

"ہاں۔ میں اپنا کام کروں گا تم اپنا کام کرنا:"

لندن شہر میں دن کی روشنی بڑی مشکل سے طلوع ہو رہی تھی۔ کیونکہ آسمان اور زمین، ہر جگہ پر دھند پھیلی تھی۔ عنبر دن چڑھے سونا فروخت کرنے اور ماریا بوڑھے ڈیوک کے پرانے قلعے کی جانب روانہ ہو گئی۔ یہ سارے علاقے ماریا کے لئے نئے نہیں تھے جیسا کہ آپ پچھلی قسطوں میں پڑھ چکے ہیں ماریا اس شہر میں دو سو برس پہلے بھی آ چکی تھی اور یہاں کے قلعے اور قلعوں کو جاتے راستے ویسے ہی تھے جیسے آج کل ہیں۔ فرق

صرف اتنا تھا کہ آج سے سو برس پہلے یہ قلعے اندر سے آباد تھے لیکن باہر ان پر آج ہی کی مانند ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ ماریا کو قلعے کی پہاڑی تک پہنچنے کے لئے کسی بگھی یا دوسری سواری کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بھی جا سکتی تھی لیکن اس نے ہوا میں اڑ کر جانا زیادہ پسند کیا۔

وہ لندن کے کھلے کھیتوں اور جنگلوں میں پھیلی دُھند کے اوپر اڑتی اس قلعے کے اندر جا کر اتر گئی جہاں شہزادی سوسن اپنے چھوٹے بھائی ہنری کے ساتھ مصیبت کے دن گزار رہی تھی ماریا قلعے کی چھت پر اتری تھی۔ یہاں سے وہ زینے سے ہو کر نیچے بڑے بڑے کھلے برآمدوں اور اونچے ستونوں والے دالان میں آ گئی۔ ان ستونوں پر کہیں کہیں مخمل کے سُرخ اور نیلے رنگ کے بھاری پردے گرے ہوئے تھے۔ عنبر نے ماریا کو سوسن کا حلیہ بتا دیا تھا۔ محل میں کئی عورتیں پرانے زمانے کے گھیرے دار گاؤن پہنے چل پھر رہی تھیں۔ ان میں سوسن کی شکل کی کوئی لڑکی نہیں تھی۔

ماریا نے محل کے سب سے بڑے کھلے کمروں میں گھومنا شروع کر دیا۔ ایک جگہ اس نے بوڑھے ڈیوک کو دیکھا۔ وہ ایک دیوان پر گرم کمبل اوڑھے بیٹھا تھا اور ایک بوڑھی خادمہ اسے چمچ سے دلیہ کھلا رہی تھی۔ ڈیوک کے بال سفید رومال سے

ہونٹ صاف کر رہا تھا۔

ماریا دوسری منزل کے ایک کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے گیلری میں ایک دبلی پتلی سنہری بالوں والی لڑکی کو دیکھا جس نے دو چوٹیاں کر رکھی تھیں اور سر پر سفید ہیٹ تھا۔ ماریا کو شہزادی سوسن کو پہچاننے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ یہی سوسن تھی۔ ماریا کمرے میں سے گزر کر گیلری میں آگئی۔ سوسن نیچے وادی میں پھیلی دھند کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے شانوں پر نسواری رنگ کی بڑی خوبصورت گرم اونی شال پڑی تھی۔ ہاتھوں پر سفید دستانے تھے اور وہ جنگلے پر ذرا جھکی نیچے تک رہی تھی۔

ماریا نے اُسے غور سے دیکھا۔ یہی وہ شکل تھی جو عنبر نے اُسے بتائی تھی۔ اس شکل پر ایک گہری اداسی چھائی تھی۔ نیلی آنکھوں میں غم کی جھلک تھی۔ ماریا نے شہزادی سوسن کے قریب ہو کر آہستہ سے کہا۔

"شہزادی سوسن ہے"

شہزادی کسی نظر نہ آنے والی عورت کی زبان سے اپنا نام سُن کر چونک پڑی۔ پھر اُسے عنبر کی بہن کی روح کا خیال آیا۔ اس نے آنکھیں جھپکا کر کہا۔

"تم عنبر کی بہن ماریا کی روح ہو کیا ہے"

ماریا ذرا سا ہنسی اور بولی۔

"ہاں ——— میں ماریا ہوں۔ عنبر کی بہن کی روح۔"

شہزادی سوسن زندگی میں پہلی بار کسی روح سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے ہمیشہ ایسے لوگوں سے باتیں کی تھیں جو اُسے نظر آیا کرتے تھے۔ نظر نہ آنے والی ہستی سے وہ پہلی بار گفتگو کر رہی تھی۔ اس نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"ماریا بہن! میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

"دیکھ لو۔ میں آگئی ہوں۔ تم ڈر نہیں رہی ہو؟"

"نہیں تو" شہزادی سوسن ہنس دی۔ اس کے دانت بڑے سفید تھے بالکل سفید موتیوں کی طرح۔ ماریا نے کہا۔

"شاباش! تم بڑی بہادر لڑکی ہو۔ لوگ تو میری آواز سن کر اکثر بے ہوش ہو جاتے ہیں۔"

شہزادی سوسن نے کہا۔

"اگر مجھے عنبر نے تمہارے بارے میں سب کچھ نہ بتا دیا ہوتا تو شاید میں بھی بے ہوش ہو جاتی۔"

ماریا نے ہنس کر کہا۔ "ہنری کہاں ہے؟"

"وہ ناشتہ کر رہا ہے۔"

"اور تمہارا مکار چچا کہاں ہے؟"

"شاید وہ بھی ناشتہ کر رہے ہیں۔"

"ہنری کے ساتھ۔"

"شاید"

ماریا نے چونک کر کہا "تمہیں اپنے چھوٹے بھائی کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے سوسن! تمہارا بھائی اسے نقصان پہنچا سکتا ہے مجھے بتاؤ یہ لوگ یہاں ناشتہ کرتے ہیں مجھے ساتھ لے چلو وہاں"

شہزادی سوسن نے ماریا کو ساتھ لیا اور پہلی منزل کے اس کمرے میں آ گئی جہاں اس کا چھوٹا بھائی اپنے چچا کے سامنے میز پر بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔ شہزادی کو دیکھ کر ہنری مسکرایا۔ چچا کے ماتھے پر شکن پڑ گئے۔ ماریا نے محسوس کیا کہ اس کے مکار چچا کو شہزادی سوسن کا آنا ناگوار لگا ہے۔ شاید وہ کوئی سازش کرنے والا تھا۔ اوپر سے مسکراتے ہوئے اُس نے شہزادی سوسن کا خیر مقدم کیا اور کرسی کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"بیٹھو شہزادی سوسن!"

شہزادی چچا کے سامنے اپنے بھائی کے پاس بیٹھ گئی۔ ماریا بھی اس کے پاس ہی کھڑی ہو گئی تھی۔ ہنری دودھ کا گلاس پی رہا تھا۔ ماریا نے جھک کر گلاس کو دیکھا کہ دودھ میں کوئی دوسری نقصان دہ شے تو نہیں ملی ہوئی۔ اس میں اتنی طاقت تھی کہ وہ ملاوٹ کو پہچان لیتی تھی۔ دودھ میں کچھ نہیں تھا۔ مکار چچا ہنری اور اسکی بہن کو ٹھکانے لگانے کی ایک دوسری سکیم سوچ رہا تھا۔ اس نے مصر کے ایک سپیرے سے بڑا ہی زہریلا پھنیر سانپ منگوا رکھا تھا

یہ سانپ جسے ڈس دے اُس کا جسم اسی وقت جگہ جگہ سے پھٹ جاتا تھا اور وہ فوراً مر جاتا تھا۔ مکار چچا رات کے وقت اس سانپ کو ہنری اور شہزادی کے سونے کے کمرے میں چھوڑنے والا تھا۔ ماریا کو بھی مکار چچا کی اس خطرناک سازش کا علم نہیں تھا ناشتے کے بعد چچا شہزادی اور ہنری کو ساتھ لے کر بڑے کمرے سے باہر جانے لگا تو ماریا کا اتفاق سے میز پر رکھی صراحی کو ہاتھ لگ گیا۔ صراحی گر پڑی۔ چچا نے صراحی کو دیکھا اور حیران ہو کر بولا۔

"یہ اپنے آپ کیسے گر گئی؟"

شہزادی کو تو معلوم تھا کہ یہ ماریا نے کیا ہے۔ وہ انجانی بن کر بولی۔

"خدا جانے کیسے گر گئی؟"

"کیا اس کمرے میں کوئی بھوت تو نہیں آ گیا"

چچا نے چلتے ہوئے پوچھا۔

"شاید" شہزادی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف عنبر سونے کی اینٹ لے کر لندن کے ایک یہودی سوداگر کے پاس پہنچا۔ جوہری نے سونے کی اینٹ دیکھی تو عنبر کو سر سے لے کر پاؤں تک تکتے ہوئے بولا۔

"برخوردار! یہ اینٹ تم نے کہاں سے چرائی ہے"

عنبر نے کہا۔ "یہ ہمارے خاندان کی پرانی سونے کی اینٹ ہے

میں نے کہیں سے نہیں چرائی۔"

یہودی نے آنکھ مار کر کہا۔ "برخوردار! مجھے اصل بات بتا دو میں خوب جانتا ہوں کہ تم کوئی ملکہ مصر کے خاندان سے نہیں ہو کہ تمہارے پاس سونے کی اینٹ پڑی رکھی ہو۔"

عنبر نے کہا۔ "میں ملکہ مصر کے خاندان سے ہی ہوں۔"

یہودی قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ حالانکہ عنبر نے بالکل سچی بات کہی تھی۔ جیسا کہ ہمارے پڑھنے والے دوستوں کو معلوم ہو گا کہ عنبر کا تعلق پانچ ہزار برس پرانے مصر کے شاہی خاندان سے تھا۔ لیکن بھلا وہ لندن کے یہودی کو کیسے یقین آ سکتا تھا۔ عنبر کا لباس بھی عام قسم کا تھا۔ یہودی نے کہا۔

"نوجوان! اگر تم نے سچی بات نہ بتائی تو مجھے مجبوراً تمہیں پولیس کے حوالے کرنا پڑے گا۔"

عنبر بے فائدہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔

"اچھا چلو۔ میں نے ایک جگہ سے یہ سونا چرایا ہے۔ اب بولو تم کیا دو گے؟"

یہودی مکاری سے ہنسا۔

"میں تمہیں اس کے ایک ہزار پاؤنڈ دے سکتا ہوں۔"

عنبر نے تعجب سے کہا۔ "مگر یہ سونا تو ایک لاکھ پونڈ کا ہے۔"

"تو پھر پولیس کے پاس چلو۔"

"اچھا لاؤ ایک ہزار پاؤنڈ ہی لاؤ۔"

عنبر فضول جھک جھک سے بچنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک ہزار پاؤنڈ گن کر وصول کئے اور سونے کی اینٹ یہودی کے حوالے کر کے واپس اپنے ہوٹل میں آ گیا۔ شام ہو رہی تھی۔ موسم بہت سرد ہو گیا تھا۔ عنبر نے ناگ کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا یہاں آ کر۔ کہیں اس کی ہلکی سی بو تک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اگر اسے سانپ کی زبان آتی ہوتی تو وہ کسی سانپ سے ہی اس کا پتہ پوچھ لیتا۔ رات کو اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا۔ ابھی چوبیرے نے کھانے کے بعد کافی لا کر دی۔ اب وہ عنبر کو جھک کر سلام کرتا تھا۔ وہ اس سے ڈرتا بھی تھا۔ عنبر ناگ کے بارے میں ہی سوچتا ہوا بستر پر لیٹ گیا۔

جس یہودی کے پاس عنبر نے سونے کی اینٹ ایک ہزار پاؤنڈ کی معمولی رقم کے عوض فروخت کی تھی وہ بڑا لالچی انسان تھا۔ اُسے کسی طرح نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ جو نوجوان سونے کی ایک پوری لاکھ پاؤنڈ سے بھی زیادہ کی اینٹ ایک ہزار پاؤنڈ میں بیچ سکتا ہے ضرور اس کے پاس اور اینٹیں بھی ہوں گی۔ یا پھر اسے کسی ایسے خفیہ خزانے کا علم ہو گا جہاں سونے کی بے شمار اینٹیں پڑی

ہوں گی۔ کیوں نہ اس کو قابو کیا جائے اور ساری سونے کی اینٹیں حاصل کر کے دنیا کا امیر ترین آدمی بنا جائے۔

یہودی کو لالچ نے گھیر لیا۔ اس نے احتیاطاً اپنے نوکر کو عنبر کے پیچھے پیچھے روانہ کر دیا تھا جو اس کے ہوٹل کو دیکھ آیا تھا۔ پس آدھی رات کو یہودی عنبر کے ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ لندن کی گلیاں سنسان تھیں۔ دُھند پھیلی ہوئی تھی۔ اور مکانوں کے دروازے بند تھے اور بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ یہودی کی جیب میں ایک تیز دھار والا چھُرا تھا۔ جس سے وہ انکار کی صورت میں عنبر کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

عنبر یونہی اٹھ کر اپنے کمرے سے باہر نکل آیا اور برآمدے میں ٹہلنے لگا۔ یہودی نے اُسے دور سے دیکھا تو اندھیرے میں چُھپتا چھپاتا اس کے پیچھے نکل آیا۔ اس نے جیب سے خنجر نکال کر عنبر کی گردن پر رکھ دیا اور کہا۔

"اگر تم نے مجھے وہ جگہ نہ بتائی جہاں سے تم سونے کی اینٹ لائے تھے تو میں ابھی تمہاری شہ رگ کاٹ ڈالوں گا"

عنبر نے مڑ کر یہودی کو دیکھا تو اسے بڑا غصہ آیا کہ کمینے انسان کو لالچ نے اندھا کر دیا ہے اور ایک انسان کی جان لینے کو تیار ہو گیا ہے۔ عنبر نے اسے سبق سکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے بڑی لجاجت سے کہا۔

"خدا کے لئے مجھے نہ مارو۔ میں تمہیں ابھی اس جگہ لے چلتا ہوں"

یہ سن کر یہودی کی باچھیں کھل گئیں۔ جھٹ بولا۔

"اگر تم نے مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو یاد رکھو اس وقت میرے چار محافظ نوکر خنجر لئے اندھیرے میں تمہارے آس پاس کھڑے ہیں"

عنبر نے مصنوعی خوف زدہ آواز میں کہا۔

"جناب! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ کو دھوکہ دوں۔ کیا مجھے اپنی جان عزیز نہیں ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں آپ کو اُسی جگہ لے کر جاؤں گا جہاں سے مجھے یہ سونے کی اینٹ ملی تھی"

"کیا وہاں اور بھی سونا ہے؟"

یہودی نے لالچ سے پوچھا۔

عنبر بولا۔ "ہاں جناب! وہاں تو سونے کی اینٹوں کا ایک صندوق بھرا ہوا ہے"

یہودی نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر چلو۔ مجھے وہاں لے چلو"

پھر کچھ سوچ کر رُکا اور کہنے لگا۔

"وہ جگہ لندن میں کہاں ہے؟"

عنبر نے سوچا کہ اسے کہاں لے جانا چاہئے جہاں اسے بدکردار لالچی انسان کو اس کے کئے کی پوری پوری سزا مل سکے یا سزا دی جا سکے۔ اچانک اُسے لندن کے پرانے قلعے کے ٹارچر ہاؤس کا خیال آ گیا۔ یہ قلعہ ہنری ہشتم کے زمانے کا تھا اور یہاں ایک چیمبر میں ہنری ہشتم اپنے سامنے قیدیوں اور اپنے دشمنوں کو اذیت دے دے کر مارا کرتا تھا۔ اس تہہ خانے میں ابھی تک اذیت دینے والے آلات لگے تھے۔ لوگوں نے مشہور کر رکھا تھا کہ وہاں ان لوگوں کی روحیں بھٹکتی پھرتی ہیں جن کو وہاں بادشاہ کے حکم پر قتل کر دیا گیا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"ہنری ہشتم کے پرانے قلعے کے نیچے ایک تہہ خانہ ہے۔ اس تہہ خانے کے فرش کے اندر سونے کی اینٹوں کا صندوق بھرا پڑا ہے۔ میں سیاحت کرتا ادھر جا نکلا تو اچانک میری نظر مٹی کے ڈھیر پر پڑی۔ جب میں نے وہاں زمین کھود دی تو اندر ایک صندوق تھا جو سونے کی اینٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ مگر جناب کو یقین نہیں

آتا تو چل کر دیکھ لیں۔"

یہودی نے خنجر کی نوک عنبر کی شہ رگ پر رکھ کر کہا۔

"چلو میرے آگے آگے۔"

عنبر کا خیال تھا کہ یہ موٹا لالچی یہودی یونہی رعب ڈالنے کے لئے کہہ رہا ہوگا۔ ہوٹل کے باہر آ کر پتہ چلا کہ ایک بگھی میں اس کے تین آدمی خنجر اور پرانی قسم کے بارود سے بار بار بھرے جانے والے پستول لئے تیار بیٹھے تھے۔ انہوں نے کھینچ کر عنبر کو بگھی کے اندر گرا لیا اور کوچوان نے بگھی ہنری ہشتم کے پرانے قلعے کی طرف دوڑا دی۔

قلعہ لندن شہر سے باہر ایک ٹیلے پر تھا۔ بگھی آدھی رات کے سناٹے میں پتھروں کی سڑک پر بھاگی جا رہی تھی۔

قلعے کا ایک دروازہ بند تھا اور دوسرا ٹوٹا ہوا تھا۔ بگھی اس کے سامنے جا کر رُک گئی۔ چاروں باہر نکل آئے اور انہوں نے عنبر کو پستول دکھا کر اپنے آگے آگے لگا لیا۔ عنبر اب بڑا سٹ پٹایا کہ خوامخواہ کس مصیبت میں پھنس گیا۔ ان لوگوں سے وہیں نمٹ لیا جاتا تو کم از کم رات تو خراب نہ ہوتی۔ اس کی جانے بلا کہ قلعے کا تہہ خانہ کہاں اور کدھر تھا۔ وہ تو پہلی بار اس قلعے میں آ رہا تھا۔ یہودی اپنے کرائے کے غنڈوں کے پیچھے پیچھے تھا۔ غنڈے

عنبر کو گھیرے قلعے کے اندر لے آئے اور پوچھا۔

"بتاؤ تہہ خانہ کدھر ہے؟"

"وہ سامنے والے کمرے میں ہے۔"

عنبر نے یونہی کہہ دیا۔ برآمدے میں سے گذر کر غنڈے سامنے والے کمرے میں آ گئے۔ اتفاق سے وہاں تہہ خانہ موجود تھا۔ جہاں سیڑھیاں جاتی تھیں۔ یہودی بڑا خوش ہوا کہ عنبر نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے گئے تو ایک چوکور سی خستہ حال کوٹھڑی آ گئی جہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ یہودی نے موم بتی روشن کر کے دیکھا۔ دیواروں کا چونا نیچے گر رہا تھا۔ چھت سے جالے لٹکے ہوئے تھے اور وہاں کوئی خزانے کا صندوق نہیں تھا۔

یہودی نے غرا کر کہا۔

"کہاں ہے خزانہ؟ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

عنبر نے یونہی زمین پر ایک جگہ پاؤں رکھ کر کہا۔

"جناب! خزانہ اس جگہ دفن ہے۔"

غنڈوں نے وہاں زمین کھودنی شروع کر دی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ قلعے کا محافظ ایک بوڑھا انگریز اس تہہ خانے کے اوپر ایک کوٹھڑی میں سو رہا تھا۔ اس نے جو زمین کھودے جانے کی آواز سنی تو لالٹین اور ڈنڈا تھامے باہر نکل آیا۔ آواز

اس کے پاؤں تلے سے آ رہی تھی۔ فوراً سمجھ گیا کہ کوئی تہہ خانہ کھود رہا ہے۔ اس نے سر کھجاتے ہوئے سوچا کہ کیا اس تہہ خانے میں کوئی خزانہ دفن ہے؟ اسے کچھ خبر نہ تھی۔ لیکن یہ لوگ قانون کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ اس نے تہہ خانے کی سیڑھیوں میں جا کر دیکھا۔ اندر سے روشنی آ رہی تھی اور زمین کھودنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

بوڑھا انگریز آہستہ سے چلتا سیڑھیوں کے اخیر میں آیا تو دیکھا کہ تین آدمی زمین کھود رہے ہیں اور دو الگ کھڑے ہیں ایک کے ہاتھ میں موم بتی ہے۔ بوڑھا پہرے دار لپک کر واپس ہوا اور سیدھا قلعے سے نکل باہر ایک مکان میں چلا گیا ایک گورکن رہتا تھا۔ اس نے گورکن کو جگایا اور بتایا کہ قلعے میں ڈاکو آ گئے ہیں اور زمین کھود رہے ہیں۔ گورکن نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"بھائی میں نہیں جاؤں گا۔ مجھے تو ڈاکوؤں سے خوف آتا ہے۔ ہاں۔ مجھ سے کوئی تابوت زمین میں دفن کروانا ہو تو میں ابھی تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔"

پہرے دار سٹ پٹا کر واپس آ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ خود بوڑھا آدمی تھا اور اس کے پاس

پستول بھی نہیں تھا۔ اکیلا چار غنڈوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا
تھا۔ اس کے باوجود اس کا احساسِ فرض اُسے تہہ خانے میں
لے گیا۔ اس نے ڈنڈا اوپر اٹھا کر بڑے رعب سے کہا۔

"خبردار جو کسی نے ہاتھ اٹھایا۔ میں سرکاری
پہریدار ہوں۔ قلعے کا محافظ ہوں۔ میں تمہیں گرفتار
کرتا ہوں۔"

یہودی نے بوڑھے انگریز محافظ کی طرف دیکھ کر اپنے ساتھیوں
سے کہا۔

"اسے ختم کر دو پہلے۔ پھر دوسرا کام کرنا۔"

غنڈے کرائے کے تھے۔ انہیں بڑا لالچ دیا گیا تھا۔ قتل کرنا
اُن کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ کدالیں رکھ کر انہوں
نے خنجر نکالے اور بوڑھے محافظ کی طرف بڑھے۔ عنبر یہ
برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ لوگ ایک بے گناہ شریف
انسان کو قتل کر دیں۔ اب وہ کھل کر سامنے آگیا۔ اس
نے بوڑھے محافظ کے آگے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"سونے کے کتو! میں تمہیں آخری موقع
دیتا ہوں۔ یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

یہودی اور تینوں غنڈوں کا تو پارہ چڑھ گیا کہ اس دبلے
پتلے سے نوجوان کی یہ ہمت کہ انہیں گالیاں دے۔ یہودی
نے چیخ کر کہا۔

"پہلے اس کا کام تمام کرو۔ فوراً۔"

غنڈے عنبر کی طرف بڑھے۔ عنبر اُن کا بڑی بے چینی سے انتظار
کر رہا تھا۔ جونہی ایک غنڈے نے اپنا خنجر عنبر کے سینے پر
مارا عنبر نے بڑے آرام سے خنجر اس کے ہاتھ سے چھین کر
اپنے پیچھے کھڑے بوڑھے انگریز چوکیدار کو دے کر کہا۔

"چچا اسے سنبھال کر رکھنا۔"

اور غنڈے کو گردن سے پکڑ کر ایسا جھٹکا دیا کہ اس کی گردن
ٹوٹ کر اس طرح لمبی ہو گئی جیسے اُسے چھ [illegible] پھانسی
دی گئی ہو۔ دوسرا غنڈہ آگے بڑھا تو عنبر نے اس کا خنجر
چھین کر بھی بوڑھے انگریز کو دے دیا اور اس کی کھوپڑی
پر ایسا زبردست مکا مارا کہ عنبر کا آدھا ہاتھ اس کی کھوپڑی
توڑ کر اندر چلا گیا۔ تیسرا غنڈا چیخ مار کر غصے سے عنبر پر
حملہ آور ہوا۔ عنبر نے اُسے بازو سے پکڑ کر زور سے اچھالا
وہ چھت سے ٹکرا کر نیچے گرا تو ختم ہو چکا تھا۔

یہودی نے یہ ماجرا دیکھا تو پستول پکڑ کر عنبر پر گولی
چلا دی۔ زبردست دھماکہ ہوا۔ بارود کا دھواں پھیلا۔
بے چارہ انگریز پہرے دار جلدی سے زمین پر نہ بیٹھ جاتا
تو زخمی ہو گیا ہوتا۔ جب دھواں چھٹا تو عنبر سامنے کھڑا

مسکرا رہا تھا۔ یہودی کے پاس اتنا موقع نہیں تھا کہ وہ دوسری بار پستول میں بارود بھر سکتا۔ اور پھر عنبر اسے موقع بھی نہیں دے سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس بھی اتنا وقت نہیں تھا کہ اپنی بہترین طاقت ان احمق قسم کے لالچی لوگوں پر ضائع کرتا پھرے۔ یہ تو وہ یہودی لالچی کو سبق سکھانا چاہتا تھا ——

یہودی بڑا حیران ہوا کہ گولیاں سیدھی عنبر کے سینے پر لگی تھیں۔ بڑا قریب سے اس نے نشانہ لیا تھا پھر وہ زندہ کس طرح بچ گیا۔ عنبر نے یہودی کو گردن سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا۔

"میں تمہیں بڑے آرام سے ماروں گا۔"

یہودی خود بھی اور اس کی موٹی توند بھی تھر تھر کانپنے لگی۔

"نہیں نہیں مسیحؑ کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ میں پھر کبھی لالچ نہیں کروں گا۔"

یہودی نے عنبر کو عیسائی سمجھا۔ اگرچہ وہ مسلمان تھا مگر حضرت عیسٰے علیہ السلام مسلمانوں کے لئے بھی قابل احترام پیغمبر ہیں۔ عنبر نے کہا۔

"تم نے جس مقدس ہستی کا نام لیا ہے میں ان کے طفیل تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔ جا بھاگ جا اور یہاں سے پیدل سردی میں ٹھٹھرتا ہوا واپس لندن پہنچ۔ تیری اب یہی سزا ہے۔"

"شکریہ، شکریہ، شکریہ۔"

یہودی جان بچا کر قلعے سے باہر نکلا اور شہر کی طرف ہانپتا کانپتا روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد عنبر نے بوڑھے محافظ کو بتایا کہ وہاں کوئی خزانہ وغیرہ نہیں ہے۔ اس نے جھوٹ بولا تھا اور ان لوگوں کو سبق سکھانا چاہتا تھا۔ اس نے تینوں غنڈوں کی لاشیں وہیں تہہ خانے میں دفن کر دیں اور عنبر بگھی میں بیٹھ کر رات کے پچھلے پہر واپس اپنے ہوٹل میں آ گیا۔

ادھر ماریا بھی رات ہونے پر شہزادی سوسن اور ہنری کے کمرے میں ان کی حفاظت کے لئے آ گئی۔ شہزادی نے اپنے چھوٹے بھائی کو ماریا کا نہیں بتایا تھا۔ صرف اس خیال سے کہ کہیں وہ ڈر کر کسی سے ذکر نہ کر دے۔ جب آدھی رات ہوئی تو شہزادی اور ہنری سو گئے۔ اور ماریا کمرے سے باہر آ گئی۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ماریا قلعے کی بالکونی میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ اسے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا پیچھے شہزادی کی خواب گاہ کو جانے والا برآمدہ خاموش تھا۔

سانپوں کا بادشاہ

ماریا نے خیال کیا کہ یہ شاید اس کا وہم تھا۔
وہ بالکونی میں کھڑی باہر رات کی تاریکی میں دُور جلنے والی روشنی کو دیکھتی رہی۔ یہ ماریا کی غلطی تھی۔ اُسے فوراً اپنا شک دور کرنے کے لئے شہزادی کے کمرے میں جانا چاہیے تھا۔ کیونکہ مکار چچا رات کے اندھیرے میں سانپ کی پٹاری چھپائے وہاں سے گذرا تھا۔ اس نے شہزادی کے کمرے کے دروازے کے نیچے سے زہریلے پھنیر سانپ کو اندر داخل کر دیا اور خود ذرا پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اور شہزادی سوسن اور ہنری کی موت کا انتظار کرنے لگا۔

کمرے میں شہزادی اور اس کا چھوٹا بھائی ہنری اپنے اپنے بستروں پر گرم لحافوں میں دبکے سو رہے تھے۔ سانپ فرش پر بچھے ہوئے ایرانی قالین پر اِدھر اُدھر رینگنے لگا۔ چھوٹی کانسی کی تپائی پر چاندی کا شمع دان روشن تھا۔ سانپ قالین پر رینگتے رینگتے شہزادی کے پلنگ کے پاس چلا گیا۔ اس نے اپنا پھن اوپر اٹھا کر شہزادی کے لحاف سے نکلے ہوئے چہرے کو دیکھا۔ پھر سانپ ہنری کے بستر کی طرف آ گیا۔ اس نے ہنری کو بھی غور سے دیکھا۔ باہر مکار چچا ان دونوں کی چیخیں سننے کا انتظار کر رہا تھا مگر اندر خاموشی طاری تھی۔ سانپ کیا کر رہا تھا؟ مکار چچا سوچنے لگا۔

سانپ ہنری کے بستر پر چڑھ گیا اور اس کے گرم لحاف کے اوپر رینگتا ہوا ہنری کے چہرے کے قریب آ کر رُک گیا۔ اب سانپ ہنری کے لحاف پر کنڈلی مارے بیٹھا تھا اور اپنا پھن اٹھائے جھوم رہا تھا۔ اتفاق سے شہزادی کی آنکھ کھُل گئی۔ اس نے کروٹ بدلی تو شمع کی روشنی میں اس کی نظر سانپ پر پڑ گئی۔ چونکہ پڑھی لکھی خاندانی لڑکی تھی اس لئے گھبرا کر چیخ مارنے کی بجائے اس نے اپنے حواس کو قابو میں رکھتے ہوئے بجلی ایسی تیزی کے ساتھ یہ سوچنا شروع کر دیا کہ سانپ کو لحاف سے نیچے کیسے گرائے۔ کیونکہ خطرہ تھا کہ اگر ہنری کی آنکھ کھل گئی تو چیخ مار دے گا اور سانپ گھبرا کر اُسے ڈس دے گا۔

شہزادی آہستہ آہستہ اپنے لحاف سے باہر نکل کر بستر کے دوسری طرف قالین پر اتر گئی۔ کمرے میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں تھی کہ جس کی مدد سے وہ سانپ کو ہلاک کر سکتی سانپ اسی طرح ہنری کے لحاف پر بیٹھا ہولے ہولے جھوم رہا تھا۔

شہزادی کسی طریقے سے اپنے چھوٹے بھائی کی جان بچانا چاہتی تھی اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خود اپنے بھائی کے اوپر گر کر سانپ ڈسوا لے گی اور بھائی کی جان بچالے گی۔

اتنے میں بالکونی میں کھڑی ماریا کو کچھ ٹھنڈ محسوس ہونے لگی۔ حالانکہ عام طور پر اسے سردی گرمی بہت ہی کم محسوس ہوا کرتی تھی۔ وہ بالکونی سے نکل کر شہزادی کے کمرے کی طرف آگئی۔ اندر جانے کے لئے اسے دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مکار چچا ایک ستون کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے ماریا اسے نہ دیکھ سکی۔ ماریا خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔ شمع کی روشنی میں اندر اُسے بہت سے پہلے جو شئے نظر آئی وہ سامنے والی دیوار پر جھومتا ہوا سانپ کا سایہ تھا۔

وہ اپنی جگہ پر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اس نے دیکھا کہ ایک سیاہ ناگ اپنا خطرناک پھن پھیلائے چھوٹے ہنری کے لحاف کے اوپر بیٹھا آہستہ آہستہ اس کے منہ کی طرف کھسک رہا تھا۔ گویا بڑے مزے کے ساتھ ہنری کو ڈسنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ شہزادی سوسن بھی آہستہ آہستہ سانپ کی طرف رینگ رہی تھی۔ ماریا نے سوچا کہ اگر اس نے کوئی آواز نکالی تو سانپ کہیں گھبرا کر ہنری کو ڈس نہ دے۔

وہ سوچنے لگی کہ یہ شہزادی سانپ کے پاس سامنے کی

جانب سے کیوں جا رہی ہے؟ ایک ایک پل بڑا قیمتی تھا۔ ماریا کمرے کی فضا میں لہراتی ہوئی سانپ کے اوپر آگئی۔ سانپ نے ماریا کے جسم کی لہروں کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے ایک جھکولا سا کھا کر اوپر کی طرف دیکھا۔ ماریا اُسے نظر تو نہیں آسکتی تھی۔ ماریا نے اس دوران میں پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر سانپ کو گردن سے پکڑ لیا۔

شہزادی سوسن نے جو ہنری کے لحاف کے اوپر سے سانپ کو اچانک غائب ہوتے دیکھا تو سمجھ گئی کہ ماریا نے اپنا کام کر دیا ہے۔ اس کی جان میں جان آئی۔ سردی میں بھی اس کے ماتھے پر پسینہ آگیا تھا۔ اس نے ماریا کو آہستہ سے پکارا۔ ماریا نے جواب میں کہا۔

"مجھے افسوس ہے شہزادی! میں ذرا کی ذرا باہر چلی گئی تھی۔ اگر اور دیر کر دیتی تو ہنری کی زندگی کو شاید ہم واپس نہ لا سکتے۔"

شہزادی سوسن نے ہنری کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ وہ اور ماریا بستر پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ شہزادی نے کہا۔

"میرا خیال ہے یہ سازش مکار چچا کی تھی۔ یہ سانپ اُسی نے ہمیں ہلاک کرنے کے لئے چھوڑا ہوگا۔"

ماریا نے کہا۔ "اس کے سوا اور کون یہ جرأت کر سکتا ہے۔"

باہر کھڑے مکار چچا نے جب محسوس کیا کہ دیر ہو گئی ہے اور اندر سے کسی کی چیخ کی آواز نہیں آئی تو اُسے یہی خیال ہوا کہ سانپ نے ان دونوں بہن بھائی کو ڈس کر ہلاک کر ڈالا ہے۔ وہ بڑا خوش خوش دروازے کے سامنے سے گذرا تو اُسے اندر دو عورتوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ حیران ہو کر رُک گیا کہ یہ شہزادی کس سے باتیں کر رہی ہے؟ دوسری عورت کی آواز چچا پہچان نہیں رہا تھا۔ یہ بالکل اجنبی آواز تھی۔ اس سے پہلے چچا نے یہ آواز نہیں سنی تھی۔ وہ پریشان ہو گیا۔ تو کیا شہزادی سوسن نے سانپ کو ہلاک کر ڈالا ہے؟ پھر وہ زندہ کیسے ہے؟ وہ اندر جا کر اصل حالات معلوم کرنا چاہتا تھا مگر اس خیال سے کہ کہیں اُسے شک نہ پڑ جائے وہ وہاں سے چلا گیا۔ جاتے ہی اس نے سپیرے کو بلایا اور اُسے ساری کہانی سنا کر پوچھا۔

"سانپ نے انہیں ڈسا کیوں نہیں؟ کیا سانپ زہریلا نہیں تھا؟"

سپیرے نے کہا۔"حضور! سانپ بہت زہریلا تھا۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ سانپ کمرے کی گرم گرم فضا میں جانے کے بعد کسی جگہ گرم ہو کر لیٹ گیا ہے۔"

"پھر کیا ہوگا ـــــ ہے؟"

"میرا خیال ہے حضور! اب وہ کسی کو نہیں ڈسے گا۔ کیونکہ اس کا موڈ آف ہو گیا ہے۔ یہ سانپ بڑا خاندانی سانپ ہے۔ ذرا مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جائے تو اپنے زہر کو خود ہی خارج کر دیتا ہے۔"

چچا نے کہا۔"تم نے ایسا سانپ کیوں لا کر دیا؟ جاؤ اور اب کوئی ایسا سانپ لے کر آؤ، جو ہر حالت میں شہزادی اور اس کے بھائی کو ڈس دے۔"

"بہت بہتر حضور! میں کل ہی ایک کلغی والا سفید سانپ لے کر حاضر ہوں گا۔ یہ سانپوں کا بادشاہ ہے اور اس کا زہر پھوار کی شکل میں نکلتا ہے اور جس پر پڑ جائے وہ وہیں مر جاتا ہے۔"

سپیرا سانپ لانے چلا گیا۔ مکار چچا نے سوچا کہ خواب گاہ والا سانپ وہاں سے نکل کر کہیں چلا گیا ہوگا۔ وہ بستر پر لیٹ کر سفید سانپ کے بارے میں غور کرنے لگا۔ پھر اسے خیال آیا کہ شہزادی کے ساتھ کون عورت تھی؟ اس کے کمرے میں تو رات کو کوئی نہیں سوتی۔ پھر وہ کس عورت سے باتیں کر رہی تھیں؟

دن نکل آیا۔ ماریا نے سانپ کو ہلاک کر کے قلعے کی دیوار سے نیچے پھینک دیا۔ صبح ناشتے کی میز پر بیٹھتے ہی مکار

چچا نے باتوں ہی باتوں میں شہزادی سے پوچھا۔

"رات تمہارے کمرے میں دوسری عورت کون تھی؟"

ماریا نے چونک کر مکار چچا کی طرف دیکھا۔ شہزادی بھی کچھ حیران ہوئی کہ اسے کہاں سے خبر مل گئی کہ اس کے ساتھ کمرے میں ماریا تھی۔ اس نے کہا۔

"آپ کو کس نے بتایا کہ میرے کمرے میں کوئی دوسری عورت بھی تھی؟"

مکار چچا نے مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں رات تمہاری خواب گاہ کے قریب سے گذر رہا تھا۔ کہ اندر سے تم دونوں کی باتوں کی آواز آ رہی تھی۔"

ماریا سمجھ گئی کہ یہ بدخصلت شخص سانپ خواب گاہ میں پھینک کر انجام دیکھنے کے لئے کمرے کے باہر ہی کھڑا تھا۔

شہزادی نے کہا۔

"میں تو ہنری سے باتیں کر رہی تھی چچا۔ بھلا دوسری عورت وہاں کہاں سے آ گئی ہے؟"

چچا خاموش رہا۔ سمجھ گیا کہ شہزادی اس سے اصل بات چھپا رہی ہے۔ اسی روز مکار چچا نے ایک پھپھے کٹنی عورت کو شہزادی سوسن کے پیچھے لگا دیا کہ وہ معلوم کرے شہزادی رات کو کس عورت سے ملتی ہے؟ اور وہ عورت کون ہے؟

اسے خطرہ تھا کہ کہیں شہزادی کو اس کی خطرناک سازش کا پتہ نہ چل گیا ہو۔ اس طرح سے اس کے کئے کرائے پر پانی پھر سکتا تھا۔

اب ذرا پیچھے پرانے قبرستان کے گرجا گھر میں چل کر ناگ کی بھی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ وہ گرجا گھر کے تہہ خانے کے تابوت کے اندر والے کنوئیں میں ابھی تک بے ہوش پڑا تھا۔ بڑی خطرناک گیس تھی۔ جس نے اُسے بے ہوش کر دیا تھا چونکہ تابوت کا اوپر والا ڈھکنا لاش کے باہر نکلنے سے تھوڑا سا کھل چکا تھا۔ اس لئے کنوئیں کی گیس باہر نکلتی رہی تھی۔ دو دن کے بعد ساری گیس نکل گئی تو ناگ کو ہوش آ گیا۔

اس نے دیکھا کہ وہ کنوئیں کی گیلی مٹی میں لت پت پڑا ہے۔ اس کا سر ابھی درد کر رہا تھا۔ وہ کنوئیں کی زنگ لگی دیوار پر رینگتا ہوا تابوت سے باہر آ گیا۔ تہہ خانہ اسی طرح ویران پڑا تھا۔ انسپکٹر وکٹر کے سپاہی وہاں سے خونی قاتل اور لاش کو اٹھا کر لے جا چکے تھے۔ میز پر بچے کی لاش بھی نہیں تھی۔ ناگ نے فوراً انسانی شکل اختیار کی اور گرجا گھر سے باہر نکل آیا۔

دن کا وقت تھا۔ مگر بادلوں کی وجہ سے روشنی کم تھی۔ دھوپ بھی نہیں نکلی ہوئی تھی۔ ناگ قبرستان سے نکل کر سیدھا انسپکٹر وکٹر کے دفتر میں پہنچ گیا۔ انسپکٹر وکٹر ناگ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا۔

"تم کہاں غائب ہو گئے تھے مسٹر جادوگر؟"
ناگ نے کہا۔ "میں تابوت والے کنویں میں بے ہوش ہو کر گر پڑا تھا۔ ابھی وہاں سے آ رہا ہوں۔"

"کمال ہے بھئی میرا اس طرف خیال ہی نہیں گیا۔"
ناگ نے کہا۔ "خیال بھی جاتا تو تم مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے کیونکہ میں سانپ کی شکل میں تھا۔ خونی قاتل کی لاش اٹھا لائے تھے تم لوگ۔"

"ہاں اس کا معاملہ ختم ہو گیا ہے۔ ہم تمہارے بیحد شکر گذار ہیں۔ اور حکومت تمہیں انعام دینے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔"

"مجھے انعام کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس بہت سے انعام پہلے ہی ہیں۔" ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" انسپکٹر وکٹر نے پوچھا۔
ناگ نے جواب میں کہا۔ "میں اپنے بھائی عنبر کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ یہاں اب میرا کوئی کام نہیں ہے۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "کیا تم بادشاہ ہنری ہشتم کے دفن شدہ خزانے کے بارے میں ہماری مدد نہیں کرو گے؟"

ناگ بولا۔ "تمہاری حکومت کا اس خزانے سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ خزانہ جس کی امانت ہو گی اسے مل جائے گا۔"

یہ کہہ کر ناگ انسپکٹر کے دفتر سے باہر نکل آیا۔ اسی نے لندن

شہر میں اپنے بھائی عنبر کی تلاش شروع کر دی۔

ادھر عنبر اپنے وعدے کے مطابق قلعے میں مکار چچا سے جا کر ملا اور اسے بتایا کہ ابھی وہ خزانے کی تلاش میں اپنا جادو نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھی کہ عنبر کی ابھی تک ناگ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اور خزانے کا پتہ صرف ناگ سے اسے دے سکتا تھا۔ مکار چچا نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟"

عنبر نے کہا۔ "یہ ہماری جادوگری کے راز ہیں۔ آپ اسے نہیں سمجھ سکتے۔"

"پھر تم کب جادو جگاؤ گے اور مجھے خزانے کے پاس لیکر جاؤ گے؟"

"ابھی آپ کو پندرہ دن تک انتظار کرنا ہو گا۔"

"یہ تو بہت زیادہ دن ہیں۔"

"اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔" عنبر نے جواب دیا۔

عنبر شہزادی سوسن سے ملنے گیا تو وہاں ماریا سے بھی ملاقات ہو گئی۔ عنبر نے بتایا کہ ناگ سے ابھی تک لندن میں ملاقات نہیں ہوئی۔ ماریا اور سوسن نے رات سانپ والا قصہ سنایا اور بتایا کہ مکار چچا نے شہزادی اور اس کے بھائی کو ہلاک کرنے کی مہم شروع کر دی ہے۔ عنبر نے کہا۔

"ادھر وہ خزانے کے سلسلے میں بھی بڑا بے چین ہو رہا ہے

لیکن جب تک ہمیں ناگ نہیں ملتا ہم خزانے تک اُسے نہیں
لے جا سکتے۔"

ماریا نے کہا۔ "کیا اُسے خزانے تک لے جانا ضروری ہے؟"

عنبر بولا۔ "ہاں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ دولت کی تلاش میں
وہاں جائے اور خزانے کا سانپ کے ڈسنے سے ہلاک ہو جائے۔ یہ ایک
ایسی موت ہوگی۔ جس کا وہ صحیح حقدار ہے۔

پھر عنبر نے شہزادی سے کہا کہ وہ رات کو دروازے کے نیچے
جو درز ہے اس میں کپڑا ٹھونس کر سویا کرے۔ اس نے ماریا سے بھی کہا۔

"ماریا بہن! تم بھی چوکس رہا کرو۔ کیونکہ مکار چچا اب کوئی دوسرا
زبردست حملہ کرنے والا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آج رات شاید پھر
خطرناک حرکت کرے۔"

ماریا بولی۔ "فکر نہ کرو عنبر بھائی! اب میں ہوشیار رہوں گی۔"

"تو پھر میں چلتا ہوں۔ سونے کی اینٹ میں نے ایک ہزار پاؤنڈ
میں بیچ دی تھی۔ یہ تو میں تجھے بتانا ہی بھول گیا۔"

"یہودی نے تمہیں لوٹ لیا ہے۔"

"مجھے پیسوں کی ضرورت تھی۔"

شہزادی سوسن نے کہا۔ "عنبر بھائی! مجھ سے لے لو جتنے پونڈ
تمہیں چاہئیں۔"

عنبر نے کہا۔ "نہیں نہیں شہزادی! تمہیں تکلیف کرنے کی
ضرورت نہیں۔ میرے پاس خرچ کے لئے بہت رقم ہے جب
ضرورت ہوگی کہہ دوں گا۔"

عنبر قلعے سے واپس آگیا۔

رات کو کھانا کھانے کے لئے میز پر بیٹھے تھے کہ چچا نے ہنری
سے کہا۔

"آج تم مچھلی نہیں کھا رہے ہنری بیٹا؟"

ننھا ہنری بولا۔ "مچھلی کو میرا دل نہیں چاہتا انکل۔"

"اوہ!"

چچا کچھ دیر خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔ پھر اچانک چھری سے
ہنری کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"کبھی تم نے سانپ کھایا ہے؟"

ہنری نے کوئی جواب نہ دیا۔ شہزادی سوسن بولی۔

"انکل! ہنری سے ایسی باتیں نہ کریں۔ وہ پریشان ہو جاتا ہے۔"

چچا زور سے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ارے بیٹی! تم بادشاہوں کی اولاد ہو۔ تمہیں کسی بات پر کبھی
بھی گھبرانا نہیں چاہیے۔"

ماریا کو مکار چچا کی مکاری کی باتوں پر غصہ آگیا۔ اُس
نے میز پر سے ایک پلیٹ اٹھا کر چھت کی طرف اُچھال دی
پلیٹ اپنے آپ چھت کی طرف اُچھل کر قالین پر گری تو

چچا خوف زدہ ہو کر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ہنری حیران ہو
گیا تھا۔ لیکن شہزادی سوسن کو معلوم تھا کہ یہ شرارت ماریا
نے کی ہے۔ شہزادی نے مسکرا کر کہا۔

"انکل! آپ کیوں گھبرا گئے؟ آپ بھی تو شاہی خاندان
سے ہیں۔"

چچا ابھی تک قالین پر گری پلیٹ کو تک رہا تھا۔ اُسے یاد
آگیا کہ کل ایک صراحی میز پر اپنے آپ گر پڑی تھی۔

"اس قلعے میں ضرور کوئی بھوت آگیا ہے۔"

"بھوت؟" ہنری نے ڈرتے ہوئے کہا۔

شہزادی بولی۔" بھوت آگیا تو کیا ہوا۔ ہم اسے اپنا دوست
بنالیں گے۔ مجھے بھوتوں کو دوست بنانے کا بڑا شوق ہے۔"

ماریا نے دوسری بار ایک چاندی کی صراحی اٹھا کر مکار چچا کے
سر پر رکھ دی۔ چچا اچھل کر دور جا کھڑا ہوا۔ وہ خوف سے
کانپ رہا تھا۔

"بھوت۔ اس کمرے میں بھوت ہے۔"

ہنری سہم کر اپنی بہن کے ساتھ لگ گیا۔ چچا کھانا بیچ میں
ہی چھوڑ کر "بھوت بھوت" کرتا وہاں سے چلا گیا۔ شہزادی
نے ماریا سے کہا۔

"یہ تم ہو نا ماریا؟"

"ہاں۔ میں ذرا تمہارے چچا کو سبق سکھانا چاہتی تھی۔"

ہنری نے جو کمرے میں کسی غیبی عورت کی آواز سنی تو اور
زیادہ ڈر گیا۔ اس کی بہن نے اُسے تسلّی دے کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں ہنری! یہ بھوت نہیں ماریا ہے۔ تمہاری آنٹی
ماریا ______"

"آنٹی نظر کیوں نہیں آتی؟" ہنری نے پوچھا۔

ماریا نے کہا۔ "ہنری بیٹے! میں تمہاری دوست ہوں نظر اس
لئے نہیں آتی کہ میں نے اپنے جسم پر غائب کر دینے والی کریم مل
ہوئی ہے۔"

ہنری نے کہا۔" آنٹی تھوڑی سی کریم مجھے بھی دے دو۔"

ماریا اور شہزادی سوسن کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔

"چلو اب کمرے میں چل کر آرام کرو۔"

شہزادی سوسن اپنے بھائی کو لے کر خواب گاہ میں آگئی وہ اس
کو ایک پل کے لئے بھی اپنے سے جُدا نہیں کرتی تھی۔ ماریا بھی
اُن دونوں کے ساتھ ہی خواب گاہ میں آگئی۔

اس وقت رات کے آٹھ بجے تھے اور مکار چچا کو پیرے کا
بے چینی سے انتظار تھا جو سفید سانپ لینے گیا ہوا تھا اور شام
کو آنے کا وعدہ کر گیا تھا۔ یہ ہسپانوی پیرا اس وقت قلعے سے
دُور پار کے ایک کھنڈر میں بیٹھا سانپوں کے بادشاہ سفید سانپ

کو پکڑنے کے منتر پڑھ رہا تھا۔ اتفاق سے ناگ کا اُدھر سے
گزر ہوا۔ وہ عنبر کی تلاش میں چلا جا رہا تھا۔ اُس نے ایک
کھنڈر میں آگ جلتے دیکھی تو ایک چٹان کی اوٹ میں آ کر کھڑا ہو گیا۔
کیا دیکھتا ہے کہ ایک ہٹا کٹا آدمی آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے
سامنے آگ جل رہی ہے اور وہ یہ منتر بار بار پرانی جادو کی زبان
میں پڑھ رہا ہے۔

"اے سانپوں کے بادشاہ! میری مدد کر۔ تو مجھے مل گیا تو شاہی
قلعے کا چھوٹا ڈیوک مجھے ایک ہزار سونے کے ٹکڑے دے گا۔ میری مدد
کر اور میرے پاس آجا۔"

ناگ کو اُس غریب ادھیڑ عمر کے ہپالوی سپیرے پر ترس آ گیا
اس نے آنکھیں بند کر کے یہ محسوس کرنے کی کوشش کی کہ وہاں کہیں
سانپوں کا بادشاہ سفید کلغی والا سانپ ہے کہ نہیں؟ بہت جلد اسے
معلوم ہو گیا کہ اس سارے علاقے میں ایک بھی سانپ نہیں ہے
اور وہ سپیرا یونہی اپنا وقت ضائع کر رہا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ
کیوں نہ وہ خود سانپوں کا بادشاہ بن کر اس غریب سپیرے
کے پاس چلا جائے۔ اس طرح سے اس کی مدد بھی ہو جائے گی۔

پس ناگ نے آنکھیں بند کر کے ایک ہلکی سی پھنکار اپنے
حلق سے نکالی اور وہ بڑی خوبصورت کلغی والا سفید سانپوں
کا بادشاہ بن کر سپیرے کی طرف رینگتے رینگتے اس کے پاس
پہنچ گیا۔ سپیرے نے سانپ کو دیکھا تو خوشی سے نہال ہو گیا
جھٹ اسے پٹاری میں بند کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے
کی جانب روانہ ہو گیا۔ قلعے میں چچا یعنی چھوٹے ڈیوک
نے سپیرے کے بارے میں کہہ رکھا تھا کہ جونہی وہ آئے
اُسے شاہی محل پہنچا دیا جائے۔ سپیرا جلد ہی چچا کے
پاس پہنچ گیا۔ اُس نے پٹاری کا ڈھکنا کھول کر اُسے سفید
سانپ دکھایا اور آہستہ سے کہا۔

"حضور! اس سے کوئی بچ کر نکل جائے تو مجھے
پکڑ لیجئے گا۔"

مکار چچا اور خزانہ

مکار چچا نے پٹاری بند کر کے اپنے پاس رکھ لی۔ سپیرے کو انعام دے کر رخصت کر دیا۔ ناگ سفید سانپوں کے بادشاہ کے روپ میں پٹاری میں بند پڑا تھا۔ سپیرے کی بات پر ناگ کے دل میں شک سا پیدا ہوا تھا کہ اسے کسی خطرناک کام کے لئے قلعے میں لایا گیا ہے۔ وہ ہوشیار ہو گیا تھا۔ جب رات آدھی سے زیادہ گذر گئی تو مکار چچا نے اپنی جاسوس عورت سے پوچھا۔

"کیا شہزادی اور ہنری سو گئے ہیں ؟"

"جی ہاں آقا۔ وہ تو کب کے گہری نیند میں سو رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ اور سنو۔ خبردار اگر کسی سے کوئی بات کی۔"

"میری مجال ہے آقا کہ میں زبان کھولوں۔"

"یہ لو تمہارا انعام۔"

مکار چچا نے اپنے گلے سے موتیوں کا ہار اتار کر جاسوس عورت کے حوالے کر دیا۔ جاسوس عورت خوش خوش وہاں سے رخصت ہو گئی۔ جب ہر طرف خاموشی چھا گئی تو مکار چچا نے پٹاری کو اپنے لمبے فرغل میں چھپایا اور دبے پاؤں شہزادی کے کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے پاس جا کر اس نے دیکھا کہ دروازے کے نیچے جو درز تھی اس میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ مکار چچا نے ہاتھ سے وہ کپڑا ایک طرف سے کھینچ دیا۔ پھر پٹاری کھول کر سانپ کو اس سوراخ میں سے اندر داخل کر دیا۔

جونہی سفید سانپ کی شکل میں ناگ کمرے میں داخل ہوا۔ اُسے ماریا کی خوشبو آئی۔ وہ تو بے حد خوش ہوا۔ یہ خوشبو اُسے کبھی دھوکہ نہیں دے سکتی تھی۔ ماریا یقیناً اسی کمرے میں تھی ادھر ماریا کو بھی ناگ کی بُو آ گئی۔ شہزادی سوسن اور ہنری اپنے اپنے بستروں میں سو رہے تھے۔ ماریا کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی۔ ناگ سفید سانپ کی شکل میں رینگتا ہوا ماریا کے قریب آ گیا۔

ماریا نے سانپ کی طرف دیکھا۔ تو بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا۔

"ناگ بھائی! یہ تم ہو کیا ؟"

ناگ ایکدم سے اپنی انسانی شکل میں آگیا۔ ماریا نے اپنے پرانے ساتھی اور بھائی کا ماتھا چوم لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ماریا نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ایک مدت کے بعد تم سے دوبارہ ملاقات ہو گئی۔ عنبر کہاں ہے؟"

ماریا نے بتایا کہ وہ ہوٹل سیوائے میں ٹھہرا ہوا ہے ناگ نے خوش ہو کر کہا۔

"کتنا اچھا ہوا کہ ہم تین دوست اور تین بہن بھائی اپنا واپسی کا پانچ ہزار سال لمبا سفر طے کرنے کے لئے ایک بار پھر اکٹھے ہو گئے ہیں۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیا کر رہی ہو اور یہ کون سو رہا ہے؟"

ماریا نے ساری کہانی ناگ کو سنا ڈالی۔ ناگ نے کہا۔

"جب ہی یہ بدخصلت چچا مجھے اندر ڈال گیا ہے تاکہ میں ان دونوں کو ڈس کر ہلاک کر دوں۔ یہ اللہ کا بڑا کرم ہوا کہ یہاں اسی بہانے تم سے ملاقات ہو گئی۔ اب سب سے پہلے تو میں اس مکار چچا کی خبر لیتا ہوں۔"

اس پر ماریا نے ناگ کو سمجھایا کہ عنبر نے چچا سے بات کر رکھی ہے کہ وہ ناگ کے ذریعے ہنری ہشتم کے خفیہ خزانے کا پتہ چلائے گا اور پھر خزانے کے سانپ سے اسے ڈسوا کر ہلاک کرائے گا۔ وہ نہیں چاہتا کہ ہم میں سے کوئی اس کمینے کے خون سے ہاتھ رنگے۔

ناگ بولا۔ "ایسی بات ہے تو پھر ہم ایسا ہی کریں گے۔ ویسے میرا تو یہ دل چاہتا ہے کہ ابھی واپس جا کر اس ظالم چچا کو ڈس کر ہلاک کر دوں جو محض دولت کے لئے دو معصوم انسانوں کی جان لینا چاہتا ہے۔"

ماریا نے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن عنبر بھائی کا خیال ہے۔ کہ اس کمینے شخص کی موت ہم اپنے ذمے نہیں لیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" ناگ بولا۔ "پھر میں یہاں سے ابھی واپس عنبر کے پاس ہوٹل سیوائے جاتا ہوں۔"

"تم عنبر کو خزانے کے بارے میں بتا سکو گے؟"

ناگ نے کہا۔ "میں جانتا ہوں وہ خزانہ کہاں ہے۔ خزانے کے صندوق ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے ہیں اور وہ دریا کے پل کے نیچے ایک تہہ خانے کے کنوئیں میں دفن ہے میں اُسے دیکھ چکا ہوں۔"

ماریا نے خوش ہو کر کہا۔ "بس پھر تو بڑی اچھی بات ہے کیا خزانے پر کوئی سانپ بھی پہرہ دے رہا ہے؟"

"ہاں۔ وہ بڑا زہریلا پھنیر سانپ ہے۔"

ماریا بولی۔ "بس یہی سانپ اس ظالم چچا کی موت کا پیغام ثابت ہو گا۔ میں ان دونوں بہن بھائی کی حفاظت کے لئے اسی جگہ رہوں گی۔ تم ہوٹل جا کر عنبر سے ملو اور اُسے خزانے کا پتہ بتا کر کہو کہ کل وہ کسی وقت اس ظالم اور مکار چچا کو

ساتھ لے کر دریا والے کنوئیں میں اتر جائے اور اسے وہیں دفن کر آئے۔"

ناگ نے کہا: "تم سے پھر کہاں ملاقات ہوگی؟"

ماریا بولی: "میں یہاں سے سیدھی ہوٹل میں آجاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بھی وہیں ہوں گا۔"

ناگ سفید سانپ ہی کی شکل میں وہاں سے باہر نکل گیا۔

اب ایسا ہوا کہ کم بخت چچا باہر ایک طرف کھڑا تھا۔ وہ آج کی رات بھی سوسن اور ہنری کی چیخوں کی آوازوں کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کے سفید سانپ کو باہر نکلتے دیکھا بڑا خوش ہوا کہ سانپ اپنا کام کر آیا ہوگا۔ اس نے سانپ کو پکڑنے کی بجائے اسے مار دینا چاہا تاکہ یہ کسی اور شخص کو محل میں نہ ڈس دے۔

مکار چچا تلوار لے کر سفید سانپ کی طرف بڑھا۔ ناگ سفید سانپ کے روپ میں برآمدے کی دیوار کے ساتھ رینگتا ہوا بالکونی کی طرف جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا وہی مکار چچا تلوار لئے اس کے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ اُسے بڑا غصہ آیا کہ یہ کم بخت اس کی جان کا بھی دشمن ہو گیا ہے۔ اگر اُسے عنبر کے پروگرام کا خیال نہ ہوتا تو وہیں اس بدکردار شخص کو ہلاک کر دیتا۔

مکار چچا نے تلوار کا وار کر دیا۔ ناگ ایک طرف پہلو بدل کر دیوار پر چڑھ گیا۔ مکار چچا نے ایک اور تلوار ماری۔ ناگ نے وہیں سے چھلانگ لگائی اور قلعے کی بالکونی میں آکر سیاہ رنگ کی ننھی سی چڑیا بن کر پھُرر سے اڑ گیا۔ رات کے اندھیرے میں چچا کو پتہ ہی نہ چل سکا کہ ناگ سانپ کی بجائے کالی چڑیا بن کر اڑ چکا ہے۔

ناگ لندن شہر کے اوپر چڑیا بن کر اڑتا چلا جا رہا تھا۔ ہوٹل بیبوائے اس نے آتے جاتے کئی بار دیکھا تھا۔ بہت شاندار ہوٹل تھا۔ وہ ہوٹل کے دروازے کے سامنے ایک درخت پر اتر آیا۔ ہوٹل کا بڑا دروازہ بند تھا اور باہر ایک چوکیدار پہرہ دے رہا تھا۔ دوسری منزل کی ایک کھڑکی کھلی تھی۔ ناگ اڑتا اڑتا اس کھڑکی میں آکر بیٹھ گیا۔

عنبر نے کالی چڑیا کو دیکھا تو کہا۔

"ناگ!"

ناگ چڑیا سے اپنی انسانی شکل میں آگیا۔ دونوں دوست گلے مل گئے۔ ناگ نے بتایا کہ ماریا سے اس کی ملاقات ہو گئی ہے۔ پھر اُس نے ساری کہانی بیان کر دی جس کے متعلق عنبر سب کچھ جانتا تھا۔

"اب صبح تم مکار چچا کو قلعے سے لے کر خزانے کے پاس پہنچ جانا۔ میں اور ماریا اسی کمرے میں تمہارا انتظار کریں گے۔"

عنبر نے کہا۔ "میرا خیال ہے یہ کام مجھے رات کے اندھیرے
میں کرنا ہوگا دن کے وقت دریا کے پل کے نیچے تہہ خانے
میں اترنا مناسب نہیں رہے گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی"

پھر رات گئے تک دونوں بھائی اور دوست ایک دوسرے
کو اپنی اپنی کہانی سناتے رہے کہ الگ رہ کر ان کے ساتھ
کیا کیا گذری!

دن نکل آیا۔ لندن میں لوگ اپنے اپنے کام پر روانہ
ہوگئے۔ سارا دن ناگ اور عنبر نے آرام کیا۔ ہوٹل میں پولیس آگئی
تھی۔ انسپکٹر وکٹر بھی وہاں موجود تھا۔ جب اسے بتایا گیا کہ وہاں
شیر آیا تھا اور چور کو شیر نے ہلاک کیا ہے تو پہلے تو اس نے
یقین نہ کیا۔ لیکن جب کمرے میں شیر کے پنجوں کے نشان دیکھے
اور چور کی گردن کا معائنہ کیا تو اُسے بھی یقین کرنا پڑا کہ یہ
سوائے شیر کے اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

ناگ نے عنبر کو بتایا کہ انسپکٹر وکٹر اس کا دوست ہے۔

"ہو سکتا ہے اُسے مجھ پر شک ہو مگر میں اس سے نہیں
ملوں گا۔ میں اس کمرے میں ہی رہوں گا۔"

اب انسپکٹر وکٹر نے کمروں کی تلاشی لینی شروع کر دی کہ ہو
سکتا ہے شیر کسی کمرے میں چھپا بیٹھا ہو۔ پولیس عنبر کے کمرے
میں بھی آئی۔ ناگ پھر کالی چڑیا بن کر الماری کے اوپر جا کر
بیٹھ گیا۔ انسپکٹر نے پولیس کے ساتھ عنبر کے کمرے کی بھی تلاشی
لی۔ وہاں شیر بھلا کہاں ہو سکتا تھا۔ انسپکٹر وکٹر نے جاتے جاتے
الماری کے اوپر بیٹھی کالی چڑیا دیکھی تو رُک گیا۔

"یہ چڑیا کیا تم نے پال رکھی ہے مسٹر عنبر؟"

عنبر نے چڑیا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"پالی تو نہیں ہے مگر یہ روز یہاں آ جاتی ہے میں اسے
ڈبل روٹی کے بھورے ڈال دیا کرتا ہوں۔"

انسپکٹر ذرا سا مسکرایا اور کالی چڑیا کو ایک نظر دیکھ کر باہر
نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد ناگ پھر انسانی شکل میں آ گیا۔
اور عنبر کے ساتھ بیٹھ کر کافی پینے اور باتیں کرنے لگا۔ اسی طرح
باتیں کرتے کرتے شام ہو گئی۔ اب عنبر نے کہا۔

"میں قلعے کی طرف جا رہا ہوں۔"

ناگ نے پوچھا۔ "خزانے کی جگہ تم نے اچھی طرح ذہن نشین
کر لی ہے نا؟"

"ہاں۔ تم فکر نہ کرو۔"

ناگ ہوٹل میں ہی رہا اور عنبر قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔
ماریا ابھی تک قلعے ہی میں تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ عنبر مکار چچا
کو وہاں سے لے کر خزانے کی تلاش میں جائے تو وہ وہاں سے ہوٹل

میں ناگ کے پاس آجائے۔ کیونکہ اس کے بعد شہزادی سوسن
اور ہنری کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس وقت سارے شاہی قلعے میں اگر کوئی شخص پریشان تھا
تو وہ چھوٹا ڈلوک یعنی مکار چچا تھا۔ کیونکہ سفید سانپ نے بھی
شہزادی اور اس کے بھائی کو ہلاک نہیں کیا تھا اور عنبر بھی اسے
خزانے تک لے جانے کے لئے ابھی تک وہاں نہیں پہنچا تھا۔
وہ غصے کی حالت میں قلعے کے دروازے کے باہر ٹہل رہا تھا۔
کہ اس نے ایک بند بگھی کو رکتے دیکھا۔ وہ آگے بڑھا۔ بگھی
میں سے عنبر باہر آیا۔

"میں اپنا وعدہ پورا کرنے آیا ہوں جناب!"

"مجھے اس وقت تمہارا بڑی شدت سے انتظار تھا۔ آؤ
میرے ساتھ۔"

مکار چچا عنبر کو اپنے خاص کمرے میں لے گیا۔ یہاں بیٹھ کر
عنبر نے چھوٹے ڈلوک کو شاہی خزانے کو جانے والے راستے
کے بارے میں ایک تفصیل بیان کر دی۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ
خزانہ بہت بڑا ہے اور آٹھ صندوق ہیں جو سونے اور جواہرات
سے بھرے ہوئے ہیں۔

"کیا تم نے وہ صندوق دیکھے ہیں؟" ڈلوک نے خوش
ہو کر کہا۔

عنبر نے کہا۔ "میں سارا خزانہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آرہا
ہوں۔ بس اب آپ میرے ساتھ چلئے۔ مگر آپ کو میری شرط یاد ہے نا؟"

"کونسی شرط؟" چھوٹے ڈلوک نے پوچھا۔

"یہی کہ خزانے پر جو سانپ بیٹھا ہوگا اس کو پرے ہٹانا
آپ کا کام ہوگا۔"

"میں اس سانپ سے نپٹ لوں گا۔"

"لیکن میں نے آپ سے وعدہ لیا تھا کہ آپ اُسے ماریں گے
نہیں کیونکہ وہ سانپ خزانے کے جائز حقدار کو کچھ نہیں کہے گا۔
اور آپ تو جائز حق دار ہیں۔"

چھوٹے ڈلوک مکاری سے مسکرایا۔ "اوہ ہاں۔ کیوں نہیں۔ کیوں
نہیں۔ سانپ مجھے کچھ نہیں کہے گا۔ مجھے اُسے مارنے کی ضرورت ہی
پیش نہیں آئے گی۔"

"تو آئیے چلتے ہیں۔ رات کا اندھیرا کافی گہرا ہو گیا ہے۔"

عنبر نے مکار چچا یعنی چھوٹے ڈلوک کو اپنے ساتھ بگھی میں بٹھایا
اور بگھی رات کے سرد و ویران اندھیرے میں دریائے ٹمز کے پرانے
پل کی جانب روانہ ہو گئی۔ ماریا کو جب علم ہوا کہ ڈلوک عنبر کے ساتھ
محل سے چلا گیا ہے تو اُس نے شہزادی سوسن اور ہنری سے اجازت
لی اور کہا۔

"اب تم لوگ محفوظ ہو۔ کیونکہ تمہارا مکار چچا اب کبھی۔ یہاں

واپس نہیں آئے گا۔ اُسے اپنے کئے کی سزا مل جائے گی۔ ہاں میں تم دونوں کو تمہارا خزانہ واپس دلوانے ضرور آؤں گی اور عنبر ناگ بھی میرے ساتھ ہوں گے۔ شب بخیر!"

شہزادی سوسن اور عنبری نے ہاتھ ہلا کر اس عورت کو الوداع کہا جو انہیں دکھائی تو نہیں دے رہی تھی مگر جس کی آواز وہ اچھی طرح سُن رہے تھے۔ ماریا وہاں سے سیدھی ہوٹل میں ناگ کے پاس آگئی۔ اُس نے ناگ سے کہا۔

"ناگ بھائی! کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ مکار ڈیوک خزانے کے پاس پہنچ کر تلوار یا خنجر سے سانپ کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ پھر تو سارا معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔"

ناگ نے کہا "میں اس کا علاج ابھی کئے دیتا ہوں۔ میں اُس خزانے کے سانپ کو بلوا کر ہوشیار کر دیتا ہوں۔"

ناگ نے آنکھیں بند کر کے کچھ منتر پڑھے اور تھوڑی ہی دیر میں وہی نسواری اور نیلے رنگ کا خزانے کا سانپ کمرے میں آ کر ناگ کے آگے جھک گیا۔ ناگ نے اُسے ساری بات بتا دی کہ شاہی قلعے کا مکار ڈیوک خزانے پر ناجائز طور پر قبضہ کرنے وہاں آ رہا ہے۔ اس نے ہو سکتا ہے اپنے کپڑوں میں خنجر چھپا رکھا ہو۔ اس لئے تم ہوشیار رہنا۔ نیلے سانپ نے کہا۔

"شکریہ اے عظیم دیوتا! میں خبردار رہوں گا۔"

ناگ نے کہا: "اس کے بعد تمہیں وہ خزانہ اس کے جائز حقدار کے حوالے کر دینا ہو گا"

نیلا سانپ بولا۔ "آپ کا حکم سر آنکھوں پر میرے دیوتا!"

"اب تم خزانے پر واپس جاؤ۔ وہ لوگ وہاں پہنچنے والے ہوں گے۔"

نیلے سانپ نے گردن جھکا کر ناگ کو سلام کیا اور غائب ہو گیا۔

مکار چچا اور عنبر رات کے اندھیرے میں دریائے ٹیمز کے پرانے پل کے نیچے پہنچ گئے۔ پل کے نیچے محراب بنی تھی۔ عنبر مکار چچا کو لے کر دیوار کے شگاف میں سے اندر چلا گیا۔ مکار چچا نے موم بتی روشن کر لی تھی۔ سرنگ میں پانی اور کیچڑ تھا۔ عنبر آگے آگے جا رہا تھا۔ آخر وہ مکار چچا کو لے کر تہہ خانے میں آ گیا۔ یہاں اس نے ایک جگہ سے پتھر کی بہت بڑی سل اٹھائی تو نیچے ایک کھڈ میں ملبے رُخ پر خزانے کے سات صندوق پڑے تھے۔ عنبر نے دیکھا کہ سانپ وہاں نہیں تھا۔ وہ پریشان ہو گیا کہ سانپ کہاں چلا گیا۔ خزانے کے ڈھکن کھلے تھے اور وہ سونے اور ہیرے موتیوں سے بھرے ہوئے تھے مکار چچا کی تو خوشی سے آنکھیں کھل گئیں۔ وہ خزانے کی طرف بڑھا۔

"دیکھ لو میں خزانے کا جائز حقدار ہوں۔ یہاں سانپ کہیں بھی نہیں۔"

عنبر نے سرنگ میں اور نیچے دیکھا۔ سانپ کہیں بھی نہیں تھا۔ عنبر پریشان ہو گیا کہ آخر سانپ کدھر غائب ہو گیا تھا۔ اتنے میں سُرنگ میں

ایک خوفناک پھنکار کی آواز بلند ہوئی۔

۞ ۞ ۞

- نیلا سانپ کہاں سے آیا تھا؟
- مکار چچا کا کیا انجام ہوا؟
- کیا شہزادی اور اس کے بھائی کو خزانہ مل گیا؟
- ماریا، عنبر اور ناگ کا اگلا سفر کہاں سے شروع ہوا۔
- اور وہ کیسے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے؟
- ان سوالوں کا جواب آپ کو اسی سیریز کی "موت کا دریا" میں ملے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk
ناگ ماریا اور عنبر کی انوکھی ہزار سالہ....
موت کا دریا
اے حمید
PDFBOOKSFREE.PK
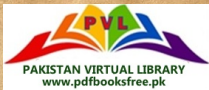
ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

موت کا دریا

اے۔ حمید

قیمت پانچ روپے

بار اول : نومبر ۱۹۸۰ء
تعداد : دو ہزار

ناشر مکتبہ اقراء : ۱۴۰ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع : الجدہ پرنٹرز لاہور
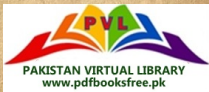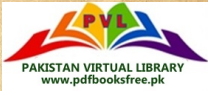
پیارے دوستو!

عنبر جب مکار چچا کے ساتھ خزانے کے تہہ خانے میں پہنچا، تو خزانے کے سانپ نے چچا پر حملہ کر دیا۔ وہ ہلاک ہو کر خزانے کے اوپر آن گرا۔ عنبر اُسے اٹھانے کو جھکا ہی تھا کہ ایک زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ تہہ خانے کا فرش زمین کے اندر ہی اندر اترتا چلا گیا۔ خزانہ اور چچا کی لاش اُوپر ہی رہی مگر عنبر زمین کے اندر دھنس گیا تھا۔ عنبر کے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ ایک اندھیری سُرنگ میں ہے جہاں اس کے پاؤں کیچڑ میں الجھ رہے ہیں۔ اس نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ پھر وہ گھٹنوں گھٹنوں تک پانی میں آ گیا۔ یہ پانی اس کی گردن تک پہنچ گیا۔ عنبر زمین کے نیچے بہنے والے ایک دریا کی سُرنگ میں بہتا چلا جا رہا تھا۔ پھر پانی اس کے سر کے اوپر سے گذر کر سُرنگ کی چھت سے مل گیا۔ عنبر زمین دوز دریا میں ڈوبا آگے بڑھنے لگا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ آپ خود ہی پڑھ لیں گے۔
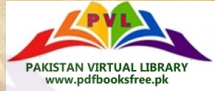
ترتیب

غسل خانے میں بھوت

یہ پُھنکار خزانے کے سانپ کی تھی۔

مکّار چچا نے پیچھے مڑ کر دیکھا ہی تھا کہ سانپ نے اچھل کر اس کی گردن پر ڈسا اور خزانے کے گڑھے میں اُتر کر غائب ہوگیا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوگیا کہ عنبر بھی کچھ نہ کر سکا۔ مکّار چچا کے حلق سے موت کی چیخ بلند ہوئی اور وہ لڑ کھڑاتا کانپتا خزانے کے صندوق کے اوپر جواہرات پر گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔ عنبر تہہ خانے سے نکلنے کے لئے باہر کی طرف چلا ہی تھا کہ ایک گونج زمین کے اندر سے سنائی دی۔ شاید بھیانک زلزلہ آنے والا تھا۔ عنبر تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ابھی وہ دوسری سیڑھی پر ہی تھا کہ ایسا دھماکہ ہوا جیسے کئی بم ایک ساتھ پھٹ گئے ہوں۔

پتھر کا زینہ عنبر کو ساتھ لے کر زمین کے اندر دھنستا چلا گیا۔ زمین وہاں سے پھٹ گئی تھی۔ اور عنبر کو اپنے اندر سما کر اوپر سے پھر مل گئی۔ یہ ایک خوفناک حادثہ تھا۔ خزانے کا صندوق کھلا پڑا تھا۔ جواہرات بکھرے پڑے تھے اور اُن پر مکّار چچا کی لاش

پڑی تھی۔ زمین پھٹ کر عنبر کو اپنے اندر سمانے کے بعد اوپر سے پھر ہموار ہوگئی تھی۔ ماریا اور ناگ کو بالکل خبر نہ تھی کہ عنبر کے ساتھ کس قدر ہولناک حادثہ گذر چکا ہے۔ وہ ہوٹل سیوائے میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔

جب کافی وقت گذر گیا اور عنبر نہ آیا تو ماریا نے ناگ سے کہا کہ چل کر عنبر کی خبر لینی چاہیئے۔ کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔ ناگ کو خزانے کے تہہ خانے کا پتہ تھا وہ ماریا کو ساتھ لے کر صبح کے دھندلکے میں دریائے ٹیمز کے پرانے پل کے نیچے آ گیا۔ یہاں محراب کے پتھروں میں شگاف پڑا تھا۔ دونوں اس کے اندر چلے گئے۔ آگے سُرنگ سے ہوتے ہوئے آخر وہ تہہ خانے میں پہنچ گئے۔ وہاں خزانہ کھُلا ہوا تھا اور مکار چچا کی لاش نیلی ہو کر جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی۔

ناگ نے لاش کو دیکھتے ہی کہا۔

" اسے سانپ نے کاٹا ہے "

ماریا بولی۔ " مگر سوال یہ ہے کہ عنبر کہاں ہے ؟"

" یہی تو مجھے فکر لگی ہے "

تہہ خانے کی پتھریلی زمین سے کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ اس کے اندر عنبر دھنس چکا ہے۔ ناگ بولا۔

" میرا خیال ہے عنبر کسی ضروری کام کے لئے کسی جگہ چلا گیا ہے۔ ورنہ وہ یہاں ضرور ہوتا "

" پھر اب کیا کریں ؟" ماریا نے پوچھا۔

ناگ کہنے لگا۔ " میرا خیال ہے کہ یہ خزانہ دونوں بہن بھائیوں کے حوالے کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ان کا حق ہے اور وہی اس کے جائز وارث ہیں "

" چلو پھر۔ انہیں چل کر خبر کرتے ہیں "

اسی وقت ماریا اور ناگ پرانے قلعے میں پہنچے۔ دونوں بہن بھائیوں کو ساتھ لے کر انہیں مکار چچا کی لاش دکھائی۔ خزانہ ان کے حوالے کیا اور اجازت لے کر جانے لگے، تو ہنری نے پوچھا۔

" انکل ــــ عنبر کہاں ہیں ؟"

ناگ نے کہا۔ " ہم اسی کی تلاش میں جا رہے ہیں "

دوسرے دن ناگ اور ماریا اس سڑک پر آکر کھڑے ہو گئے جہاں سے گھوڑا گاڑیاں فرانس کے ساحل کی طرف جاتی تھیں ان کا خیال تھا کہ عنبر اب لندن میں نہیں ہے اور وہ فرانس پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ اس کے بعد ان کی اگلی منزل فرانس ہی تھی۔ دو دن انہوں نے عنبر کی تلاش لندن شہر کا کونہ کونہ چھان مارا تھا۔ انہیں وہ کہیں نہیں ملا تھا۔ اب وہ

اس یقین کے ساتھ فرانس کی طرف جا رہے تھے کہ وہاں عنبر سے
ضرور ملاقات ہو جائے گی۔

دور سے ایک گھوڑا گاڑی آتی دکھائی دی۔ ماریا ناگ کے قریب
ہی کھڑی تھی۔ اس نے ماریا سے کہا۔

" یہ میں صرف تمہاری خاطر اس گھوڑا گاڑی میں سفر کر رہا ہوں
نہیں تو میں تو اڑ کر بھی فرانس پہنچ سکتا ہوں۔"

ماریا نے کہا۔" میں جانتی ہوں ناگ بھائی کہ تم چڑیا طوطا بن کر
بھی اڑ سکتے ہو۔ لیکن میرے ساتھ رہو گے تو میرا دل لگا رہے گا
اور پھر ہمیں ابھی یہ بھی تو معلوم نہیں کہ ہمیں فرانس کس جگہ پہنچنا ہے۔"

ناگ نے کہا۔" پیرس شہر کے کسی ہوٹل میں جا کر ٹھہریں گے۔"

" تمہارے پاس رقم ہے ؟ "

" ہاں۔ خزانے میں سے میں نے ایک ہیرا اٹھا کر اپنے پاس رکھ
لیا تھا۔ نہ بھی ہوتا تو میں پیرس میں کسی سانپ سے منگوا سکتا تھا۔"

وہ باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں چار طاقتور گھوڑوں والی
بگھی ان کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ بگھی میں پہلے ہی سے چار پانچ
سواریاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ناگ بھی اندر گھس کر ایک طرف ہو کر بیٹھ
گیا۔ ماریا غائب ہونے کی وجہ سے بڑے مزے میں تھی۔ وہ اوپر
والی سیٹ پر کوچوان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ اور کوچوان کو خبر
تک نہ ہوئی۔ گھوڑا گاڑی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

دن بھر کے سفر کے بعد شام کو یہ لوگ ساحل سمندر کے
ایک قصبے میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک چھوٹے سے بحری جہاز میں
انہوں نے سمندر عبور کیا اور فرانس کے ساحل پر جا پہنچے۔ رات
انہوں نے ایک سرائے میں بسر کی۔ دوسرے روز پھر ایک
گھوڑا گاڑی پکڑ لی اور سارا دن سفر کرنے کے بعد شام کو
پیرس پہنچ گئے۔

یہ آج سے سو برس پہلے کا پیرس تھا۔ گنجان، پرسکون اور
پرانا پیرس ——— دریائے سین کے پل پر ویرانی چھائی تھی کیونکہ
پیرس میں سخت سردی تھی۔ ناگ نے ماریا کو ساتھ لیا اور ایک
ہوٹل میں آ گیا۔ اس کے پاس جو تھوڑی بہت رقم تھی وہ راستے
میں خرچ ہو گئی تھی۔ اب اس کی جیب میں صرف خزانے کا
قیمتی ہیرا ہی تھا۔ ہوٹل پرانی طرز کا تھا اور چکر دار لکڑی کا زینہ
اوپر کمروں کو جاتا تھا۔ زینے کے نیچے کلرک رجسٹر اور قلم دوات
رکھے بیٹھا تھا۔ ناگ نے اپنا فرضی نام رجسٹر میں درج کرایا اور
چابی لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی
تھی۔ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ ایک بستر دیوار کے ساتھ لگا تھا
صوفہ سیٹ تھا اور ایک گول میز پر پانی سے بھرا چینی کا جگ
رکھا تھا۔ ماریا کہنے لگی۔

" میں صوفے پر سو جایا کروں گی۔"

ناگ بولا" ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ بستر تمہارے لئے ہے صوفے
پر میں سوؤں گا۔ اور پھر میں تو باہر جنگل میں چڑیا بن کر بھی رات
بسر کر سکتا ہوں "

ماریا ہنس دی۔" جیسے تمہاری مرضی میری ننھی چڑیا "

انہوں نے رات کا کھانا کمرے ہی میں منگوا کر کھایا اور عنبر کے
بارے میں باتیں کرنے لگے کہ اُسے پیرس میں کہاں تلاش کیا جانا
چاہیے ؟ ماریا کا خیال تھا کہ عنبر پیرس کے پرانے قلعے بسٹائیل کے
آس پاس مل سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں سے پچھلی صدی میں داخل ہونے
کا دروازہ کوئی پرانا قلعہ ہی ہو سکتا تھا۔ ناگ نے کہا۔

" تمہارا خیال کافی حد تک درست ہے۔ کل ہم پرانے قلعے
کی طرف جائیں گے "

دوسرے روز پیرس کے آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے
اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ ناگ نے ماریا سے کہا۔

" تم جاگ رہی ہو ماریا بہن ؟ "

کیونکہ ناگ کو ماریا کا بستر خالی نظر آ رہا تھا۔ صرف ایک لحاف
گول مول ہو کر پڑا تھا۔ ماریا کی آواز آئی۔

" ہاں ناگ بھائی جاگ رہی ہوں "

ناگ نے کہا۔" میرا خیال ہے کہ پہلے میں کسی جوہری کے پاس
جا کر اپنے ہیرے کو فروخت کرتا ہوں تاکہ ہمارے پاس اس ملک

کی کرنسی میں کچھ رقم تو موجود ہو۔ تم ہوٹل میں میرا انتظار کرو "

ماریا نے کہا" دیر مت کر دینا "

" بالکل نہیں۔ ناشتہ میں تمہارے ساتھ ہی آکر کروں گا "

یہ کہہ کر ناگ چلا گیا۔ ماریا لحاف کے اندر لیٹی ہوئی تھی۔ اگرچہ
وہ دکھائی نہیں دے رہی تھی مگر لحاف اپنی جگہ پر یوں ابھرا ہوا تھا
جیسے اس کے اندر کوئی سو رہا ہو۔ جاتے ہوئے ناگ کمرے کے
دروازے کو باہر سے تالا لگا کر چابی نیچے ہوٹل کلرک کو دے گیا تھا
کہ میں ابھی واپس آتا ہوں۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد
ایک بیرا ناگ کے کمرے کے آگے سے گذرا۔ دروازے کے آگے
اندر کی طرف پردہ ہٹا ہوا تھا۔ اس کی نظر دروازے کے شیشے
میں سے اندر پڑی تو وہ بڑا حیران ہوا کہ دروازے پر تالا لگا ہے
مگر بستر میں کوئی لحاف اوڑھے سو رہا ہے۔ اس نے نیچے آکر ہوٹل
کلرک کو اطلاع دی۔ کلرک حیران ہوا کہ جب دروازے پر تالا پڑا
ہے تو پھر اندر کون سو رہا ہے ؟ وہ بیرے کو ساتھ لے کر اوپر
آگیا۔ اس نے دروازے کے شیشے میں سے دیکھا۔ سچ مچ اندر بستر
پر لحاف یوں ابھرا ہوا تھا جیسے اس کے اندر کوئی سو رہا ہو۔
اتفاق سے ٹھیک اس وقت ماریا نے کروٹ بدلی۔ لحاف اپنی
جگہ سے ہلا تو کلرک کو اب یقین ہو گیا کہ لحاف کے اندر کوئی موجود
ہے۔ اس نے بیرے سے کہا۔

"یہ شخص اندر کیسے سُلا گیا ہے؟ یہ خطرناک معاملہ لگتا ہے۔"
چابی اس کے پاس تھی۔ اُس نے تالا کھول دیا۔ کمرے میں
داخل ہو کر وہ بستر کے قریب گیا اور آہستہ سے بولا۔

"ہیلو! آپ کون ہیں؟"

ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے لحاف منہ پر سے ہٹا کر کلرک
اور بیرے کو دیکھا۔ لیکن کلرک اور بیرا ماریا کو نہیں دیکھ سکتا تھے
لحاف اپنی جگہ سے سرکتا انھوں نے بھی دیکھا تھا مگر اب اس کے
اندر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پہلے تو کلرک نے سوچا کہ شاید
یہ اس کا وہم ہو اور لحاف اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا۔ لیکن جب
لحاف اپنے آپ پلنگ کی طرف ہو گیا۔ جیسے کوئی اس میں سے
باہر نکلا ہو تو کلرک اور بیرے کی تو جان خشک ہو گئی۔ کیونکہ
باہر نکلتا کوئی نظر نہیں آیا تھا۔

"بھو ـــــ بھو ـــــ بھُوت۔"

بڑی مشکل سے کلرک کے حلق سے یہ الفاظ نکلے۔ بیرا پہلے
ہی کانپ رہا تھا۔ ان کے پاؤں من من بھاری ہو گئے تھے۔ جسم
ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ماریا پلنگ سے ہٹ کر میز کے پاس کھڑی اُن
کی حالت دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ اس نے ذرا اور چھیڑنا چاہا
میز پر چینی کا جگ پڑا تھا۔ ماریا نے جگ اٹھا لیا۔
کلرک اور بیرے نے جب جگ کو اپنے آپ میز پر سے اوپر

اٹھتا دیکھا تو باری باری ایک ایک چیخ مار کر وہ گھوڑوں کی طرح
بھاگتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ ان کے پیچھے دروازہ کھلے کا
کھلا پڑا تھا۔ ماریا کی ہنسی نکل گئی۔ اُس نے دروازہ بند کر کے بستر
پر لحاف کو تہہ کر کے رکھ دیا اور باتھ روم میں منہ ہاتھ دھونے
چلی گئی۔

کلرک نے نیچے جا کر منیجر کو خبر دی کہ اوپر کمرہ نمبر بارہ میں بھوت
آگیا ہے۔ منیجر کام کر رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر کلرک کو دیکھا
اور کہا۔

"آج رات تم نے کوئی ڈراونا خواب تو نہیں دیکھا ہے؟"

جب بیرے نے بھی گواہی دی کہ بستر پر لحاف کو گرتے اور
پانی کے جگ کو میز پر سے اپنے آپ اٹھتے اُس نے بھی دیکھا ہے
منیجر اٹھ کر اوپر کی منزل میں آگیا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔
منیجر نے دروازہ کھول دیا۔ کلرک اور بیرا اس کے پیچھے پیچھے
چلے آرہے تھے۔ کمرہ خالی تھا اور پلنگ پر لحاف تہہ کر کے
رکھا ہوا تھا۔ منیجر نے کلرک کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ضرور تم پاگل ہو گئے ہو۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

کلرک نے کہا۔ "بھُوت باتھ روم میں ہے۔"

باتھ روم سے نل کا پانی گرنے کی آواز آرہی تھی منیجر نے کہا۔
"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟ دیکھتے نہیں اس کمرے

کا مسافر اندر نہا رہا ہے۔"

کلرک نے کہا۔ "سر! وہ تو مجھے چابی دے کر ہوٹل سے جا چکا ہے۔"

"تو پھر اندر تمہارا باپ نہا رہا ہے؟" مینجر غصے سے بولا۔

کلرک نے کہا۔ "سر! اندر بھوت ہے۔"

"تمہارا باپ ہے۔" یہ کہہ کر مینجر غسل خانے کی طرف بڑھا۔ اس نے غسل خانے کے دروازے پر آہستہ سے دستک دے کر پوچھا۔

"سر! کیا آپ نہا رہے ہیں؟"

اس کا مطلب تھا کہ اگر مسافر نہا رہا ہے تو وہ ضرور جواب دے گا۔ لیکن بند غسل خانے سے کوئی جواب نہ آیا۔ صرف نلکے سے پانی گرنے کی آواز بند ہو گئی۔ مینجر نے دوسری اور تیسری بار دستک دے کر آواز دی۔ مگر اندر سے کسی نے جواب نہ دیا۔ اب کچھ کچھ مینجر کو بھی خوف لگنے لگا کہ یہ اندر کون ہے کہ جو اس کی بات کا جواب نہیں دے رہا۔ پھر کلک کی آواز کے ساتھ کسی نے اندر سے غسل خانے کی چٹخنی کھول دی۔ مینجر نے پھر آہستہ سے کہا۔

"معاف کیجئے گا۔ کیا آپ اس کمرے کے مسافر ہیں؟"

ماریا نہا کر کپڑے بدل چکی تھی۔ وہ اگر بغیر کپڑوں کے بھی ان کے سامنے آ جاتی تو وہ اُسے نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن ماریا باحیا خاتون تھی اور کپڑے پہن کر دروازہ کھولنا چاہتی تھی۔ آج

وہ مذاق کرنے کے موڈ میں تھی۔ اس نے آہستہ سے غسل خانے کا دروازہ کھول دیا۔ مینجر نے دیکھا کہ غسل خانہ خالی ہے۔ اندر کوئی بھی نہیں ہے۔ اب تو اس کی بھی جان نکل گئی۔ یہ تو ضرور کوئی بھوت اندر نہا رہا تھا۔ کیونکہ فرش گیلا تھا اور ٹب میں صابن کی جھاگ پھیلی تھی۔ نلکے میں سے ابھی تک پانی ٹپک رہا تھا۔ مینجر نے کلرک کی طرف دیکھا جس کا رنگ پہلے ہی سفید پڑ چکا تھا۔ اب وہ ایک ایک قدم پیچھے کھسکنے لگا۔

اس دوران میں غسل خانے کا دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ ماریا باہر آ گئی تھی۔ اس کو جو شرارت سوجھی تو آہستہ سے کہا۔

"آؤ بیٹھو۔ چائے پیو گے کہ کافی؟"

مینجر نے جو خالی کمرے میں ایک ایسی عورت کی آواز سُنی جن کو وہ دیکھ نہیں رہا تھا تو چیخ مار کر باہر کو بھاگا۔ کلرک بیچارا پہلے ہی باہر چھلانگیں لگا چکے تھے۔ ہوٹل میں شور مچ گیا کہ کمرہ نمبر بارہ میں کسی بھوت نے بسیرا کر لیا ہے۔ دوسرے کمروں کے مسافروں نے اپنے کمروں کو اندر سے بند کر لیا۔ مینجر بے تابی سے ناگ کا انتظار کرنے لگا جس نے یہ کمرہ کرائے پر لیا تھا۔

ادھر ناگ پیرس شہر کے ایک جوہری کی دکان میں پہنچا۔ اس

نے جوہری کو ہیرا دکھایا تو جوہری کی آنکھیں کھل گئیں۔ پھر وہ ناگ کو سر سے پاؤں تک تکنے لگا۔ ضرور یہ کوئی چور اُچکا ہے جس نے اتنا قیمتی ہیرا بادشاہ کے خزانے سے چرایا ہے۔ جوہری کسی بہانے دوسری طرف گیا اُس نے فوراً شہر کے کوتوال کو خبر کر دی کہ ایک چور شاہی خزانے کا قیمتی ہیرا چُرا کر اس کے پاس لایا ہے۔

جوہری نے ناگ کو باتوں میں لگائے رکھا۔ اتنے میں وہاں کوتوال اپنے ساتھ چھ تلواروں والے سپاہیوں کو لے کر پہنچ گیا۔ انہوں نے ناگ کو پکڑ کر زنجیروں میں جکڑا اور گھوڑا گاڑی میں ڈال کر شاہی قلعے کی طرف لے گئے۔ ناگ بڑا پریشان ہوا کہ یہ کس مصیبت میں پھنس گیا۔ ہیرا موٹی توند والے کوتوال نے اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔

شاہی قلعے میں پہنچ کر موٹے کوتوال نے ناگ کو گاڑی میں سے اتارا اور قلعے کے بڑے کوتوال کے حوالے کر دیا۔ وہ ناگ کو ٹھنڈے اندھیرے تہہ خانے میں لے آیا جہاں قسم قسم کا اذیت دے کر پوچھ گچھ کرنے والا سامان پڑا تھا۔ اس کو دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔ ناگ گھبرایا کہ کہیں یہ بدبخت کوتوال اس کو اچانک زخمی نہ کر دے۔ وہ ہوشیار ہو گیا۔ ہیرا اس کوتوال کے پاس آچکا تھا جو اُس نے دیوار کے اندر بنی ہوئی لوہے کی الماری

میں رکھ دیا تھا۔ اس بھاری بھرکم کوتوال کی شکل کسی بھیانک قاتل سے ملتی جلتی تھی۔ اُس نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ناگ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور اس کے کندھے کو جھنجھوڑ کر کڑکتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"سچ سچ بتا دو یہ ہیرا تم نے کہاں سے لیا تھا اور تمہارے ساتھ اور کون کون لوگ ڈاکے مارتے ہیں؟"

ناگ نے بڑے آرام سے جواب دیا۔

"میں نے یہ ہیرا چوری نہیں کیا۔"

"تو پھر اسے تمہارے باپ نے تمہیں لا کر دیا تھا؟ چور کی اولاد! تم ابھی بک دو گے۔ مجھے طریقہ آتا ہے۔"

ناگ کو بڑا غصہ آیا۔ اس کے باوجود وہ صبر سے کام لے رہا تھا اور خوامخواہ کسی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بڑے تحمّل سے کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں کوتوال صاحب! یہ ہیرا میں نے چُرایا نہیں ہے بلکہ میرے ایک دوست نے مجھے لا کر دیا ہے۔"

کوتوال نے زمین پر زور سے پاؤں مار کر کہا۔

"اب آئے ہو سیدھی راہ پر ــــ یہی تو میں بھی پوچھنا ہوں کہ کون ہے تمہارا وہ دوست؟"

ناگ اطمینان سے بولا۔

"وہ ایک سانپ تھا۔"

"سانپ؟"

کوتوال اپنی جگہ ذرا سا اچھلا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

پھر ناگ کی ٹھوڑی کو انگلیوں سے اوپر اٹھا کر کہنے لگا۔

"تم اور تمہارا دوست مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ اگر تم نے اپنے دوست کا ٹھکانہ نہ بتایا تو لوہے کی کنگھی سے تمہارے جسم کی ساری کھال کھرچ دی جائے گی اور ہڈیوں کو آگ لگا دوں گا۔ اب بتاؤ۔ کون ہے تمہارا وہ دوست جس نے تمہیں یہ شاہی ہیرا لا کر دیا ہے؟"

ناگ نے کہا۔ "میں سچ کہہ رہا ہوں جناب! مجھے یہ ہیرا میرے ایک دوست نے لا کر دیا ہے جو سانپ ہے۔"

کوتوال کو سخت غصہ آیا کہ یہ شخص ابھی تک اس کیساتھ مذاق کر رہا ہے۔ اس نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"کیا تم اپنے دوست سانپ کو یہاں بلا سکتے ہو؟"

ناگ یہی چاہتا تھا۔ کوتوال یہ سوال کر کے خود ہی پھنس گیا تھا۔ اب ناگ کو اپنی طاقت اور کرامت دکھانے کا موقع مل گیا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں — میں اسے ابھی بلائے لیتا ہوں۔"

کوتوال سمجھ گیا کہ یہ نوجوان اپنے آپ کو پاگل ثابت کر کے جرم کی سزا سے بچنا چاہتا ہے۔ اس نے یونہی کہہ دیا۔

"اچھا۔ تو بلاؤ اپنے دوست کو۔ ہم اسے بھی گرفتار کر لیں گے۔ بلکہ تمہارے سامنے اسے قید میں بند کر دیں گے۔"

ناگ نے ایک پل کے لئے آنکھیں بند کیں اور خزانے کے سانپ کو حکم دیا کہ وہ اس کی خدمت میں پیش ہو۔ موٹے کوتوال کو ہنسی آ رہی تھی کہ یہ نوجوان کیا کر رہا ہے لیکن جب ایک پھنکار کی آواز کے ساتھ تہہ خانے میں سرخ رنگ کا سانپ فرش پر رینگتا ہوا نمودار ہوا اور اپنا پھن اٹھا کر ناگ کے سامنے ادب سے جھومنے لگا تو کوتوال ڈر کر پیچھے ہٹا اور نیام سے تلوار نکالی کہ سانپ کو دو ٹکڑے کر دے۔ ناگ نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"اپنی زندگی کو خطرے میں نہ ڈالو، موٹے کوتوال! اس سے پہلے کہ تمہاری تلوار چلے یہ تمہیں موت کی نیند سلا چکا ہوگا۔"

موت کا دریا

ناگ نے تہ خانے کے سانپ کو چلے جانے کا حکم دیا۔
سرخ سانپ نے سر جھکایا اور تہ خانے کے کونے میں جا کر غائب ہو گیا۔ کوتوال تو حیرت میں گم تھا کہ یہ نوجوان کیسا جادوگر ہے کہ ایک پل میں سانپ کو سامنے لے آیا۔ ناگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"یہی تھا میرا وہ دوست جس نے مجھے ہیرا لا کر دیا تھا۔ اب تمہیں یقین آیا کہ نہیں؟ اگر نہیں یقین آیا تو میں کچھ اور بھی کر کے دکھا سکتا ہوں۔"
کوتوال نے غراتے ہوئے کہا۔
"تم نے افریقہ سے جادو سیکھا ہوگا۔ تم جادوگر بہروپیے ہو میں بادشاہ سے کہہ کر تمہیں زندہ آگ میں جلوا دوں گا۔ ہمارے قانون کے مطابق جادوگروں کی یہی سزا ہوتی ہے۔"
اب ناگ کو بڑا غصہ آیا۔ دوسرے اس کا وقت بھی ضائع ہو رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ہوٹل میں ماریا ناشتے پر اس کا انتظار کر رہی ہوگی۔ اُس نے کوتوال کی آنکھوں میں آنکھیں

ڈال کر کہا۔
"موٹے کوتوال! میں تمہاری موٹی توند پر پنجہ مار کر اسے پھاڑ سکتا ہوں۔ میں تمہاری گردن پر منہ رکھ کر تمہارا سارا خون پی سکتا ہوں۔ بولو — تم کیا چاہتے ہو؟"
کوتوال نے تلوار لہرا کر ناگ پر حملہ کر دیا۔ صورت حال خراب بلکہ خطرناک ہو گئی تھی۔ تلوار ناگ کو قتل کر سکتی تھی۔ ناگ نے بڑی مشکل سے تلوار کا وار بچایا۔ کوتوال نے دوسرا وار کرنے کے لئے تلوار اٹھائی ہی تھی کہ ناگ نے ایک گہرا سانس لے کر پھنکار ماری اور وہ ایکدم سے افریقہ کے جنگل کا خونخوار آدم خور شیر بن کر ظاہر ہو گیا۔ موٹے کوتوال کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔ ناگ نے کوتوال پر اچھل کر اُسے اپنے خونی پنجوں میں دبوچ لیا — کوتوال بے ہوش ہو چکا تھا۔
ناگ چاہتا تو کوتوال کو اسی وقت چیر پھاڑ کر رکھ دیتا مگر اسے اس کے بیوی بچوں کا خیال آ گیا۔ شیر کوتوال کے بے ہوش جسم کے اوپر سے اُتر گیا۔ تہ خانے میں اور کوئی نہیں تھا۔ وہ سانپ کی جگہ اب سانپ بن کر زمین پر رینگتا ہوا اوپر آ گیا۔ یہاں دیوار میں وہ لوہے کی الماری تھی جس کے اندر کوتوال نے ناگ کا ہیرا چھپا رکھا تھا۔ کمرے میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ ناگ رینگتا ہوا دیوار پر چڑھا۔ الماری بند

تھی۔ وہ سانپ بن کر الماری نہیں کھول سکتا تھا۔ یہاں اُسے
مجبوراً انسان کی شکل اختیار کرنی پڑی۔

وہ انسانی شکل میں آگیا اور الماری کھول کر ہیرا نکال ہی
رہا تھا کہ دو سپاہی اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے جو ناگ کو ہیرا
چراتے دیکھا تو تلواریں نکال کر اس پر حملہ کر دیا۔ ناگ ایک سیکنڈ
کے اندر اندر انسان سے چڑیا بن گیا۔ ہیرے کو اپنی چونچ
میں پکڑا اور اڈاری مار کر کمرے سے باہر کھلے آسمان کی طرف
اڑ گیا۔ دونوں سپاہی ایک انسان کو غائب ہوتے اور پھر
چڑیا بن کر اڈاری مارتے دیکھتے رہ گئے۔ پھر وہ ایک دوسرے
کی طرف دیکھنے لگے اور چیخ مار کر وہاں سے اٹھ دوڑے۔

ناگ ہیرا لے کر واپس اڑتا ہوا شہر کے گنجان علاقے
میں آ گیا۔ یہاں اسی موٹے جوہری کی دکان تھی جس نے ناگ
کو گرفتار کروا دیا تھا۔ ناگ نے ایک عمارت کے پیچھے اتر کر
دوبارا انسانی شکل اختیار کی اور جوہری کی دکان میں آ گیا۔
جوہری نے جب دیکھا کہ جس چور کو اُس نے گرفتار کروایا
تھا۔ وہ پھر آ گیا ہے تو سخت طیش میں ناگ کی طرف آیا
اور ناگ کی گردن دبوچ کر چیخا۔

"میں تمہیں اس بار بادشاہ کے جلّاد کے حوالے کروں گا۔"
دکان کے دوسرے ملازم اور گاہک وہاں جمع ہو گئے لیکن

اس سے پہلے کہ وہ معاملے کو سمجھتے ناگ نے جوہری کی آنکھوں
میں آنکھیں ڈال دیں۔ یہ ایک سانپ کی مقناطیسی شعاؤں
والی آنکھیں تھیں۔ جوہری ایکدم ڈھیلا پڑ گیا۔ ناگ نے کہا۔

"میرے ساتھ دوسرے کمرے میں چلو۔"

جوہری ناگ کا غلام بن چکا تھا۔ اس نے دوسرے نوکروں
کو وہیں ٹھہرنے کو کہا اور ناگ کو ساتھ لے کر دوسرے چھوٹے
سے کمرے میں آ گیا۔ ناگ نے جیب سے ہیرا نکال کر کہا۔

"یہ چوری کا نہیں ہے بلکہ انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم
کے دفن شدہ خزانے کا ہے۔ تم اسے اپنے پاس رکھ لو اور
مجھے اس کی قیمت ادا کر دو۔"

جوہری اب کچھ ہوش میں آ چکا تھا۔ کہنے لگا۔

"مگر ——— میں پکڑا جاؤں گا۔"

ناگ نے اس کی موٹی توند میں انگلی چبھوتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہے۔ قید میں رہو گے تو پیٹ کا یہ گنبد کچھ ہلکا ہو
جائے گا۔ لاؤ اس کی قیمت ——— ابھی ——— اسی وقت۔"

جوہری کی تجوری اُسی کمرے میں تھی۔ اس نے چابی لگا کر
تجوری کھولی اور ناگ کو ایک لاکھ فرانک کی گڈّی دے کر کہا۔

"اس وقت میں یہی دے سکتا ہوں۔"

"میرے لئے یہی بہت ہے۔" ناگ نے نوٹوں کی گڈی

جیب میں رکھ لی۔

وہاں سے نکل کر ناگ سب سے پہلے ایک ریڈی میڈ کپڑوں کی دکان میں گیا۔ وہاں ایک بہترین سوٹ خرید کر پہنا۔ گرم اوور کوٹ خریدا اور گھوڑا گاڑی میں سوار ہو کر سیدھا ہوٹل کے دروازے پر اتر گیا۔

ہوٹل میں بھوت بھوت کا شور مچا تھا۔ جونہی ناگ کمرے کی چابی لینے کلرک کے پاس آیا اُس نے مینجر کو بلوا لیا۔ دونوں ناگ کو سر سے پیر تک دیکھنے لگے۔ ناگ نے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟ آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔ کیا میں کوئی بھوت پریت ہوں؟"

مینجر نے کہا۔ "بھوت تو آپ کے کمرے میں ہے جناب"

ناگ فوراً سمجھ گیا کہ ماریا نے پیچھے کوئی شرارت کی ہو گی۔ اب وہ مچلا بن گیا۔

"کیا کیا؟ بھوت؟ میرے کمرے میں؟"

اس کی حیرانی پر مینجر یہ سمجھا کہ اسے بھی خبر نہیں کہ اس کے کمرے پر کسی بھوت نے قبضہ جما لیا ہے۔ وہ کہنے لگا۔

"کیا آپ کو بھوت کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے جناب؟"

ناگ نے بڑے بھولپنے سے کہا۔

"نہیں تو ——— میں تو کمرہ بند کر کے گیا تھا پھر وہاں

بھوت کہاں سے آ گیا؟"

مینجر نے اس کو ساری کہانی سنا ڈالی اور پھر کہا۔

"آپ اس کمرے میں مت جائیں۔ کہیں بھوت آپ پر حملہ نہ کر دے۔ ہم آپ کو دوسرا کمرہ دیئے دیتے ہیں"

ناگ بڑا خوش ہوا کہ چلو اس طرح ماریا کو الگ کمرہ تو مل گیا۔

"جی ہاں جی ہاں۔ میں تو اس بھوت والے کمرے میں رہنا ہرگز پسند نہ کروں گا۔ مجھے کوئی دوسرا کمرہ دے دیں"

مینجر نے کلرک سے بات کی۔ انہوں نے رجسٹر دیکھا۔ مینجر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"اب ایک مصیبت اور پیدا ہو گئی ہے"

"وہ کیا؟" ناگ نے پوچھا۔

مینجر بولا۔ "مصیبت یہ ہے کہ ہوٹل میں اس وقت صرف ایک ہی کمرہ خالی ہے اور وہ کمرہ بھوت والے کمرہ کے بالکل سامنے ہے کیا آپ۔ میرا مطلب ہے کیا آپ اس کمرے میں رہ لیں گے؟ کہیں آپ خوف محسوس تو نہیں کریں گے؟"

ناگ نے گردن اٹھا کر کہا۔

"ارے صاحب بھوت کی ایسی تیسی کہ میرے کمرے میں آئے بس سامنے والا کمرہ ٹھیک رہے گا"

ناگ اس لئے بھی خوش ہوا کہ اس طریقے سے وہ ماریا سے

دور نہیں رہے گا۔ مینیجر نے اسی وقت ناگ کو سامنے والا کمرہ کھول دیا۔ ماریا والے کمرے کو بند کر کے تالا لگا دیا گیا تھا۔ ماریا اس کے اندر بیٹھی ناگ کا انتظار کر رہی تھی۔ ساتھ والے کمروں کے مسافر اپنے دروازے بند رکھتے تھے۔ ماریا نے ناگ کو سامنے والے کمرے میں ڈیرا جماتے دیکھا تو خوش ہوئی۔ ناگ اکیلا رہ گیا تو دونوں نے اپنے اپنے واقعات ایک دوسرے کو سنائے اور بڑے خوش ہوئے۔ دوپہر کا کھانا ناگ نے کمرے میں منگوایا۔ یہ دو آدمیوں کا کھانا تھا۔ ناگ نے یہ بہانہ کیا کہ اس کا کوئی مہمان آنے والا ہے۔ کھانے کے بعد ماریا نے کہا۔

"اب عنبر کو کہاں تلاش کریں ہے"

ناگ بولا "تم یہیں ٹھہرنا۔ میں آج سے اس کی تلاش شروع کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے ہفتہ بھر میں وہ ہمیں کہیں نہ کہیں ضرور مل جائے گا۔ سب سے پہلے میں اسے قلعے کے اندر شاہی محل میں جا کر دیکھوں گا۔ یہاں نہ ملا تو دریائے سین کے ساتھ والے جنگل میں کھوج لگاؤں گا۔"

"خدا کرے عنبر بھائی جلدی مل جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت ہمیں اس زمانے سے اٹھا کر پانچ سو برس پیچھے پھینک دے اور ہم ایک لمبی مدت کے لئے عنبر سے بچھڑ جائیں۔"

ناگ نے کہا۔ "اس کا خطرہ تو ضرور ہے۔ مگر خدا نے چاہا

تو ہم عنبر کے ساتھ مل کر ہی پانچسو برس پیچھے جائیں گے۔ ہمارا واپسی کا سفر بہت لمبا ہے۔ پورے پانچ ہزار سالوں پر سے ہو کر گزرنا ہے۔ لیکن خدا نے چاہا تو ہم اکٹھے ہی سفر کریں گے۔"

"خدا کرے کہ ہم اکٹھے ہی سفر کریں۔" ماریا نے کہا۔

اب ہم آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ عنبر پر کیا گزری ہے

آپ بھی ضرور عنبر کا حال جاننے کے لئے بے چین ہوں گے۔

آیئے عنبر کی چل کر خبر لیتے ہیں کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے

عنبر جب زلزلے کے ساتھ زمین پھٹنے سے اندر دھنسا تو پہلے تو اُسے کچھ معلوم نہ ہوا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ وہ تو جیسے کھڑے کھڑے کسی گہرے کنوئیں میں اچانک گر پڑا۔ اس کی چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ چوٹ لگنے، زخمی ہونے یا مر جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ عنبر نے اپنے اوپر مٹی گرتے ضرور محسوس کی۔ پھر اس کے سر پر پتھر برسنے شروع ہو گئے۔ اس کے بعد اُسے یوں لگا جیسے اندھیرے میں یہ کسی دلدل میں جا پڑا ہے۔ وہ گھٹنوں تک گیلی نرم کیچڑ میں دھنس گیا۔ اس نے ایک پاؤں نکالنے کے لئے زور لگایا تو دوسرا پاؤں اور زیادہ دلدل میں گھس گیا۔ کیچڑ بڑا گاڑھا تھا۔ عنبر نے اندھیرے میں ہی دونوں بازو آگے کو پھیلا کر تیرنے کی کوشش کی اور کیچڑ کے اوپر لیٹ گیا۔

اس طریقے سے وہ تھوڑا تھوڑا آگے کو کھسکنے لگا۔ ذرا آگے
جا کر کیچڑ پتلا ہو گیا۔ یہاں وہ ذرا آسانی سے تیرنے لگا جوں جوں
آگے بڑھ رہا تھا۔ کیچڑ پتلا ہوتا جا رہا تھا۔ پچاس گز کے قریب
فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ اتھلے پانی میں آ گیا۔ یہاں بھی اندھیرا
ہی اندھیرا تھا۔ اس نے پاؤں زمین پر لگائے تو کیچڑ ملا پانی
اس کی گردن تک پہنچ چکا تھا۔ وہ تیرتا چلا گیا۔ اس نے
آواز نکال کر دیکھا کہ وہ کس قسم کی جگہ پر ہے۔

اُس کی آواز گونج اٹھی۔ عنبر سمجھ گیا کہ وہ ایک ایسی سرنگ
میں ہے جس کی چھت زیادہ اونچی نہیں ہے۔ اُسے تیرتے تیرتے
پتہ چل رہا تھا کہ کیچڑ بہت ہلکا ہو گیا ہے اور اب وہ پانی
میں تیر رہا ہے۔ اب اس کے پاؤں میں پانی کی تہہ میں
نہیں لگتے تھے۔ وہ یہ دیکھنے کے لئے کہ زمین کے اندر وہ
جس نالے میں تیر رہا ہے۔ اُس کی چوڑائی کتنی ہے وہ بائیں
طرف تیرتا ہوا آ گیا۔ اس کے ہاتھ دیوار سے لگے۔ یہ دیوار
گولائی میں تھی۔ نالے کا پاٹ کوئی دس فٹ چوڑا تھا۔ ابھی
تک ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی اور عنبر کو کچھ بھی دکھائی
نہیں دیتا تھا۔

اسے ناگ اور ماریا کا خیال بھی آیا جو لندن کے ہوٹل سوائے
میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ زلزلے کی وجہ سے

زمین پھٹ گئی تھی اور وہ زمین کے اندر نہ جانے کتنی گہرائی میں
اتر آیا ہے اور زمین کے نیچے بہنے والا کوئی دریا اسے بہائے لئے
جا رہا ہے۔ کیونکہ ہماری زمین کے اندر بہت نیچے جا کر بھی دریا
بہتے ہیں۔

عنبر نے تھوڑا سا پانی چکھا۔ پانی میٹھا تھا۔ اُسے پوری طرح
سے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی زمین کے اندر بہنے والا دریا ہے جس
میں وہ کسی نامعلوم منزل کی طرف تیرتا چلا جا رہا ہے۔ اُسے
کوئی خبر نہیں تھی کہ یہ دریا اسے کہاں لے جائے گا۔ ہو سکتا
ہے زمین کے اندر ہی اندر سینکڑوں میل کا چکر لگا کر دریا
کسی جگہ سمندر کے ساتھ جا کر مل جائے۔ عنبر نے یہی دعا
مانگی کہ دریا کسی سمندر کے ساتھ مل جائے۔ کیونکہ سمندر میں
پہنچ کر وہ اس کی سطح پر اوپر آ سکتا تھا۔ وگرنہ کئی دریا ایسے
بھی ہوتے ہیں کہ جو زمین کے اندر ہی اندر ہزاروں میل کا چکر
لگا کر خشک ہو کر دوبارا زمین میں جذب ہو جاتے ہیں اور پھر
اس سے بھی نیچے جا کر کسی دوسری جگہ بہنا شروع کر دیتے ہیں۔

عنبر نے ایک بار پھر منہ سے آواز نکالی۔ اس آواز کی گونج
سے اُس نے اندازہ لگا لیا کہ دریا جس سرنگ میں سے گزر رہا
ہے اس کی چھت اب کافی اونچی ہو گئی ہے یہ بڑے اطمینان
کی بات تھی۔ کیونکہ اب اُسے امید ہو گئی تھی کہ دریا کسی نہ

کسی جگہ سے باہر ضرور نکل آئے گا۔ وہ تیرتا چلا جا رہا تھا۔
ایک دو بار مچھلیاں اس کے منہ کے قریب سے ہو کر نکل گئیں
وہ خدا کی قدرت پر دنگ رہ گیا کہ زمین کے اندر بہنے والے
دریاؤں میں بھی وہ مچھلیوں کو رزق پہنچاتا ہے۔ اب دریا کا
پانی زیادہ ٹھنڈا نہیں رہا تھا۔

اُس نے پانی کو چکھا۔ وہ کچھ کھارا اور کڑوا تھا۔ عنبر سمجھ
گیا کہ دریا میں سمندر کا پانی شامل ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ
تھا کہ یہ دریا کسی سمندر میں جا کر مل جاتا تھا۔ عنبر کا سر پانی
سے باہر تھا۔ تیرنے میں اسے مشکل پیش نہیں آ رہی تھی کیونکہ
پانی کا بہاؤ کافی تیز تھا۔ اندھیرا ابھی تک ویسے کا ویسا ہی تھا۔
روشنی کی ایک کرن بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

عنبر نے ایک بار پھر منہ سے آواز نکالی تو اس کی ذرا سی
بھی گونج پیدا نہ ہوئی۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ سُرنگ
کی چھت بہت نیچی ہو گئی۔ عنبر کے ایک بار ہاتھ اوپر کیا تو
اس کا ہاتھ سُرنگ کی چھت سے جا لگا۔ خوف کی ایک لہر اس
کے بدن میں دوڑ گئی۔ سُرنگ کی چھت دریا کے ساتھ مل رہی تھی۔
دریا کا پانی اس کی گردن سے اوپر آ گیا تھا۔ پھر اس کے
ہونٹ اور ناک بھی پانی میں ڈوب گئے۔ اگر قدرت نے اُسے
زندہ رہنے کی طاقت عطا نہ کی ہوتی تو یہاں اس کی موت یقینی

تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کا سر سُرنگ کی چھت سے ٹکرانے
لگا اور پھر وہ پورے کا پورا پانی کے اندر ڈوب گیا۔ سُرنگ کی
چھت پانی کی سطح کے ساتھ مل گئی تھی۔

اب دریا ایک بھرے ہوئے نالے کی طرح بہہ رہا تھا عنبر
پانی کے اندر تیرتا چلا جا رہا تھا۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد
ہاتھ اوپر کر کے یہ دیکھ لیتا کہ اس کے اوپر سُرنگ کی چھت ہے
کہ نہیں۔ بہت دیر تک موت کے دریا کی سُرنگ میں تیرتے
رہنے کے بعد ایک بار عنبر نے ہاتھ پانی کی سطح سے اوپر کیا تو
اس کا ہاتھ چھت سے نہ لگ سکا۔ سُرنگ کی چھت اوپر سے
ہٹ گئی تھی۔

پانی میں اب ہلکی ہلکی روشنی بھی آنا شروع ہو گئی تھی عنبر
نے پانی کے اندر ہی اندر آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس کے نیچے
پانی میں ڈوبی ہوئی پہاڑی وادیاں تھیں اور قسم قسم کی جھاڑیاں
پانی میں اوپر کو لہرا رہی تھیں۔ رنگ برنگی مچھلیاں بھی اس
کے قریب سے گزر رہی تھیں۔ عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ
وہ سمندر میں آ چکا تھا۔

اس نے اوپر اٹھنا شروع کر دیا۔ پانی کا دباؤ بھی سمندر
میں آنے کے بعد بے حد بڑھ گیا تھا اور اسے اوپر آنے میں
تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ بازوؤں کو پوری طاقت سے

اوپر نیچے کرتے وہ پانی کی سطح پر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ پانی کا دباؤ کم ہوتا گیا۔ اب وہ آسانی سے اوپر اٹھ رہا تھا۔ پانی میں روشنی بھی پہلے سے زیادہ ہو گئی تھی یہ کوئی سمندر تھا۔

خدا خدا کر کے عنبر پانی کی سطح پر آگیا۔

اس نے سر باہر نکالا تو سورج کی چمکیلی دھوپ میں اس کے چاروں طرف گہرے نیلے رنگ کا سمندر پھیلا ہوا تھا جس کی بڑی بڑی موجیں بلند ہو کر ایک دوسری سے ٹکرا رہی تھیں عنبر سورج کی روشنی دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ وہ موت کی تاریکی سے زندگی کی روشنی میں آگیا تھا۔ اس نے اللہ کا نام لے کر ایک طرف تیرنا شروع کر دیا۔ مگر سمندر کی موجیں اُسے تیرنے نہیں دے رہی تھیں بلکہ اپنے ساتھ خود بخود بہائے لئے جا رہی تھیں۔ عنبر نے بھی اپنا آپ لہروں کے حوالے کر دیا۔ اُسے کوئی خبر نہیں تھی کہ یہ کونسا سمندر ہے اور یہ اُسے کہاں لے جائے گا۔ وہ لہروں پر بہا جا رہا تھا۔

بہتے بہتے اُسے یوں لگا جیسے کوئی شے اُسے ایک بار پھر سمندر کے اندر کھینچ رہی ہے۔ اس نے خیال کیا کہ ہو سکتا ہے یہ کوئی دوسری شارک مچھلی ہو اور اس پر حملہ کرنے والی ہو۔ عنبر نے سمندر کی لہروں پر پلٹ کر دیکھا سمندر خالی تھا عین اس وقت کوئی سمندری جانور اسے کھینچ کر نیچے

پانی میں لے گیا۔ عنبر کو غوطہ آ گیا۔ اس کی آنکھیں سمندر کے نمکین پانی میں جاتے ہی اپنے آپ بند ہو گئیں۔ کسی نے اس کے ایک پاؤں کو اپنے جبڑے میں دبا رکھا تھا اور برابر اسے نیچے ہی نیچے لئے جا رہا تھا۔ عنبر نے آنکھیں کھول دیں۔ سمندر کا پانی اور رنگین مچھلیاں اس کے قریب سے ہو کر تیزی سے اوپر کو جا رہی تھیں۔

پھر اس کے پاؤں سمندر کے نیچے ریت اور چھوٹے چھوٹے کنکروں کے ساتھ جا کر ٹک گئے۔ سب سے پہلی بات جو عنبر نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ سمندر کا پانی اب اس کی آنکھوں میں نہیں چبھ رہا تھا۔ پانی کے اندر کی مچھلیاں اوپر کو تیرتی ہوئی سمندری جھاڑیاں اور زنگ آلود پتھر اور پتھروں کے ساتھ چپٹے ہوئے زرد اسفنج کے بڑے بڑے اُبھرے ہوئے ٹکڑے اور اونچی اونچی اٹھی ہوئی جھاڑیوں پر کھلے ہوئے سفید [illegible]۔ نیلے اور بسنتی رنگ کے پھولوں کے گچھے اور ریت پر پھیلے ہوئے مونگے، سیپیاں اور گھونگھے ـــــ یہ سب کچھ اُسے صاف نظر آ رہا تھا۔ جیسے وہ کسی نیلے شیشے کی عینک میں سے دیکھ رہا ہو۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جس جانور یا مچھلی نے اسے کھینچ کر نیچے سمندر کی تہہ میں لا پھینکا تھا وہ خود کہاں چلی گئی تھی۔ ایک تندوا اپنے لہراتے ہوئے بازو پھیلاتے، گھماتا اس کی طرف بڑھا عنبر پیچھے ہٹ گیا۔ تندوا اس کے قریب سے ہو کر آگے نکل گیا۔ عنبر پانی میں یوں چل رہا تھا۔ جیسے وہ چاند پر چل رہا ہو۔ اس کے وزن پانی

کے اندر آتے ہی کم ہوگیا تھا۔

دوسری چیز جس پر اُسے بڑی حیرت تھی وہ یہ تھی کہ اگرچہ وہ پانی میں تھا مگر اُسے سانس لینے میں ذرا بھی تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ نہ پانی اس کی ناک کے اندر جا رہا تھا اور نہ اسے اچھو آ رہا تھا۔ پانی میں وہ یوں سکون سے سانس لے رہا تھا جس طرح مچھلیاں سانس لیتی ہیں۔ اُس نے سوچا کہ اُسے واپس سمندر کے اوپر جانا چاہئے۔ عنبر پاؤں تہہ کے پتھروں سے لگا کر زور سے اوپر کو اچھلا کہ اس طرح سے وہ پانی کی چادر میں اوپر کو اٹھتا چلا جائے گا۔ مگر پانی کے شدید دباؤ کی وجہ سے وہ اوپر کو نہ اٹھ سکا۔

عنبر پریشان ہوا کہ یہ کس نئی مصیبت میں پھنس گیا۔ اب کیا کرے اور سمندر کے اوپر کھلے آسمان اور چمکیلی دھوپ میں کیسے واپس جائے وہ سمندر میں ایک طرف کو چل پڑا۔ وزن کم ہونے کی وجہ سے وہ ذرا اچھل اچھل کر چل رہا تھا۔ یہ جگہ ایک سمندری پہاڑ کی ڈھلان تھی۔ اچانک عنبر کا پاؤں ریت پر پھسلا اور وہ ایک گہری گھڈ میں گرتا چلا گیا۔ وہ قلابازیاں کھاتا جا رہا تھا۔ یہ گھاٹی دو سمندری پہاڑوں کے درمیان واقع تھی۔

عنبر گھاٹی کی تہہ میں پہنچ کر رک گیا۔ کھوکھلی نرم ریت میں وہ پنڈلی تک گھس گیا۔ یہاں چپٹی مچھلیاں تھی جو کنول کے بڑے بڑے پتوں کی طرح زمین کے ساتھ چپک کر آہستہ آہستہ چلتی تھیں۔ زیبرا ایسی لکیروں والی چھوٹی مچھلیوں کا ایک غول ننھی ننھی دمیں ہلاتا اس کے آگے سے گذر گیا۔

[illegible] کو پانی میں اب ہلکی ہلکی آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ کسی وقت [illegible] کی باریک آواز آجاتی پھر ٹنک ٹنک کی آوازیں سنائی دیتیں۔ کسی وقت ایسی آواز آتی۔ جیسے کوئی لٹّو زور سے گھومتا ہوا اس کے کانوں کے پاس سے گذر گیا ہو۔ کبھی یوں لگتا جیسے کوئی مچھلی گانا گا رہی ہے کسی وقت گھنٹیاں بجنے کی آواز آتی۔ عنبر گھاٹی میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ سمندر کے اندر اتنی دیر تک رہنے اور چلنے پھرنے کا یہ اس کی زندگی [illegible] موقع تھا۔ اس سے پہلے وہ کبھی کسی سمندر میں اتنی دیر نہیں رہا تھا۔ [illegible] کبھی وہ کسی جہاز کے غرق ہونے کے بعد سمندر میں گرا تو اسے غوطے [illegible] لگے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ڈوب کر مر نہیں سکتا تھا۔ لیکن [illegible] پانی ناک میں گھسنے سے غوطے ضرور آتے تھے۔ جبکہ اب ایسا نہیں [illegible] اب تو وہ یوں سمندر کے پانی میں سانس لے رہا تھا جیسے باقی [illegible] ہوا میں چل رہا ہے۔

یہاں سمندر گہرا ہونے کی وجہ سے اوپر سے سورج کی روشنی بیحد [illegible] آ رہی تھی اور پانی میں چاروں طرف ہلکا پھلکا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ [illegible] اندھیرے کا رنگ گہرا سبز تھا۔ گھاٹی پہاڑوں کے درمیان سے ایک [illegible] کی طرح گذر رہی تھی۔ سمندر یہاں بے حد پُرسکون تھا۔ کوئی سمندری [illegible] اس سے نہیں ٹکرا رہی تھی۔

جوں جوں عنبر آگے بڑھ رہا تھا سمندری گھاٹی تنگ ہوتی جا رہی [illegible] آخرکار ایک جگہ آ کر دونوں پہاڑوں کی دیواریں ایک دوسرے

سے مل گئیں۔ یہاں سے واپس جانا اور پھر اوپر کو اٹھ کر پہاڑ کے او
پہنچنا جہاں سے عنبر نیچے پھسلا تھا بڑی کٹھن کام تھا۔ عنبر نے سامنے
والی پتھریلی دیوار کو غور سے دیکھا۔ اس کے اندر ایک محرابی درواز
بنا ہوا تھا۔ اس دروازے کی دونوں جانب گول پتھروں کے دو او
ستون تھے جو کبھی سفید ہوں گے۔ اب ان پر سبز کائی کی گہری ت
چڑھی ہوئی تھی۔ اور چھوٹی بڑی مچھلیاں اس کے گرد گھوم رہی تھیں
عنبر دروازے کی طرف بڑھا۔

اس کا دروازہ پرانے زمانے کے کھنڈروں سے ملتا جلتا تھا محرا
کے درمیانی دو ایک پتھروں کے ٹکڑے نیچے گرے ہوئے تھے۔ درو
کے اندر غار سا تھا۔ جو سمندری پانی سے بھرا ہوا تھا اور جہاں سبز اند
پھیلا تھا۔ عنبر دروازے میں سے گذر کر غار میں داخل ہو گیا۔ غار تنگ
ہونے لگا۔ یہاں تک کہ کچھ دور جا کر غار اتنا تنگ ہو گیا کہ عنبر بڑ
مشکل سے آگے گذر سکا۔ اس نے سوچا یہاں سے واپس نکل جانا چ
کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے۔

لیکن جونہی وہ غار کے تنگ دہانے سے نکلا۔ سامنے ایک کھلی ج
آگئی جہاں دیواروں کے ساتھ مُردوں کے ڈھانچے لٹک رہے ت
عنبر انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ وہ بڑے لمبے لمبے ڈھانچے تھے۔ ایک
انسانی ڈھانچے کے سر پر گدھے کی لمبے جبڑے والی کھوپڑی تھی
ڈھانچے نے اپنی کھوپڑی خود اپنے ہاتھ کی ہڈیوں میں تھام رکھی تھی۔

عنبر بڑے تعجب سے انہیں تکنے لگا کہ یہ کس زمانے کی یادگاریں ہیں۔
اور یہاں کیسے آگئیں۔ ذرا آگے گیا تو بڑے بڑے چوکور پتھر ادھر اُدھر
ھرے ہوئے تھے۔ ان پتھروں کے نیچے بھی انسانی ڈھانچے ٹوٹے پھوٹے
بے پڑے تھے۔ ان پتھروں سے پرے دس بارہ ستون ریت میں دھنسے آدھے
اوپر کو اٹھے ہوئے تھے۔ عنبر ان کے درمیان سے گذر کر آگے گیا تو یہاں سمندر
سبز اندھیرا کچھ کم ہونے لگا۔ پھر اُسے پانی کے اندر ایک آواز سنائی
ی جو ایسی آواز تھی جیسے کوئی آندھی کا شور آہستہ آہستہ اس کی طرف
رہا ہو۔

ابھی عنبر اس آواز کے بارے میں غور ہی کر رہا تھا۔ کہ اچانک کسی
نے اسے پیچھے سے اپنے نوکیلے دانتوں والے شکنجے میں جکڑ کر اوپر اٹھا
اور پھر آگے کو تیزی سے نکلی۔ عنبر کی حرکت کرنے کی طاقت پانی کے
دباؤ کی وجہ سے بہت سست ہو گئی تھی۔ اس نے جھک کر دیکھا
سمندری عفریت اسے منہ میں دبائے لئے جا رہا تھا۔ اس کے لمبے
دو ایسے بازو پانی کے اندر حرکت کر رہے ہیں۔ عفریت عنبر
ائے غار کی ایک جانب شگاف سے گھس گیا اور اسے اندر لے
ریت میں دبانا شروع کر دیا۔

عنبر نے فوراً جوابی حملہ کر دیا۔ اس نے زور لگایا اور عفریت کے
کے شکنجے سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن عنبر کو پہلی بار محسوس
ا کہ اس کی طاقت اسے جواب دے رہی ہے۔ پانی میں شدید دباؤ کی

وجہ سے اس کا زور نہیں لگ رہا تھا۔ اپنی طرف سے اس نے پورا زو
لگا کر عفریت کے جبڑے میں سے نکلنے کے لئے جھٹکا دیا۔ لیکن اس کا
بڑا معمولی سا اثر ہوا۔ اس کے جواب میں سمندری عفریت نے عنبر کو اٹھا
کر زور سے ریت پر دے مارا۔

عنبر ابھی اٹھ ہی رہا تھا کہ سمندری بلا نے جبڑے کھول کر دوبا
حملہ کیا اور عنبر کو دبوچ کر ایک اور غار میں لے گئی۔ یہاں عنبر نے بڑے
بڑے مگرمچھوں اور ویل مچھلیوں کے ڈھانچے پڑے دیکھے۔ یہ سمندری بلا
ان سب کو چٹ کر چکی تھی۔ یہاں لا کر سمندری بلا نے عنبر کو ریت کے
اندر ایک گڑھے میں دبا کر اوپر سے اس کا منہ بند کر دیا۔ یہ سمندری بلا کس
خونخوار ویل مچھلی سے ملتی جلتی تھی اور وہ انسانوں، حیوانوں اور سمندری
جانوروں کو زندہ ریت میں دبا دیتی تھی۔ پھر جب گوشت گل سڑ جاتا تھا
اُسے کھاتی تھی۔ عنبر نے گڑھے کے اندر کوئی حرکت نہ کی۔

جب اُسے یقین ہو گیا کہ سمندری بلا جا چکی ہو گی تو وہ ریت کو اپ
اوپر سے ہٹا کر گڑھے سے باہر نکل آیا۔ وہ ایک ایسی مشکل میں پھنس چکا
کہ وہ مر تو نہیں سکتا تھا مگر اس مشکل سے وہ ساری زندگی رہا بھی نہیں
سکتا تھا۔ پانی کے دباؤ کی وجہ سے وہ اوپر نہیں جا سکتا تھا۔ گویا ایک طر
سے وہ ہزاروں سالوں کے واسطے سمندر کی تہہ میں بند ہو کر رہ گیا
یہی وہ سمندری بلا تھی جو عنبر کو اوپر سے کھینچ کر نیچے سمندر کی تہہ میں لے
آئی تھی اور پھر اسے سمندر کی گہرائی میں چھوڑ کر اس سے خود بخود غار کے

اندر آنے کا انتظار کر رہی تھی۔

عنبر نے سوچا کہ اسے غار سے باہر نکل جانا چاہیے۔
اب جو وہ غار میں پیچھے کی طرف بڑھا تو یہ دیکھ کر اسے سخت مایوسی
ہوئی کہ سمندری بلا ایک بہت بڑا پتھر آگے رکھ کر راستہ بند کر گئی
تھی۔ عنبر نے بڑا زور لگایا کہ کسی طرح سے اس پتھر کو اپنی جگہ سے ہٹا
سکے لیکن یہاں بھی اس کی طاقت کسی کام نہ آ رہی تھی اور اس کا زور
بہت ہی کم لگ رہا تھا۔ عنبر ناامید ہو کر پتھر کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔
اب کیا کرنا چاہیئے؟ یہی ایک سوال تھا جو عنبر کے ذہن میں بار بار
پیدا ہو رہا تھا۔

وہ کچھ دیر وہاں پتھر کے ساتھ چپکا رہا۔ پھر اسے یوں لگا گویا غار
کی دیوار ایک طرف سے پانی میں شق ہو رہی ہے۔ وہ پانی میں اپنی آنکھیں
پوری کھول کر مچھلی کی طرح پلکیں جھپکے بغیر غور سے دیکھنے لگا۔ اسے زرد
رنگ کے پتھروں کا ایک راستہ دکھائی دیا جو دیوار کے اندر جا رہا تھا۔
عنبر آہستہ آہستہ چلتا دیوار کے پاس آیا۔ پھر وہ زرد پتھروں پر آگے
کو چلنے لگا۔ راستہ آگے جا کر اوپر اٹھتا گیا۔ اوپر ایک سنہری گنبد والا
مندر سا بنا ہوا تھا جس کے برآمدے کی چھت سنگ مرمر کے اونچے
اونچے ستونوں پر کھڑی تھی۔

عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہاں یہ سنہری گنبد والا مندر کہاں سے آ گیا۔
وہ مندر کے برآمدے میں آ گیا۔ یہاں کوئی مچھلی آس پاس نہیں تھی سمندری

چھاڑیاں بھی نہیں تھیں۔ برآمدے کی دیوار کے ساتھ ساتھ بڑے خوش نما
کنول کے نیلے اور سفید پھول کھلے تھے۔ عنبر برآمدے میں آگے بڑھا۔
سامنے ایک دروازہ تھا جس کے درمیان میں سونے کی ایک بڑی گھنٹی لٹک
رہی تھی۔ عنبر اس کے قریب سے گذرا تو وہ اپنے آپ جھولنے اور بجنے لگی۔
عنبر نے اس کی ٹھنکتی ہوئی آواز سنی تو رُک کر دائیں بائیں دیکھا کہ اس
کو کس نے بلایا تھا؟

وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ پیچھے آنے لگا تو اس کے کانوں میں
پانی میں ڈوبی مگر بڑی صاف آواز آئی۔

"اندر چلے آؤ۔"

عنبر چونک اٹھا۔ یہ آواز کسی عورت کی تھی اور اس میں حکم کا
انداز تھا۔ جیسے اُسے حکم دے رہی ہو کہ خبردار بھاگنے کی کوشش کی تو
جان سے مار ڈالوں گی۔ عنبر نے سوچا کہ یہاں سے واپس جانے میں
ہی بہتری ہے۔ وہ واپس مڑا تو اس کے پاؤں نے پیچھے چلنے سے انکار
کر دیا۔ اس نے کئی بار پاؤں پیچھے اٹھانے کی کوشش کی لیکن پاؤں نہ
اٹھا سکے۔ جیسے زمین میں من من کے پتھر بن کر رہ گئے ہوں۔

جب اس نے مندر کی طرف منہ کر کے چلنا چاہا تو اس کے قدم اپنے
آپ اٹھ گئے اور وہ کسی جادو کے اثر میں آ کر آگے تیرنے لگا۔ آواز بار
بار اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔ میرے پاس آجاؤ، میرے پاس
آجاؤ، یہ میرا حکم ہے، یہ میرا حکم ہے۔ عنبر پانی کی موٹی اور بھاری

چادر میں کھڑے کھڑے اپنے آپ آگے تیر رہا تھا۔

مندر کی اونچی چھت آگئی۔ درمیان میں ایک گول چھت والی بارہ
دری سی تھی جس میں کالے پتھر کی ایک مورتی کھڑی تھی۔ اس مورتی کے
دونوں ہاتھوں میں چھُریاں تھیں اور آنکھوں میں سرخ یاقوت انگاروں
کی طرح دہک رہے تھے۔ اس بلا کی شکل کسی چڑیل ایسی تھی جس کے
اوپر والے دانت باہر کو نکلے ہوئے تھے۔ اس کی گردن میں ایک انسانی
کٹا ہوا سر لٹکا ہوا تھا جس کی گردن سے خون کے قطرے ٹپک کر پانی
میں یاقوت بن کر آگے کو بہتے جا رہے تھے۔ ایسی چڑیل بھی عنبر نے پہلے
کبھی نہیں دیکھی تھی۔

یہ سمندری چڑیل تھی۔ اُس نے عنبر کو اپنے قریب بلا لیا۔ جب عنبر
بارہ دری کے پاس پہنچا تو وہ اپنے چبوترے سے نیچے اتر آئی۔ اس کے
دانت کھُل گئے تھے اور بھیانک چہرے پر ڈراؤنی مسکراہٹ تھی۔ اس
نے عنبر کے ماتھے کے ساتھ دونوں چھُریوں کی نوک بار بار لگائی اور کچھ
بولنے لگی۔ اس کے منہ سے ہر لفظ کے ساتھ پانی کا بُلبلہ سا بن جاتا تھا۔
عنبر کو اس کی آواز کانوں کے اندر سنائی دیتی تھی۔ اسے آواز آئی۔

"اسے لے جاؤ، اسے لے جاؤ۔"

وہ کسی دوسرے سے بات کر رہی تھی۔ عنبر نے دیکھا۔ سامنے ایک جگہ
سے سنگ مرمر کا ستون گھومنے لگا پھر وہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور
اس جگہ سے عجیب قسم کی شکلوں والے دو بلوتے برآمد ہوئے اور عنبر کی

ٹانگوں سے چمٹ کر اسے ستون کی طرف دھکیلنے لگے۔ عنبر یوں پانی میں آگے تیرنے لگا جیسے وہ ان بونوں کے ہاتھوں میں تنکا ہو۔ پانچ ہزار سالوں سے عنبر نے اپنے آپ کو اس قدر ہلکا اور بے وزن کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ ستون کے پاس لے جا کر بونوں نے عنبر کو ایک طرف زور سے دھکیل دیا۔ عنبر ایک ڈھلان پر لڑھکتا چلا گیا۔ پھر گھنٹیوں کے شور میں ایک ایسی جگہ جا کر اپنے آپ رُک گیا جہاں اس کے آس پاس کھمبیوں کی شکل میں سونے کی چھتریاں ہی چھتریاں بنی ہوئی تھیں۔ یہ چھتریاں قدِ آدم تھیں۔

اُن کے درمیان ایک سونے کا ہی چبوترہ تھا۔ عنبر پانی میں اپنے آپ کبھی ایک طرف بہہ جاتا اور کبھی دوسری طرف چلا جاتا تھا۔ ایک بار وہ سونے کے چبوترے کے پاس گیا تو چبوترے نے مقناطیس کی طرح اُسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ عنبر اس کے اوپر اچھل کر جا گرا اور اس کے جسم کو سونے کی مقناطیسی طاقت نے اتنی زور سے جکڑ لیا کہ وہ اسے ہلکی سی جنبش بھی نہیں دے سکتا تھا۔

عنبر منہ اوپر مندر کی چھت کی طرف کئے بے بس ہو کر پڑا تھا۔ سمندری مندر کی چڑیل اس کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے دونوں چھریوں والے ہاتھ آگے کو پھیلے تھے۔ اس مندر کی بلا کا جسم اونچا لمبا بے ڈھنگا اور دہشت ناک تھا۔ دانت باہر کو نکلے تھے اور آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے وہ عنبر کے سر پر پہنچ کر رک گیا۔ چبوترے کے اوپر آتے ہی اس نے دو زانو بیٹھ کر اپنی دونوں چھُریاں عنبر کے سینے پر دائیں بائیں رکھ دیں دونوں

بونے سامنے ستون کے پاس کھڑے بار بار ہاتھ پھیلا رہے تھے۔ گویا وہ انتظار کر رہے ہوں کہ کب ان کی طرف انسانی گوشت کی دو تلین بوٹیاں اچھالی جاتی ہیں۔

بلا نے ایک اونچی غرغراتی ہوئی آواز نکال کر پوری طاقت سے دونوں چھُریاں عنبر کے سینے میں گھونپ دیں۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکی۔ یہاں اس کا جادو بے کار تھا۔ کیونکہ دونوں چھریاں عنبر کے سینے میں جانے کی بجائے اوپر سے ہی پھسل کر چڑیل کی ایک ہتھیلی میں گھس کر اُسے زخمی کر گئیں۔ چڑیل چیخ مار کر پیچھے ہٹی۔ اس نے دوسری بار عنبر کی گردن پر وار کیا۔ وہاں بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اور وہ عنبر کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ پھر اس نے عنبر کی گردن میں اپنے لمبے نوکیلے دانت گاڑنے کی کوشش کی اس کوشش میں اس کے اگلے دو دانت ٹوٹ گئے۔

چڑیل اپنی جگہ پر پریشان تھی اور بونے جن کو گوشت کا انتظار تھا اپنی جگہ پر حیران ہو رہے تھے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ کیونکہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ عنبر کا جسم ابھی تک چبوترے کی مقناطیس کشش میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ صرف اپنے دونوں بازو ہلا سکتا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ اس چڑیل پر ایک بار اپنی طاقت کو آزمانا چاہیے۔ شاید اس کی طاقت میں زور پیدا ہو چکا ہو۔ جونہی چڑیل نے عنبر پر جھک کر اُسے غور سے دیکھنے کی کوشش کی، عنبر نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبوچ لی۔

ایکدم عنبر کو محسوس ہوا کہ اس کی طاقت کا اثر واپس آگیا ہے اور
اس کے ہاتھوں کی گرفت میں بڑا زور تھا۔ اس نے چڑیل کی گردن او
زور سے دبانی شروع کردی۔ چڑیل نے دونوں ہاتھوں کے زخمی ہونے
کے باوجود عنبر پر چھریاں چلانی شروع کر دیں۔ پھر بونوں کو حکم دیا کہ
عنبر کی تکا بوٹی کر دو۔ اُن بونوں کی یہ خاص بات تھی کہ وہ چوہوں کی
طرح انسانی جسم پر چڑھ کر اُسے کُتر کُتر کر پل بھر میں ختم کر دیتے تھے۔

چڑیل کا حکم سنتے ہی دونوں بونے بھاگ کر عنبر کے جسم پر سوار ہو
گئے اور چوہوں کی طرح اس کے بدن کو اپنے چھوٹے چھوٹے آری ایسے
دانتوں سے کاٹنے لگے۔ عنبر کا جسم بھلا کہاں کٹنے والا تھا۔ ہاں ان دونوں
کے دانت ضرور عنبر کے پتھر جسم سے ٹکرا ٹکرا کر کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ بونوں
کا درد کے مارے بُرا حال ہو گیا۔ ان کی چیخیں نکل گئیں اور وہ غصے میں عنبر
کے سر کے پاس آکر اس کی آنکھوں میں انگلیاں چبھونے لگے۔ عنبر نے چڑیل
کو چھوڑ دیا۔ جو ادھموئی ہو کر فرش پر جا گری۔ ۔

عنبر نے ان دونوں بونوں کو پکڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ اتنی زور
سے ٹکرایا کہ دونوں کے سر پھٹ کر بکھر گئے۔ چڑیل کا گلا عنبر نے جتنی زور
سے دبایا تھا اگر اس کی جگہ کوئی گینڈا بھی ہوتا تو مر گیا ہوتا۔ لیکن چڑیل
تو بڑی زبردست طاقت تھی۔ ادھموئی سی ہو گئی تھی۔ لیکن پھر اٹھ کھڑی
ہوئی اور عنبر پر حملہ کرنے کے لئے لپکی۔ عنبر نے اس کے آتے ہی ایک پاؤں
سے اس کی گردن پر اتنی زور سے ضرب لگائی کہ اس کی گردن پر اتنی

زور سے ضرب لگائی کہ اس کی گردن کا منکا کئی جگہوں سے ٹوٹ گیا اور
سمندری عفریت چکرا کر زمین پر گر پڑا۔

اس کے گرتے ہی عنبر نے محسوس کیا کہ سونے کے چبوترے کی مقناطیسی
کشش ختم ہو گئی ہے وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پانی کا دباؤ ابھی تک ویسا ہی
تھا۔ مگر اس کی طاقت میں پہلے ایسا زور آگیا تھا۔ یعنی وہ جب پوری
طاقت سے مکا مارتا تھا اس کی شدت میں کمی نہیں ہوتی تھی۔

عنبر سونے کے چبوترے سے اتر کر فرش پر پڑی سمندری بلا کے اوپر
آگیا۔ وہ آخری دم لے رہی تھی اور اس کی آنکھوں کے سرخ یاقوت بجھ
رہے تھے۔ اس کا رنگ سیاہ پڑتا جا رہا تھا۔ مندر کے ستون خود بخود
گھومنے لگے تھے۔ گنبد دائیں بائیں یوں جھولنے لگا تھا جیسے زلزلہ آگیا ہو
مگر زمین اپنی جگہ پر ویسے ہی تھی۔ وہ بالکل نہیں ہل رہی تھی۔ چڑیل نے
آخری ہچکی لی تو اس کی لاش فرش پر پڑے پڑے اپنے غائب ہو گئی۔

لاش کے غائب ہوتے ہی مندر کی ساری گھنٹیاں خود بخود بجنے
لگیں۔ ستون گھومتے گھومتے پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ مندر کا گنبد سمٹنے لگا۔ اور
پھر عنبر نے دیکھا کہ مندر ایکدم چھوٹا سا ہو کر سمندری گھونگھے جتنا ہو گیا
اور سیاہ و سبز دھاریوں والا ایک بڑا مگرمچھ آیا۔ اور اس نے اُس
مندر کے گھونگھے کو نگل لیا۔

یہ ایک حیرت انگیز تماشائی تھا جو عنبر نے نہ صرف اپنی آنکھوں
سے دیکھا بلکہ اس کے میں خود حصہ بھی لیا تھا۔ مگر یہ سب کچھ کیا تھا؟

ایک خواب تھا یا حقیقت تھی؟ اس سوال کا جواب عنبر کو ابھی تک نہیں ملا تھا۔ اسے یہ بھی یقین نہیں تھا کہ وہ اب بھی خواب دیکھ رہا ہے یا نہیں۔

تیرتے تیرتے بلکہ پانی کے اندر کھڑے کھڑے اپنے آپ آگے کو تیرتے عنبر غار سے باہر نکل آیا۔ اب وہ ایک بار پھر دونوں پہاڑوں کی درمیانی گھاٹی میں سے گزر رہا تھا۔ پانی کا دباؤ اسے ایک طرف کو لئے جا رہا تھا۔ اُدھر آہستہ آہستہ روشنی ہو رہی تھی عنبر نے دیکھا کہ سمندر کی تہہ میں کسی بادبانی جہاز کا ایک بہت بڑا ڈھانچہ اوندھا پڑا ہے۔ اس کی لکڑی گل سڑ گئی ہے اور مستولوں پر مونگوں نے اپنے گھر بنا رکھے ہیں۔ یہ کوئی غرق شدہ جہاز تھا۔

عنبر اس جہاز کے ٹوٹے پھوٹے ڈھانچے میں چلنے لگا۔ ایک جگہ اس نے لوہے کا چھوٹا صندوق دیکھا جس پر زنگار کی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی۔ عنبر کے دل میں خیال آیا کہ دیکھنا چاہئے اس صندوق میں کیا ہے۔ اس کی طاقت واپس آ چکی تھی اور اب وہ زمین کی کشش کم محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اُس نے صندوق پر زور سے پاؤں مارا۔ اس کا ڈھکنا کھل گیا اور اس کے اندر سے ایک انسانی کھوپڑی اُچھل کر عنبر کی طرف آئی اور اس کے سر کے گرد چکر لگانے شروع کر دیئے۔ عنبر اپنی جگہ خاموش کھڑا رہا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ کھوپڑی کیا کرتی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے۔ بہت جلد کھوپڑی نے اپنا مقصد ظاہر کر دیا۔ وہ پانی کے اندر ہی اندر تیرتی ٹوٹے پھوٹے بادبانی جہاز کے ملبے میں ایک طرف گئی اور رک کر جیسے نیچے کچھ دیکھنے لگی۔ عنبر نے

اس کے پاس جا کر دیکھا۔ وہ جہاز کے پیندے کے سوراخ میں سے کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

عنبر نے جھک کر سوراخ کے اندر دیکھا۔ نیچے لکڑی کے بڑے بڑے گٹھوں اور اسباب کے نیچے ایک چھوٹا سا انسانی ڈھانچہ پھنسا ہوا تھا۔ پھر جیسے عنبر کے کانوں میں اس کھوپڑی کی باریک آواز سنائی دی۔

"یہ میرا بیٹا ہے۔ وہ اس کمرے میں تھا کہ طوفان آ گیا اور جہاز سمندر میں غرق ہو گیا میری گردن کاٹ کر جہاز کے کپتان نے اس صندوق میں بند کر رکھی تھی۔ جہاز کا کپتان بھی مر گیا۔ میرے بچے کے ڈھانچے کو لکڑی کے گٹھوں کے نیچے سے نکالو۔ میں اسے ساتھ لے کر جنت میں جانا چاہتی ہوں۔ میری روح اس کھوپڑی میں کئی سالوں سے اس سمندر میں قید تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ تم یہاں آئے۔ اب میری مدد کرو۔ میرا بچہ مجھے واپس لا دو۔"

عنبر پیندے کے سوراخ میں سے نیچے جہاز کے اندر اتر گیا۔ انسانی بچے کا ڈھانچہ بھاری مال اسباب کے نیچے بُری طرح پھنسا ہوا تھا۔ مگر عنبر کی طاقت واپس آ چکی تھی۔ اس نے تھوڑا سا زور لگایا اور بچے کے ڈھانچے کو ملبے کے نیچے سے نکال لیا۔ اس کی ماں کی روح اوپر جھانک رہی تھی۔ عنبر کو یوں محسوس ہوا جیسے چھوٹے انسانی ڈھانچے میں سے کوئی چھوٹا سا سفید سایہ اُبھر کر اوپر جہاز کے سوراخ کی طرف گیا۔

عنبر بھی جہاز کے سوراخ سے باہر آ گیا۔ وہاں نہ بچے کی روح تھی اور

نہ اس کی ماں کی کھوپڑی تھی۔ اچانک اُسے بچے کے ماں کی روح کی آواز سنائی دی:

"عنبر! میں جنت میں اپنے بچے کے ساتھ جا رہی ہوں میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھلاؤں گی۔ ایک دن سب انسانوں کو اسی جنت میں آنا ہے۔ تم بھی ایک دن وہاں ضرور آؤ گے پھر میں اور میرا بچہ جنت کے دروازے پر تمہارا استقبال کریں گے، خدا حافظ!"

عنبر جہاز کے ملبے سے باہر آیا تو اسے یوں لگا جیسے نیکی کا ایک کام کرنے کے بعد وہ ہلکا پھلکا سا ہو گیا ہے اور اپنے آپ سمندر کے اندر اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا جا رہا ہے ــــ سمندر کا دباؤ بے حد ہلکا ہو گیا تھا۔ آخر سمندر کی سطح کے قریب آ کر یہ دباؤ نہ ہونے کے برابر رہ گیا اور عنبر نے موجوں کے باہر سر نکال کر دیکھا۔ سمندر چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ آسمان پر کوئی پرندہ تک نہیں اڑ رہا تھا۔ لہریں اس کے ارد گرد بھی چلی جا رہی تھیں۔ عنبر نے سمندر سے باہر آنے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ اُسے یقین نہیں تھا کہ وہ کبھی سورج کی روشنی پھر بھی دیکھ سکے گا۔ وہ لہروں پر سیدھا لیٹ گیا۔

دھوپ آہستہ آہستہ ڈھلنے لگی۔ سورج سمندر کے اوپر سفر کرتا مغرب کی طرف جُھک گیا تھا۔ عنبر سمندر کی لہروں پر چت لیٹا تھا۔ ایک سفید پروں والا پرندہ اس کے اوپر سے غوطہ مار کر نکل گیا۔ سمندر کے سفر میں اسے یہ تجربہ ہو چکا

تھا کہ اس قسم کے پرندے اس وقت سمندر میں دکھائی دیتے ہیں جب ساحل قریب ہو۔ عنبر نے لہروں پر سر اٹھا کر دیکھا۔ دور ایک سیاہ لکیر نظر آ رہی تھی۔ اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ یہ زمین کی لکیر تھی۔ عنبر نے بڑی تیزی سے اس کالی لکیر کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ اُس نے جو زور زور سے پانی میں ہاتھ پاؤں مارے تو کچھ فاصلے پر سمندر کے اندر تیرتی ہوئی ایک خونخوار شارک مچھلی کو پتہ چل گیا کہ اوپر کوئی انسان تیر رہا ہے۔ یہ پندرہ فٹ لمبی اژدہا قسم کی ایک آدم خور شارک مچھلی تھی جو جہازوں سے سمندر میں گرے ہوئے انسانوں کو ایک منٹ میں چیر پھاڑ کر کھا جاتی تھی۔

شارک بجلی ایسی تیزی سے سمندر کے اوپر آ گئی۔ کچھ روز اس نے انسان کو تیرتے دیکھا تو پچاس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اس کی طرف بڑھی۔ عنبر اپنے خیال میں تیرتا جا رہا تھا کہ اُسے یوں لگا جیسے پانی کے اندر لکڑی کی کوئی گیلی اس کی ٹانگ سے ٹکرا گئی ہو۔

شارک نے پانی کے اندر حملہ کر دیا تھا۔ اس نے عنبر کی ٹانگ پر ٹکر ماری کہ اسے دو ٹکڑے کر دے مگر عنبر کی ٹانگ تو چٹان تھی۔ اس سے ٹکرا کر شارک بوکھلا سی گئی اور اس کا دھار والا سینگ آگے سے ٹوٹ گیا۔ اب وہ اُبھر کر پانی

کے اوپر آگئی۔ اس وقت عنبر نے اپنے سامنے شارک کو دیکھا۔
شارک مچھلی اپنا نوکیلے تلوار ایسے دانتوں والا منہ کھول کر
عنبر کی طرف بڑھی۔ جب وہ قریب آئی تو عنبر نے پوری طاقت
سے شارک کے جبڑے پر اپنا مکّا مارا۔ یہ ضرب اتنی شدید تھی
کہ شارک کے جبڑے کا ایک حصّہ ٹوٹ کر لٹکنے لگا۔ شارک تڑپ
کر ایک طرف کو ہٹ گئی۔ اُس نے تیسری بار عنبر پر حملہ کیا تو
عنبر اچھل کر اس کی پیٹھ پر سوار ہوگیا اور آگے ہو کر اس کے
ٹوٹے ہوئے جبڑے کو ایک زوردار جھٹکے سے الگ کر دیا۔ خون
کا فوارہ چھوٹا اور شارک سمندر سے دس فٹ اوپر اچھل کر
دوبارا سمندر میں آن گری۔ اس میں طاقت نہیں رہی تھی وہ
پانی میں تڑپ رہی تھی۔ وہاں سمندر خون سے بھر گیا تھا۔ عنبر
نے اس کے بعد شارک پر حملہ کرنے کی ضرورت محسوس نہ
کی۔ کیونکہ وہ بے جان ہو کر سمندر کے اندر اتر رہی تھی۔

عنبر نے سیاہ لکیر کو دیکھا جو اب درختوں کی قطار میں بدل
گئی تھی یہ دور دراز سمندروں میں ایک ویران اور ہیبت ناک
جزیرہ تھا جس کے سب سے اونچے آتش فشاں پہاڑ میں ہر
وقت لاوا اُبلتا رہتا تھا۔ عنبر کو سمندری لہروں نے اس
جزیرے کے اُجاڑ ساحل پر لا کر ڈال دیا۔ کچھ دیر عنبر کنارے
کی گیلی ریت پر سکون سے لیٹا رہا اور ماریا اور ناگ کے بارے

میں سوچتا رہا۔ اُسے اُن کی کوئی خبر نہیں تھی کہ پیچھے لندن میں
اُن پر کیا گذری اور وہ ہوٹل میں ابھی تک عنبر کا انتظار کر
رہے تھے کہ وہاں سے چلے گئے تھے۔ اُسے یہ بھی نہیں معلوم
تھا کہ ماریا اور ناگ پیرس کے ایک ہوٹل میں اس کا انتظار
کر رہے ہیں۔

عنبر کچھ دیر بعد ریت پر سے اٹھا۔ اُس نے پچاس ساٹھ
قدموں کے فاصلے پر شروع ہونے والے جنگل کے درختوں کو
دیکھا۔ وہاں قبرستان ایسی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ یہ کچھ
عجیب پُراسرار سا جزیرہ لگ رہا تھا۔ جنگل کے درختوں پر کوئی
پرندہ بھی نہیں بول رہا تھا۔ شام ہو رہی تھی۔ سورج دور —
بہت دور سمندر میں ڈوب رہا تھا۔ عنبر نے ساحل کے ساتھ
چلنا شروع کیا۔ جزیرے کا ساحل دُور دُور تک ویران تھا۔
انسانی آبادی کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ سمندر
میں کوئی کشتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ سفید پرندوں کی ایک
قطار سمندر کی طرف سے اڑتی ہوئی آئی اور جزیرے کے جنگل میں
کہیں غائب ہو گئی۔ کافی دور ——— جزیرے کے اندر ایک
اونچا پہاڑ کھڑا تھا جس کی چوٹی پر جمے ہوئے لاوے کا شیشہ
ڈوبتے سورج کی آخری کرنوں میں سُرخ چمک دے رہا تھا۔
چلتے چلتے عنبر جزیرے کے مشرقی کنارے کی طرف آگیا۔

یہاں سمندر میں کہیں کہیں چٹانیں ابھری ہوئی تھیں سمندر
کی لہریں ان چٹانوں سے ٹکرا کر جھاگ اڑاتی واپس جاتی تھیں۔
بائیں طرف گھنے درختوں کا سلسلہ تھا جو جزیرے کے پُراسرار خاموش
اور ہیبت ناک جنگل کے ساتھ جا کر مل جاتا تھا۔ عنبر نے سوچا
رات سر پر آرہی ہے کوئی ایسی جگہ ڈھونڈھنی چاہیے جہاں آرام
سے رات بسر کی جاسکے۔ پھر صبح اٹھ کر جنگل کے اندر چل کر دیکھا
جائے گا کہ اگر وہاں کوئی آبادی ہے تو اُن سے مدد لیکر جزیرے
سے نکلا جاسکے۔

ایک چھوٹی چٹان ساحل سے تھوڑی دُور ریت پر کھڑی تھی۔
وہاں تک سمندر کی لہریں نہیں آتی تھیں اور ریت خشک تھی
عنبر نے سوچا کہ یہاں رات بسر کرنی چاہیئے۔ وہ چٹان کے
پاس آگیا۔ زلزلوں اور تیز سمندری طوفانوں نے اس
چٹان میں گہرے گڑھے ڈال رکھے تھے۔ ایک گڑھا کافی کھوکھلا اور
اندر سے کھلا تھا عنبر اس کے اندر آکر دراز ہو گیا۔

سمندر میں سورج کے ڈوبتے ہی جزیرے پر ایکدم سے رات آگئی
اور اندھیرا چھا گیا۔ عنبر کو کھوہ میں لیٹے لیٹے آسمان نظر آرہا تھا جس پر
تارے چمکنے لگے تھے۔ سارے جزیرے پر گہری خاموشی اور زیادہ گہری
ہو گئی۔ اس خاموشی میں اگر کوئی آواز آرہی تھی تو وہ صرف لہروں کے
ہلکے ہلکے شور کی آواز تھی۔ عنبر اس قدر تھک گیا تھا کہ اُسے نیند آگئی اور
وہ سو گیا۔

پُراسرار عورت کا سایہ

آدھی رات کو عنبر کی آنکھ کھل گئی۔

اُس نے ایک آواز سنی تھی۔ یہ آواز کسی عورت کی چیخ کی
آواز تھی۔ پھر اُسے خیال آیا کہ شاید یہ اُس کا خواب تھا۔ کیونکہ
جزیرے پر ہر طرف سناٹا تھا۔ لہروں کی آواز بھی آدھی رات
کو ہلکی ہو گئی تھی۔ عنبر نے آنکھیں بند کرلیں اور سونے کی
کوشش کرنے لگا۔ ٹھیک اس وقت وہ چیخ جزیرے کی
ہیبت ناک خموشی میں ایک بار پھر ابھری۔

عنبر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ چیخ اُسے بالکل صاف سنائی دی تھی
یہ کسی عورت کی آواز تھی۔ یہ چیخ میں درد اور کرب کے ساتھ
ساتھ بین کرنے کا لہجہ زیادہ تھا۔ یہ بڑی ڈراؤنی آواز تھی۔
اور اس نے جزیرے کی قبر ایسی خاموش کو اور زیادہ ہولناک
بنا دیا۔ عنبر کی جگہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو وہ یہی سمجھتا کہ
یہ کسی چڑیل کی آواز ہے اور وہ اُسے سنتے ہی غش کھا کر
گر پڑتا اور شاید اگلی دنیا میں بھی پہنچ جاتا۔ لیکن عنبر ایک

بہادر نوجوان بھی تھا اور اسے اس قسم کے جزیروں میں راتیں گذارنے کا تجربہ بھی تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اُسے اس بات کی بھی بڑی بے فکری تھی کہ دنیا کی کوئی چڑیل اسے ہلاک نہیں کر سکتی۔

لیکن اس چیخ کے بارے میں عنبر کو یقین تھا کہ یہ کسی لڑکی کی چیخ ہے جو کسی نہ کسی طرح اس ویران اُجاڑ جزیرے میں آن پھنسی ہے اور اب راتوں کو اٹھ کر بین کرتی پھرتی ہے۔ وہ چٹان کی کھوہ میں سے باہر نکل آیا۔ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ جزیرے کی رات سنسان تھی۔ جنگل کے درخت خاموش اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ عنبر نے جنگل کی طرف دیکھا۔ عورت کی ڈراؤنی چیخ کے بعد جنگل اور زیادہ آسیب زدہ لگنے لگا تھا۔

عنبر کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ ڈراؤنی آواز کس طرف سے آئی تھی۔ کیونکہ اس وقت وہ چٹان کے اندر تھا۔ ویسے آواز سے لگتا تھا کہ عورت کہیں جنگل میں قریب ہی ہے اتنے میں چیخ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ ایک بار تو عنبر بھی خوف سے کانپ اٹھا۔ یہ سچ مچ بڑی بھیانک آواز تھی۔ ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کوئی اس عورت کو ذبح کر رہا ہے۔ آواز میں بے بسی آہ و فغاں اور موت کی دہشت تھی۔

اس بار آواز جزیرے کی جنوب سے آئی تھی اور کچھ فاصلے سے سنائی دی تھی۔ عنبر جدھر سے آواز آئی تھی اُدھر کو چل پڑا۔ جزیرے پر ستاروں کو اتنی دھیمی دھیمی روشنی ضرور تھی کہ عنبر اپنا راستہ تلاش کر سکتا تھا۔ ساحل کی ریت کو پیچھے چھوڑ کر عنبر خدا کا نام لے کر جنگل میں داخل ہو گیا۔ آواز اسی طرف سے آئی تھی۔ جنگل اس قدر گھنا تھا کہ عنبر کو درختوں اور جھاڑیوں میں سے گذرنا مشکل ہو گیا۔ گھنا جنگل ہونے کی وجہ سے جھاڑیاں آپس میں ملی ہوئی تھیں پھر بھی وہ جھاڑیوں اور درختوں کی لٹکتی شاخوں کو پرے ہٹاتا، مکڑی کے جالوں کو توڑتا آگے بڑھتا چلا گیا۔

اب وہ اس انتظار میں تھا کہ آواز پھر سنائی دے۔ لیکن وہ آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ جنگل پر سناٹا چھا گیا تھا۔ صرف درختوں کی شاخوں کو پرے ہٹانے اور جھاڑیوں میں سے عنبر کے گذرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ آگے جنگل اور زیادہ گھنا ہو گیا۔ مگر یہاں جھاڑیاں نہیں تھیں۔ لمبی گھاس ضرور اُگی ہوئی تھی۔ عنبر کی نگاہ اندھیرے کی عادی ہو گئی تھی۔ وہ درختوں کے تنوں اور گھاس کے مدھم مدھم خاکے سے دیکھ رہا تھا۔

عنبر نے درخت کی ایک لٹکتی شاخ کو سامنے سے ہٹایا تو وہ اس کے بازو سے لپٹ گئی۔ یہ اس جزیرے کا سب سے

زیادہ زہریلا سانپ تھا جس کی پھنکار کے ساتھ چنگاریاں نکلتی
تھیں۔ سانپ کے منہ سے چنگاریاں پھوٹ کر عنبر کے منہ پر پڑیں
عنبر نے دوسرے ہاتھ سے سانپ کو پکڑنے کی کوشش کی تو
سانپ نے اس کی کلائی پر ڈس لیا۔ عنبر پر تو زہر کا اثر ہوتا
ہی نہیں تھا۔ اس نے سانپ کی گردن مروڑ کر اسے پھینک دیا
آگے جنگل ذرا کھلا ہو گیا تھا۔ لیکن درختوں کی شاخیں کافی
نیچے نیچے تک لٹک رہی تھیں۔

راستے میں عنبر پر کئی سانپوں نے حملہ کیا اور اپنی موت
آپ مر گئے۔ ایک اژدہا نے تو عنبر کو ثابت نگلنے کی کوشش
کی۔ اس پر عنبر کا پیر آ گیا تھا۔ عنبر نے اسے بھی ہلاک کر کے
پھینک دیا۔ جنگل خاموش تھا۔ کسی وقت ایسے لگتا تھا جیسے
جنگل آہستہ آہستہ سانس لے رہا ہے۔ عورت کی چیخ پھر
بلند نہیں ہوئی تھی۔ عنبر حیران تھا کہ چیخ پھر سنائی کیوں
نہیں دی؟ کہیں وہ کسی چڑیل ہی کی چیخ تو نہیں تھی؟
کیونکہ اس قسم کے ویران جنگلوں میں اکثر چڑیلوں کا بسیرا
ہوتا ہے۔ عنبر چڑیل سے بھی مقابلہ کرنے کو تیار تھا۔

اچانک عنبر کو اس خاموشی میں آہٹ سی سنائی دی۔
وہ چلتے چلتے وہیں رک گیا اور کان لگا کر آہٹ کو دوبارا
سننے کی کوشش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہی آہٹ پھر

سنائی دی۔ عنبر کو یوں لگا جیسے کوئی خشک پتوں پر چل رہا
ہے۔ عنبر نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی
کوشش کی۔ وہاں آس پاس سوائے گنجان درختوں کے بڑے
بڑے سیاہ تنوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

پھر یہ آہٹ کی آواز کس کی تھی؟ عنبر نے سوچا۔ کہیں
ایسا تو نہیں ہے کہ وہ چڑیل یا عورت جس کی چیخ جنگل میں گونجی
تھی چھپ کر اس کا پیچھا کر رہی ہے؟ عنبر نے اپنے پیچھے پلٹ
کر دیکھا۔ وہاں بھی سوائے درختوں اور اندھیرے کے اور کچھ
نہیں تھا۔ اور پھر ایکدم سے عنبر کو ایک سایہ ایک درخت
کی اوٹ سے نکل کر دوسرے درخت کی طرف جاتا دکھائی دیا
عنبر جلدی سے چھپ گیا اور اندھیرے میں اس سائے کو دیکھنے
کی کوشش کرنے لگا جو ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا تھا۔
تھوڑی دیر بعد وہ سایہ درخت کی اوٹ سے نکلا اور سوکھے
خشک پتوں پر سے گزرتا ایک طرف کو چلا۔

یہ سایہ کسی عورت کا تھا۔ اندھیرے میں بھی عنبر نے
دیکھا کہ اس سائے کے لمبے لمبے بال تھے اور جسم پر جھاڑیاں
اور پتے لپٹے ہوئے تھے۔ عنبر نے سوچا کہ وہ اس کا پیچھا کرے
لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ کیونکہ وہ سایہ بھی ایک درخت
کے پاس جا کر رک گیا تھا۔ عنبر سے سائے کا فاصلہ زیادہ نہیں

تھا۔ درخت کے پاس جاکر سائے نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ اندھیرے
میں عنبر کو سائے کا ہلکا سا خاکہ ہی دکھائی دے رہا تھا۔ اُسے
سوائے دو گہری گہری اور چمکتی آنکھوں کے اور کچھ دکھائی نہ
دیا۔ سایہ کچھ دیر اپنی جگہ پر ساکت کھڑا رہا۔ پھر اس نے
ہاتھ اوپر بڑھا کر درخت کی شاخ پر سے کوئی شے توڑ کر کھانی
شروع کر دی۔

عنبر کو کھانے کی کچر کچر کی آواز صاف سنائی دے رہی
تھی۔ اُسے خیال آیا کہ اس بھید پر سے ابھی پردہ اٹھا دینا
چاہئے کہ یہ عورت چڑیل ہے یا کوئی جن بھوت ہے۔ آگے بڑھ
کر اُسے قابو میں کر لینا چاہئے۔ پس عنبر درخت کی اوٹ
سے نکلا۔ اس کے پاؤں کے نیچے پتے چرچرائے۔ سائے کے ہاتھ
سے درخت کا پھل گر پڑا۔ اس نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا
ایک خوفناک آواز حلق سے نکالی اور لپک کر اندھیرے میں
گم ہو گیا۔

عنبر جلدی سے اس جگہ پر آیا جہاں ایک سیکنڈ پہلے وہ
پراسرار سایہ کھڑا تھا۔ گھاس پر درخت کے ادھ کھائے پھل
پڑے تھے۔ عنبر نے اندھیری رات میں ارد گرد سارا جنگل چھان
مارا۔ لیکن اس سائے کو تو جیسے زمین نے نگل لیا تھا۔ ناامید ہو
کر وہ جنگل سے نکلنے کے لئے واپس ہوا۔ جب وہ جنگل سے

باہر آیا تو صبح کی روشنی آسمان کے مشرقی حصے میں اُبھرنا شروع
ہو گئی تھی۔ گویا پو پھٹ رہی تھی۔ عنبر اپنی پناہ گاہ چٹان کی طرف
چلا تو جنگل کی جانب وہی بھیانک اور ڈراؤنی مگر دردناک
چیخ پھر سنائی دی۔ عنبر کے قدم اپنے آپ رُک گئے۔ لیکن یہ
آواز اس بار جنگل میں بہت دور سے آئی تھی۔

عنبر چٹان کے اندر آکر لیٹ گیا اور آواز کے بارے میں
سوچنے لگا کہ یہ عورت کون ہو سکتی ہے؟ کیا یہ کوئی چڑیل ہے
یا سچ مچ کی کوئی اپنے گھر بار سے بچھڑی ہوئی بدنصیب عورت
ہے؟ یا کوئی جنگلی عورت ہے؟ مگر جنگلی عورت کو یوں آدھی
آدھی رات کو درد بھری آوازیں نکالنے کی کیا ضرورت ہے۔

عنبر نے اس عورت کا جو اندھیرے میں سایہ دیکھا تھا اس سے
یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ چڑیل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ چڑیل کے
لمبے لمبے ناخنوں، دانت ہوتے ہیں اور اس کی آنکھیں سُرخ
ہوتی ہیں۔ جبکہ اس عورت کی آنکھوں میں سرخ چمک نہیں
تھی اور اس کے لمبے دانت بھی نہیں تھے۔ عنبر جتنا سوچتا وہ
عورت اتنی ہی پراسرار ہوتی جا رہی تھی۔ عنبر نے آخر یہی فیصلہ
کیا کہ وہ دن کی روشنی میں اس پراسرار جنگلی عورت کو تلاش
کرے گا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر ماریا اور ناگ
کے بارے میں خیال کیا کہ وہ لندن میں کس شدّت سے اس کا

انتظار کر رہے ہوں گے۔ پھر اُسے نیند آ گئی۔

عنبر سو رہا تھا اور جزیرے پر بادل چھانا شروع ہو گئے۔ یہ کالے کالے بادل تھے جنہیں سمندری ہوائیں دُور دُور سے اڑائے لئے آ رہی تھیں۔ بادلوں نے ہلکے ہلکے گرجنا شروع کر دیا۔ ہوا جزیرے کے درختوں کو جھولا جھلا رہی تھی لیکن ہوا نے طوفان کی شکل اختیار نہیں کی تھی۔ عنبر چٹان کے اندر گہری نیند سو رہا تھا۔ ٹھیک اُس وقت ایک بادبانی جہاز جزیرے کے مغربی ساحل سے تھوڑی دور سمندر میں آ کر رُک گیا۔

یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز تھا جس کا کپتان کیپٹن کِڈ تھا۔ بحری ڈاکوؤں کی تاریخ میں کیپٹن کِڈ کو خونی کپتان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ظالم شخص چنگیز خان اور ہلاکو سے زیادہ سنگ دل تھا۔ کسی شخص کو قتل کر دینا اس کے لئے بڑی معمولی بات تھی۔ اس کے دل میں رحم کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔

اس کی عمر پچاس سال کی تھی اور وہ سینکڑوں انسانوں کا خون کر چکا تھا۔ اس کا قد چھوٹا شانے چوڑے اور داڑھی بھری بھری گنجان تھی۔ کانوں میں سونے کی مندراں پہنتا تھا۔ سر پر نیلی ٹوپی رکھتا اور ماتھے اور گالوں پر زخموں کے نشان تھے۔ اس کا ہاتھ ہمیشہ تلوار کے قبضے پر رہتا۔ چھ چھ مہینے تک سمندر میں

تجارتی اور مسافروں کے جہازوں کو لوٹنے کے بعد وہ سونے اور جواہرات سے بھرے ہوئے چار صندوق لے کر جزیرے پر آیا تھا۔ اس زمانے کے بحری ڈاکوؤں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ لوٹ مار کا مال کچھ خرچ کرتے کچھ جہاز کے ڈاکوؤں میں بانٹ دیتے لیکن جواہرات ہیرے موتی اور سونے کے سکّے صندوقوں میں بند کر کے کسی ویران جزیرے پر آ جاتے۔ یہ جہاز کے کپتان کا حصّہ ہوتا تھا۔ کپتان دو چار ڈاکوؤں کے سروں پر صندوق رکھوا کر جزیرے کے کسی دشوار گزار حصّے میں آ کر ان سے زمین کھدواتا گڑھے میں خزانے کے صندوق رکھواتا اور جب ساتھ آئے ہوئے ڈاکو گڑھے میں مٹی ڈال چکتے۔ تو کپتان بڑی مکاری کے ساتھ انہیں گولی مار کر یا تلوار کے وار سے ہلاک کر ڈالتا تاکہ وہ زندہ رہ کر اس کے خزانے کا راز کسی کو نہ بتا سکیں۔ اس کے بعد ڈاکو کپتان خزانے کا گڑھا پُر کر کے اوپر گھاس ڈالتا۔ اس پر کوئی خاص نشانی رکھ دیتا تاکہ جب کبھی وہ آئے تو اسے خزانے کا پتہ چل سکے۔ جہاز پر واپس آ کر وہ خزانے اور جزیرے کا ایک نقشہ بنا کر اُسے اپنی صدری کی اندر والی جیب میں سنبھال کر رکھ لیتا۔ یہی وہ خزانے کا نقشہ ہوتا تھا جس کو حاصل کرنے کے لئے اس زمانے کے لوگ ایک دوسرے کو قتل کر دیتے تھے۔ یہ نقشہ بحری کپتان کی موت

تک اس کے ساتھ رہتا تھا۔ مرتے وقت بحری کپتان اس
نقشے کو یا جلا ڈالتا تھا اور یا سمندر میں پھینک دیا کرتا تھا۔
کیونکہ لوٹ مار کے خزانے کو وہ کسی ملک میں نہیں لے جا سکتا
تھا۔ اس طرح سے اس کو گرفتار کر کے اس پر ڈاکے اور سینکڑوں
انسانوں کے قتل کا مقدمہ چل سکتا تھا۔

یہ انجام ہوتا تھا ان بحری ڈاکوؤں کے سرداروں کا جو
سمندروں میں بے گناہ انسانوں کو لوٹ کر قتل کرتے تھے۔ قیمتی
خزانہ جمع کرتے تھے اور آخر میں اُس خزانے میں سے ایک پائی
لئے بغیر اگلی دنیا کو سدھار جاتے۔ اور اپنے پیچھے خزانے کا
نقشہ چھوڑ جاتے تھے۔ اس کے بعد اُن لوگوں کی مصیبتوں اور
دردناک موت کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا جو اس نقشے کو
لے کر خزانے کی تلاش میں نکلتے تھے۔ ایسے ہی وحشی اور سنگدل
بحری ڈاکوؤں کے سردار کیپٹن کڈ کا یہ بحری جہاز تھا جو
دن نکلتے ہی جزیرے کے مغربی ساحل پر آن لگا تھا۔ اس
پر انسانی کھوپڑی کے نشان والا کالا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اور
بحری ڈاکو اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ خونخوار کیپٹن کڈ
ایک چھوٹی کشتی پر خزانے کے دونوں صندوق لادے ساحل
پر آگیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں چمکتی ہوئی ننگی تلوار تھی۔ دوسرا
ہاتھ تنگ اور پھولی ہوئی برجس کی پیٹی پر تھا جہاں اس کا

بھرمار پستول جھول رہا تھا۔

وہ چاروں ڈاکوؤں کے سروں پر خزانے کے صندوق
اٹھوا کر جزیرے کے جنگل میں داخل ہو گیا۔

دوسری طرف عنبر کی بھی آنکھ کھل گئی۔ وہ کبھی اتنی دیر
تک نہ سویا تھا۔ شاید اس کے کبھی نہ تھکنے والے جسم کو آج
آرام کی ضرورت تھی۔ چٹان کی کھوہ میں سے سورج کی کرنیں
اس کی آنکھوں پر پڑیں تو اُس کی جاگ کھل گئی۔ وہ کھوہ سے
باہر نکل آیا۔ اور پراسرار سائے اور بھیانک چیخ والی عورت
کی تلاش میں جنگل میں داخل ہو گیا۔ عنبر جزیرے کے مشرقی
جنگل کی جانب تھا اور بحری ڈاکوؤں کا سردار کیپٹن کڈ جزیرے
کے مغربی جنگل میں آگے بڑھ رہا تھا۔

دونوں ڈاکو خزانے کے صندوق اٹھائے آگے آگے جا رہے
تھے۔ ایک ڈاکو تلوار سے جھاڑیاں اور درختوں کی لٹکی ہوئی
شاخیں کاٹ کر راستہ صاف کرتا جاتا تھا۔ کیپٹن کڈ پیچھے تھا۔
اور اپنے بھاری بھر کم جسم کو ریچھ کی طرح لہرا کر چل رہا تھا۔
اس کے خونی چہرے پر ایک مکروہ سازش جھلک رہی تھی۔ جنگل
میں دور ایک ٹیلے کی اوٹ میں پہنچ کر کیپٹن کڈ نے رکنے کا
حکم دیا۔ تلوار والا ہاتھ اٹھا کر اُس نے غرّا کر کہا۔

"بس۔ اسی جگہ زمین کھود دو۔"

تینوں ڈاکو زمین کھودنے لگے۔ کیپٹن کِڈ پاس ہی ایک پتھر پر جھاڑی کے پاس بیٹھ کر پائپ پینے لگا۔ وہ ایک ہاتھ کی انگلیاں پستول کے دستے پر بجا رہا تھا۔ دوسرا ہاتھ تلوار کے قبضے پر تھا۔ اس کی جیب میں ایک دوسرا پستول بھی تھا۔ جو اس نے خفیہ رکھا ہوا تھا۔ جب خزانے کا گڑھا کھُد گیا تو خونی کیپٹن نے حکم دیا کہ خزانے کے صندوق دفن کر دیئے جائیں۔

ڈاکوؤں نے اسی وقت دونوں صندوق گڑھے میں اتارے اور اوپر مٹی ڈالنی شروع کر دی۔ دو ڈاکو گڑھے کے اندر تھے اور تیسرا ڈاکو گڑھے کے باہر کھڑا پھاوڑے سے اندر مٹی پھینک رہا تھا۔ کیپٹن کِڈ گڑھے کے اوپر کنارے پر کھڑا ہو گیا اس کا دوسرا ہاتھ جیب میں گیا۔ جب وہ جیب سے باہر نکلا تو ایک پستول اس ہاتھ میں بھی تھا۔ خونی کپتان نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا۔

"اب تم بھی خزانے کے ساتھ ہی آرام کرو"۔

اور گڑھے کے اندر صندوقوں پر مٹی ڈالتے ڈاکوؤں پر دھڑا دھڑا پستول سے دو فائر کر دیئے۔ پستول کے دھماکوں سے سارا جنگل گونج اٹھا اور درختوں پر بیٹھے ہوئے سفید پرندے پھڑ پھڑا کر اڑ گئے۔ دھماکوں کی آواز عنبر نے بھی سنی۔ وہ اپرار چڑیل کی تلاش چھوڑ کر جدھر سے دھماکوں کی آواز آئی تھی اُدھر

کو چل پڑا۔

ایک ڈاکو جو باہر کھڑا تھا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ اُسے معلوم ہو چکا تھا۔ کہ خونی کیپٹن اُسے بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ کیپٹن کے دونوں پستول خالی ہو چکے تھے۔ وہ تلوار کھینچ کر اس پر حملہ کرنے کے لئے چھلانگ لگا کر آگے بڑھا۔ ڈاکو کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ بس ایک پھاوڑا تھا جس سے وہ گڑھے میں مٹی ڈال رہا تھا۔ اس نے پھاوڑا وہیں پھینکا اور جنگل کے درختوں کی طرف بھاگا۔

خونی کیپٹن غراتے ہوئے اس کے پیچھے لپکا۔ لیکن ڈاکو درختوں میں گم ہو چکا تھا۔ خونی کپتان نے پاگل ریچھ کی طرح غراتے ہوئے اسے بہتیرا تلاش کیا لیکن وہ ڈاکو اپنی جان بچانے کے لئے جانے کہاں سے کہاں نکل گیا تھا۔ خونی کپتان ہر حالت میں اُسے تلاش کر کے قتل کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ خزانہ کس جگہ پر دفن ہے۔ اس نے جنگل کا کونہ کونہ چھان مارا مگر ڈاکو کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ آخر خونی کپتان یہ سوچ کر واپس جہاز پر آ گیا کہ بھاگے ہوئے ڈاکو کو اگلے روز تلاش کیا جائے گا۔

جہاز پر کپتان اپنے ساتھی ڈاکوؤں کے بغیر آیا تو کسی ڈاکو نے نہ پوچھا کہ ان کے ساتھی کہاں ہیں۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا

کہ خونی کپتان نے انہیں قتل کر دیا ہے تاکہ خزانے کا راز راز ہی رہے۔

عنبر نے بھی جنگل کا سارا مغربی علاقہ چھان ڈالا اُسے بھی کوئی سراغ نہ ملا کہ پستول کے دھماکے کہاں ہوئے تھے۔ ایک جگہ اُسے فضا میں بارود کی بُو محسوس ہوئی۔ وہ رُک گیا اور جنگل میں چاروں طرف دیکھنے لگا جس جگہ خزانہ دفن تھا عنبر کے قریب ہی پہاڑی کی اوٹ میں تھی۔ مگر خونی کپتان نے وہاں اتنی ہوشیاری سے گھاس اور پتے ڈال دیئے تھے کہ کسی کو معلوم ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہاں کسی نے زمین کھودی تھی۔

عنبر ابھی تک جنگل کے اندر ہی تھا۔ اگر وہ تھوڑی دیر کے لئے جنگل سے باہر نکلتا تو اُسے سمندر میں کھڑا بحری ڈاکوؤں کا جہاز صاف نظر آ جاتا۔ مگر اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جزیرے پر ایک خونی ڈرامہ کھیلا جا چکا ہے اور بحری ڈاکوؤں کا جہاز سمندر میں لنگر ڈالے کھڑا ہے۔

عنبر نے پستول کے دھماکوں کا خیال چھوڑ دیا اور پراسرار عورت کی تلاش دوبارہ شروع کر دی۔ وہ جنگل کے مشرقی ساحل کی طرف آ گیا اور اس نے وہ جگہ دیکھی جہاں رات کو اسے عورت کا پراسرار سایہ نظر آیا تھا۔ یہاں زمین پر درخت کے ادھ کھائے پھل ابھی تک پڑے تھے۔ اس نے ایک پھل اٹھا کر

دیکھا۔ یہ کچے اُمرود کی قسم کا پھل تھا۔ جس پر عورت کے دانتوں کا نشان تھا۔ یہ نشان کسی چڑیل کے دانتوں کا نہیں بلکہ انسانی عورت کے دانتوں کا نشان تھا۔ عنبر کو تسلی ہوئی کہ یہ کوئی عورت ہے اور انسان ہے۔ کوئی جن بھوت یا چڑیل نہیں ہے۔

اب سوال یہ تھا کہ یہ عورت اس ویران جزیرے میں کہاں سے آ گئی تھی؟ ہو سکتا ہے کبھی کوئی بحری جہاز اس جزیرے کے قریب طوفان میں گھر کر سمندر میں غرق ہو گیا ہو اور یہ عورت کسی نہ کسی طرح تیر کر اس جزیرے میں پہنچ گئی ہو اور تب سے لے کر آج تک اسی جزیرے میں بے بسی کی زندگی بسر کر رہی ہو۔

عنبر کے نزدیک اب اس عورت کو ڈھونڈنا اور بھی ضروری ہو گیا تھا۔ کیونکہ پھل پر دانتوں کے نشان سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کوئی عورت ہے۔ اور خدا جانتے کب سے اس اُجاڑ مردم خور جزیرے میں قید کی زندگی بسر کر رہی ہے۔

عنبر اُن درختوں میں چلا گیا جہاں رات کو پراسرار عورت غائب ہو گئی تھی۔ اس نے زمین پر عورت کے پاؤں کے نشان تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن زمین پر گھاس اور جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ پاؤں کے نشان وہاں نہیں ٹھہر سکتے تھے وہ درختوں میں گھومنے لگا۔ یہ درخت بڑے ہی گنجان تھے اور

ان کی شاخیں ایک دوسرے میں پھنسی ہوئی تھیں۔ کئی جگہوں
پر سبز رنگ کے سانپ لٹک رہے تھے۔ عنبر ان سانپوں کے
درمیان میں سے بھی گذر گیا۔ کچھ سانپوں نے عنبر کو ڈس بھی
دیا۔ مگر عنبر پر تو زہر کا اثر ہوتا ہی نہیں تھا۔

اسی طرح پُراسرار عورت کو تلاش کرتے کرتے عنبر جزیرے
کے جنوبی ساحل پر نکل آیا۔ یہ ساحل بھی ویران اور اجاڑ پڑا تھا۔
کم بخت یہاں آدم خور جنگلی بھی نہیں تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ یہاں
کبھی کسی انسان نے قدم نہیں رکھا تھا۔ کوئی جنگلی جانور بھی عنبر
کو ابھی تک نہیں ملا تھا۔ خدا جانے یہاں کے جنگلی درندے
کہاں بھاگ گئے تھے۔ اس نے سوچا کہ واپس چلا جائے۔ تیسرے
پہر پھر تلاش شروع کی جائے گی۔

عنبر واپس ہونے ہی لگا تھا کہ زمین نے ہلنا شروع کر دیا۔
وہ اپنی جگہ پر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ درختوں کے پرندے ایک
دم پھڑپھڑا کر اڑ گئے۔ درخت کانپ رہے تھے۔ یہ زلزلہ تھا
زمین اب دائیں سے بائیں طرف ہل رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی
ایک قیامت خیز گرج فضا میں بلند ہوئی اور ایک زبردست
دھماکے کے ساتھ جزیرے کا آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا۔

عنبر بھاگ کر جنگل سے دُور ساحل سمندر کے پاس آگیا کہ
دور سے آتش فشاں پہاڑ کو دیکھ سکے۔ اُسے موت کا تو کوئی

خوف تھا ہی نہیں۔ زمین ابھی تک ہل رہی تھی اور کئی درخت
جڑوں سے اکھڑ کر گر پڑے تھے۔ سمندر میں بھی اونچی اونچی موجیں
اٹھ اٹھ کر ساحل کی چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ عنبر نے دیکھا
کہ پہاڑ کے دہانے سے آگ اور راکھ کے بادل اوپر اٹھ رہے
تھے۔ راکھ کا بادل تو اوپر آسمان کی بلندیوں تک جا پہنچا تھا۔

پہاڑ میں سے گہرے نارنجی اور سرخ رنگ کا دہکتا ہوا، کھولتا
ہوا لاوا نکل کر نیچے بہہ رہا تھا۔ پہاڑ کی ڈھلان پر اُگے ہوئے
درخت لاوے میں جھلس کر شعلہ بن کر بھڑکتے اور پھر کھولتے
ہوئے لاوے میں ڈوب جاتے۔ اس طرف جنگل میں قیامت مچی
تھی۔ کئی درختوں کو آگ لگ چکی تھی۔

سمندر میں بھی زبردست طوفان آگیا تھا۔ عنبر اسی جگہ ریت
پر لیٹ گیا اور خداوند تعالےٰ سے دعا کرنے لگا کہ وہ اپنی مخلوق
کے گناہ بخش دے اور انہیں معاف کر دے۔

بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر بھی افراتفری مچی ہوئی تھی جہاز
کا لنگر ٹوٹ گیا تھا۔ جزیرے کی طرف بڑی تیز ہوا چلنے لگی
تھی۔ خونی کپتان کو جان و مال کی فکر پڑ گئی۔ اس نے جہاز
کے بادبان کھلوا کر جہاز کا رخ کھلے سمندر کی طرف پھیر دیا۔ وہ
بڑی تیزی کے ساتھ جزیرے سے دور ہو جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ
جزیرے کے اردگرد سمندر میں بھیانک طوفان آگیا تھا۔

زلزلے کے جھٹکے اب کم ہو گئے تھے۔ پہاڑ ایک بار دھماکے سے پھٹ کر خاموش ہو گیا تھا۔ لیکن سمندر میں پہاڑ جتنی موجیں ابھی تک اٹھ رہی تھیں اور جزیرے کے آتش فشاں والے علاقے میں زبردست آگ لگی تھی۔ خونی کپتان بڑی تیزی سے جہاز کو طوفان اور آگ کے سمندر سے نکال کر جزیرے سے کافی دور کھلے سمندر میں لے گیا۔ یہاں سے جزیرے ایک سیاہ دھبے کی شکل میں نظر آرہا تھا۔ جہاں آگ کی ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ کپتان نے اپنے ڈاکوؤں کو حکم دیا۔

"ابھی کچھ روز ہم اسی جگہ ٹھہریں گے۔ تم لوگ آرام کرو۔"

ڈاکو آرام کا سن کر بڑے خوش ہو گئے۔ خونی کپتان جزیرے میں بھاگے ہوئے ڈاکو کو ہلاک کئے بغیر وہاں سے نہیں جانا چاہتا تھا۔

خونی کپتان کڈ

جزیرے پر پھر بادل چھا گئے اور بارش شروع ہو گئی۔ بارش کی وجہ سے جنگل میں لگی ہوئی آگ بجھ گئی اور پہاڑ کی جانب سے اس قسم کی سنسناہٹ کی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی بھڑکتی ہوئی آگ پر پانی ڈال رہا ہو۔ عنبر واپس چٹان کی کھوہ میں آکر بیٹھ گیا۔ وہ خود بھی بڑا پریشان تھا کہ آخر اس جزیرے سے کس طرح باہر نکل سکے گا۔ اسے نہ ماریا ناگ کی کوئی خبر تھی اور نہ اُن کو عنبر کا کچھ پتہ تھا۔ جزیرے پر آدم خور جنگلی لوگ رہتے ہوتے تو وہ اُن کی کشتی لے کر وہاں سے فرار ہو سکتا تھا ویسے تو وہ سمندر میں ہزاروں میل تک تیرتا چلا جا سکتا تھا لیکن یہ تو آخری ترکیب تھی۔ آج پہلی بار تعویذ کے کھو جانے کا دکھ ہوا۔

اصل میں عنبر پراسرار عورت کا پتہ چلائے بغیر جزیرے سے نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ عورت کوئی مصیبت کی ماری ہے اور اسے عنبر کی مدد کی ضرورت ہے۔ جزیرے میں موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور بادل

زور زور سے گرج رہے تھے۔ سمندر کی طوفانی موجیں اس چٹان سے بھی ٹکرانے لگی تھیں۔ جس کے اندر عنبر نے پناہ لے رکھی تھی۔ لیکن اس کی کھوہ چونکہ زمین کی سطح سے کافی اونچی تھی اس لئے اندر تک پانی نہیں آ رہا تھا۔

تیسرے پہر تک بارش ہوتی رہی۔

شام ہو رہی تھی کہ بارش تھم گئی۔ سمندری طوفان بھی رک گیا۔ بادل چھٹ گئے اور نارنجی رنگ کی دھوپ سمندر پر پھیل گئی۔ عنبر چٹان کی کھوہ سے باہر نکل آیا۔ جزیرے کے درخت بارش میں دھل کر چمک رہے تھے۔ اتنی زوردار بارش کے بعد بھی کسی جگہ بھی پانی نہیں کھڑا تھا۔ سارا پانی ریت نے جذب کر لیا تھا۔ عنبر چلتا چلتا ساحل سمندر پر اس جگہ پر آ گیا جہاں وہ پہلی بار سمندر سے نکل کر جزیرے پر آیا تھا۔

یہاں ایک کافی اونچی چٹان کھڑی تھی۔ زلزلے کی وجہ سے اس کا ایک حصہ ٹوٹ کر ریت پر گرا ہوا تھا۔ عنبر جزیرے کے جنگل کو اونچائی سے دیکھنے کے خیال سے چٹان کے اوپر چڑھ گیا۔ اچانک اس کی نگاہ سمندر پر پڑی تو اس نے ایک کشتی کو دیکھا جو دُور سمندر میں آگے بڑھتی ساحل کی طرف آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی عنبر کو دُور سمندر میں بادبانی کے مستول نظر آئے۔ وہ جلدی سے چٹان سے نیچے اتر آیا۔ وہ

چھپ کر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو کشتی لے کر جزیرے کی طرف آ رہے ہیں۔

عنبر چٹان سے دور جنگل میں آ کر ایک درخت کی اوٹ میں چھپ کر کشتی کو دیکھنے لگا جو آہستہ آہستہ غروب ہوتے سورج کی سنہری روشنی میں ساحل کے قریب پہنچ رہی تھی۔ کشتی میں خونی کپتان بڑی سی نیلی ٹوپی پہنے تلوار ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔ چار ڈاکو کشتی چلا رہے تھے۔ عنبر نے ان کی شکلیں دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا کہ وہ بحری ڈاکو ہیں اور جزیرے پر شاید کسی خزانے کی تلاش میں آئے ہیں۔ کیونکہ پرانے سفروں اور مہموں میں وہ اس قسم کے کئی بحری ڈاکوؤں سے نمٹ چکا تھا۔

یہ لوگ جزیروں پر یا خزانہ دفن کرنے، یا خزانہ چوری کرنے اور یا پھل اور میٹھا پانی لینے آتے ہیں۔ ڈاکوؤں نے کشتی ریت پر کھینچ لی۔ خونی کپتان نے جنگل کی طرف تلوار سے اشارہ کیا۔ چاروں ڈاکو کپتان کے پیچھے پیچھے جنگل کی طرف چل پڑے۔ چونکہ ان کے پاس خزانے کا کوئی صندوق نہیں تھا اس لئے عنبر نے یہی نتیجہ نکالا کہ وہ خزانہ دفن کرنے کی بجائے کسی دفن شدہ خزانے کی تلاش میں آئے ہیں۔

چاروں ڈاکو خونی کپتان کے بر کے درخت کے

قریب سے گذرے تو عنبر نے ان کی گفتگو سنی۔ ایک ڈاکو کہہ رہا تھا۔

"سردار! وہ ہماری تلواروں سے بچ کر نہیں جا سکتا۔"
خونی کپتان نے مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر غراتے ہوئے کہا۔

"وہ بچ کر جائے گا بھی کہاں۔ میں اس جنگل کا چپہ چپہ چھان ماروں گا۔"

عنبر سمجھ گیا کہ یہ لوگ اپنے کسی ایسے ساتھی کی تلاش میں ہیں جو ان کے جہاز سے بھاگ کر اس جزیرے میں آ گیا ہے۔ سوال یہ تھا کہ وہ کیوں بھاگا تھا؟ شاید اس نے بحری ڈاکوؤں کے کسی قانون کو توڑا ہوگا۔ یا پھر اس نے کپتان کے حکم کو ٹھکرا دیا ہوگا یعنی بغاوت کر دی ہوگی یا پھر اپنے کسی ساتھی کو قتل کر دیا ہوگا۔ کیونکہ یہ بحری ڈاکو ویسے تو سینکڑوں مسافروں کو بے دریغ قتل کر دیتے ہیں۔ مگر اگر اپنے کسی ساتھی کو قتل کر دیں تو کپتان کے حکم سے انہیں ایک تختے پر کھڑا کر کے بیچ سمندر میں گرا دیا جاتا ہے۔

شاید یہ مفرور ڈاکو موت سے خوف کھا کر جزیرے میں بھاگا ہے۔ ڈاکو اپنے کپتان کے ساتھ آگے نکل گئے۔ کچھ پیچھے رہ کر عنبر نے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ ڈاکو اس جزیرے کے عادی لگتے تھے۔ یوں آسانی سے گھنے درختوں میں چلے جا رہے تھے جیسے اس سے پہلے بھی

وہاں آ چکے ہوں۔ عنبر ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ ان کی آوازیں بڑی اچھی طرح سے سن سکتا تھا۔ کپتان کہہ رہا تھا۔

"آتش فشاں کے پھٹنے سے بڑا بھاری نقصان ہوا ہے۔ ہمارا جہاز غرق ہونے سے بچ گیا۔"

ایک ڈاکو بولا۔ "سردار! اگر ہم عین وقت پر جہاز پیچھے نہ لے جاتے تو خطرہ تھا۔"

کپتان نے گردن اٹھا کر کہا۔

"میرا نام کیپٹن کڈ ہے۔ میں بحری ڈاکوؤں کا شہنشاہ ہوں۔ سارے سمندروں پر میری حکمرانی ہے۔ میں نے ایسے کئی زلزلے طوفان اور آتش فشاں پہاڑ دیکھے ہیں۔ میرا جہاز غرق نہیں ہو سکتا۔"

دوسرے ڈاکو نے کہا۔ "بے شک۔ بے شک سردار! آپ سمندروں کے شہنشاہ ہیں۔ لوگ آپ کا نام سن کر کانپ اٹھتے ہیں۔"

شام چھا جانے سے جنگل میں اندھیرا رات سے پہلے ہی اتر آیا تھا۔ بارش کے بعد یہاں بڑا حبس ہو گیا تھا۔ ہوا بالکل نہیں تھی۔ اچانک آگے آگے چلنے والے ڈاکو نے ایک چیخ ماری۔ ایک سرخ سانپ درخت سے چھلانگ لگا کر اس کے اوپر گرا تھا اور اسے ڈس دیا تھا۔ کپتان نے تلوار کا وار کر کے سانپ کے دو ٹکڑے کر دیئے لیکن ڈاکو مر چکا تھا۔ کیونکہ اس جزیرے کے سانپ بیحد

زہریلے تھے۔

باقی ڈاکو خوف زدہ ہو گئے۔ ایک نے کہا۔

"سردار! میرا خیال ہے رات ہو گئی ہے۔ واپس چلنا چاہیئے۔ ہم صبح پھر تلاش شروع کریں گے۔"

خونی کپتان نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کچھ دیر غور کیا۔ سامنے گھنے درختوں کے درمیان پھیلے ہوئے اندھیرے کو دیکھا جہاں خدا جانے کتنے سانپ ان کی راہ دیکھ رہے تھے۔ پھر پلٹ کر غصے سے بولا۔

"میں اس حرامی کا خون پی جاؤں گا۔ اس کی وجہ سے میرا ایک ساتھی مارا گیا ہے چلو۔ کل صبح پھر اس کی تلاش کریں گے۔"

اور وہ اپنے ساتھی کی لاش اٹھا کر واپس چل دیئے۔

عنبر بھی ان کے پیچھے پیچھے تعاقب کرتا سمندر کے ساحل پر آ گیا۔ یہاں رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ آسمان کھُل گیا تھا اور ستاروں کے ننھے ننھے دیپ روشن ہو گئے تھے۔

یہاں آکر عنبر کو خیال آیا کہ اگر کسی طرح ان ڈاکوؤں کی کشتی چرالی جاتی تو اچھا تھا۔ عنبر کو چاہیئے تھا کہ وہ ڈاکوؤں کا پیچھا کرنے کی بجائے ان کی خالی کشتی لے کر جزیرے کے مشرقی ساحل کی طرف نکل جاتا اور کشتی کو جھاڑیوں میں چھپا

دیتا۔ یہ کشتی اُس کے بڑے کام آ سکتی تھی۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ڈاکو اپنے کپتان کے ساتھ واپس اپنے جہاز پر جانے کے لئے کشتی میں سوار ہو چکے تھے۔

اس وقت عنبر کو ماریا بڑی یاد آئی۔ وہ اگر ہوتی تو بڑی آسانی سے ان ڈاکوؤں کی کشتی میں سوار ہو کر انہیں سمندر میں دھکا دے کر گرا دیتی اور کشتی واپس لے آتی کیونکہ اسے تو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ جبکہ عنبر کو وہ لوگ دیکھ سکتے تھے۔ ویسے عنبر ان لوگوں کو مار کر بھی کشتی پر قبضہ کر سکتا تھا لیکن وہ محض ایک کشتی کی خاطر تین انسانوں کا ناحق خون نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہاں اگر معاملہ زیادہ سنگین ہو جاتا تو وہ ایسا بھی کر سکتا تھا۔ مگر عنبر کے خیال میں ابھی ایسا وقت نہیں آیا تھا۔

ابھی یہ ڈاکو لوگ جزیرے کے آس پاس ہی تھے کیونکہ انہیں اپنے بھاگے ہوئے ساتھی کی تلاش تھی۔ عنبر کو کشتی چُرانے کے کئی موقع مل سکتے تھے۔ بلکہ وہ تو ان کے پورے جہاز پر بھی قبضہ کر سکتا تھا۔ بحری ڈاکوؤں کی کشتی ساحل سمندر سے رات کے پھیلتے اندھیرے میں دور ہوتی جا رہی تھی۔ دُور کافی فاصلے پر سمندر میں بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر شمع کی روشنی ہو رہی تھی۔ کشتی جب عنبر کی نگاہوں

سے اوجھل ہو گئی تو وہ واپس اپنی چٹان والی کھوہ میں آ کر
لیٹ گیا۔ اور پُراسرار عورت اور بھاگے ہوئے ڈاکو کے بارے
میں سوچنے لگا۔ یہ دونوں جزیرے کے گنجان جنگل میں ایک دوسرے
سے بے خبر کہیں چھپے ہوئے تھے اور عنبر کو ان دونوں کی
تلاش تھی۔

جزیرے پر رات گہری ہوتی گئی۔

چاروں طرف موت ایسی خاموشی چھا گئی تھی۔ جزیرے
کے جنگل کے درخت کالے سیاہ بھوت بن کر چُپ چاپ کھڑے
تھے۔ آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے اور تباہی مچانے کے بعد
جنگل کی یہ پہلی رات تھی۔ سناٹا پہلے سے کچھ زیادہ ہولناک
لگ رہا تھا۔ سارا دن آتش فشاں پہاڑ کا دہانہ بڑبڑاتا اور
سسکارتا رہا تھا۔ رات آنے پر وہ بھی خاموش ہو گیا تھا
پُراسرار عورت کی چیخ بھی دوبارہ سنائی نہیں دی تھی۔ عنبر کو
اچانک خیال آیا۔ کہیں وہ لاوے کی آگ میں جل کر ہلاک نہ
ہو گئی ہو؟

لیکن عنبر کا دل نہیں مانتا تھا۔ اس کا دل بار بار یہی گواہی
دیتا تھا کہ وہ بدنصیب عورت زندہ ہے اور اسی جنگل میں کہیں
چھپی ہوئی ہے۔ یہی سوچتے سوچتے عنبر کی آنکھ لگ گئی۔ رات
گذرتی چلی گئی۔ لہروں کا شور بھی مدہم ہو گیا۔ آسمان پر

ستارے خاموشی سے ٹمٹما رہے تھے۔ جزیرے پر قبرستان کی راتوں
ایسی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہوا بالکل بند تھی۔ درختوں پر کوئی
پتا بھی نہیں ہل رہا تھا۔

اس ہیبت ناک سناٹے اور اندھیرے میں ایک سایہ جنگل
سے نکلا اور ساحل سمندر کی طرف بڑھنے لگا۔ اس سائے کے
بال لمبے لمبے اور کھلے تھے۔ سایہ چٹان کے پاس آ کر رک گیا۔
اس نے منہ آسمان کی طرف اٹھایا۔ پھر دونوں ہاتھ یوں پھیلا
دیئے جیسے آسمان سے گرنے والی کسی شے کو آغوش میں لینا ہو
سایہ چٹان کی طرف بڑھا۔

عنبر گہری نیند سو رہا تھا کہ اسے اپنے منہ پر کسی کا گرم
گرم سانس ٹکراتا محسوس ہوا۔ پھر اُس نے اپنے ماتھے پر کسی
انسان کے کھُردرے ہاتھوں کا لمس محسوس کیا۔ اُس نے ہڑبڑا
کر آنکھیں کھول دیں لمبے کھُلے بالوں والا سایہ چھلانگ لگا کر
اس کی کھوہ سے باہر کود گیا۔ عنبر نے بھی لپک کر اس کے
پیچھے بھاگا۔

رات کے اندھیرے میں اُس نے گیلی ریت پر ایک
سائے کو جنگل میں جاتا دیکھا۔ اُس کے لمبے بال لہرا رہے
تھے۔ یہ وہی پُراسرار عورت تھی جس کی تلاش میں عنبر اس
جزیرے میں بیٹھا تھا۔ عنبر اس کے [illegible] کا۔ مگر عورت جنگل

کے گھنے درختوں میں پھیلے رات کے اندھیرے میں گم ہو چکی تھی - اتنے گنجان اور تاریک جنگل میں اس عورت کو تلاش کرنا اگرچہ بے سُود تھا مگر عنبر نے ہمت نہ ہاری اور جنگل میں داخل ہو گیا۔

عین اس وقت جنگل میں سے پُراسرار عورت کی ہولناک چیخ بلند ہوئی جس نے جزیرے کی بھیانک رات کو اور زیادہ بھیانک بنا دیا۔ اس چیخ کی آواز کو سُن کر بحری ڈاکو جو اپنی جان بچا کر جنگل میں بھاگا تھا کانپ اٹھا۔ وہ ایک سخت دل بحری ڈاکو تھا اور نہ جانے اس نے کتنے بے گناہ انسانوں کا خون بہایا تھا۔ لیکن جنگل میں آدھی رات کو ایک عورت کی ڈراؤنی چیخ سن کر اس کے بدن پر بھی لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ جنگل کے بیچ میں ایک اونچے درخت کی گھنی شاخوں میں چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ جب آتش فشاں پہاڑ پھٹا۔ زلزلہ آیا تو بھی وہ اسی درخت کے ساتھ چمٹ کر بیٹھا رہا۔ اُسے معلوم تھا کہ کپتان اس کی جان نہیں چھوڑے گا اور جزیرے میں اسے تلاش کرنے کی پوری کوشش کرے گا۔ اُس نے درخت کی سب سے بلند شاخ پر چڑھ کر دُور سمندر میں کھڑے اپنے جہاز کو بھی دیکھ لیا تھا۔ جب تک یہ جہاز سمندر میں کھڑا تھا اس کی جان خطرے میں تھی۔

عنبر جنگل میں درختوں کے نیچے سے ہو کر چلا جا رہا تھا۔ آج اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ اس عورت کو ڈھونڈھ کر ہی رہے گا۔ اندھیرا تھا۔ رات کافی گذر چکی تھی۔ جنگل پر ہُو کا عالم تھا۔ مگر عنبر بے خوف ہو کر آگے بڑھ رہا تھا۔ آخر وہ ایک ایسی جگہ گھنی جھاڑیوں کے پاس پہنچ گیا۔ جہاں اُسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی جانور تالاب میں پانی پی رہا ہو۔ عنبر آگے بڑھتے بڑھتے رک گیا۔ اس کی چھٹی حس نے کسی بات سے خبردار کر دیا تھا۔ وہ بے حد دبے پاؤں جھاڑیوں کے قریب سے گذر کر آگے آ گیا۔ اس نے اپنا سر شاخوں سے باہر نکال کر دیکھا۔ وہاں ایک چھوٹا سا پانی کا تالاب بنا ہوا تھا اور وہی پُراسرار عورت کا سایہ اس تالاب پر جُھکا چلّو میں ڈال ڈال کر پانی پی رہا تھا۔

عنبر اب اس عورت کو بھاگنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کا شکار اس کے سامنے چند فٹ کے فاصلے پر تھا۔ عنبر نے اپنے جسم کو سکیڑا۔ ذرا سا نیچے کو جھکا اور پھر ایکدم سے اچھلا اور لمبی دس فٹ چھلانگ لگا کر اس پانی پیتے پُراسرار سائے کے اوپر آن گرا۔ گرتے ہی اُس نے عورت کو اپنے سخت بازوؤں میں دبوچ لیا۔ وہ ایک نوجوان اور طاقتور عورت تھی جس کے ناخن جانوروں کی طرح بڑھے ہوئے تھے۔ اس کا سارا جسم ننگا

تھا۔ صرف کمر کے گرد جھاڑیاں اور پتے لپٹے ہوئے تھے اندھیرے
میں اس کی آنکھوں سے وحشت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں
عورت نے جب اپنے آپ کو ایک اجنبی اور طاقتور انسان
کی گرفت میں دیکھا تو بڑا تلملائی۔ اس کے حلق سے وہی
بھیانک چیخ نکل گئی جس نے جنگل کی فضا کو بے حد ڈراؤنا
بنا رکھا تھا۔

لیکن عنبر پر اس چیخ کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا تھا عورت
اس کے قابو میں تھی۔ وہ حلق سے عجیب ڈراؤنی آواز نکال کر
جیسے عنبر کو خوف زدہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔
اپنے پنجوں سے وہ عنبر کا منہ نوچ رہی تھی۔ مگر عنبر کے جسم
پر ہلکی سی خراش بھی نہیں آ رہی تھی۔ عنبر نے اس کے
دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر لے جا کر جھاڑی کی رسّی بنا کر
باندھ دیئے۔ اور پھر اس کی طرف اندھیرے میں غور سے
دیکھا۔ عورت کا رنگ سانولا پڑ گیا تھا لیکن معلوم ہوتا تھا
کہ کبھی گورا ہوگا۔ چہرے پر وحشت برستی تھی اور وہ زخمی
لومڑی کی طرح عنبر پر غرّا رہی تھی۔ جب اس عورت کی ہر
ترکیب ناکام ہو گئی تو اس نے سر جھکا دیا۔

عنبر نے اس سے پوچھا۔

"تم کون ہو؟ یہاں کیسے آ گئیں؟"

عورت نے بہت سہمی ہوئی دھیمی سی آواز میں عربی زبان
میں کہا۔

"میں بغداد شہر کی رہنے والی ہوں۔ میرا نام عمارہ ہے۔"

عنبر اس عورت کی زبان سے عربی میں یہ الفاظ سُن کر
دنگ رہ گیا۔ اس نے بھی عربی زبان میں کہا۔

"میرا نام عنبر ہے۔ میں مصر کا رہنے والا ہوں۔"

اپنی بات کا جواب عربی میں سُن کر اس عورت کے
چہرے پر خوشی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وہ ذرا سا مسکرائی
اور اندھیرے میں اس کے سفید دانت موتیوں کی طرح چمک
اٹھے۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم میرے عرب بھائی نکلے۔ میں کسی
غیر آدمی پر اپنے دل کا حال نہیں کھولنا چاہتی تھی۔ میں
تمہیں ڈرا کر یہاں سے بھگا دینا چاہتی تھی تاکہ میری عزت
محفوظ رہے۔ لیکن تم نے مجھ پر قابو پا لیا۔ تم ایک بہادر
بھائی ہو۔ تم یہاں کیسے آ گئے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"پہلے تم بتاؤ کہ تم بغداد سے اس اجاڑ اور بھیانک
جزیرے پر کیسے آ گئیں ہو؟"

عمارہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

"یہ کہانی میں تمہیں اپنے جھونپڑے میں چل کر سناؤں گی۔"
عنبر نے جیکٹ اتار کر عمارہ کو دی تاکہ وہ اپنے جسم کو
ڈھانپ لے۔ عمارہ نے جیکٹ پہن لی اور عنبر کو ساتھ لے
کر اپنی جھونپڑی کی طرف آگئی۔ اس پُراسرار عورت کی جھونپڑی
جزیرے کے مشرقی کنارے پر گھنے درختوں کے اوپر بنی ہوئی
تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جو درختوں کی مضبوط شاخوں
کو جوڑ کر درخت کی دو بڑی ٹہنیوں کے درمیان بنایا گیا تھا
اوپر جانے کے لئے ایک رسّی لٹک رہی تھی۔

عمارہ نے عنبر سے کہا۔

"کیا تم اس رسّی کو پکڑ کر اوپر چلے جاؤ گے؟"

عنبر نے کہا۔ "میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تم چلو۔"

پراسرار عورت عمارہ بڑی تیزی سے بالکل ٹارزن کی طرح رسّی
کو پکڑ کر درخت پر چڑھ گئی۔ جھونپڑی کے دروازے پر کھڑی ہو کر
اس نے نیچے دیکھا۔ عنبر بھی اسی تیزی سے اوپر چڑھا آ رہا تھا۔

"کیا تم پہلے بھی جنگل میں رہے ہو؟"

"یہ بھی ایک لمبی کہانی ہے۔ بہرحال تم سن کر کیا کرو گی۔ پہلے
یہ بتاؤ کہ جب آتش فشاں پہاڑ پھٹا تو تم کہاں تھیں؟"

عمارہ نے کہا۔ "میں ڈری اور سہمی ہوئی اسی اپنی جھونپڑی
میں چھپی رہی۔"

عنبر نے پوچھا۔ "کیا تمہیں اس جزیرے میں ڈر نہیں لگتا تھا؟"
عمارہ نے جھونپڑی میں دیا روشن کر دیا۔ اس کی روشنی
بڑی دھیمی تھی۔ اس دھیمی روشنی میں عنبر نے دیکھا کہ عمارہ کا
چہرہ وحشی ہونے کے باوجود بڑا بھولا بھالا تھا۔ اس کی
عمر زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال ہوگی۔ عمارہ نے کہا۔

"میں اس جنگل میں سات برس سے رہ رہی ہوں میں
دس گیارہ برس کی ہوں گی کہ میرا باپ ابوصدر جو کہ بغداد
کا مشہور تاجر ہے ہمارے سارے گھر والوں کو لے کر ایک
بادبانی جہاز میں اندلس کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں ہماری ایک
خالہ رہتی ہے۔ جہاز دس روز سمندر میں سفر کرتا رہا۔ میں
بڑی خوش تھی۔ دن بھر جہاز کے ڈیک پر چہکتی پھرتی تھی۔
ایک دن شام ہو چکی تھی۔ سمندر میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔
میں اپنی امّی اور ابّو کو اپنے کیبن میں چھوڑ کر چپکے سے سیر
کرنے اوپر ڈیک پر آگئی۔ اس روز بڑی تیز ہوا چل رہی
تھی۔ ڈیک پر کوئی بھی نہیں تھا۔ کیونکہ سردی بھی کافی تھی۔
میری بدقسمتی کہ میں جہاز کے لکڑی کے جنگلے کے پاس آکر
سمندر کا نظارہ کرنے لگی۔ آسمان پر تارے نکل آئے تھے۔ ہوا
میں میرے کپڑے پھڑ پھڑا رہے تھے۔ پھر مجھے کچھ خبر نہیں کہ
کیا ہوا، ہوا کے ایک جھونکے نے مجھے اٹھا کر سمندر میں پھینک

دیا۔ جہاز پر کسی کو خبر نہ ہو سکی۔ کسی نے مجھے سمندر میں گرتے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے پانی میں گرتے ہی چیخنا شروع کر دیا شور مچایا۔ مگر تیز ہوا میں اُبھرتی لہروں نے بہت جلد مجھے جہاز سے دور کر دیا۔ میں سمندر کے نیچے چلی گئی۔ مجھے غوطہ آگیا اور میں بے ہوش ہو گئی جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک بہت بڑی مچھلی کے اوپر لیٹی تھی۔ یہ ڈولفن مچھلی تھی اور مچھلی سمندر میں تیرتی چلی جا رہی تھی۔ جو سمندر میں گرے ہوئے اکثر انسانوں کو بچا لیتی ہے اور اپنے اوپر بٹھا کر کسی نہ کسی ساحل پر پہنچا دیا کرتی ہے۔ ڈولفن مچھلی مجھے لے کر سمندر میں تیرتی رہی۔ رات گذر گئی۔ دن نکل آیا۔ ڈولفن مچھلی کو سمندر کے سارے راستوں کا پتہ تھا۔ اس نے مجھے دوپہر کے وقت اس جزیرے پر لا کر پھینک دیا۔ ڈولفن مچھلی نے آخری بار مجھے دیکھا اور پھر سمندر میں اتر کر تیرتی ہوئی میری نظروں سے غائب ہو گئی۔ میں اس جزیرے پر اکیلی نڈھال پڑی تھی۔ مجھے اپنے ماں باپ سے بچھڑنے کا بہت صدمہ تھا یہ بھی صدمہ تھا کہ وہ لوگ تو اپنی طرف سے مجھے مار بیٹھے ہوں گے مجھے سخت بھوک اور پیاس لگ رہی تھی۔ آخر تھکی ہاری اٹھی اور اس جنگل میں ڈرتے ڈرتے داخل ہوئی اور پانی اور کھانے کو کچھ پھل تلاش کرنے لگی۔ ایک جگہ مجھے پانی کا تالاب نظر آیا۔ میں نے پانی پیا تو میری جان میں جان آئی۔ پھر ایک درخت کا پھل توڑ کر

کھایا۔ بس وہ دن جائے اور آج کا دن آئے۔ میں سات برس سے اس جزیرے میں رہ رہی ہوں۔ اس دوران میں، میں نے سوائے تمہارے کسی انسان کی شکل نہیں دیکھی۔ تم مجھے پہلے روز ہی نظر آ گئے تھے۔ کیونکہ میں راتوں کو جنگل میں پھرا کرتی تھی۔ میں نے تمہیں ڈاکو سمجھ کر ڈرانے کی کوشش کی۔ مگر تم نہ ڈرے اور آخر مجھے اس جزیرے پر ایک پیارا اور بہادر بھائی مل گیا بس یہ ہے میری داستانِ غم۔ اب تم بتاؤ کہ تم کس طرح اس جزیرے پر آ گئے؟"

عمارہ کی کہانی بڑی دردناک تھی۔ اس کے ماں باپ بغداد میں اس کی موت کا ماتم بھی کر چکے ہوں گے۔ عنبر نے سوچا کہ اس نے اچھا کیا کہ اس عورت کی تلاش جاری رکھی۔ اب وہ اسے کسی نہ کسی طرح اس جزیرے سے نکال کر اس کے ماں باپ کے پاس ضرور پہنچائے گا۔ اپنی کہانی کے بارے میں عنبر نے عمارہ کو صرف اتنا ہی بتایا کہ وہ مصر سے ایک جہاز پر سفر کر رہا تھا کہ جہاز غرق ہو گیا اور وہ ایک تختے پر بیٹھ کر یہاں پہنچ گیا۔

عمارہ

عنبر نے رات کا باقی حصّہ درخت کے اوپر ہی بسر کیا۔

صبح اٹھ کر عنبر نے منہ ہاتھ دھویا۔ پھر عمارہ کو بحری ڈاکوؤں کے جہاز کے بارے میں بتایا جو ساحل سے دور سمندر میں کھڑا تھا۔ عمارہ نے کہا۔

"دھماکوں کی آوازیں میں نے بھی سُنی تھیں۔"

"اور میرا یقین ہے کہ بحری ڈاکوؤں کے کپتان نے ہی وہ فائر کیا ہوگا۔ کیونکہ ان کا ایک بحری ڈاکو جہاز سے بھاگ کر اس جزیرے میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ کپتان اس مفرور ڈاکو کی تلاش میں ہے۔"

عمارہ نے کہا۔ "کیا اس کی تلاش اتنی ہی ضروری ہے۔ کہ کپتان نے یہیں ڈیرہ ڈال لیا ہے؟"

عنبر نے کہا۔ "یہ بات ہمارے لئے بڑی فائدے کی ہے۔ ہم اس طرح اس جہاز پر بیٹھ کر اس جزیرے سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔"

عمارہ بولی۔ "تم شاید بھول گئے ہو عنبر بھائی کہ یہ ایک خونی بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے اور وہ ہمیں قتل کرنے میں ذرا سا بھی لحاظ نہ کریں گے۔"

عنبر کے منہ سے نکل گیا۔

"وہ مجھے نہیں مار سکتے۔ موت میرے......"

پھر وہ اچانک رُک گیا اور بات بدل کر کہنے لگا۔

"میرا مطلب ہے کہ میں ان ڈاکوؤں کے جہاز کی ایک کشتی چرانے کی کوشش کروں گا۔ پھر ہم اس کشتی میں بیٹھ کر یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے۔"

عمارہ کہنے لگی۔ "ترکیب اچھی ہے۔ لیکن اس پر عمل بڑا مشکل ہے یہ ڈاکو لوگ بڑے مکار اور بے رحم ہوتے ہیں۔ ان کی کشتی چرانا کسی سانپ کے منہ سے منکا چرانے والی بات ہے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔ "میری بہن! یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ ہو سکتا ہے میں کشتی کی بجائے اِن خونخوار ڈاکوؤں کے جہاز پر ہی قبضہ کر کے تمہارے پاس جزیرے پرلے آؤں۔"

عمارہ زور سے ہنس پڑی۔

"تم مذاق بھی خوب کرتے ہو عنبر! مگر یہ وقت ان مذاقیہ باتوں کا نہیں ہے۔ ہمیں جلد کوئی ترکیب سوچنی چاہیے۔"

کیونکہ اگر یہ ڈاکو یہاں سے جہاز لے کر چلے گئے تو شاید پھر
برسوں اس طرف کسی جہاز کا گذر نہ ہو اور میرے ساتھ تمہیں
بھی باقی عمر اسی جزیرے پر بسر کرنی پڑے۔

عنبر نے کہا "جب تک وہ مفرور ڈاکو اس جزیرے
میں چھپا ہوا ہے یہ لوگ جہاز لے کر یہاں سے نہیں جائیں گے۔"

عمارہ نے پوچھا "آخر کپتان اس مفرور قیدی کے پیچھے
کیوں پڑا ہوا ہے؟"

عنبر نے کچھ سوچ کر کہا "میرا خیال ہے۔ کپتان نے ضرور
اس جزیرے پر کسی نہ کسی جگہ اپنا خزانہ دفن کیا ہے اور
یہ مفرور ڈاکو خزانے کی جگہ جانتا ہے۔ کپتان نے دو ڈاکوؤں
کو تو ہلاک کر دیا ہوگا اور یہ بھاگ نکلا ہوگا؟"

عمارہ نے کہا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ پستول کے جو
دو دھماکے سنائے دیئے تھے وہ ان ڈاکوؤں پر کئے گئے
فائر کے تھے۔"

"بالکل۔ ایسا ہی ہوا ہوگا" عنبر بولا۔

عمارہ نے پوچھا "تو پھر ہمیں اب کیا کرنا چاہیے؟"

عنبر نے پوچھا "تم اسی جھونپڑی میں چھپی رہو۔ میں کشتی
چرانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور اگر میں کامیاب ہو گیا تو
کشتی کو مشرقی ساحل پر چٹان کے پیچھے چھپا کر تمہیں یہاں
سے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"اور وہ ڈاکو جو اس جنگل میں چھپا ہوا ہے اس کا کیا
بنے گا؟"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ وہ تمہاری جھونپڑی کے پاس
نہیں آئے گا۔ وہ جہاں چھپا ہوا ہے وہاں سے بالکل نہیں
ہلے گا۔"

عنبر نے عمارہ کو وہیں درخت کے اوپر گھنی شاخوں
میں چھپی ہوئی جھونپڑی میں چھوڑا اور خود جنگل سے نکل کر
ساحل سمندر پر آ گیا۔ دن نکل آیا تھا۔ آسمان صاف تھا دھوپ
میں جزیرے کا ساحل چمک رہا تھا۔ دور سمندر میں بحری ڈاکوؤں
کی کشتی بھی مفرور ڈاکو کو گرفتار کرنے بلکہ ہلاک کرنے ساحل
کی طرف چلی آ رہی تھی۔

عنبر نے سوچ لیا کہ جونہی یہ لوگ کشتی چھوڑ کر جنگل میں گم
ہوں گے وہ کشتی اڑا کر لے جائے گا۔ عنبر ذرا فاصلے پر ایک
درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا اور ڈاکوؤں کی کشتی
کو ساحل کی طرف آتے دیکھنے لگا۔ کشتی کو دو ڈاکو چلا
رہے تھے۔ درمیان میں خونی کیپٹن کڈ ہاتھ میں پستول لئے
کھڑا تھا۔

کشتی ساحل پر پہنچ کر رک گئی۔ ڈاکو چھلانگیں لگا کر

کشتی سے باہر نکل آئے۔ کشتی کو انہوں نے چٹان کے
پیچھے ریت پر کھینچ کر چھپا دیا اور خود اپنے کپتان کے
پیچھے پیچھے چلتے جنگل میں داخل ہو گئے۔

عنبر کے لئے یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ جونہی ڈاکو اس
کی نظروں سے اوجھل ہوئے وہ درخت کی اوٹ سے باہر
نکل آیا اور چٹان کے پاس آ گیا۔ کشتی چٹان کی دوسری جانب
ریت پر کھڑی تھی۔ یہ ایک چھوٹی سی کشتی تھی جسے کشتی کی
بجائے ڈونگی کہنا زیادہ بہتر ہو گا۔

کشتی میں بڑی مشکل سے تین آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ دو
چپو کشتی کے اندر ہی پڑے تھے۔ عنبر کشتی کو بڑے آرام
سے کھینچ کر سمندر میں لے آیا۔ لہروں پر آتے ہی عنبر کشتی
میں بیٹھ گیا اور اس نے چپو چلا کر اُسے جزیرے کے مشرقی
ساحل کی طرف کھینچا شروع کر دیا۔

بحری ڈاکوؤں کا سردار خونی کپتان نے جنگل میں داخل
ہوتے ہی ایک ہوائی فائر کر دیا۔ جنگل دھماکے سے گونج اٹھا۔
یہ فائر اس نے اس لئے کیا تھا کہ بھاگا ہوا ڈاکو اس فائر
سے گھبرا کر اپنی وہ جگہ چھوڑ دے جہاں وہ چھپ کر بیٹھا
ہوا ہے۔ مکار بحری کپتان کی یہ ترکیب بڑی کامیاب رہی۔
بھاگا ہوا ڈاکو جنگل کے اندر جس درخت پر چھپ کر بیٹھا

ہوا تھا پستول کے چھرے اتفاق سے اس درخت کے پتوں
سے ٹکرا کر انہیں کاٹتے ہوئے نکل گئے۔ وہ سمجھا کہ سردار
نے اس کا ٹھکانہ دیکھ لیا ہے۔ وہ جھٹ درخت سے نیچے
اتر آیا اور جدھر کو منہ اٹھا اُدھر ہی کو بھاگنا شروع کر دیا۔
اصل میں سردار اس سے کافی دُور پیچھے تھا۔ لیکن چور کے
پاؤں نہیں ہوتے۔ یعنی وہ ذرا سی شے سے گھبرا جاتے تو
پھر وہ کہیں نہیں رُکتا۔ بھاگتے بھاگتے یہ تھک گیا تھوڑی
دیر جنگل میں رکا۔ جیب سے پانی کی بوتل نکال کر دو گھونٹ
پانی پیا۔ آنکھوں میں گرتے پسینے کو گندی آستین سے پونچھا
اور دوبارہ آگے کو دوڑنا شروع کر دیا۔

عمارہ اپنے درخت والے مکان سے نیچے اتر کر تالاب
کے پاس کھڑی اپنے بھیگے ہوئے بالوں کو نچوڑ رہی تھی کہ
اچانک اُس نے جنگل میں کسی کے دوڑنے کی آواز سنی
وہ اچھل کر ایک طرف ہٹ گئی۔ اتنے میں مفرور ڈاکو
اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے اپنا خنجر نکال کر
عمارہ کی گردن پر رکھ دیا اور بولا۔

"مجھے اپنی جھونپڑی میں چھپاؤ۔ تم جنگلی عورت ہو جلدی
کرو نہیں تو میں تمہیں ابھی قتل کر دوں گا"

وہ سمجھ گئی کہ یہ وہی مفرور بحری ڈاکو ہے جس کے

بارے میں عنبر نے اُسے بتایا تھا۔ عمارہ نے کہا۔

"میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ یہ خنجر میری گردن سے ہٹالو۔ میں بھاگ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔"

ڈاکو نے خنجر عمارہ کی گردن سے ہٹا کر اس کی کمر کے ساتھ لگا دیا۔

"میں تم پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔"

عمارہ اُسے لے کر جھونپڑی میں آ گئی۔ ڈاکو نے اوپر چڑھنے کے بعد رسّا اوپر کھینچ لیا۔ یہ دیکھ کر اس کی تسلی ہو گئی کہ جنگلی عورت کی جھونپڑی درختوں میں بڑے مکمل طریقے سے چھپی ہوئی تھی اور وہ درخت کی شاخوں کا ایک حصّہ لگتی تھی۔ ڈاکو عمارہ کے سامنے خنجر کھولے بیٹھا کوئی چیز چبا رہا تھا اور بار بار تھوک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بڑی خونخواری ٹپک رہی تھی۔ عمارہ نے کہا۔

"میں جانتی ہوں تم اپنے جہاز سے بھاگے ہوئے بحری ڈاکو ہو اور تمہارا کپتان تمہاری تلاش میں ہے۔ میں ایک آواز نکال کر تمہیں پکڑوا سکتی ہوں۔"

ڈاکو نے اٹھ کر پوری طاقت سے عمارہ کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ عمارہ الٹ کر فرش پر گر پڑی اور اس کے منہ سے خون بہنے لگا۔ ڈاکو غصّے سے گرجا۔

"تمہاری ایک آواز نکالنے سے پہلے میرا خنجر تمہارے پیٹ میں ہو گا ـــــ"

پھر اس نے عمارہ کے منہ میں اپنا رومال ٹھونس کر اُس کی مشکیں کسیں اور جھونپڑی کے کونے میں ڈال دیا۔ وہ جھونپڑی کی دیوار کی شاخوں میں سے جنگل میں دیکھنے لگا۔ جنگل سنسان تھا کوئی آواز نہیں تھی۔ کہیں کسی انسان کے پاؤں کی چاپ تک سنائی نہیں دیتی تھی۔ ڈاکو بڑا خوش ہوا کہ اُسے جنگل میں چھپنے کے لئے ایک اچھی جگہ مل گئی ہے۔ اس کو خیال آیا کہ یہ عورت اس کی موت کا باعث بن سکتی ہے۔ وہ کسی وقت بھی شور مچا کر سردار کو یا جہاز کے دوسرے ڈاکوؤں کو اپنی طرف بُلا سکتی ہے۔

کیوں نہ اس عورت کا کام تمام کر دیا جائے؟

یہ خیال خونخوار ڈاکو کو بڑا اچھا لگا۔ کسی عورت کو قتل کرنا اس کے لئے کوئی انوکھی یا نئی بات نہیں تھی۔ یہ ایسے ہی تھا۔ جیسے پنڈلی پر چلتی ہوئی کسی چیونٹی کو پکڑ کر مسل دیا جائے۔ اس نے پلٹ کر رسیوں سے جکڑی ہوئی عمارہ کو دیکھا۔ عمارہ نے بھی ڈاکو کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا دیکھ لیا۔ اس کے جسم کا خون خوف سے ٹھنڈا پڑ گیا۔

وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے ابھی اپنے ماں باپ سے جا کر ملنا تھا اور انہیں ڈھیر ساری خوشیاں دینی تھیں۔ مگر

ڈاکو نے خنجر اپنے سیدھے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا اور آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عمارہ کے منہ میں رومال ٹھنسا ہوا تھا، وہ چیخ نہیں سکتی تھی۔ ڈاکو اب ہولے ہولے بڑے مکروہ طریقے سے ہنس رہا تھا۔

"کوئی درد نہیں ہوگا۔ میرا ہاتھ بڑا تیز ہے۔ بس ایک پل میں ساری کہانی ختم ہو جائے گی۔ تمہیں ہلکا سا ایک جھٹکا لگے گا اور تم اگلی دنیا میں پہنچ جاؤ گی۔"

عمارہ اُسے کہنا چاہتی تھی کہ مجھے قتل نہ کرو۔ میں کسی سے کوئی بات نہیں کروں گی۔ تم بے شک میری جھونپڑی میں ساری زندگی رہو۔ میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ مگر وہ کچھ نہ کہہ سکتی تھی۔ زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکال سکتی تھی۔ ڈاکو اس کے بالکل قریب آکر رُک گیا۔ پھر اُس نے خنجر والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور عمارہ کی گردن پر وار کرنے ہی والا تھا کہ نیچے سے عنبر نے آواز دی۔

"عمارہ! عمارہ! کیا تم اوپر ہو؟"

ڈاکو کا ہاتھ وہیں رُک گیا۔ اس کی خونی آنکھیں جدھر سے آواز آئی تھی اُدھر کو گھوم گئیں۔ اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

"کون ہے یہ؟"

لیکن عمارہ کا تو منہ بند تھا۔ وہ کیسے جواب دیتی۔ ڈاکو نے اس کے جواب کا کوئی انتظار نہ کیا اور اوپر سے رسّا نیچے

پھینک کر خود جھونپڑی کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ عنبر نے اوپر سے رسّہ نیچے گرتا دیکھا تو بڑا حیران ہوا کہ عمارہ کہاں ہے۔ پھر خیال آیا کہ شاید وہ اس سے ہنسی مذاق کر رہی ہے اور شرارت سے پیچھے چھپ گئی ہے وہ رسّے کی مدد سے اوپر چڑھنے لگا۔

جونہی وہ جھونپڑی کے دروازے میں داخل ہوا پیچھے سے ڈاکو نے خنجر کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی اور کہا۔

"خبردار! اسی جگہ کھڑے رہو۔ ذرا ہلے تو یہ خنجر تمہاری گردن میں آر پار کر دوں گا۔"

اب عنبر نے جھونپڑی کی سامنے والی دیوار کے ساتھ رسیّوں سے بندھی عمارہ کو بھی دیکھ لیا۔ سمجھ گیا کہ بھاگے ہوئے ڈاکو نے جھونپڑی پر قبضہ جما لیا ہے اور اس کے پیچھے خنجر لیے وہی ڈاکو کھڑا ہے۔ عنبر کا بھلا وہ خنجر کیا بگاڑ سکتا تھا۔ یہ تو ڈاکو کی موت اُسے وہاں لے آئی تھی۔ لیکن عنبر نے ڈاکو پر اپنی خفیہ طاقت کو ظاہر نہ کیا اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ ڈاکو نے پہلے ہی سے رسّی تیار کر رکھی تھی۔ جھٹ عنبر کے ہاتھ پیچھے باندھے اور پھر اسے دھکا دے کر عمارہ کے پاس لڑھکا دیا۔

عنبر نے کوئی مقابلہ نہ کیا۔ لڑھک کر عمارہ کے پاس جا گرا۔

عمارہ کو بھی ابھی تک یہ علم نہیں ہوا تھا کہ عنبر کے اندر کتنی
زیادہ خفیہ طاقتیں ہیں۔ ڈاکو اب ان دونوں کے سامنے
جھونپڑی کے فرش پر ٹانگیں پھیلا کر خنجر ہاتھ میں لئے کھڑا
ہو گیا۔ عنبر کی طرف گہری نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔
"تم دونوں کی جان اب میرے رحم و کرم پر ہے اس
جگہ تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔"
عنبر نے کہا۔ "میں جانتا ہوں تم بحری جہاز سے بھاگے ہوئے
ڈاکو ہو اور تمہارا کپتان کِڈ تمہاری تلاش میں ہے۔"
ڈاکو نے طیش میں آکر کہا۔
"اور اگر تم نے آواز نکال کر کپتان کو بلانے کی کوشش
کی تو یہ خنجر میرے ہاتھ سے اچھل کر سیدھا تمہاری گردن
میں اتر جائے گا۔ اور میرا نشانہ کبھی خطا نہیں گیا۔"
عنبر نے جھوٹ موٹ اس کی منت کرتے ہوئے کہا۔
"میرے بھائی۔ تم جیسا کہو گے ہم اس طرح کریں گے
ہم منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکالیں گے۔ لیکن میری بہن
کے منہ سے کپڑا نکال دو۔"
ڈاکو کے جی میں جانے کیا آئی کہ اس نے عمارہ کے منہ
میں دیا ہوا رومال باہر کھینچ لیا۔ عمارہ نے یہ حماقت کی کہ
حلق سے وہی پراسرار چیخ کی آواز نکال ڈالی۔ ابھی آدھی

چیخ ہی بلند ہوئی تھی کہ ڈاکو اس پر ٹوٹ پڑا۔ عمارہ کی
گردن پر زور سے مکا مارا اور خنجر سے اسے قتل کرنے ہی لگا
تھا کہ عنبر نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ کی رسی توڑ ڈالی
اور ڈاکو کے سینے پر ایک لات ماری۔
ڈاکو دوسری طرف جا گرا۔ عنبر نے اس کے اوپر چھلانگ
لگائی تو چالاک ڈاکو ایکدم نیچے سے نکلا اور خنجر لہرا کر عنبر
کے سینے میں گھونپ دیا۔ مگر وہ پریشان ہو گیا کیونکہ اُسے
ایسے لگا جیسے اس نے کسی پتھر کی سل پر خنجر مار دیا ہو خنجر
اس کے ہاتھ سے ٹوٹ کر گر پڑا۔ وہ کبھی خنجر کو اور کبھی
عنبر کو تکنے لگا۔ چور نے جھٹ اپنے ہاتھ والے ٹوٹے ہوئے
خنجر سے ہی عنبر کی گردن کا نشانہ باندھا اور اُسے زور
سے اچھال دیا۔
خنجر عنبر کی گردن سے ٹکرا کر دور جا پڑا۔ عنبر نے ڈاکو
کو آگے بڑھ کر گردن سے پکڑ کر ایک ہاتھ سے مردہ چوہے
کی طرح اوپر اٹھا لیا۔ ڈاکو اچھا خاصا وزنی اور ہٹا کٹا تھا
لیکن عنبر کے اکیلے ہاتھ میں وہ چوہے کی طرح لٹکا ہوا تھا۔
عمارہ حیران ہو کر عنبر کو تک رہی تھی کہ اس کے بازو میں
اس قدر طاقت کہاں سے آگئی۔ ڈاکو بھی خوف زدہ سا ہو
گیا تھا۔ اسے طاقتور سے طاقتور آدمی نے کبھی اس طرح

ایک ہاتھ سے نہیں اٹھایا تھا۔ عنبر نے ڈاکو کو فرش پر کھڑا کر دیا اور پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"تم نے میری بہن کو شاید تھپڑ مارا تھا۔ کیونکہ میں نے اس کے ہونٹوں پر جما ہوا خون دیکھ لیا ہے۔ تمہیں حساب برابر کرنا ہوگا۔"

اور یہ کہہ کر عنبر نے ڈاکو کے گال پر ایک ہلکا سا تھپڑ مارا۔ اس تھپڑ میں اتنی طاقت تھی کہ ڈاکو الٹ بازی کھا کر فرش پر دور جا گرا اور اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور منہ سے خون جاری ہوگیا۔ عنبر نے اسے گردن سے پکڑ کر اٹھایا اور کہا۔

"میں تمہیں ہلاک بھی کر سکتا تھا۔ تم نے میری طاقت کا اندازہ لگا لیا ہوگا۔ اگر تم نے میرے سوالوں کے ٹھیک ٹھیک جواب دیئے تو میں نہ صرف تمہیں اپنے پاس رکھوں گا بلکہ تمہارے خونی کپتان سے بھی تمہاری جان بچالوں گا۔ بولو۔ کیا کہتے ہو؟"

ڈاکو عنبر سے خوف کھا گیا تھا۔ بڑی نرم آواز میں اپنے ہونٹوں سے بہتا ہوا خون پونچھ کر بولا۔

"تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

عنبر نے عمارہ کے ہاتھ کی بھی رسیاں کھول دیں۔ دونوں ڈاکو کے سامنے بیٹھ گئے۔ عنبر نے پوچھا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ کپتان کِڈ تمہیں کس لئے ہلاک کرنا چاہتا ہے؟"

ڈاکو نے گردن ہلا کر کہا۔ "شاید اس لئے کہ میں نے اپنے ایک ساتھی کو قتل کر دیا ہے۔"

عمارہ نے کہا "تم اصل بات چھپا رہے ہو۔"

عنبر نے کڑک کر کہا۔ "اگر تم نے سچی بات ہمیں نہ بتائی تو میں ابھی تمہاری گردن اتار دوں گا۔"

عنبر ڈاکو کی طرف بڑھا تو اس نے جھٹ کہا۔

"ٹھہرو۔ ابھی بتاتا ہوں۔ لیکن ایک شرط پر۔"

"کون سی شرط؟" عمارہ نے پوچھا۔

ڈاکو نے کہا۔ "خزانے کی دولت ہم تین حصوں میں تقسیم کر کے آپس میں بانٹ لیں گے۔"

عنبر نے تعجب سے پوچھا۔ "کونسا خزانہ؟"

پھر ڈاکو نے بتایا کہ کپتان کِڈ نے جزیرے میں خزانہ دفن کیا ہے اور وہ اس کے پیچھے اس لئے لگا ہوا ہے کیونکہ وہ خزانے کی جگہ سے واقف ہے۔ عنبر اب ساری بات سمجھ گیا تھا۔ اس نے عمارہ کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"عمارہ بہن! سات برس تک اس جزیرے پر دکھ درد سہنے کے بعد تمہیں تمہارا انعام مل گیا۔ یہ خزانہ تمہارا ہوگا۔"

ڈاکو نے غرا کر کہا۔

"ہم اسے برابر برابر تقسیم کریں گے۔"
عنبر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
"کیوں نہیں۔ برابر برابر ہی بانٹیں گے۔ اچھا اب یہ بتاؤ
کہ یہ جزیرہ کس سمندر میں ہے اور یہاں سے قریبی ملک
کون سا ہے؟"
ڈاکو بولا۔ "یہ جزیرہ بحر الکاہل اور بحر اوقیانوس کے سنگم
پر واقع ہے اور سب سے قریبی ملک براعظم افریقہ کا ساحل ہے۔"
وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ جنگل میں بہت قریب فائر
کی آواز سنائی دی۔ ڈاکو ایکدم دیوار کے ساتھ لگ گیا۔
"کیپٹن یہاں پہنچ گیا۔ حرامی!"
ڈاکو غصے اور خوف سے دانت کٹکٹانے لگا۔ عنبر نے کہا۔
"گھبراؤ نہیں۔ اس خونخوار کیپٹن کی لاش اسی جنگل میں
گدھوں کا نوالہ بنے گی۔ تم لوگ خاموشی سے یہاں بیٹھے رہو۔
میں نیچے جاتا ہوں۔"
عمارہ نے چلا کر کہا۔ "نہیں عنبر! تم اپنی جان خطرے
میں نہیں ڈالو گے۔"
عنبر مسکرایا۔
"کاش! میری جان بھی خطرے میں پڑ سکتی اب تو یہ
حسرت ہی رہ گئی ہے دل میں۔"

اتنا کہہ کر عنبر نے رسہ نیچے لٹکایا اور اتر گیا۔ اس کے نیچے
اترتے اترتے خونخوار کیپٹن کڈ اپنے دونوں ڈاکوؤں کے ساتھ
اس کے سر پر پہنچ گیا تھا۔ دونوں ڈاکوؤں نے بھاگ کر عنبر
کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ کیپٹن کڈ نے بھرا ہوا پستول عنبر
کی پیشانی سے لگا کر ریچھ کی آواز میں دھاڑتے ہوئے کہا۔
"ہمارا ڈاکو کہاں ہے؟ بولو۔ بتاؤ۔ نہیں تو میں گولی
چلا کر تمہاری کھوپڑی پاش پاش کر دوں گا۔"
عنبر نے بڑے اطمینان سے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے کھوپڑی کے نشان والے
جہاز پر قبضہ کر لوں تو گولی چلا دو۔ لیکن اگر تم نے اپنی جان
اور اپنا جہاز بچانا چاہتے ہو تو یہ بتاؤ کہ تم نے لوگوں سے
لوٹا ہوا خزانہ کہاں دفن کیا ہے؟"
غصے سے کیپٹن کڈ کا منہ لال ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں سے
جھاگ نکلنے لگا۔ اس قسم کی بات اس نے کبھی کسی سے
نہیں سنی تھی۔ یہ اس کی بہت بڑی بے عزتی تھی۔ اس نے
آؤ دیکھا نہ تاؤ پستول کا گھوڑا دبا دیا۔ ادھر عمارہ یہ سب کچھ
دیکھ رہی تھی۔ پستول کے دھماکے کے ساتھ ہی اس کی چیخ بلند
ہوئی۔ اس کو تو یقین تھا کہ عنبر مر گیا۔ لیکن وہاں ایک اور
ہی ڈرامہ دیکھنے کو ملا۔

اس ڈرامے نے خونی کپتان، دونوں ڈاکوؤں اور عمارہ کو
بھی اس قدر حیرت میں گم کر دیا کہ ان کی آنکھیں پھٹی کی
پھٹی رہ گئیں۔ کیونکہ عنبر اپنے سر میں پستول کی پوری گولیاں
کھانے کے بعد بھی اپنی جگہ پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"احمق کپتان! تم نے اب وہ شئے اپنی آنکھوں سے دیکھ
لی جو میں تمہیں نہیں دکھانا چاہتا تھا"

خونی کیپٹن نے جھٹ تلوار کھینچی اور عنبر کے پیٹ پر
پوری طاقت سے وار کیا۔ یہ دوسرا حملہ تھا جس کے نتیجے میں
وہ سارے کے سارے اور زیادہ حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔
تلوار عنبر کے پیٹ پر لگی تو ٹن کی آواز پیدا ہوئی اور تلوار
ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ عنبر نے کپتان کے ہاتھ پر زور
سے ہاتھ مارا۔ تلوار کا ٹوٹا ہوا حصہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر
دور جا گرا۔ عنبر نے کپتان کو تو کچھ نہ کہا لیکن اس کے ساتھی
ڈاکوؤں کی گردنیں پکڑ کر انہیں آپس میں اس قدر زور سے ٹکرایا
کہ ان کی کھوپڑیاں کھُل گئیں اور بھیجے بکھر گئے۔

دونوں ڈاکو بے جان لاشوں کی طرح زمین پر گرے ہوئے تھے۔
عنبر اپنی ساری خفیہ طاقتوں کے ساتھ کھُل کر سامنے آ گیا
تھا۔ اُس نے کپتان سے بلند آواز میں کہا۔

"کیا اب بھی تم زندہ رہنا نہیں چاہتے؟"

کیپٹن کڈ نے بڑی مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"تم جیت گئے اے جادوگر نوجوان! ضرور تمہارے پاس افریقہ
کا کالا جادو ہے۔ میں تمہارے آگے ہتھیار ڈالتا ہوں۔ تم میرے
خزانے پر قبضہ کر سکتے ہو۔ آؤ میرے ساتھ میں تمہیں بتاتا ہوں
کہ میں نے خزانہ کس جگہ دفن کیا ہے"

اب اوپر والا ڈاکو بھی نیچے آ گیا۔ عمارہ بھی نیچے اتر آئی
تھی۔ یہ سب لوگ جنگل میں اس طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں
خزانہ دفن تھا۔ خونی کپتان کھا جانے نظروں سے ڈاکو کو دیکھ رہا
تھا۔ جنگل میں کافی دور تک سفر کرنے کے بعد جب خونی کپتان
خزانے کی جگہ کے قریب پہنچا تو اچانک آتش فشاں پہاڑ دھاڑ
اٹھا۔ ایک بھیانک گرج فضا میں بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی
زمین بڑے زور سے ہلنے لگی۔ زمین کو ایسا جھٹکا لگا کہ وہ سب
زمین پر گر پڑے۔ ایک اونچا درخت ٹوٹ کر اُن کے اوپر آن
گرا۔ عنبر نے عمارہ کو پکڑ کر دوسری طرف گرا دیا۔

درخت ڈاکو کے اوپر گرا اور وہ کچلا گیا۔ خونی کپتان بچ
گیا تھا۔ اس نے یہ موقع غنیمت جانا اور بھاگ کر جنگل میں گم
ہو گیا۔ عنبر عمارہ کو سنبھال رہا تھا کہ اُس نے دیکھا خونی کپتان
غائب ہے۔ وہ اس کے پیچھے بھاگنے لگا تو اُسے خیال آیا کہ
وہ ڈاکو مر رہا ہے۔ جس کو خزانے کی جگہ علم ہے۔ ڈاکو درخت

کے نیچے کچلا جا چکا تھا۔ اس میں کوئی دم باقی تھا۔
زلزلے کے جھٹکے اب کم ہو گئے تھے۔ آتش فشاں ایک بار پھر پھٹ کر خاموش ہو گیا تھا۔ لیکن اس سے گرنے والے لاوے کے کھولتے دریا نے اردگرد کے جنگل میں ایک بار پھر آگ لگا دی تھی۔ عنبر نے جھک کر ڈاکو کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ ڈاکو آہستہ آہستہ بڑبڑا رہا تھا۔ وہ خزانے کا نقشہ بتا رہا تھا۔ عنبر نے اس کے ہونٹوں کے ساتھ اپنا کان لگا دیا۔

"پچاس قدم۔ پہاڑی۔ نیلے پھولوں کی جھاڑی۔ پتھر۔ گول پتھر —— گول ——"

ایک ہچکی آئی اور ڈاکو کی روح اس کے جسم سے پرواز کر گئی۔ عمارہ بھی عنبر کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ سخت پریشان تھی۔ زلزلے نے اس کے حواس گم کر دیئے تھے۔ وہ بار بار عنبر سے کہہ رہی تھی۔

"ہمیں خزانہ نہیں چاہیے عنبر! خدا کے لئے یہاں سے نکل چلو۔ اس جزیرے سے نکل چلو۔ یہ جزیرہ غرق ہونے والا ہے۔"

عنبر نے کہا۔ "اس نے مرتے مرتے خزانے کی کچھ نشانیاں بتائی ہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔ فکر نہ کرو۔ جزیرہ ابھی غرق نہیں ہو گا۔"

وہاں سے عنبر پچاس قدم شمال کو گیا۔ آگے ایک چھوٹی سی

پہاڑی آ گئی۔ اس کے بائیں جانب نیلے پھولوں والی ایک اونچی جھاڑی اُگی ہوئی تھی۔ اس کے قریب ہی گول گول پتھروں کا ڈھیر پڑا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"یہی وہ جگہ ہے جہاں خزانہ دفن ہے۔"

اس نے ایک جگہ سے پتے ہٹائے تو نیچے سے تازہ کھُدی ہوئی مٹی نکل آئی۔ عنبر نے مٹی ہٹانی شروع کر دی۔ نیچے سے گڑھا نکل آیا اور خزانے کے صندوق کا ایک حصہ نظر آیا۔ عنبر نے خوش ہو کر کہا۔

"عمارہ! یہ دیکھو خزانہ!"

ابھی یہ الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ زلزلے کا ایک ایسا جھٹکا آیا کہ عنبر اور عمارہ اُچھل کر گڑھے سے دس قدم دور جا گرے۔ ایک خوفناک آواز کے ساتھ زمین پھٹ گئی اور خزانے کے صندوق ہزاروں فٹ نیچے زمین کے اندر چلے گئے۔ اگر عنبر اور عمارہ اس جگہ کھڑے ہوتے تو شاید وہ بھی خزانے کے ساتھ ہی زمین کے اندر دفن ہو گئے ہوتے۔ سارے کا سارا جزیرہ جھولے کی طرح ہل رہا تھا۔ عمارہ خوف سے چیخ رہی تھی۔ عنبر نے اُسے اپنے کندھوں پر اٹھایا اور پوری طاقت کے ساتھ جنگل کے درختوں میں ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

بھونچال کے جھٹکے اسے دائیں بائیں جھولا جھلا رہے تھے۔ مگر

عنبر اپنی طاقت کے ذریعے اپنا توازن ٹھیک رکھے ہوئے بھاگے
چلا جا رہا تھا۔ آخر وہ عمارہ کو لے کر جنگل سے باہر نکلنے میں
کامیاب ہو گیا۔ سمندر میں بھی طوفان آیا ہوا تھا۔ پہاڑ ایسی
لہریں اٹھ اٹھ کر ساحل سے ٹکرا رہی تھیں۔ اور چٹانیں اپنی جگہ
سے اکھڑ اکھڑ کر گر رہی تھیں۔ جزیرے کے جنوب میں آتش فشاں
پہاڑ کے لاوے نے آگ لگا رکھی تھی۔ یہ آگ سارے جنگل میں
پھیل رہی تھی۔ درخت ٹوٹ ٹوٹ کر جڑوں سے اکھڑ اکھڑ کر
گر رہے تھے۔ عنبر نے عمارہ کو ریت پر اتار کر کہا۔

"میرے ساتھ بھاگو۔"

وہ عنبر کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگی۔ بھونچال کا زور کم ہو گیا
تھا لیکن آگ بڑی تیزی سے سارے جنگل کو اپنی لپیٹ میں
لے رہی تھی۔ پہاڑ میں رہ رہ کر دھماکے ہو رہے تھے اور لاوا
کئی کئی ہزار فٹ اوپر اچھل کر کھولتا ہوا، دہکتا ہوا، سسکارتا
ہوا جنگل کے درختوں پر گر رہا تھا اور آگ لگاتا، آگ پھیلاتا
جا رہا تھا۔ عنبر عمارہ کو لے کر اس جگہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا
جہاں اس نے ڈاکوؤں کی اغوا کی ہوئی کشتی چھپا رکھی تھی۔
اس نے کشتی کو کھینچ کر سمندر میں ڈالا۔ عمارہ کو اٹھا کر کشتی
میں بٹھایا ہی تھا کہ جنگل میں سے لاوے کا کھولتا ہوا گرم آگ
کے شعلے بلند کرتا ہوا دریا بڑی تیزی سے بہہ کر اُسکی طرف آنے لگا۔

عمارہ خوف سے بے ہوش ہو گئی۔

عنبر نے چپو نکال کر کشتی کو پوری طاقت سے کھینا شروع
کیا۔ لاوے کا دریا، آگ کا دریا سمندر میں آ کر گرا تو ایک
اور دھماکہ ہوا اور سمندر کی اگلی لہریں بخارات اڑاتی
اُبلتی ہوئی پیچھے کو دوڑیں۔ عنبر اس دوران میں کشتی کو سمندر
میں کافی دُور لے گیا تھا۔ کشتی چھوٹی اور ہلکی تھی۔ وہ واپس
جاتی ایک بڑی لہر کے ساتھ ہی ساحل سے کافی دور نکل گئی
عنبر تیز تیز چپو چلا کر کشتی کو کھلے سمندر میں لے آیا۔ اُس نے
جزیرے کی طرف دیکھا۔ وہاں سوائے آگ کے شعلوں کے
اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ دُور سمندر میں کافی فاصلے پر
بحری ڈاکوؤں کا جہاز واپس جا رہا تھا۔

خونی کیپٹن کِڈ سمندر میں تیر کر اپنے جہاز پر پہنچ گیا تھا۔

عمارہ کشتی میں بے ہوش پڑی تھی۔ آگ میں لپٹا ہوا
جزیرہ اب دُور سے ایک دہکتا ہوا انگارہ لگ رہا تھا۔ کشتی
سمندر میں کسی نہ معلوم ساحل کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی۔
تھوڑی دیر بعد بحری ڈاکوؤں کا جہاز بھی نظروں سے اوجھل
ہو گیا۔ اور پھر جزیرے کا دہکتا ہوا انگارہ بھی دکھائی دینا بند
ہو گیا۔ عنبر نے اب غور کیا تو اُسے محسوس ہوا کہ اس کے پاس
عمارہ کو پلانے کے لئے نہ تو پانی ہے اور نہ کوئی پھل کہ جس

سے وہ اپنی بھوک مٹا سکے۔ کیونکہ ابھی کچھ اندازہ نہیں تھا کہ انہیں کب تک سمندر میں بے یار و مددگار سفر کرنا پڑے۔

دن غروب ہونے لگا۔ عنبر نے عمارہ کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اُسے ہوش آگیا۔ مگر اس کی آنکھوں سے اب بھی وحشت ٹپک رہی تھی۔ اس نے چاروں طرف سمندر ہی سمندر دیکھا تو ایک بار پھر غش کھا کر عنبر کی گود میں گر پڑی۔ عنبر نے اُسے بڑے آرام سے کشتی میں ایک طرف لِٹا دیا اور خود چپّو چلانے شروع کر دیئے۔ سورج ڈوب گیا۔ سمندر پر رات کا اندھیرا چھا گیا۔ سیاہ کالے سمندر کے آئینے میں ستاروں کا عکس جھلملانے لگا۔ عنبر نے چپو ایک طرف رکھ دیئے اور ٹیک لگا کر سوچنے لگا کہ اس کی منزل کہاں ہوگی ؟ اُسے ایک بار پھر ناگ اور ماریا کا خیال ستانے لگا جو پیرس کے ہوٹل میں عنبر کا انتظار کر رہے تھے اور جن کے بارے میں عنبر کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ عمارہ ابھی تک سو رہی تھی۔ سورج کی پہلی روشنی کے ساتھ ہی عنبر نے دُور ایک بادبانی جہاز کو اپنی طرف آتے دیکھا تو سوچنے لگا کہ کہیں یہ بھی بحری ڈاکوؤں کا جہاز نہ ہو۔

- وہ جہاز کن کا تھا ؟
- عنبر اور عمارہ کا سمندری سفر کہاں جا کر ختم ہوا ؟
- ناگ اور ماریا پر پیرس میں کیا گذری ؟
- وہ عنبر سے کن حالات میں آکر ملے ؟
- ان سوالوں کے جواب آپ کو اسی سیریز کی قسط نمبر ۸ " سانپ کا انتقام " میں ملیں گے۔

سانپ کا انتقام
اے حمید
PDFBOOKSFREE.PK

سانپ کا انتقام

اے۔ حمید

قیمت : -/۴ روپے

ترتیب و پیشکش

محمد ارشد

پاکستان ورچوئل لائبریری

پیارے دوستو!

عنبر بے ہوش عمارہ کے ساتھ سمندر میں بے یار و مددگار ایک کشتی میں بہہ رہا ہے کہ اُسے ایک بادبانی جہاز دکھائی دیتا ہے۔ عنبر جب جہاز پر پہنچتا ہے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ اس جہاز پر ایک بھی ملاح اور مسافر نہیں ہے۔ سارے کا سارا جہاز خالی ہے۔ اس کے بادبان پر ایک انسانی لاش لٹک رہی ہوتی ہے۔ عنبر جہاز کے نیچے جاتا ہے تو اسے ایک سایہ دکھائی دیتا ہے۔ عنبر سائے کے تعاقب میں اس کے پیچھے جاتا ہے تو اسے ایک بھیانک مگر دردناک آواز سنائی دیتی ہے جو مدد کے لئے پکار رہی ہے۔ عنبر آواز کے پیچھے جاتا ہے اور جہاز کے سب سے نچلے حصے میں پہنچ جاتا ہے۔ یہاں اندھیرا ہے اور اسے کسی جانور کے زور زور سے سانس لینے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ وہ اندھیرے میں چھپ جاتا ہے کہ اچانک ایک بجلی سی کوندتی ہے اور وہی سایہ چمک کر اس کی آنکھوں کے آگے سے نکل کر بھاگتا ہے۔ عنبر اوپر آتا ہے تو اس کی دوست عمارہ غائب ہوتی ہے۔ وہ سارا جہاز تلاش کرتا ہے۔ عمارہ کہیں نہیں ملتی۔ آدھی رات کو وہ چاند کی پُراسرار روشنی میں دور ایک پہاڑی پر روشنی دیکھتا ہے۔ اس کے آگے آپ خود پڑھیے گا۔

ترتیب

لاش کا راز

پُراسرار بادبانی جہاز قریب آرہا تھا۔

دن کی روشنی میں اس کے سفید بادبان ہوا میں پھول کر چمک رہے تھے۔ سمندر کی لہریں پُرسکون تھیں۔ جہاز جب قریب آیا تو عنبر نے دیکھا کہ اس کے عرشے پر کوئی ملاح یا مسافر نہیں تھا۔ اس نے سوچا شاید مسافر اور ملاح ابھی سو رہے ہوں۔ لیکن دن کافی نکل آیا تھا اور ملاح اتنی دیر تک نہیں سویا کرتے۔ عنبر کی کشتی جہاز کے سامنے سے گذری تو اس نے جہاز کے بادبان کے ساتھ ایک انسانی لاش لٹکتی ہوئی دیکھی جس کے گلے میں پھندا پڑا تھا۔ عنبر چپو کھیتا کشتی کو جہاز کے پہلو میں لے آیا۔ جہاز کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بادبانوں میں بھری ہوئی ہوا کے زور سے اپنے آپ سمندر میں بہا چلا جا رہا ہے۔

عنبر حیران تھا کہ یہ لاش کس لئے جہاز پر لٹک رہی ہے؟ اس کو خیال آیا کہ ہو سکتا ہے یہ جہاز بحری لٹیروں کا ہو اور

اُنہوں نے کسی ملاح کو پھانسی کی سزا دے کر بادبان کے ستون
سے لٹکا دیا ہو۔ مگر بحری بیڑوں کے بادبان سفید نہیں ہوا
کرتے۔ اور پھر ان کے جہاز پر انسانی کھوپڑی والا جھنڈا لہرا رہا ہوتا
ہے۔ پھر اس لاش کا راز کیا تھا؟

یہ جہاز خالی خالی کیوں تھا؟

عمارہ جاگ چکی تھی۔ عنبر نے اُسے سارا حال بیان کیا اور کہا
کہ وہ کشتی کو جہاز کے ساتھ لگا کر جہاز پر چڑھنے کی کوشش کرے
گا۔ چلتے جہاز پر چڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن عنبر نے یہ خطرہ مول
لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ
عمارہ کو ساتھ لے کر زیادہ دنوں تک بے یار و مددگار سمندر
میں سفر نہیں کر سکتا تھا۔ اُسے ایک جہاز کی ضرورت تھی عمارہ
ڈر رہی تھی۔ وہ ایسے جہاز پر نہیں جانا چاہتی تھی۔ جس کے
اوپر انسانی لاش لٹک رہی ہو اور جس میں نہ کوئی مسافر
دکھائی دے رہا ہو اور نہ کوئی ملاح!

لیکن عنبر نے کہا۔

"تمہیں میرے ہوتے ہوئے گھبرانے کی ضرورت
نہیں ہے۔ ہم اس جہاز پر چل کر معلوم کریں گے کہ
یہ جہاز کس کا ہے اور کہاں جا رہا ہے۔"

جہاز کے پہلو میں ایک موٹا رسّہ لٹک رہا تھا۔ اس کا سرا

سمندر کی لہروں کے تھوڑا اوپر ہی تھا۔ عنبر کشتی کو اُس کے
قریب لے گیا اور رسّے کو لپک کر پکڑ لیا۔ رسّے کے پکڑتے ہی
کشتی کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور اس کی رفتار جہاز کے برابر
ہو گئی۔ عنبر نے جلدی سے رسّے کو کشتی کے ساتھ باندھ دیا
اور عمارہ سے بولا۔

"میں اس رسّے کی مدد سے جہاز کے اوپر جا رہا ہوں
میرے پہنچنے کے بعد تمہیں بھی اسی رسّے کے ذریعے
اوپر آنا ہو گا۔"

عنبر نے رسّے کو دونوں ہاتھوں میں پکڑا اور پاؤں جہاز
کے لکڑی کے پیندے سے لگا کر اوپر چڑھنے لگا۔ عرشے پر پہنچ
کر اُس نے جہاز کے خالی عرشے پر ایک نگاہ ڈالی۔ وہاں کوئی
بھی نہیں تھا۔ ویرانی سی چھائی تھی۔ اُس نے عمارہ کو اوپر
آنے کا اشارہ کیا۔

عمارہ نے سات برس جنگل میں درختوں پر الانگتے پھلانگتے
گزارے تھے۔ وہ رسّہ پکڑ کر بڑی جلدی سے اوپر چڑھ آئی۔

"عنبر بھائی! یہ جہاز تو بالکل خالی ہے۔"

"ہاں — یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں کہ اس کی
وجہ کیا ہو سکتی ہے۔"

وہ لٹکی ہوئی لاش کے نیچے جا کر کھڑے ہو گئے۔ لاش کو

دیکھتے ہی عمارہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ عنبر نے اسے تسلی دی
وہ خوف زدہ ہو رہی تھی۔ لاش کی حالت خراب تھی۔ گوشت
گل سڑ گیا تھا اور جگہ جگہ سے سفید ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔
کھوپڑی ننگی تھی اور ناک اور آنکھوں کی جگہ سوراخ بنے ہوئے
تھے۔ عنبر نے عمارہ سے کہا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔ میں اس جہاز کے نیچے جا کر معلوم
کرتا ہوں کہ ملاح کہاں ہیں اور یہ جہاز خالی کیوں
ہے ـــــ"

عمارہ نے کہا۔

"مجھے ڈر لگتا ہے۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

عنبر عمارہ کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اُسے
کچھ علم نہیں تھا کہ نیچے جا کر اس کے ساتھ کیسے واقعات پیش
آتے ہیں۔ اس نے عمارہ کو عرشے پر ایک جگہ ترپال کے پیچھے
بٹھا کر کہا۔

"عمارہ بہن تمہارا نیچے جانا ٹھیک نہیں۔ خدا جانے نیچے
کوئی خونخوار بلا ہو یا ڈاکو گھات لگائے بیٹھے ہوں
میں تو مر نہیں سکوں گا لیکن تمہیں نقصان پہنچ سکتا
ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ یہاں ٹھہر کر میرا
انتظار کرو۔"

عمارہ نے بے تابی سے کہا۔

"زیادہ دیر نہ لگانا تم۔"

"نیچے جا رہا ہوں کسی دوسرے شہر نہیں جا رہا بس
ایک دو منٹ میں اوپر آ جاؤں گا۔"

عمارہ کو عرشے پر ترپال کے آڑ میں چھوڑ کر عنبر جہاز کے نیچے
اُتر گیا۔ یہ جہاز زیادہ بڑا نہیں تھا۔ نیچے صرف ایک منزل تھی
جہاں ایک جگہ گودام میں ناریل کا ڈھیر پڑا تھا۔ لکڑی کے
دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ ان میں لکڑی کی گول میزیں اور
تخت بچھے تھے۔ چھت سے فانوس لٹک رہے تھے۔ مگر انسان یہاں
بھی کہیں دکھائی نہ دیتے تھے۔

باورچی خانے میں کھانے پینے کی چیزیں پڑی تھیں۔ کنڈوں سے
سوکھی مچھلیوں اور پیاز کے چھیکے لٹک رہے تھے۔ کونے میں
پانی کا بڑا ٹھل بھرا ہوا تھا۔ چولہے ٹھنڈے پڑے تھے صرف
ایک چولہے میں راکھ ابھی تک گرم تھی۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا
کہ یہ آگ دو دن پہلے جلی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دو دن
پہلے اسی جہاز پر لوگ موجود تھے۔

عنبر کپتان کے کیبن میں آ گیا۔ یہ چھوٹا سا نیچی چھت والا کمرہ
تھا۔ درمیان میں گول میز اور کرسیاں بچھی تھیں۔ اوپر شمع دان
جھول رہا تھا۔ دیوار کے ساتھ تپائی پر تانبے کا ایک بڑا جگ اور

گلاس پڑے تھے۔ یہاں کوئی ایسی چیز عنبر کو دکھائی نہ دی جس سے
یہ پتہ چل سکتا کہ اس جہاز کے لوگ کہاں گم ہو گئے ہیں۔

عنبر کپتان کے کیبن سے نکل کر باورچی خانے کے سامنے
سے ہو کر اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھنے لگا تو اسے ایسی
آواز سنائی دی جیسے کسی نے کیبن کا دروازہ کھول کر زور سے
بند کیا ہو۔ وہ وہیں رُک گیا۔ اس نے پلٹ کر جدھر سے آواز
آئی تھی اُدھر دیکھا۔

غلام گردش سنسان تھی۔ اسے یوں لگا جیسے ایک سایہ
کپتان کے کمرے سے نکل کر گودام کی طرف گیا ہے۔ عنبر گودام
کی طرف آ گیا۔ گودام کا دروازہ بند تھا۔ اُس نے کھولنا چاہا۔
لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اندر کوئی ہے۔
عنبر نے آواز دی۔

"اندر کون ہے؟ باہر آؤ۔"

کوئی جواب نہ آیا۔ عنبر نے دو تین آوازیں دیں۔ وہی خاموشی چھائی
رہی۔ عنبر نے زور لگا کر دروازے کے اندر والی چٹخنی توڑ ڈالی۔
دروازہ چوپٹ کھل گیا۔ عنبر جلدی سے گودام کے اندر آ گیا۔ یہاں
کوئی بھی نہیں تھا۔ گودام بالکل خالی تھا۔ کوئی بھی چیز وہاں
نہیں تھی۔ نہ کوئی سامان اور نہ کوئی انسان۔ تو پھر اندر سے
کنڈی کس نے لگائی تھی؟ خالی جہاز کا راز اور زیادہ گہرا

ہوتا جا رہا تھا۔ دروازہ کس نے زور سے بند کیا تھا۔ وہ سایہ
کس کا تھا جو گودام کی طرف بھاگا تھا؟

عنبر کچھ سوچ کر کپتان کے کیبن کی طرف بڑھا۔ کیبن کا
دروازہ اب کسی نے اندر سے بند کر رکھا تھا۔ عنبر نے دروازے
پر دستک دی۔ پھر کہا۔

"اندر جو کوئی بھی ہے دروازہ کھولے۔"

اندر سے کسی کے زور زور سے سانس لینے اور خرخرانے
کی آواز آئی۔ عنبر نے دھکا مار کر دروازہ کھول دیا۔ وہ لپک کر
کیبن کے اندر آ گیا۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ کیونکہ کپتان کا کیبن
ویسے ہی خالی تھا جیسا کہ وہ اُسے چھوڑ کر گیا تھا۔ مگر سوال یہ تھا
کہ ابھی ابھی جو کسی کے زُور زُور سے سانس لینے اور خرخرانے
کی آواز آ رہی تھی وہ کون تھا؟ عنبر کی سمجھ میں کچھ نہیں آ
رہا تھا کہ یہ راز کیا ہے۔

اب اسے عمارہ کا خیال آیا کہ وہ اوپر اکیلی بیٹھی ہو گی۔ وہ
پہلے ہی گھبرا رہی تھی۔ چل کر اس کی خبر لینی چاہیے۔ عنبر سیڑھیاں
چڑھ کر جہاز کی سب سے اوپر والی منزل کے عرشے پر آ گیا۔
بادبان پر اوپر لگی سڑی انسانی لاش اسی طرح لٹک رہی تھی۔
ترپال کے قریب جا کر عنبر نے دیکھا کہ عمارہ وہاں نہیں ہے اس
نے دل میں کہا کہ اسے منع بھی کیا تھا کہ اپنی جگہ چھوڑ کر مت

جانا۔ عنبر نے عمارہ کو آوازیں دیں۔ کوئی جواب نہ آیا۔ سوائے
سمندر کی لہروں کی دھیمی دھیمی سرگوشیاں کے وہاں کوئی آواز نہیں
تھی۔ عنبر پریشان سا ہو گیا کہ عمارہ کہاں چلی گئی ؟

اسے خیال آیا کہ کہیں وہ اس کے پیچھے پیچھے نہ اتر گئی ہو۔ وہ
دوبارہ جہاز کی دوسری منزل میں آ گیا۔ اس نے ایک ایک جگہ چھان
ماری۔ عمارہ کو آوازیں بھی دیں لیکن وہ کہیں نہیں تھی۔ جیسے
اسے سمندر نے نگل لیا تھا۔ عنبر نے سارا جہاز دیکھ مارا۔ عمارہ کا
کچھ پتہ نہ چلا۔ عنبر کی تشویش اور بڑھ گئی۔ وہ کہاں گم ہو سکتی تھی؟
اگر کسی نے اُسے اٹھا لیا ہے اور وہ اُسے اٹھا کر کہاں لے گیا ؟
آخر اُسے اسی جہاز میں ہونا چاہیے تھا۔

لیکن جہاز میں تو عمارہ کہیں نہیں تھی۔ سارے کا سارا جہاز
خالی پڑا تھا اور ہوا میں پھولے ہوئے بادبان اُسے سمندر کی
لہروں پر کسی نامعلوم منزل کی طرف لئے جا رہے تھے۔ عنبر عرشے
پر چل کر عمارہ کو ایک بار پھر تلاش کرنے کے خیال سے اوپر جانے
والی سیڑھی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس کے کانوں میں پھر وہی
زور زور سے سانس لینے اور خرخرانے کی آواز آئی۔

عنبر نے راہداری میں دونوں جانب دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں
تھا۔ راہ داری سنسان پڑی تھی۔ یہ آواز کہاں سے آ رہی تھی ؟
عمارہ کہاں غائب ہو گئی ؟ یہ دونوں سوال عنبر کے دماغ میں

بھوت بن کر ناچ رہے تھے اور اس کے پاس ان سوالوں کا
کوئی جواب نہیں تھا۔ اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ان
سوالوں کا جواب حاصل کر کے رہے گا۔ وہ عمارہ کے گم ہونے
اور آسیبی جہاز کا راز حل کر کے چھوڑے گا۔

عین اس وقت عنبر کو ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی بڑے
دردناک لہجے میں کسی کو آوازیں دے رہا ہو۔ آواز بھاری تھی
اور کسی مرد کی لگتی تھی۔ جیسے کوئی بڑی تکلیف میں ہو اور مدد
کے لئے پکار رہا ہو۔ آواز دوسری منزل سے بھی نیچے سے آ رہی تھی۔
عنبر نے وہ راستہ تلاش کرنا شروع کیا جو نیچے جاتا تھا۔ اُسے
یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی راستہ نیچے ضرور جاتا ہو گا۔ کیونکہ اس
قسم کے جہازوں کے نیچے ایک سرنگ قسم کی لمبی گلی ہوتی ہے۔
جہاں زنجیروں میں جکڑے ہوئے غلام اُس وقت چپو چلاتے ہیں
جب سمندر میں ہوا بند ہونے سے بادبان بیکار ہو جاتے ہیں۔
اور وہ جہاز کو ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے۔

راہ داری کے کونے میں عنبر کو ایک گول سوراخ مل گیا
جس کے نیچے رسی لٹک رہی تھی۔ عنبر نے کان لگا کر سُنا۔ وہ
دردناک آواز اسی سوراخ میں سے آ رہی تھی۔ عنبر نے سوراخ
کے اندر جھانک کر دیکھا۔ نیچے ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ اس نے غور
سے سُنا۔ آواز کسی انوکھی زبان میں تھی۔ لیکن عنبر اُسے سمجھ رہا

تھا۔ آواز بار بار بڑے دردیلے انداز میں مدد کے لئے کسی کو بُلا رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی سخت تکلیف میں ہے۔ عنبر نے سوراخ کے پاس منہ لے جا کر کہا۔

"تم کون ہو؟"

عنبر کے اس سوال پر نیچے تہہ خانے میں اچانک خاموشی چھا گئی۔ عنبر نے تین چار بار آوازیں دیں مگر نیچے سے کوئی جواب نہ آیا۔ دردناک آواز آنی بھی بند ہو گئی۔ عنبر رسّی کی مدد سے نیچے اتر گیا۔ یہ ایک لمبی سُرنگ تھی جس کی چھت عنبر کے سر کو چھو رہی تھی۔ دونوں طرف جہاز کے پیندے میں چھوٹے چھوٹے گول سوراخ تھے جن میں لمبے لمبے آدھے چپّو باہر سمندر کی طرف نکلے ہوئے تھے۔ لکڑی کے تختوں پر چپّو چلانے والے غلاموں کی جگہ بنی تھی مگر وہاں کوئی غلام ملاّح نہیں تھا۔ درمیان میں ایک جگہ نوبت رکھی تھی جس کی دُھن پر ملاّح چپّو چلاتے ہیں عنبر حیرانی میں کھو گیا کہ یہاں کے ملاّح بھی کہاں غائب ہو گئے ہیں؟ وہ گوریلے کی خرخرانے کی آواز اور پھر دردناک آواز کس کی تھی؟ وہ چیخ کس کی تھی؟ یہ سب کچھ کیا معمّہ ہے؟

جہاز لہروں پر ڈولتا ہوا سمندر میں بہا چلا جا رہا تھا عمارہ کہاں گم ہو گئی تھی؟ جہاز کے اوپر لاش کس نے لٹکائی تھی؟ اس جہاز کا کپتان اور عملہ کہاں تھا؟ عنبر کی سمجھ میں کچھ نہیں

آ رہا تھا۔ عنبر واپس جانے کے لئے مُڑا۔ وہ رسّی کی مدد سے اوپر چڑھنے ہی لگا تھا کہ ایک بلّی کی دل ہلا دینے والی ڈراؤنی چیخ بلند ہوئی اور پھر ایک زرد آنکھوں والی کالی بلّی کسی کونے سے نکل کر اُچھلی اور عنبر کے سر پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے عنبر کی کھوپڑی کو اپنے خونی پنجوں میں جکڑ لیا تھا اور اسے اپنے پنجوں سے کھُرچنے کی جان توڑ کوشش کر رہی تھی۔

اگر عنبر کی جگہ کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو اس خونخوار بلّی نے اس کی کھوپڑی بیچ میں سے کھول دی ہوتی اور بھیجہ چٹ کر لیا ہوتا۔ عنبر چونکہ عام انسان نہیں تھا۔ اور اس کی کھوپڑی تو گویا چٹان کے پتھروں کی بنی ہوئی تھی اس لئے بلّی اپنے مقصد میں ناکام رہی۔ بلّی بھی اپنے دل میں ضرور حیران ہوئی ہوگی کہ یہ کس قسم کی کھوپڑی ہے کہ اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا۔

عنبر نے ہاتھ مار کر بلّی کو نیچے گرا دیا۔

کالی بلّی الٹ کر لکڑی کے فرش پر گری اور وہیں گم ہو گئی۔ عنبر اس تاریک غار سے نکل کر جہاز کی دوسری منزل پر آ گیا۔ وہ ڈیک پر آنے کے لئے سیڑھیوں کی طرف بڑھا تو اُسے پھر ایک سایہ کپتان کے کیبن سے نکل کر گودام کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ عنبر نے عمارہ کو آواز دی۔

"عمارہ! کیا یہ تم ہو؟"

جواب میں وہی گہری خاموشی تھی۔ عنبر گودام میں گھس گیا۔
یہاں اس نے ایک ایسا منظر دیکھا کہ اس کے رونگٹے کھڑے ہو
گئے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے گودام کے فرش پر ایک آدمی
کی تازہ کھائی ہوئی لاش پڑی تھی۔ عنبر دھک سے رہ گیا۔ پہلا
خیال اُسے یہ آیا کہ کہیں یہ عمارہ کی لاش تو نہیں ہے۔ گودام کی
دیوار کے گول سوراخ میں سے دن کی روشنی آرہی تھی۔ عنبر نے
اس روشنی میں جھک کر دیکھا۔ لاش ایک مضبوط بدن والے ہٹے
کٹے ادھیڑ عمر آدمی کی تھی جس کی ڈاڑھی گھنی تھی اور گلے میں
سونے کی زنجیر تھی۔ عنبر کو اس نتیجے پر پہنچنے میں دیر نہ لگی کہ یہ
جہاز کے کپتان کی لاش تھی۔ لاش کا ایک بازو اور ایک پوری
ٹانگ کھائی ہوئی تھی۔ گردن پر گول سوراخ تھا جہاں خون جما
ہوا تھا۔ صاف لگتا تھا کہ یہاں سے کپتان کا خون پیا گیا ہے۔

جادو کا محل

عنبر مدھم روشنی میں لاش کو غور سے دیکھتا رہا۔
یہ کوئی بڑا ہی خونی قسم کا آسیبی جہاز تھا۔ عنبر کو صرف عمارہ
کی طرف سے پریشانی تھی کہ وہ کہاں گم ہوگئی ہے۔ کہیں اس پر
کوئی مصیبت نہ ٹوٹ پڑی ہو۔ جس آسیب کا اس جہاز پر سایہ
بلکہ قبضہ تھا کہیں وہ اُسے بھی ہڑپ نہ کر گیا ہو۔ مگر پھر عمارہ
کی لاش کہاں تھی؟ عنبر جتنا سوچتا معاملہ اور زیادہ الجھ جاتا
تھا۔ وہ پریشان ہوگیا تھا اور اب جلدی سے جلدی اس جہاز
کے رازوں پر سے پردہ ہٹانا چاہتا تھا۔ اس وقت اگر ناگ اور
ماریا بھی اس کے ساتھ ہوتی تو شاید یہ راز بہت دیر پہلے کھل
چکا ہوتا۔

عنبر لاش کو گھسیٹ کر باہر راہ داری میں لے آیا۔ وہ نہیں
چاہتا تھا کہ انسانی لاش کی اور زیادہ بے حرمتی ہو۔ وہ اسے
سمندر میں پھینکنا چاہتا تھا۔ عنبر ادھ کھائی لاش اٹھا کر اوپر
عرشے یعنی ڈیک پر لے آیا۔ وہ لاش کو سمندر میں پھینکنے ہی والا

تھا کہ جہاز کی سب سے نچلی منزل سے بلی کی رونگٹے کھڑے کر
دینے والی چیخ کی آواز سنائی دی۔ عنبر بھی ایک بار کانپ اٹھا لیکن
وہ بڑے مضبوط دل کا نوجوان تھا اور بہادر و نڈر بھی تھا۔
اس نے لاش اٹھا کر سمندر میں پھینک دی۔

اس وقت سمندر میں دھوپ چمک رہی تھی۔ لاش کے
سمندر میں گرتے ہی آسمان پر جیسے آندھی سی چڑھی اور دیکھتے
دیکھتے سارا آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھک گیا اور تیز ہوا میں
جہاز کے بادبان غباروں کی طرح پھول گئے اور جہاز لہروں پر
بڑی تیزی سے بہنے لگا۔ ہوا طوفان کی شکل اختیار کرنے لگی۔
سمندر میں بڑی بڑی موجیں اٹھ اٹھ کر جہاز کے پیندے سے
ٹکراتیں اور اسے اُٹھا کر دوسری طرف لے جاتیں۔

بادل زور زور سے گرجنے لگا۔ سمندر پر چاروں طرف دن
کے وقت ہی اندھیرا چھا گیا۔ چھما چھم بارش شروع ہو گئی۔ بادبانوں
کے کھلے ہونے کی وجہ سے جہاز زیادہ شدّت سے ڈول رہا تھا
کیونکہ طوفانی ہوائیں اُن میں بھر جانے سے جہاز موجوں پر لکڑی
کے کھلونے کی طرح اُچھل اُچھل کر نیچے گر رہا تھا۔ عنبر کو یقین
تھا کہ عمارہ ابھی تک اسی خالی اور پُراسرار جہاز میں ہے اسی لئے
وہ اس جہاز کو غرق ہونے سے ہر حالت میں بچانا چاہتا تھا
تاکہ عمارہ زندہ رہے۔ وہ جہاز کے اُس مستول پر چڑھ گیا جہاں

لاش لٹکی ہوئی تھی۔

وہ بادبانوں کی رسّی کاٹ کر انہیں نیچے گرا دینا چاہتا تھا۔
تاکہ جہاز کی رفتار میں جو بھیانک تیزی آ گئی تھی وہ کم ہو جائے
اور جہاز سمندر میں غرق ہونے سے بچ جائے۔ مستول یعنی لکڑی کے
موٹے کھمبے پر سب سے اوپر چڑھ کر عنبر نے محسوس کیا کہ وہ گلی
سڑی لاش کے بالکل آمنے سامنے آ گیا ہے۔ بارش بادلوں کی
گرج اور گھٹاؤں کے اندھیرے میں لاش کی کھوپڑی، اور جسم کی
ہڈیاں گلے سڑے گوشت میں سے جگہ جگہ جھانک رہی تھیں۔
کھوپڑی میں آنکھوں کے دونوں سوراخوں میں عنبر کو سرخ چمک سی
محسوس ہوئی۔ اس نے کوئی خیال نہ کیا اور خنجر سے بادبان کے رسّے
کاٹنے میں مصروف ہو گیا۔

جب رسّے کٹ گئے اور پھولے ہوئے بادبان ایک زبردست
دھماکے کے ساتھ نیچے جہاز کے عرشے پر دھڑام سے گر پڑے تو
جہاز کا مستول بھی زور سے ہل گیا۔ لاش کو بھی ایک دو جھٹکے
لگے اور جیسے اس کی کھوپڑی میں سے شوں شوں کی آوازیں نکلیں۔
عنبر ابھی تک اوپر اس جگہ پر تھا جہاں کھڑے ہو کر ملاح
دور سمندر میں آنے والے جہاز یا سمندری چٹانوں یا زمین کو
دیکھ کر آواز بلند کر کے جہاز کے مسافروں اور کپتان کو خبردار کیا
کرتے ہیں۔ شوں شوں کی آواز پر عنبر نے چونک کر لاش کی

کھوپڑی کی طرف دیکھا۔ بارش عنبر کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔
لاش سے بھی بارش کا پانی ٹپک رہا تھا۔ لاش کی آنکھوں کے
سوراخوں میں سے دو دو سرخ آنکھیں قندھاری انار کے دانوں
کی طرح چمک رہی تھیں۔

عنبر نے سوچا اس کھوپڑی میں یہ آنکھیں کس شے کی ہیں؟
واپس اترتے ہوئے عنبر کو لاش کے بالکل قریب سے ہو کر جانا
تھا۔ جب وہ لکڑی کے مستول پر آہستہ آہستہ پھسلتا ہوا لاش
کے قریب سے گذرنے لگا تو ایک دم سے کھوپڑی کے سوراخوں
میں سے پھنکاریں مارتے ہوئے دو سبز سانپ باہر نکلے اور
عنبر کی گردن کے گرد لپٹے اور اس کی آنکھوں پر بار بار ڈسنے
لگے۔ عنبر گھبرا گیا۔ اگر وہ دونوں ہاتھوں سے ان کو پکڑتا ہے
تو نیچے گر پڑتا ہے۔ اگرچہ نیچے گرنے سے اُسے کچھ نہیں ہو سکتا
تھا۔ پھر بھی وہ نہیں چاہتا تھا کہ خواہ مخواہ اتنی بلندی سے
ہاتھ چھوڑ کر محض سانپوں کے لئے چھلانگ لگا دے۔

اس نے سانپوں کو ڈسنے دیا اور پھسلتا ہوا نیچے اتر آیا۔
زہریلے سانپ ابھی تک اس کی گردن کے گرد لپٹے اس کی آنکھوں
کو ڈس رہے تھے۔ ڈسنے سے سانپوں کے دانت زخمی ہو گئے
تھے۔ کیونکہ عنبر کی آنکھیں پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئی تھی۔
عنبر نے دونوں سانپوں کو گردن سے پکڑ کر اتارا اور کچل کر

سمندر میں پھینک دیا۔

بادبانوں کے گرنے سے جہاز کے ڈولنے میں کافی فرق آ گیا
تھا۔ لیکن بارش اور سمندری طوفان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔
وہ حیران تھا کہ وہ کس جادوگر یا چڑیل کی لاش تھی کہ جس کے
سمندر میں گرنے سے اتنا زبردست طوفان آ گیا تھا۔ یہ معمہ عنبر
کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ عرشے پر بارش اور سمندر کی طوفانی
لہروں کی بوچھاڑیں پڑ رہی تھیں۔ وہ ترپالوں کی چھت کے نیچے
اس جگہ آ گیا جہاں جہاز کو ایک خاص سیدھ میں رکھنے والی
چرخی لگی تھی۔ اس چرخی کو رسّی باندھ کر ایک جگہ روک دیا گیا
تھا۔ کیونکہ جہاز کی کوئی منزل ہی نہیں تھی تو پھر چاہے وہ جس
طرف بہتا چلا جائے۔

بادلوں کی گرج، بجلی کی چمک اور سمندری بڑی بڑی موجوں
کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ جہاز لہروں پر
ڈولتا ہوا کسی نامعلوم سمت کو بڑی رفتار سے چلا جا رہا تھا۔
عنبر نہیں چاہتا تھا کہ جہاز کسی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو
جائے۔ کیونکہ اس قسم کے طوفانوں میں سمندری جہاز شتر بے مہار
ہو کر اکثر سمندر کے اندر ابھری ہوئی چٹانوں سے ٹکرا کر تباہ
ہو جایا کرتے ہیں۔ عنبر عمارہ کو اسی جہاز سے واپس حاصل
کرنا چاہتا تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ عمارہ اسی جہاز میں

کسی جگہ موجود ہے۔ کہاں ہے؟ عنبر یہی معلوم کرنا چاہتا تھا۔

بادلوں کی گرج ہلکی ہونے لگی۔ طوفان کا زور بھی ٹوٹنے لگا اور بارش بھی کچھ دھیمی ہو گئی۔ بادلوں کے ہلکے ہو جانے سے سمندر پر غروب ہوتے سورج کی سرخ سرخ روشنی پھیل گئی۔ طوفان کا زور تھم گیا تھا مگر سمندر کی بڑی بڑی لہریں جہاز کو اسی طرح آگے دھکیلتی لئے جا رہی تھیں۔ جہاز جنوبی سمندروں کی طرف بہا چلا جا رہا تھا۔ عنبر ترپال کے نیچے ایک گٹھے پر بیٹھا عمارہ، ناگ اور ماریا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کی پیٹھ جنوب کی طرف تھی جہاں دُور سمندر سے نکلے ہوئے ایک پہاڑ کی چوٹی پر کسی محل کا گنبد سورج کی سنہری روشنی میں چمک رہا تھا۔

عنبر اٹھ کر عرشے پر ٹہلنے لگا تو اس کی نظر جنوب کی طرف سمندر میں چلی گئی۔ دُور بلند پہاڑ کی چوٹی پر چمکتے ہوئے محل کے گنبد کو دیکھ کر وہ بھی اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ یہ کیسا محل ہے کہ گمنام سمندر میں اتنی دور ایک پہاڑ کی چوٹی پر بنایا گیا ہے۔ جہاز کو سمندری موجیں بڑی تیزی سے اس پُراسرار محل کی طرف لئے جا رہی تھیں۔ دن چھپ رہا تھا۔ سورج بادلوں کے پیچھے سے جھانکتا ہوا مغرب میں سمندر کی طرف جھک رہا تھا۔

جونہی سورج سمندر میں ڈوبا سمندر پر اندھیرا چھا گیا۔ عنبر نے پہاڑ کی طرف دیکھا جو اب سمندر میں زیادہ فاصلے پر نہیں رہ گیا تھا۔ محل میں سب سے اوپر کسی جگہ روشنی ہو رہی تھی۔ جیسے وہاں کوئی شمع روشن ہو۔ یہ شام ہوتے ہی جیسے اپنے آپ روشن ہو گئی تھی۔ عنبر کو ایک بات کا بہت فکر تھا۔ وہ ہزاروں سالوں سے صحراؤں، میدانوں، پہاڑوں اور سمندروں میں سفر کر رہا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ جہاز اتنی رفتار سے بڑھ رہا ہے کہ اگر اسے روکا نہ گیا تو وہ کنارے پر چڑھ جائے گا یا ساحل پر کسی چٹان سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

سوال یہ تھا کہ جہاز کو روکا کس طرح جائے؟ عنبر کے پاس نہ تو لنگر تھا اور نہ ملاح کو جو جہاز کو زیادہ آگے بڑھنے سے روک سکتے۔ لنگر اس جہاز کا تھا ہی نہیں۔ اور غلام ملاح خدا جانے کس جن بھوت یا چڑیل کا نوالہ بن گئے تھے۔ عنبر نے محسوس کیا کہ پہاڑ کی چوٹی والے محل میں جلتی روشنی کبھی بجھ کر پھر سے روشن ہو جاتی ہے۔ گویا وہاں سے اس سمندری جہاز کو سگنل دیئے جا رہے تھے۔

یہ کون لوگ تھے جو اس محل سے سگنل دے رہے تھے؟ عنبر کو اب یہی معلوم کرنا تھا۔ جس بات کا اُسے سب سے زیادہ خطرہ تھا وہ یہی تھی کہ جس رفتار سے جہاز ساحل کی چٹانوں

کی طرف بڑھ رہا ہے یہ ضرور اُن سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا۔ مگر اب ایسا ہوا کہ جونہی ساحل قریب آیا جہاز کی رفتار اپنے آپ مدھم ہو گئی۔ جوں جوں جہاز آگے بڑھ رہا تھا وہ بہت آہستہ ہو رہا تھا۔ جب ساحل آگیا تو جہاز جوں کی چال چلنے لگا اور پھر ایک جگہ سمندر میں ہی رُک گیا۔

یہاں سے ساحل کی چٹانیں ساٹھ ستر قدموں پر تھیں۔ عنبر کو تعجب ہوا کہ اس جہاز کو کس طاقت نے ساحل کے پاس آکر روک دیا ہے۔ مگر راز کے اوپر ایک اور راز کا پردہ گر رہا تھا۔ اسے اتنی فرصت ہی نہیں تھی کہ جہاز کے اپنے آپ رُک جانے کے راز پر غور کرتا۔ کیونکہ اس کے سامنے پہاڑ تھا جس چوٹی پر ایک اور پُراسرار محل تھا جس کی سب سے اوپر والی چھت کی کھڑکی میں ایک گول چمنی والی شمع جل رہی تھی۔

عنبر ایک چھوٹی سی ڈونگا نما کشتی پر بیٹھ کر ساحل کی طرف چل دیا۔ سمندر کی جوشیلی لہروں نے بہت جلد اُسے ساحل پر پہنچا دیا۔ یہ پتھریلا ساحل تھا۔ عنبر نے کشتی کو پتھروں میں کھینچ کر ایک چٹان سے باندھ دیا۔ ایسا لگتا تھا کہ اس جزیرے میں سوائے ایک بلند پہاڑ کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس پہاڑ کے اوپر محل تھا جس کی دیواریں پتھر کی تھیں اور برجیوں میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ محل میں بھی صرف اوپر والی چھت کی

کھڑکی میں روشنی ہو رہی تھی۔ باقی سارے محل میں کہیں روشنی نہیں تھی۔

رات کا اندھیرا اس پہاڑی جزیرے پر گہرا ہو رہا تھا یہاں سمندر کی موجوں کا بہت شور تھا۔ کیونکہ وہ سمندر سے اٹھ کر ساحلی چٹانوں سے ٹکراتی تھیں اور جھاگ اڑاتی واپس چلی جاتی تھیں۔ ٹکراتی لہروں کے چھینٹے عنبر تک پہنچ رہے تھے۔ آسیبی جہاز پیچھے سمندر میں اکیلا کھڑا ڈول رہا تھا۔ حیرت کی بات یہ بھی تھی کہ لنگر نہ ہونے کے باوجود وہ اپنی جگہ پر ساکت کھڑا لہروں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اُسے کسی طلسم یا آسیب نے جکڑ رکھا ہو۔

عنبر محل کی طرف دیکھا۔ محل پہاڑ کی چوٹی پر کافی اوپر جا کر بنا ہوا تھا۔ خدا جانے اسے کس نے بنایا تھا اور بنانے والے اب وہاں تھے بھی کہ نہیں۔ لیکن وہاں کوئی نہ کوئی رہتا ضرور تھا۔ اس لئے کہ محل سے آسیبی جہاز کو باقاعدہ سگنل دیئے گئے تھے۔ پہاڑ کی ایک طرف پتھروں کا بنا ہوا ایک تنگ زینہ اوپر جا رہا تھا۔ عنبر نے زینہ چڑھنا شروع کیا۔ یہ زینہ پہاڑ کے اردگرد ہو کر اوپر جاتا تھا۔ پہاڑ کی دوسری جانب بھی سمندر ہی تھا جو رات کے پہلے اندھیرے میں سیاہی مائل سا دکھائی دے رہا تھا اور اس کی موجیں پہاڑ کے ساتھ پھیلی ہوئی چٹانوں سے ٹکرا

ٹکرا کر واپس جا رہی تھیں۔

عنبر پتھر کی سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ سیڑھیوں کے پتھر ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ اُن کی دراڑوں کے درمیان گھاس اُگ آئی تھی۔ زینے کی ایک جانب سیاہ کالے پہاڑ کی اونچی دیوار تھی اور دوسری جانب گہرا سمندر تھا۔ عنبر بے خوف ہو کر اوپر چلا جا رہا تھا۔ وہ آسیبی جہاز، محل اور عمارہ کی گمشدگی کے راز کو حل کرنا چاہتا تھا۔ چاہے اس کے لئے اُسے کتنی ہی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ عنبر اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کر رہا تھا۔

پہاڑ کے تین چکر لگانے کے بعد زینہ سیدھا ہو گیا اور دُور اوپر پہاڑ کی چوٹی پر محل کا محرابی دروازہ دکھائی دینے لگا جو رات کے اندھیرے میں بھی پھیکا پھیکا سا دکھائی دے رہا تھا۔ عنبر پُراسرار محل کے دروازے کے سامنے جا کر رُک گیا دروازہ بند تھا۔ محراب پر جنگلی بیل کی گھنی شاخوں نے سایہ کر رکھا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے جس کی وجہ سے روشنی بہت کم تھی۔ عنبر نے دروازے کو اندر کی طرف دھکیلا۔ دروازہ اندر سے بڑی سختی سے بند تھا۔

محل کی دیوار سیدھی اوپر کو چلی گئی تھی اور دوسری منزل پر کافی اوپر جا کر دو کھڑکیاں تھیں جو بند تھیں اور وہاں

اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ان کھڑکیوں میں سے بھی اندر نہیں جایا جا سکتا تھا۔ محل کی پچھلی دیوار کے نیچے اتنی گہری کھائی تھی کہ وہاں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اندھیرے میں سمندر کی طوفانی موجیں دور نیچے پتھروں سے سر ٹکرا کر بھیانک شور پیدا کر رہی تھیں۔

آسمان پر ایک جگہ سے بادل پھٹ گئے اور چاند نکل آیا۔ چاند کی پُراسرار زرد روشنی میں سمندر میں کھڑا آسیبی جہاز صاف دکھائی دینے لگا۔ عنبر کی نگاہ جہاز کی طرف گئی تو اس نے دیکھا کہ ایک کشتی ساحل کی طرف چلی آ رہی ہے۔ چاندنی میں اس کشتی میں بیٹھے چار انسانوں کے سائے نظر آ رہے تھے دو کشتی چلا رہے تھے اور دو کشتی میں کوئی صندوق رکھے خاموش بیٹھے تھے۔

یہ آدمی جہاز میں کہاں سے نکل آئے ہے جہاز تو بالکل خالی تھا۔ عنبر پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا کشتی کو ساحل کی طرف آتے دیکھ رہا تھا۔ کشتی کنارے پر آ کر لگ گئی۔ چاروں آدمیوں نے لمبوترا صندوق جو مُردہ رکھنے والے تابوت کی طرح تھا اٹھایا اور پہاڑ کی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ یہ لوگ اوپر محل پر آ رہے تھے۔ عنبر ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گیا اور اُن لوگوں کا انتظار کرنے لگا۔ پہاڑ کا پورا چکر کاٹ کر وہ چاروں آدمی محل کے دروازے پر آ کر رُک گئے۔

چاندنی میں عنبر نے دیکھا کہ ان چاروں نے لمبے سیاہ چغے
پہن رکھے تھے۔ سروں پر شوتری سیاہ ٹوپیاں تھیں آنکھوں
پر سیاہ نقاب تھے اور کمر کے ساتھ تلواریں لٹک رہی تھیں
دروازے کے پاس آکر انہوں نے مُردے کا تابوت زمین پر رکھ
دیا ایک نقاب پوش آگے بڑھا۔ دروازے میں ایک جگہ ہاتھ
ڈال کر اس نے کسی شے کو اپنی طرف کھینچا۔ دروازہ آہستہ
آہستہ کھلنے لگا۔ یہ چاروں نقاب پوش تابوت کندھوں پر
اٹھا کر دروازے میں داخل ہوگئے۔ ان کے اندر جاتے ہی دروازہ
اپنے آپ بند ہوگیا۔

عنبر سوچنے لگا کہ اس تابوت میں کس کی لاش تھی؟ یہ لوگ
محل میں کیا کرتے ہیں؟ یہ لاش کس لئے اوپر لے جا رہے ہیں
عنبر پتھر کی اوٹ سے نکل کر دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ
پیچھے سے کسی نے پوری طاقت سے اس پر تلوار کا وار کیا۔ یہ وار
کھوپڑی کو دو ٹکڑے کر دینے والا تھا۔ مگر تلوار عنبر کی فولادی
کھوپڑی سے لگ کر ٹوٹ گئی۔

عنبر نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک نقاب پوش آدھی تلوار ہاتھ میں
تھامے کھڑا تھا۔ اور یقیناً حیران ہو رہا تھا کہ عنبر تلوار کا اس
قدر بھرپور وار کھانے کے بعد زندہ کیسے بچ گیا۔ عنبر اس نقاب
پوش کو مارنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس سے خفیہ محل کا راز

معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے پوچھا۔
"تم لوگ یہاں کیا کرتے ہو؟"

نقاب پوش نے ٹوٹی ہوئی تلوار سے ہی ایک اور زبردست
وار کیا۔ اس بار تلوار عنبر کے پیٹ میں گھونپنے کی کوشش کی گئی
تھی۔ لیکن نتیجہ وہی نکلا۔ تلوار نقاب پوش کے ہاتھ سے ٹوٹ کر
نیچے گر پڑی۔ جب اس نے اپنے دونوں وار خالی جاتے دیکھے تو
اپنے لمبے چغے کی جیب سے ایک لکڑی نکال کر اس پر پھونکا اور
عنبر پر پھینکی۔ لکڑی سانپ بن کر عنبر کی گردن پر گری اور
سانپ نے عنبر کے اوپر والے ہونٹ پر ڈس دیا۔ عنبر نے سانپ
کو پکڑ کر کچل ڈالا۔

نقاب پوش نے جیب سے ایک پتھر کا پتلا نکال کر عنبر کے
آگے پھینکا۔ پتھر کا پتلا بڑا ہوتے ہوتے ایک خوفناک شکل والا
بھوت بن گیا۔ بھوت کے چار ہاتھ اور چار سر تھے۔ اس نے
عنبر کو دبوچ لیا۔ عنبر بھی ہوشیار ہو چکا تھا۔ بھوت نے عنبر
کی گردن کو پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے اس کی آنکھیں نکال کر
مٹھی میں لینے کی کوشش کی۔ لیکن عنبر نے ایک جھٹکے سے بھوت کا
ایک سر اس کی گردن سے الگ کر دیا۔ پھر دوسرے جھٹکے سے
دوسرا اور پھر تیسرا سر گردن سے توڑ کر نیچے پھینک دیا بھوت
چوتھا سر اپنے آپ مردہ ہو کر لٹک گیا اور بھوت پھوٹا

ہوتے ہوئے زمین کے اندر دھنس گیا۔ نقاب پوش جادوگر پریشان ہو کر ایک طرف کو بھاگا۔ عنبر نے اس پر چھلانگ لگائی۔ وہ بجلی ایسی تیزی سے اس کے نیچے سے نکل کر محل کی پچھلی دیوار کی طرف دوڑا۔

عنبر اس کے پیچھے بھاگا۔ نقاب پوش کو اپنی موت سامنے دکھائی دے رہی تھی۔ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ اس کا مقابلہ کسی بہت بڑے جادوگر سے ہے۔ آگے جا کر پہاڑ ختم ہو گیا تھا اور نیچے سمندر اور چٹانیں تھیں۔ نقاب پوش نے عنبر کو اپنے پیچھے آتا دیکھا تو نیچے چھلانگ لگا دی۔ چھلانگ لگاتے ہی نقاب پوش کے جیسے سیاہ بڑے بڑے پر نکل آئے اور وہ بہت بڑے چمگادڑ کی طرح ہوا میں تیرتا ہوا سمندر کے اوپر جا کر غائب ہو گیا۔ عنبر یہ حیرت انگیز منظر دیکھتا رہ گیا۔

چاند پھر بادلوں کی اوٹ میں آ گیا تھا اور سمندر کے اوپر چاروں طرف اندھیرے کی ہلکی سیاہ چادر پھیل گئی تھی عنبر اب محل میں جا کر یہ پتہ کرنا چاہتا تھا۔ کہ کہیں اس تابوت میں عمارہ کی لاش تو نہیں تھی۔ اُسے شک تھا کہ ان نقاب پوش جادوگروں نے کہیں عمارہ کو مار کر یا بے ہوش کر کے تابوت میں نہ ڈال رکھا ہو۔ وہ محل کے دروازے کی جانب بڑھا ———

اس نے وہ جگہ تلاش کر لی جس میں ہاتھ ڈال کر نقاب پوش نے دروازے کو کھولا تھا۔ یہاں ایک لوہے کی چھوٹی سی ہتھی لگی تھی۔ عنبر نے ہتھی کو اپنی طرف کھینچا تو دروازے کا ایک پٹ آہستہ آہستہ کھل گیا۔

عنبر ایک طرف ہو گیا تھا۔ اس نے سر آگے کر کے دروازے کے اندر دیکھا۔ وہاں اندھیرا تھا۔ خاموشی تھی سوائے سمندر کی لہروں کے وہاں اور کوئی آواز نہیں تھی۔ عنبر دروازے کے اندر آ گیا۔ یہاں اندر سے ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی جس میں نمی کی بُو تھی۔

اندھیرے میں عنبر کو کچھ کچھ دکھائی دینے لگا تھا۔ سامنے ایک لمبی ڈیوڑھی تھی جس کی دونوں جانب کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں جن کے دروازے بند تھے۔ عنبر دروازے سے گزر کر ڈیوڑھی میں آیا تو اس کے پیچھے دروازہ دوبارہ بند ہو گیا۔ یہ کوئی جادو کا محل لگتا تھا جس میں آسیبی روحیں جادوگروں کی قید میں تھیں۔ عنبر اللہ کا نام لے کر آگے بڑھا۔ ڈیوڑھی سے آگے ایک تنگ گلی آ گئی یہ دائیں جانب مڑ گئی اور عنبر کو اوپر ہلکی سی روشنی نظر آئی۔ یہ روشنی ایسی تھی جیسے کسی جگہ آگ جل رہی ہو۔ گلی کا فرش اونچا ہوتا گیا۔ جیسے وہ کسی گھاٹی کی چڑھائی چڑھ رہا ہو۔ روشنی ایک گول سوراخ میں سے آ رہی تھی۔ عنبر نے

سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا۔ اندر ایک گول کمرہ تھا جس
کے درمیان میں ایک پتھر کے بڑے پیالے میں آگ جل رہی
تھی۔ اس کے اردگرد چھ سات نقاب پوش خاموش کھڑے
تھے۔ ان کے پاؤں کے قریب چبوترے پر وہی تابوت رکھا
تھا جس کے اندر عنبر کے خیال میں عمارہ کی لاش تھی یا وہ بےہوش
پڑی تھی۔ نقاب پوشوں نے بھاری آواز میں جادو کے منتر
پڑھنے شروع کر دیئے۔ منتروں کی آواز کے ساتھ ہی دیوار ایک
جگہ سے شق ہوئی اور ان نقاب پوش جادوگروں کا سردار
بڑا جادوگر نمودار ہوا۔

جادوگروں کے سردار کے سر پر کالے رنگ کا تاج تھا جس
کے اوپر ایک زندہ سانپ پھن اٹھائے بیٹھا تھا۔ اس کے آتے
ہی دوسرے نقاب پوش پرے پرے ہٹ گئے۔ سردار جادوگر نے
تابوت پر دونوں ہاتھ رکھ کر کوئی منتر پڑھا۔ پھر اس کے ڈھکنے
کو کھول دیا۔ عنبر یہ سب کچھ حیرت سے تک رہا تھا۔ تابوت میں
سے واقعی عمارہ لیٹی لیٹی اوپر اٹھنے لگی۔ تابوت سے اوپر
کوئی پانچ فٹ بلند ہو کر اس کا ہوا میں لیٹا ہوا بے ہوش یا
مردہ جسم رک گیا۔ نقاب پوش جادوگر سردار نے کوئی شے آگ
میں ڈالی۔ نیلے رنگ کا ایک شعلہ بلند ہو کر بجھ گیا۔ کمرے
میں لوبان کا دھواں پھیل گیا۔ اس کی تیز بو عنبر نے بھی

محسوس کی۔

خدا جانے یہ جادوگر عمارہ کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے تھے
عنبر نے سوچا کہ وہ چھلانگ لگا کر ان خبیث جادوگروں کے
درمیان پہنچ جائے اور عمارہ کو ان کے پنجوں سے چھڑا لائے۔
پھر خیال آیا کہ اسی طرح عمارہ کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے
اسے تو یہ لوگ کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے مگر ہو سکتا ہے کہ
عمارہ کو اپنے جادو سے ہلاک کر دیں۔ وہ وہیں سوراخ کے ساتھ
لگا ان جادوگروں کو تکتا رہا۔

سردار جادوگر نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔

ایک نقاب پوش لپک کر ایک طرف گیا اور دیوار کے ساتھ
رکھے صندوق میں سے ایک انسان کا کٹا ہوا سر لے کر واپس
اپنی جگہ پر آ گیا۔ یہ کٹا ہوا سر کسی سمندری جہاز کے ملاح
کا لگتا تھا۔ اس کے کانوں میں تانبے کی مندراں تھیں اور
مونچھیں بحری لٹیروں ایسی تھیں۔ ہو سکتا ہے آسیبی جہاز کے
سارے ملاحوں کو انہی جادوگروں نے ہلاک کر دیا ہو۔ عنبر یہ
سوچ ہی رہا تھا کہ سردار جادوگر نے بحری لٹیرا کا کٹا ہوا سر
ہاتھ میں لے کر اسے آگ پر رکھ دیا۔ انسانی بال اور کھال جلنے
کی بو اٹھی۔ جب انسانی سر بالکل جل کر کوئلہ ہو گیا تو سردار
جادوگر نے اسے ایک سلاخ کی مدد سے آگ سے باہر نکالا

اور عمارہ کے بے ہوش جسم کے اوپر لا کر منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔

جادو کے منتروں کی آواز کے ساتھ عمارہ کے جسم نے ہلنا شروع کر دیا۔ جیسے وہ سخت سردی میں کانپ رہا ہو۔ جادوگر سردار بھنا ہوا انسانی سر اسی طرح سلاخ میں لٹکائے کھڑا منتر پڑھتا رہا۔ جب عمارہ کے جسم نے کانپنا بند کر دیا تو جادوگر نے انسانی سر پیالے کی آگ میں ڈال دیا۔ جس نے اسی وقت آگ پکڑ لی اور کھوپڑی کی ہڈی چٹخ چٹخ کا جلنے لگی۔

جادوگر سردار نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر عمارہ کے جسم کی طرف اپنی لمبی لمبی انگلیوں کا اشارہ کیا۔ عمارہ کا بے ہوش اکڑا ہوا فضا میں لٹکتا جسم آہستہ آہستہ نیچے آنا شروع ہو گیا اور پھر وہ اپنے آپ تابوت میں چلا گیا۔ سردار جادوگر نے تابوت بند کر دیا اور اپنی بھاری سوئی ہوئی آواز میں بولا۔

"تابوت کو تہہ خانے میں لے جاؤ۔ دس روز بعد پورا چاند آدھی رات کو سمندر سے نکلے گا۔ اُس رات اس عورت کی گردن کاٹ کر آگ میں ڈال دی جائے گی اور پھر ہم سب غیر فانی ہو جائیں گے پھر ہم کبھی نہ مر سکیں گے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔"

اس اعلان پر باقی نقاب پوشوں نے ہاتھ بلند کر کے نعرے

لگائے اور چار نقاب پوش عمارہ کا تابوت کندھوں پر رکھ کر دیوار کے ساتھ والی سیڑھیاں چڑھ کر اس سوراخ کی طرف بڑھے جہاں عنبر چھپ کر کھڑا یہ بھیانک جادو کا کھیل دیکھ رہا تھا۔ عنبر جلدی سے پیچھے ہٹ کر اندھیرے میں دیوار کے ساتھ لگ گیا۔

ناگ، ماریا اور ڈاکو

نقاب پوش تابوت لے کر سُرنگ میں اُتر گئے۔

عنبر ان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ سرنگ میں اندھیرا تھا۔ ایک موڑ پر مشعل روشن تھی۔ اس کی روشنی میں نقاب پوش جادوگروں نے دیوار کے آگے تابوت رکھ دیا۔ سامنے لوہے کا دروازہ تھا جس پر بڑا مضبوط اور پرانا تالا پڑا تھا۔ ایک نقاب پوش نے تالے پر انگلی رکھ کر کوئی جادو کا منتر پڑھ کر پھونکا۔ تالا اپنے آپ کھُل گیا۔ وہ نقاب پوش جادوگر وہیں کھڑا رہا۔ باقی نقاب پوش عمارہ کا تابوت لے کر اندر چلے گئے۔ انہوں نے تابوت اندھیری کوٹھڑی میں لے جا کر رکھ دیا۔ باہر آئے تو نقاب پوش جادوگر نے ویسے ہی تالا پھر سے لگا دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر چاروں جادوگر ہاتھ باندھ کر آہستہ آہستہ چلتے سُرنگ کے موڑ مُڑ کر غائب ہو گئے۔ جب عنبر کو یقین ہو گیا کہ نقاب پوش وہاں سے کافی دور چلے گئے ہیں تو وہ دیوار کی اوٹ سے نکل کر بند دروازے کے پاس آیا۔ اُس نے تالے پر

ہاتھ رکھا اور پھر ایک ہلکا سا جھٹکا دیا۔ تالا کھُل گیا۔ عنبر دروازے کو تھوڑا سا کھول کر کوٹھڑی میں آ گیا۔ اندر گھُپ اندھیرا تھا اُسے یہاں وہی خرخرانے اور کسی درندے کے سانس لینے کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ وہ اندھیرے میں ہی دیوار کے ساتھ لگ کر ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھنے لگا۔ یہ کوٹھڑی نہیں بلکہ ایک اور سُرنگ تھی اور نقاب پوشوں نے اس سُرنگ کے آخر میں جا کر ایک چبوترے پر عمارہ کا تابوت رکھا تھا۔ عنبر پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔

اچانک اندھیرے میں اس کا پاؤں ایک خالی جگہ پر پڑا اور وہ دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ یہ ایک گہرا خشک اندھا کنواں تھا جس میں اوپر کو اٹھے ہوئے نیزے اور تلواریں لگی تھیں۔ عنبر اُن نیزوں اور تلواروں کے اوپر جا کر گرا۔ اگر وہ عنبر نہ ہوتا تو اس کا جسم اُن تلواروں اور نیزوں نے چھلنی کر دیا ہوتا۔ مگر عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اُلٹا اس کے گرنے سے نیزے اور تلواریں ٹوٹ گئیں۔ جیسے اُن پر کوئی بھاری پتھر گرا ہو۔

عنبر نے اندھیرے میں ٹٹولا۔ وہ ایک چھوٹے سے مگر بڑے گہرے کنوئیں میں قید ہو چکا تھا۔ کنوئیں کی گول دیوار رگڑے ہوئے پتھر کی تھی جس کی وجہ سے وہ اوپر نہیں چڑھ سکتا تھا عنبر کو دنیا کا کوئی ہتھیار ہلاک نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اگر وہ

گہرے کنوئیں میں گر پڑے تو رسی یا سیڑھی کے بغیر اوپر نہیں چڑھ
سکتا تھا۔ پھر وہ عام انسانوں کی طرح بے بس ہو جاتا تھا۔ ایسے
موقعوں پر اُسے کھویا ہُوا تعویذ بہت یاد آتا۔

اس وقت بھی عنبر بے بس ہو گیا تھا۔ وہ کسی کو آواز بھی
نہیں دے سکتا تھا۔ عمارہ اس کے اوپر ذرا فاصلے پر ایک تابوت
میں بند پڑی تھی۔ وہ ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے
عنبر نے اس وقت ناگ اور ماریا کو یاد کیا۔ اگر کسی طرح ان
میں سے کوئی وہاں آجاتا تو اسے کنوئیں کی مصیبت سے رہائی
دلا سکتا تھا۔ وگرنہ کوئی خبر نہ تھی کہ عنبر کو کب تک اسی اندھے
کنوئیں میں رہنا پڑے۔

۞ ۞ ۞

دوسری طرف ذرا ناگ اور ماریا کو بھی دیکھتے ہیں کہ وہ کس
حالت میں ہیں۔ جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ ناگ اور ماریا
پیرس کے ایک ہوٹل میں آمنے سامنے والے کمرے میں رہتے تھے
اور شہر میں دن بھر عنبر کی تلاش میں پھرتے رہتے کہ شاید وہ
انہیں کسی جگہ مل جائے۔ جب دونوں عنبر کو تلاش کرتے کرتے
تھک گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ عنبر پیرس میں نہیں ہے
تو انہوں نے شہر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

"اب ہمیں کس طرف جانا چاہئیے؟" ماریا نے پوچھا۔

ناگ کچھ سوچ کر کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں اُندلس کے ملک کی طرف جانا
چاہیے۔ کیونکہ میں نے عنبر کی زبانی ایک بار سُنا تھا
کہ وہ مسلمانوں کے اندلس اور آج کے سپین کی سیر
کرنا چاہتا ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس
گیا ہو اور اُندلس کی سیر کا اُسے خیال بھی نہ رہا ہو۔"

"ہاں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ پھر تمہارا مشورہ
کیا ہے۔" ناگ نے ماریا سے پوچھا۔

ماریا اس وقت ناگ کے کمرے میں ہی تھی۔ ناگ صوفے
پر بیٹھا چائے پی رہا تھا اور ماریا پلنگ پر بیٹھی تھی۔ اس کے
ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھا جو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔
اس نے تھوڑی دیر سوچ کر کہا۔

"کیا خیال ہے اگر ہم سپین ہی کی طرف نکل
چلیں تو اچھا نہ ہوگا۔ کیونکہ ممکن ہے عنبر اپنی مصیبت
سے نکل کر اسی ملک کی طرف سفر کر رہا ہو۔"

ناگ نے چائے کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ اس طرح کم از کم ہم یہاں بیٹھ کر وقت
ضائع کرنے سے تو بچ جائیں گے۔ کیونکہ عنبر زیادہ

وہ مصیبت میں پھنسنے والی چیز نہیں ہے۔"

ماریا ہنس پڑی۔

"مصیبت تو اس سے کوسوں دُور بھاگتی ہے۔"

اتنے میں بیرا ناگ کے کمرے میں داخل ہوا۔ بیرا خوف بھری نظروں سے کمرے میں دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک عورت کی آواز سُنی تھی۔ یہ ماریا کی آواز تھی جو اُسی کمرے میں موجود تھی مگر کسی کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔ ناگ سمجھ گیا کہ ہوٹل کا بیرا کیا شے دیکھنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔ اس نے بیرے کی طرف چٹکی بجا کر پوچھا۔

"اِدھر اُدھر کیا ڈھونڈھ رہے ہو؟ کیا تمہاری کوئی شے گُم ہو گئی ہے؟"

"نہیں تو سر! کوئی شے گم نہیں ہوئی۔ ویسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کھانا کس وقت کھائیں گے سر؟"

ہوٹل کا بیرا گول میز کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔ اس میز کے پاس ہی پلنگ پر ماریا دودھ کا گلاس لئے بیٹھی تھی۔ ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے تھوڑی دیر تک لے آنا کھانا۔"

بیرے نے ہنس کر کہا۔

"سر! آج ہم نے ایک جاپانی ڈش بھی بنائی ہے وہ لے آؤں؟"

"کونسی ڈش ہے وہ؟"

بیرا بولا۔ "سر! سانپ اُبالے ہیں۔"

ناگ ایکدم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ غصے سے اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ وہ خود ایک سانپ تھا اور اپنے بھائیوں کا ہوٹل میں سوپ بنتے اور اُبلتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بیرا ڈر کر سہم گیا۔ مگر ناگ نے بیرے کو کچھ نہ کہا۔ اپنے غصے پر قابو پا لیا اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آئندہ خبردار جو میرے سامنے اُبلے ہوئے سانپوں کا ذکر کیا۔"

بیرے نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"سر! ایک موٹا جرمن کپتان ہوٹل میں ٹھہرا ہے وہ سانپوں کا گوشت بڑے شوق سے کھاتا ہے۔"

ناگ نے پوچھا۔

"کون سے کمرے میں ٹھہرا ہے وہ؟"

"سر! سترہ نمبر ہیں۔"

"ٹھیک ہے اب تم جا سکتے ہو۔"

بیرے کو بھی پتہ تھا کہ ان آمنے سامنے والے دونوں کمروں

میں ایک بھوت رہتا ہے۔ چنانچہ وہ بھی سہما سہما اندر آیا کرتا تھا
وہ جانے لگا تو ماریا کو شرارت سوجھی۔ اس نے بیرے کے
آگے آکر اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اور کیا حال ہے تمہارا مسٹر بیرا؟"

بیرا چیخ مار کر کمرے سے بھاگ گیا۔ ماریا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی
ناگ نے کہا۔

"بے چارہ پہلے ہی ڈرا ہوا تھا۔ اب تو وہ کبھی ہمارے
کمرے میں نہیں آئے گا۔"

ماریا بولی۔ "نہ آئے ہم بھی تو شام تک یہ ہوٹل چھوڑنے
والے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔ "اندلس کو جانے والے سمندری جہاز کا پتہ
کرنا پڑے گا پہلے۔"

"میرا خیال ہے پیرس کی بندرگاہ مارسیلز سے
سپین کو ہر دوسرے تیسرے روز جہاز جاتا ہے وہاں
چل کر معلوم کر لیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم تیار ہو جاؤ۔ میرا خیال ہے
ہم دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہی یہاں سے مارسیلز
شہر کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔"

دوپہر کا کھانا ماریا اور ناگ نے مل کر بند کمرے میں کھایا۔

اس کے بعد ناگ نے کہا۔

"میں نیچے جا کر ہوٹل کا بل ادا کر آؤں اور ساتھ ہی
ذرا اس موٹے جرمن کپتان کی بھی خبر لیتا آؤں،
جسے سانپوں کا گوشت بہت پسند ہے۔"

ماریا نے پوچھا۔ "کیا سلوک کرو گے اس کے ساتھ؟"

ناگ بولا۔

"ایسا سلوک کروں گا کہ آئندہ وہ سانپ کھانے کی
جرأت نہیں کرے گا۔"

ناگ کمرے سے نکل گیا۔ ماریا غسل خانے میں نہانے اور
کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی۔ ناگ نے ہوٹل کے منیجر کے پاس آکر
بل کی رقم ادا کیا۔ منیجر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ دونوں آسیبی
کمرے خالی ہو رہے تھے۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس نوجوان ناگ
کی وجہ سے ہی سامنے والے کمرے میں بھی کوئی بھوت آباد ہے
ناگ نے کہا۔

"میری وجہ سے اگر آپ کو کوئی تکلیف ہوئی ہو
تو میں معذرت چاہوں گا۔"

منیجر نے بناوٹی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"جی نہیں۔ کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ بالکل تکلیف
نہیں ہوئی۔ ہی ہی ہی۔"

"ہی ہی ہی ہی"

ناگ نے بھی ویسے ہی ہنسی کا جواب دیا اور اوپر والی منزل میں آکر سترہ نمبر کمرے کے باہر رُک گیا۔ اس کمرے میں سانپوں کے گوشت کا شوقین موٹا جرمن کپتان ٹھہرا ہوا تھا ناگ نے کمرے کی گھنٹی بجائی۔ بھاری بھرکم موٹا بھدا بڑی بڑی مونچھوں والا جرمن کپتان اُبلے ہوئے چار پانچ سانپوں کو مزے لے لے کر کھانے کے بعد رومال سے اپنی مونچھیں صاف کر رہا تھا۔ گھنٹی کی آواز سُن کر وہ غرایا۔

"کون ہے؟ اندر آجاؤ احمق آدمی"

ناگ دروازہ کھول کر اندر آگیا۔ موٹے کپتان نے لال لال آنکھیں اٹھا کر اپنے سامنے ایک سوٹ بوٹ والے پتلے دبلے نوجوان کو دیکھا تو اس نے بے پروائی اور غصے سے پوچھا۔

"کس کو تلاش کرتے پھر رہے ہو الو کی دم"

ناگ کو غصہ تو بڑا آیا۔ مگر وہ پی گیا۔ بڑے ادب سے قریب آکر بولا

"جناب میں اپنے بھائیوں کی تلاش میں آپ کے پاس آیا ہوں"

"تمہارے بھائیوں کا میرے ساتھ کیا واسطہ؟"

موٹے کپتان نے کرخت آواز میں پوچھا۔ ناگ نے اسی ادب سے کہا۔

"جناب! آپ نے میرے بھائیوں کو ابھی ابھی کھایا ہے"

"کیا مطلب؟"

موٹا جرمن کپتان اپنی کرسی پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ناگ کو کوئی پاگل نوجوان سمجھنے لگا جو ہوٹل والوں کی نظر بچا کر اندر آگیا تھا۔ اس نے ناگ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"نوجوان! میں جانتا ہوں تم پیرس کے سب سے بڑے پاگل خانے سے بھاگ کر یہاں آگئے ہو۔ لیکن یقین کرو میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ میرے کمرے سے نکل کر چپ چاپ واپس پاگل خانے چلے جاؤ"

ناگ نے کہا۔

"جناب! آپ کی ہمدردی کا شکریہ مگر آپ نے ابھی ابھی کھانے میں کیا کھایا ہے؟"

موٹا جرمن اس "پاگل" کی باتوں سے اب خوش ہو رہا تھا مسکرا کر کرسی پر بیٹھ گیا اور دانتوں میں خلال کرتے ہوئے بولا۔

"الو کی دم! میں نے تو ابھی ابھی چار سانپ کھائے ہیں جو خاص طور پر میرے لئے اُبالے گئے تھے"

ناگ نے کہا۔

"جناب! وہی چار سانپ میرے بھائی تھے۔ آپ نے انہیں کھا لیا۔ میں آپ سے اپنے بھائیوں کا بدلہ لینے

آیا ہوں۔"

موٹا جرمن اب پوری طرح سمجھ گیا تھا کہ یہ کوئی پاگل ہے۔
اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"اچھا! تو وہ سانپ تمہارے بھائی تھے؟"

ناگ بولا۔ "ہاں جناب۔"

"تو پھر اب تم کیا چاہتے ہو؟" موٹے جرمن نے پوچھا۔
ناگ نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں جناب کہ آپ مجھے بھی اُبال کر کھا جائیں۔"

"کیا تم سانپ ہو؟" موٹے جرمن نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔
ناگ نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

"ہاں جناب! میں سانپ ہوں۔"

اس پر موٹے جرمن نے زوردار قہقہہ لگایا اور اس کی توند کرسی پر ہلنے لگی۔ بولا۔

"اچھا تو پھر سانپ بن جاؤ۔ میں تمہیں بھی اُبال کر کھا جاؤں گا۔"

"ابھی بن جاتا ہوں جناب۔"

ناگ نے اتنا کہا۔ آنکھیں بند کر کے ایک گہرا سانس لیا اور سیاہ رنگ کا بڑے پھن والا سانپ بن گیا۔ موٹا جرمن اپنی کرسی پر سُن ہو کر رہ گیا۔ اس کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی

تھی۔ جو کچھ اس نے دیکھا تھا اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کے سامنے میز پر ایک کالا ناگ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ اس کی گردن میز سے تین فٹ بلند تھی اور وہ پھن اٹھائے جھوم رہا تھا۔ اور اپنی لال لال آنکھوں سے زبان نکال نکال کر گھور رہا تھا۔ موٹے جرمن کا تو سارا خون خشک ہو چکا تھا۔ ایک تو اس کے سامنے زندہ انسان سانپ بن گیا تھا۔ دوسرے ایک زہریلا سانپ اس کی طرف پھن اٹھائے پھنکارتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

موٹا جرمن اٹھ کر بھاگنے ہی والا تھا کہ سانپ اُچھل کر اس کی گردن میں لپٹ گیا۔ سانپ کا پھن موٹے جرمن کی آنکھوں کے بالکل سامنے تھا۔ اسے کالے ناگ کی سیاہ مونچھوں کے خوفناک بال بھی صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ ناگ اُسے باقی سانپ کھانے کے لئے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ سانپ نے بڑے آرام سے اپنا منہ کانپتے ہوئے جرمن کے ماتھے پر لے جا کر زور سے ڈس دیا۔

موٹے جرمن کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی۔ سانپ اس کی گردن سے اتر کر فرش کے قالین پر آیا اور پھر گم ہو گیا۔ کمرے میں لوگ جمع ہو گئے۔ موٹے جرمن کی زبان بند ہو چکی تھی۔ زہر بے حد خطرناک تھا۔ اس کا سفید رنگ نیلا پڑ چکا تھا اور منہ ناک

اور کانوں سے خون جاری ہو گیا تھا۔ وہ ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کر رہا تھا مگر اُدھر کچھ بھی نہیں تھا۔ سانپ ایک بار پھر ناگ کی شکل میں آکر وہاں سے اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ ماریا نے ناگ کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر کہا۔

"میرا خیال ہے موٹا جرمن کپتان کبھی سانپ نہیں کھائے گا۔"

ناگ نے کہا۔

"میں نے اُسے اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ وہ آئندہ کوئی سانپ کھا سکے۔"

تیسرے پہر کے قریب ناگ اور ماریا نے ہوٹل چھوڑ دیا۔ پیرس کی ایک کارواں سرائے سے وہ بند بگھی میں سوار ہوئے اور ساری رات سفر کرنے کے بعد دوسرے روز مارسیلز پہنچ گئے۔ یہاں ایک بہت بڑی بندرگاہ تھی جہاں سے سمندری بادبانی جہاز روم مصر اور سپین کے لئے روانہ ہوتے تھے۔ یہاں بھی ناگ نے ایک پرانی قسم کے ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لے لیا۔ ماریا کو اس کمرے میں ٹھہرنے کو کہا اور خود جہاز کا پتہ کرنے بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ شہر فرانس کے پرانے شہروں کی طرح تھا زیادہ آبادی نہیں تھی۔ مگر بندرگاہ ہونے کی وجہ سے بازاروں میں بڑی رونق تھی۔ لوگ انیسویں صدی کے لباس میں چل پھر رہے تھے۔ عورتوں نے پھولے ہوئے فراک پہنے تھے اور رنگ

برنگی چھتریاں کھول رکھی تھیں۔

بندرگاہ پر بھی بڑی چہل پہل تھی۔ کئی بادبانی جہاز بندرگاہ میں کھڑے تھے۔ ناگ نے فرانسیسی زبان میں ایک آدمی سے پوچھا کہ سپین کی جانب جہاز کب روانہ ہو گا۔ معلوم ہوا کہ تین روز بعد ایک مسافر جہاز سپین جانے والا ہے۔ اس کے ٹکٹ پہلے ہی بک رہے تھے۔ ناگ نے فسٹ کلاس میں ایک کیبن اپنے نام سے بک کروا لیا اور ماریا کو آکر خبر کر دی۔

وہ تین دن انہوں نے مارسیلز شہر کی سیر و سیاحت میں گذار دیئے۔ یہاں پیرس کے مقابلے میں موسم بڑا خوش گوار تھا اور دھوپ بھی خوب چمکتی تھی۔ چوتھے روز ناگ اور ماریا بندرگاہ پر آگئے۔ ایک بڑا جہاز سپین جانے کو تیار کھڑا تھا۔ اس کے سفید اور سرخ بادبان مستولوں کے ساتھ لپٹے ہوئے تھے مسافر سیڑھیاں چڑھ کر جہاز میں سوار ہو رہے تھے۔ دوسری طرف سے مزدور ان کا سامان جہاز پر لاد رہے تھے۔ ناگ اور ماریا کے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ بس ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس تھا جس میں ضرورت کی چند ایک چیزیں تھیں۔

جہاز کے ڈیک یعنی عرشے سے اوپر والی منزل پر فسٹ کلاس کے صرف چار کیبن تھے۔ ان میں سے ایک کیبن ناگ کے نام بک تھا۔ ناگ کیبن میں آگیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ

تھی۔ اس کی ٹکٹ لینے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ وہ تو
کسی کو دکھائی ہی نہیں دیتی تھی۔ چھوٹا سا کیبن بڑا خوبصورت تھا
پلنگ میز کرسی اور دیوار کے ساتھ آئینہ لگا تھا۔ ناگ نے کہا۔
"تم پلنگ پر سویا کرنا۔ میں قالین پر سو جایا کروں گا۔"
"ناگ بھائی میرے لئے تم کیوں تکلیف کرو گے۔ میں تو
باہر عرشے پر بھی جا کر سو سکتی ہوں۔"
"نہیں ماریا بہن! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میری بہن
باہر سو رہی ہو۔ تم آرام سے پلنگ پر سونا میرا کیا ہے
میں تو سانپ بن کر جہاز کی چھت پر چڑھ کر بھی سو
جایا کروں گا۔"

جہاز کے بادبان کھول دیئے گئے۔ لنگر اٹھا دیا گیا۔ کپتان کے
حکم سے سیڑھی پہلے ہی اوپر کھینچ دی گئی تھی۔ جہاز نے دو تین
بار بھونپو سے وسل بجائے اور وہ سمندر میں روانہ ہو گیا۔ سارا
دن ساری رات جہاز سمندر میں بڑے سکون کے ساتھ اپنی منزل
کی طرف چلتا رہا۔ اسی طرح تین دن سمندری سفر میں گذر گئے
ماریا پلنگ پر سو جاتی۔ ناگ کبھی قالین پر اور کبھی کیبن سے
باہر نکل کر جہاز کی چھت پر جا کر سو جاتا۔ اس وقت وہ ایک
چھوٹے سے سانپ کی شکل میں ہوتا۔

جہاز پر ناگ اور ماریا کو سفر کرتے تیسرا روز تھا۔ کہ آسمان بادلوں

سے گھر گیا اور طوفانی ہوا چلنے لگی۔ ناگ اس وقت جہاز کے عرشے پر
جنگلے کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا۔ وہ انسانی شکل میں تھا۔ جہاز نے
ڈولنا شروع کر دیا۔ ناگ نے سوچا کہ وہ نیچے ماریا کے کیبن میں چلا جائے
ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ جہاز کا جنگلا طوفانی ہوا میں یک لخت ٹوٹ
گیا اور ناگ جنگلے کے ساتھ ہی سمندر میں جا گرا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی
سے ہو گیا کہ ناگ کو اتنی مہلت ہی نہ مل سکی کہ وہ پرندہ بن کر اڑ جاتا۔
ادھر سمندر میں طوفان کی وجہ سے ایک وہیل مچھلی جہاز کے قریب سے ہو
کر نکل رہی تھی۔ اتفاق سے وہیل اس وقت سانس لینے کے لئے باہر
نکلی ہوئی تھی۔ ناگ عین وہیل مچھلی کے گلپھڑے کے سوراخ پر گرا اور اس
کے اندر سے ہوتا ہوا وہیل کے پیٹ میں آ گیا۔

ابھی وہ سمندر کے اوپر جہاز کی تازہ ہوا میں کھڑا تھا اور ابھی وہیل
مچھلی کے پیٹ میں تھا۔ یہ سارا بھیانک کھیل بس ایک منٹ کے اندر
اندر شروع ہو کر ختم بھی ہو گیا۔ ناگ بھونچکا ہو کر رہ گیا۔ وہ وہیل کے
اتنے بڑے سرنگ ایسے اندھیرے پیٹ میں پہنچتے ہی نیم بے ہوش ہو
گیا۔ وہ مچھلی کے معدے میں جا کر گرا تھا اور یہاں وہ معدے کی لجلجی
تہہ کے پانی میں گھٹنوں تک ڈوب گیا۔ معدے کی فضا میں ایسی گیس
پھیلی ہوئی تھی جس میں ناگ کا دم گھٹنے لگا اور اس پر بے ہوشی چھانے لگی۔
اس نے بے ہوش ہوتے ہوتے ایک گہرا سانس کھینچا اور سانپ بن کر
وہیل مچھلی کے معدے کی دیوار کے ساتھ چپک گیا۔ سانپ بن جانے

سے اتنا ہی فائدہ ہوا کہ اس پر معدے کی تیزابی ہوا نے زیادہ اثر نہ کیا۔ کیونکہ سانپ تھوڑی سی آکسیجن کے ساتھ ہی کافی دیر تک زندہ رہ سکتا ہے۔

مگر اب ایک خطرہ تھا کہ ویل مچھلی کے معدے سے جو تیزابی رطوبت نکل رہی تھی وہ اس قدر تیز تھیں کہ ناگ کا سارا جسم گل سکتا تھا۔ معدے کی دیوار سے بھی ہلکی ہلکی رطوبت رسنے لگی تھی۔ ناگ نے معدے میں آگے کی طرف رینگنا شروع کیا۔ وہ ویل مچھلی کی پسلیوں کے بڑے ہال کمرے میں آگیا۔ یہ سچ مچ ایک گول ہال کمرہ تھا جس پر بڑی بڑی پسلیوں کی چھت پڑی تھی۔ یہاں زیادہ اندھیرا نہیں تھا۔ ناگ نے ویل مچھلی کی چربی والی کمر کا اندرونی حصہ دیکھا جو اسے ایک میدان کی طرح پھیلا ہوا دکھائی دیا۔ وہ جلدی وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

شاید ویل مچھلی کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ اس کے اندر کوئی شے مسلسل رینگ رہی ہے۔ وہ بار بار کھانس رہی تھی۔ ہر کھانسی کے ساتھ ہوا کا ایک بگولا سا ناگ کو اٹھا کر باہر پھینکنے کی کوشش کرتا۔ لیکن ناگ پسلیوں کے درمیان ایک جگہ چھپا ہوا تھا۔ کیونکہ وہ ویل مچھلی کے منہ سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔ وہاں جان کا خطرہ تھا۔ ناگ ویل کے گلپھڑے کے سوراخ سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔

اُسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ جہاں سے ویل نے سانس لیا تھا وہ سوراخ کس جگہ پر ہے۔ اس نے اندازہ لگا کر ویل مچھلی کی کمر کی طرف رینگنا شروع

کیا۔ ایک جگہ دور گردن کی بڑی بڑی گول ہڈیوں کے درمیان اُسے ہلکی روشنی آتی دکھائی دی۔ ناگ تیزی سے رینگتے ہوئے وہاں پہنچا۔ اُس نے دیکھا کہ وہاں ویل کی گردن کے اوپر ایک ایسی مچھلی چمٹی ہوئی ہے۔ جس میں سے روشنی نکل رہی ہے۔ شاید یہ بجلی کی مچھلی ریل تھی۔

سامنے ویل مچھلی کا جبڑا تھا۔ جس کے اندر چھوٹے چھوٹے باریک نوکیلے تیز دانتوں کا دونوں جانب فٹ پاتھ سا بچھا تھا۔ یہاں جانے کا مطلب تھا کہ وہ پیس کر رہ جائے۔ ناگ تیزی سے واپس مڑا۔ کیونکہ ویل مچھلی زور سے کھانسنے لگی تھی۔ نیچے سے ہوا کا دباؤ بڑی تیزی سے اوپر کی طرف آتا تھا۔ ناگ گلے کے اندر ایک جگہ چمٹ گیا۔ جب ویل کی کھانسی ختم ہوئی تو ناگ نے دیکھا کہ اس کے اوپر روشنی اندر آ رہی ہے۔ جلدی سے اوپر گیا۔ یہ جگہ ویل کی آنکھ تھی۔ روشنی اس کی آنکھ کے ڈھیلے میں سے ہو کر نیچے اس کے دیو ہیکل جسم کے اندر آ رہی تھی۔ اس سے ناگ نے اندازہ لگایا کہ ویل مچھلی سمندر کے اوپر تیر رہی ہے۔ اس نے سوچا کہ ویل کی آنکھ پھوڑ کر باہر نکل جائے۔ وہ آنکھ کی طرف لپکا ہی تھا۔ کہ اس کی حرکت سے ویل مچھلی خبردار ہو گئی۔ وہ تڑپ کر پانی میں الٹی ہوئی اور پوری طاقت سے غوطہ لگا کر سمندر کے اندر چلی گئی۔ ویل کے جسم کے اندر طوفان آ گیا۔ اس کے معدے میں کھائی ہوئی مچھلیاں اِدھر سے اُدھر گرنے لگیں۔ بڑی بڑی چربی والی دیواریں آگے پیچھے ہونے لگیں۔ ناگ عجیب مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

اسے ماریا کا خیال آیا کہ رات کو جب وہ اس کے کیبن میں
اُسے شب بخیر کہنے نہ گیا تو وہ پریشان ہو جائے گی۔ ناگ کی
سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا طریقہ اختیار کرے کہ ویل مچھلی
کے زندان سے اُسے رہائی نصیب ہو۔ ناگ نے فیصلہ کر لیا کہ
چاہے کچھ ہو جائے وہ ویل مچھلی کے پیٹ سے نکل کر رہے گا۔
اس نے ویل کی گردن سے ذرا نیچے اوپر والی پسلیوں پر چڑھ
کر ویل کی چربی سے بھری ہوئی دیوار کو منہ سے کھرچنا شروع
کر دیا۔ پہلے تو ویل کو ذرا بھی احساس نہ ہوا۔ جب ناگ نے آدھے
سے زیادہ سوراخ کر لیا تو ویل نے ایک جھرجھری سی لی اور
سمندر میں اُچھلنا شروع کر دیا۔ مگر ناگ اپنے کام میں لگا رہا۔

اس نے ویل کے جسم کی دیوار میں گول سوراخ اوپر تک کر لیا
اور پھر اپنا سر باہر نکالا۔ دھوپ اور تازہ ہوا میں آ کر اس کی
جان میں جان آئی۔ وہ ویل کے جسم کے سوراخ سے باہر نکل آیا
اب وہ ویل کی کمر سے لپٹا ہوا تھا اور ویل مچھلی ایک طوفانی
جہاز کی طرح بڑی زبردست رفتار سے سمندری موجوں کو چیرتی
ہوئی آگے بھاگی جا رہی تھی۔ وہ کبھی پانی میں ڈوب جاتی اور کبھی
پانی سے باہر آ جاتی تھی۔ ناگ نے یہ موقع غنیمت جانا اور جونہی
ایک بار ویل مچھلی پانی سے باہر آئی وہ سفید عقاب بن کر ہوا
میں اوپر اُٹھ گیا۔

اوپر ہوا میں آتے ہی اُس نے سب سے پہلے جو شے دیکھی
وہ ایک چھوٹا بادبانی جہاز تھا جو تھوڑی دور لہروں پر بھاگا جا
رہا تھا۔ اس کے عرشے پر جہازی کھڑے تھے کھینچتے ہوئے شور مچا
رہے تھے۔ اب معلوم ہوا کہ یہ ویل مچھلی پکڑنے والا جہاز تھا۔
اور انہوں نے ویل کی گردن میں نیزہ مار کر اسے پکڑ رکھا تھا
اور رسّے کی مدد سے سمندر میں گھسیٹے لئے جا رہے تھے۔ ناگ
نے اُڑتے اُڑتے مڑ کر ویل مچھلی کو دیکھا۔ اس کے جسم پر
کئی ایک نیزے کھُبے ہوئے تھے۔ اور خون سے سمندر لال ہو
رہا تھا۔ اب اُسے معلوم ہوا کہ ویل مچھلی جو بار بار تڑپ رہی
تھی اور جھرجھری لے رہی تھی وہ اس کی وجہ سے نہیں بلکہ ان
نیزوں کی وجہ سے تھی جو ویل کا شکار کرنے والے جہازی جہاز
کے عرشے سے اس پر پھینک رہے تھے۔ ناگ نے اس جہاز کو
چھوڑا اور سمندر میں ماریا کے جہاز کو تلاش کرنے لگا۔

ماریا کا جہاز دور دور تک کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔
ایسا لگتا تھا کہ گویا اُسے سمندر نگل گیا ہے۔ خدا جانے ویل
مچھلی اُسے سمندر کے نیچے ہی نیچے کہاں سے کہاں لے آئی تھی۔
ناگ نے ماریا کے جہاز کی تلاش برابر جاری رکھی۔ وہ سمندر میں
آگے تک نکل گیا۔ لیکن ماریا کا جہاز کہیں دکھائی نہ دیا۔ اصل میں
ناگ شمال مغرب کی بجائے سمندر میں ماریا کے جہاز کو جنوب

مشرق کی طرف تلاش کر رہا تھا۔ ناگ پریشان ہو گیا۔ اس نے سوچا ویل پکڑنے والے جہاز پر جا کر کم از کم یہ تو معلوم کیا جائے کہ وہ کس سمندر میں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ماریا کے مسافر بردار جہاز کی سمت بتا سکیں۔

سوال یہ تھا کہ ناگ کس شکل میں یہ معلومات ان سے جا کر حاصل کرے گا؟ پرندہ بن کر وہ ان سے کچھ نہیں پوچھ سکتا تھا۔ اگر انسان کی شکل میں جائے تو کیا کہے گا کہ وہ کون ہے اور جہاز پر کیسے آگیا تھا۔ شکل و صورت سے ویل مچھلی کا شکار کرنے والے گورے تھے اور ہو سکتا ہے کہ ان کا تعلق جزیرہ سائپرس کے لوگوں سے ہو۔ کیونکہ اس جزیرے کے لوگ ویل مچھلی کا شکار کر کے ان کی چربی اور تیل کی تجارت کیا کرتے تھے۔ ناگ کے لئے بہر حال ویل کے شکاری جہاز پر جانا ضروری تھا۔

وہ غوطہ لگا کر واپس پلٹا۔ ویل جہاز کافی فاصلے پر تھا۔ ناگ تیر کی طرح اڑتا جہاز کے اوپر پہنچ گیا۔ جہازی ویل مچھلی کو جہاز پر لا چکے تھے اور اب کلہاڑیوں سے اس کا جسم کاٹ کر چربی الگ کر رہے تھے۔ وہ اپنے کام میں اس قدر مصروف تھے کہ کسی کا خیال اس سفید عقاب کی طرف نہ گیا جو ان کے جہاز کے اوپر منڈلا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کہاں اترے؟

آخر ناگ کو خیال آیا کہ وہ کتنی دیر تک یونہی اڑتا رہے گا۔

وہ جہاز کے مستول پر جا بیٹھا۔ یہاں اس نے ایک زرد رنگ کی چڑیا کی شکل بدلی اور پھُرر سے اڈاری مار کر جہاز کے ڈیک پر سب سے پہلے تیل کے بڑے بڑے خالی ڈرموں کے درمیان آ بیٹھا۔ اب وہ سوچنے لگا کہ کس شکل میں ظاہر ہو کر ماریا کے جہاز کے بارے میں ان لوگوں سے معلومات حاصل کر سکے۔ ناگ کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ وقت بھی گذرتا جا رہا تھا اور ماریا کا جہاز اور دُور ہوتا جا رہا تھا۔ ناگ کا خیال تھا کہ اُسے ماریا کے جہاز سے جُدا ہوئے ابھی صرف سات آٹھ گھنٹے ہی گذرے تھے کیونکہ وہ دن کے وقت سمندر میں ویل کے پیٹ میں گزرا تھا اور اب شام ہو رہی تھی اور سورج سمندر کے اوپر سنہری کرنیں بکھیرتا مغرب کی طرف غروب ہو رہا تھا۔

ناگ ہر حالت میں رات کو یا زیادہ سے زیادہ دوسرے روز واپس ماریا کے جہاز پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اس کو اور تو کچھ نہ سوجھی۔ بس ایک خیال ذہن میں رکھ کر اُس نے انسانی شکل بدل لی۔ وہ تیل کے خالی ڈرموں کے درمیان بیٹھا تھا۔ جہاز کے عرشے پر ڈوبتے سورج کی لالی پھیلی ہوئی تھی۔ ذرا دور جہازی ویل کے ٹکڑے کر رہے تھے۔ اس کی چربی نکال کر بڑے بڑے ڈرموں میں ڈالی جا رہی تھی۔ دو آدمی خالی ڈرم لینے اس طرف آئے جہاں ناگ چھپا ہوا تھا۔ جہازی مزے سے مذاق کرتے ہنستے مسکراتے وہاں

آکر ڈرموں کو گھسیٹنے لگے۔ ایک جہازی نے خالی ڈرم پرے
کھسکایا تو حیران سا ہو کر جھک کر ناگ کو تکنے لگا۔

"ہے۔ کون ہو تم ہے"

دوسرے جہازی نے بھی غور سے ناگ کو دیکھا۔

"یہ کون ہے؟"

اور پھر سارے جہاز پر شور مچ گیا کہ ایک چور پکڑا گیا ہے۔
جہازیوں نے ناگ کو چور سمجھا تھا جو ویل کی چربی چرانے سائپرس
کی بندرگاہ سے کسی طرح جہاز پر سوار ہو گیا تھا۔ ناگ کو پکڑ کر
اس کے ہاتھوں میں رسّی ڈال دی گئی۔ اُسے جہاز کے کپتان
کے سامنے پیش کیا گیا۔ کپتان کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں اور وہ
اطالیہ کا تجربہ کار جہاز ران تھا۔ کسی زمانے میں وہ بحری ڈاکوؤں
کے ساتھ بھی رہ چکا تھا۔ اور کئی انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار
چکا تھا۔ اس نے ناگ کی گردن کو اپنے پنجے سے دبوچ کر غراتے
ہوئے پوچھا۔

"کون ہے تو؟ کہاں سے جہاز پر چڑھا تھا؟"

ناگ کو کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔ اس نے یونہی کہہ دیا۔

"میں —— میں بندرگاہ سے ہی چڑھ گیا تھا۔"

"ہونہہ —— کیا تجھے پتہ نہیں تھا کہ میں بحری ڈاکو
بھی ہوں اور میرے جہاز پر جو چوری کی نیت سے

آتا ہے میں اسے قتل کر کے سمندر میں پھینک دیتا ہوں؟
ہیں؟ بولو! بولتے کیوں نہیں ہو؟"

وحشی بدتمیز کپتان ناگ کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ سارے جہازی ہنس رہے
تھے۔ قہقہے لگا رہے تھے۔ ناگ کو اپنی زبان میں گالیاں دے رہے
تھے اور کپتان سے کہہ رہے تھے۔ "اسے ہمارے حوالے کرو ہم اس
کی چربی نکال کر ڈرم میں بند کر دیں گے۔" ناگ کو غصّہ آنا شروع
ہو گیا تھا۔ اُس کا پارہ آہستہ آہستہ چڑھنے لگا تھا۔ اتنے میں ایک
بزرگ جہازی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"کپتان! اس سے یہ تو پوچھو کہ یہ کس نیت سے ہمارے
جہاز پر سوار ہوا تھا؟ مجھے تو یہ بے گناہ لگتا ہے۔
اس کی شکل چوروں ایسی نہیں ہے۔"

کپتان نے بوڑھے کے کندھے پر زور سے مکّا مارا۔ بوڑھا گر پڑا۔

"حرامی بڈھے! یہ تیرا باپ لگتا ہے۔ جو تو اس کی
حمایت کر رہا ہے؟"

سارے جہازی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ ہر کوئی سوائے اس
بوڑھے جہازی کے ناگ کا مذاق اڑا رہا تھا اور کپتان کو ترغیب
دے رہا تھا۔ کہ اسے سمندر میں پھینک دیا جائے۔ ناگ بالکل
پریشان نہیں تھا۔ ہاں اسے غصّہ ضرور آ رہا تھا۔ وہ اس جہاز
سے اپنی ضروری معلومات حاصل کئے بغیر جانا بھی نہیں چاہتا تھا۔

لیکن بدتمیز کپتان باز نہیں آرہا تھا۔ اس نے خنجر اپنی چمڑے کی پیٹی میں سے نکال کر بوڑھے جہازی کی طرف پھینکا۔ اس کی قسمت اچھی تھی خنجر اس کے سر کے اوپر سے ہوتا ہوا سمندر میں جا گرا۔ کپتان اور زیادہ غصے میں آگیا۔ اس نے حکم دیا۔

"پہلے اس بڈھے کھوسٹ کو سمندر میں دھکیل دو۔ پھر اس غدار چور کی کھال اتار دو۔"

جہازی کپتان کے اس حکم پر خوش ہو کر تالیاں بجانے لگے وہل مچھلیوں پر نیزے چلا چلا کر اور ان کے جسموں کے ٹکڑے کر کر کے یہ لوگ سنگدل ہو چکے تھے۔ انہوں نے لپک کر بوڑھے جہازی کو بازوؤں سے پکڑ لیا۔ اور سمندر کی طرف لے چلے۔ ناگ کے دونوں ہاتھ رسّی میں بندھے تھے۔ اُسے بوڑھے جہازی کے حسنِ اخلاق کی وجہ سے اُس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ وہ ان ظالموں کے ہاتھوں اس کی موت کبھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ خواہ کچھ ہی کرنا پڑے اس شریف بوڑھے جہازی کو ان ظالموں سے بچانا چاہیے۔ ناگ نے یہ فیصلہ کر کے اپنے دونوں ہاتھوں کو ہلکا سا جھٹکا دے کر رسّی توڑ ڈالی۔

جہاز کے کپتان نے چیخ کر کہا۔

"اس حرامی کو پکڑو، اس نے رسّی تڑا لی ہے۔"

تین چار جہازی ناگ کی طرف بھاگے۔ مگر ناگ بھلا اب ان کے ہاتھ کب آنے والا تھا۔ اب تو اُن لوگوں کو اپنی جان کی خیر منانی چاہیے تھی۔ ناگ کو سب سے زیادہ فکر بوڑھے جہازی کی تھی جس کے بارے میں اُسے یقین تھا کہ وہ سمندر میں گرتے ہی مر جائے گا۔ جہازی اُسے لے کر عرشے کے جنگلے کے پاس کھڑے کپتان کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ کہ انہوں نے ناگ کو رسّی تڑاتے دیکھا۔ ناگ نے ایک گہری سانس لیا اور سفید عقاب بن کر جہاز کے عرشے سے تیر کی طرح سیدھا اوپر کو اٹھ گیا۔ جہازی اور کپتان ہکے بکے رہ گئے۔ پہلے تو انہوں نے جو کچھ دیکھا اس پر یقین ہی نہیں آیا۔ وہ بار بار آنکھیں جھپکا جھپکا کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک زندہ اچھا بھلا انسان ایکدم سے پرندہ بن کر اڑ جائے؟ نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ان کی نظروں کو دھوکا ہوا ہے۔ لیکن ناگ ان کے درمیان نہیں تھا۔ صرف اس کی رسّی اُن کے پیروں میں پڑی تھی۔ کپتان کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار تھے۔ وہ منہ اٹھائے سفید عقاب کو ڈوبتے سورج کی سنہری روشنی میں آسمان پر چکر لگاتے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے کہا۔

"یہ جادوگر تھا۔ افریقہ کے جادوگر ایسا کر سکتے ہیں۔"

لیکن اس کے جہازیوں نے ایسا جادو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

کپتان نے حکم دیا۔

"اس بوڑھے کو گستاخی کا مزا چکھاؤ، اسے سمندر میں گرا دو۔"

ناگ نے بھی کپتان کی آواز سن لی تھی اور اپنے تیز نظروں
سے بوڑھے جہازی کو موت کی طرف جاتے دیکھ لیا تھا۔ وہ بجلی
کی طرح غوطہ لگا کر جہاز کے عرشے پر آیا اور گرتے ہی ایک دیوہیکل
پہاڑ جیسے کنگ کانگ میں بدل گیا اور اس نے چیختے چلاتے غراتے
حلق سے بھیانک آوازیں نکالتے ہوئے جہازیوں کو پکڑ پکڑ کر سمندر میں
پھینکنا شروع کر دیا۔ جو بچ گئے وہ نیچے کیبنوں کی طرف بھاگے
کپتان سیڑھیوں کے دروازے تک پہنچ چکا تھا کہ کنگ کانگ نے
ہاتھ بڑھا کر اسے ایک مینڈک کی طرح اٹھا لیا۔

ہتھیلی میں لے کر کنگ کانگ دیوہیکل گوریلے نے اُسے ہوا میں
اچھال دیا۔ جہاز کا بدتمیز قاتل کپتان ہوا میں لڑھکتا کھاتا قلابازیاں
لگاتا دو تین چکر کھا کر دور ایک میل کے فاصلے پر سمندر میں جا گرا
جہاں ایک ویل مچھلی منہ کھولے شاید اُسی کا انتظار کر رہی تھی۔ چنانچہ
جو کپتان ویل مچھلیوں کو کاٹ کاٹ کر ان کا تیل نکالا کرتا تھا۔ آخر
ایک دن ویل مچھلی کا شکار بن گیا۔ جہاز پر افراتفری مچ گئی دیکھتے
دیکھتے وہاں سناٹا چھا گیا۔ صرف بوڑھا جہازی عرشے پر ایک
طرف لگ کر کھڑا تھا اور سہما ہوا تھا۔

کنگ کانگ نے ایک لمبا سانس لیا اور ناگ اپنی اصلی انسانی
شکل میں آ گیا۔ اس نے بوڑھے جہازی کو اس کی زبان میں کہا۔
"بابا! یہاں سے ایک طرف آ جاؤ۔ مجھے تم سے کچھ

باتیں کرنی ہیں"

بوڑھا جہازی حیرت زدہ تھا۔ ناگ نے کہا۔
"مجھ سے ڈریں نہیں بابا۔ میں آپ کا دوست ہوں۔
اس لئے میں نے ان ظالموں سے آپ کی جان بچائی ہے
میرے ساتھ ادھر آ جائیں"

بوڑھے جہازی کو کچھ حوصلہ ہوا۔ وہ ناگ کے ساتھ جہاز کے عقبی
حصے میں آ گیا۔ یہاں بہت سے خالی اور بھرے ہوئے پیپے
پڑے تھے۔ شام گہری ہو رہی تھی۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔
سمندر پر اندھیرا چھانے لگا تھا۔ ہوا سرد ہو رہی تھی۔ ناگ نے
بوڑھے جہازی سے کہا۔

"یہ کونسا سمندر ہے اور کیا آپ نے اندلس کی طرف
جاتا کوئی مسافر جہاز دیکھا ہے"

پہلے تو بوڑھے جہازی کی زبان ہی خوف سے بند رہی۔ وہ یہ سمجھ
رہا تھا کہ کسی جن بھوت کے سامنے بیٹھا ہے۔ جب ناگ نے یہ کہا
کہ اس کے پاس جادو ہے جس کی وجہ سے وہ انسان سے جو چاہے
بن سکتا ہے اور یہ جادو اُس نے افریقہ کے ایک پرانے جادوگر
سے سیکھا تھا تو اُسے کچھ تسلی ہوئی۔ اس کا کچھ خوف دُور ہوا۔ اس
نے کہا۔

"میرے کیبن میں چلو، وہاں بات کروں گا"

جہاز ویران ہو چکا تھا۔ اوپر عرشہ خالی تھا۔ بادبان کھُلے تھے
اور جہاز ایک طرف اپنے آپ بہا جا رہا تھا۔ جو جہازی بھاگ کر نیچے
گئے تھے انہوں نے اپنے آپ کو کیبنوں میں بند کر لیا تھا۔ بوڑھا جہازی
ناگ کو ایک تنگ سے اندھیرے کیبن میں لے گیا۔ یہاں دنیا جہان
کی پرانی چیزیں پڑی تھیں۔ بوڑھے نے موم بتی روشن کر کے ٹوٹی ہوئی
تپائی پر رکھ دی اور کہا۔

"ہم بحیرہ روم کے سمندر میں ہیں اور دو روز پہلے ایک
مسافر بردار جہاز ہم سے کوئی دو میل کے فاصلے پر سے
گزرا تھا۔ یقیناً وہ اندلس کی طرف ہی جا رہا تھا۔ کیونکہ اس کا
رخ اُدھر کو ہی تھا۔"

ناگ کو بس یہی معلوم کرنا تھا۔ اس نے بوڑھے جہازی سے کہا۔

"تم بتا سکتے ہو کہ اس وقت وہ جہاز یہاں سے کتنی
دور اور کس سمت کو ہوگا؟"

بوڑھے جہازی نے کہا۔

"وہ جہاز میرے اندازے اور تجربے کے مطابق ہمارے
جہاز سے شمال مشرق کی طرف کوئی ایک سو بیس میل
کے فاصلے پر ہوگا۔ کیا تم وہاں جاؤ گے؟"

"ہاں، میری ایک بہن اس جہاز میں سفر کر رہی ہے
میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ تمہارا بہت بہت

شکریہ بابا۔ اگر ممکن ہوا تو کبھی نہ کبھی زندگی کے موڑ
پر ایک دوسرے سے ملاقات ضرور ہوگی۔ اب میں جا
رہا ہوں۔"

"کیا تم رات کے اندھیرے میں جاؤ گے؟"

ناگ نے ہنس کر کہا۔

"آپ تو جانتے ہیں کہ میں اُڑ بھی سکتا ہوں، میں اڑ کر
پہنچ جاؤں گا۔"

ناگ نے بوڑھے جہازی سے ہاتھ ملایا اور کیبن سے نکل کر جہاز
کے عرشے پر آ گیا۔ سیڑھیوں میں اُسے ایک جہازی ملا۔ وہ ناگ
کو دیکھ کر چیخ مار کر پیچھے کو بھاگا۔

"بھوت، بھوت آ گیا، پھر آ گیا۔"

ناگ ہنستا مسکراتا عرشے پر آ گیا۔ دو جہازی نیزے لے کر
اس کی طرف لپکے۔ ناگ اب انہیں کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا کیونکہ
وہ احمق تھے۔ ناگ نے سفید عقاب کا روپ بدلا۔ اڈاری ماری
اور ہوا میں اُڑ کر شمال مشرق کی طرف پرواز شروع کر دی۔
آدھی رات تک وہ پرواز کرتا رہا۔ رات کا پچھلا پہر گزر رہا تھا
کہ اس نے دور سمندر میں روشنی کا ایک نقطہ ٹمٹماتا دیکھا۔ اس
کی طرف اُڑنے لگا۔ کافی دیر تک اڑتے رہنے کے بعد اس نے
دیکھا کہ روشنی کا نقطہ اصل میں ایک چراغ ہے جو ایک بحری جہاز

کے عرشے کے آگے موٹے شیشے کے اندر روشن ہے۔ناگ نے
ماریا کے جہاز کو پہچان لیا۔مسافر عرشے پر گرم کمبل اوڑھے سو
رہے تھے۔ ناگ جہاز پر اتر کر انسانی شکل میں آگیا۔ وہ سیدھا
ماریا کے کیبن میں گیا۔ اسے ماریا تو نظر نہ آئی لیکن ماریا نے
اُسے دیکھ لیا۔ وہ جاگ رہی تھی۔

"ناگ بھیا! تم کہاں چلے گئے تھے؟"

ناگ نے جدھر سے آواز آئی تھی اُدھر دیکھ کر کہا۔

"ماریا بہن! بس قسمت اچھی تھی کہ بچ کر آگیا ہوں۔"

اس کے بعد ناگ نے ماریا کو اپنی ساری کہانی سنائی تو وہ بھی
دانتوں میں انگلی داب کر رہ گئی۔

"خداوند کا شکر ہے کہ تم واپس میرے پاس آگئے،
نہیں تو عنبر کے ساتھ ساتھ میں تمہاری تلاش میں بھی
ماری ماری پھرتی۔"

ناگ تھک گیا تھا۔وہ بستر پر گر پڑا اور گرتے ہی خراٹے لینے
لگا۔ماریا نے ہنستے ہوئے اس پر کمبل ڈال دیا۔

جہاز اندلس کی طرف سفر کر رہا تھا۔

سمندر میں جہاز کو سفر کرتے سات روز گزر چکے تھے۔

ناگ ایک رات کیبن کی چھت پر سو رہا تھا۔ رات گرم تھی

آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔سمندر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔جہاز
پر کہیں کہیں لالٹین روشن تھیں۔ناگ کی ایک آہٹ سے آنکھ کھل
گئی۔اس نے اپنی گردن اٹھا کر نیچے عرشے پر دیکھا۔ دور جنگلے کے پاس
پر جلتی لالٹین کی روشنی میں ناگ کو دو سائے نظر آئے جو ایک لمبا سا صندوق
اٹھائے کیبن کی طرف آرہے تھے۔ناگ حیران سا ہوا کہ مسافر تو اپنا
سامان نیچے گودام میں رکھواتے ہیں پھر یہ صندوق کس لئے اپنے کیبن
میں لے جا رہے ہیں؟

ناگ کو دال میں کچھ کالا کالا دکھائی دیا۔ ویسے بھی اس کی طبیعت
اسرار پسند تھی اور وہ خفیہ رازوں کو حل کرنے میں بڑا مزا لیا کرتا تھا۔
وہ چھت پر سے کھسک کر نیچے ڈیک پر آگیا۔ دونوں سائے بڑے صندوق
کو گھسیٹ کر اپنے کیبن میں لے گئے اور دروازہ بند کر دیا۔ناگ کیبن
کی دیوار پر رینگتا ہوا چھوٹے سے روشندان کے پاس آگیا۔ اس نے
اندر جھانک کر دیکھا۔کیبن کی چھت سے لالٹین لٹک رہی تھی۔اس کی
روشنی میں دو ہٹے کٹے ڈاکو نما آدمی کھڑے تھے۔ درمیان میں وہی لمبا
صندوق پڑا تھا۔

ناگ کے دیکھتے دیکھتے انہوں نے صندوق کا ڈھکنا اٹھا دیا۔ناگ نے
گردن اونچی کر کے دیکھا۔صندوق کے اندر ایک لمبے سیاہ بالوں والی
خوبصورت لڑکی بے ہوش پڑی تھی۔ دونوں پراسرار ڈاکوؤں ایک دوسرے
کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ انہوں نے صندوق کو بند کیا اور رسیوں پر

بیٹھ کر سگار سلگانے اور باتیں کرنے لگے۔ ناگ بڑی توجہ سے ان کی باتیں سننے لگا۔

"یہ کام بڑا جان جوکھوں کا تھا۔ مگر ہم کامیاب ہو گئے ہیں۔ اب اس عورت کو سپین لے جا کر وہاں سے اس کے مہاراجہ باپ کو خط لکھنا ہو گا کہ تمہاری راجکماری بیٹی ہمارے پاس قید ہے۔ اگر اسے زندہ واپس لے جانا چاہتے ہو تو دس لاکھ پونڈ کی قیمت کا سونا یا جواہرات روانہ کر دو اور اپنی بیٹی کو لے جاؤ۔"

"نہیں تو؟"

"نہیں تو ہم اس کا سر کاٹ کر تمہارے دربار میں بھجوا دیں گے۔"

اور پھر دونوں ڈاکو قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"صندوق میں تازہ ہوا جاتی ہے نا؟"

"میں نے خود اس میں بارہ سوراخ بنا دیئے ہیں۔ راجکماری سپین تک بڑے سکون سے سانس بھی لیتی رہے گی اور بے ہوش بھی رہے گی۔ میری دوائی کا اثر کم از کم دس روز تک رہے گا۔"

ناگ نے یہ باتیں سنیں تو چونک پڑا۔ یہ ایک نیا ڈرامہ اس جہاز میں کھیلا جا رہا تھا۔ وہ جھٹ وہاں سے رینگتا ہوا واپس اپنے کیبن میں آ گیا۔ اس نے انسانی شکل اختیار کی اور ماریا کو جگا کر سارا واقعہ

اس نے بھی راجکماری پر بڑا ترس آیا۔ اور ان ڈاکوؤں پر سخت غصہ آیا۔ ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے یہ راجکماری اپنے مہاراجہ باپ کے ساتھ ہندوستان سے سیر کرنے فرانس آئی ہوگی کہ ان ڈاکوؤں نے اُسے اغوا کر لیا۔"

"اب ہمارا فرض ہے کہ راجکماری کو ان بدمعاشوں کے چنگل سے چھڑا کر اس کے باپ کے پاس پہنچایا جائے۔"

ناگ نے کہا۔

"لیکن یہ کام ہم سپین پہنچ کر ہی کر سکتے ہیں۔ چلتے جہاز میں تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"

"جہاز میرا خیال ہے دو روز بعد سپین کی بندرگاہ کیڈیز پر پہنچ جائے گا۔ وہاں پہنچتے ہی ان بدمعاشوں کے ٹھکانے پر حملہ کر کے انہیں موت کی نیند سلا دیا جائے اور راجکماری کو صندوق سے نکال کر واپس ہندوستان یا فرانس اس کے باپ کے پاس پہنچا دیا جائے۔"

"انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم صبح ڈاکوؤں کے کیبن میں جا کر راجکماری کو ہوش میں لاؤ اور اس سے پوچھو کہ اس کے ماں باپ کس جگہ پر ہیں۔"

"صبح جاؤں گی۔"

رات ابھی بہت باقی تھی۔ آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے۔ حبس
بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ ہوا تو جیسے بند ہو گئی تھی۔ بادبان ڈھلکے ہوئے
تھے اور جہاز بڑی ہی دھیمی رفتار سے سمندر میں جا رہا تھا لیکن اچانک
پھر ایسا ہوا کہ آسمان پر کالے کالے بادل چھا گئے اور آندھی سے بھی
زیادہ تیز ہوا چلنے لگی۔ سمندر میں طوفان آ گیا۔ اس کے باوجود جہاز
سنبھلا ہوا تھا کہ کپتان اسے بڑی مہارت سے آگے بڑھا رہا تھا مگر بدقسمتی
سے تیز ہوا میں ایک جلتی ہوئی لالٹین راہداری میں گر کر ٹوٹ گئی۔
اس کے تیل کو آگ لگ گئی۔ ہوا تیز تھی آگ نے پاس ہی پڑے روئی
کے گٹھے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اُس زمانے میں آگ بجھانے
کا اتنا جدید سامان نہیں ہوا کرتا تھا۔ ملاح پانی کی بالٹیاں بھر بھر
کر آگ پر ڈالنے لگے۔ مگر آگ بڑھتی جا رہی تھی۔ جہاز لکڑی کا بنا
ہوا تھا۔ ایک بار آگ نے شعلوں کی شکل بدلی تو پھر وہ بڑھتی ہی چلی
گئی۔ دیکھتے دیکھتے جہاز کے کیبن شعلوں میں بدل گئے۔ جہاز پر بھگدڑ
مچ گئی۔ مسافروں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں اور طوفانی لہروں نے
انہیں فوراً نگل لیا۔ آگ اب سارے جہاز میں پھیل چکی تھی۔ جہاز
کے بادبان جل کر نیچے گر پڑے۔ جہاز رُک گیا اور لہریں اسے اُچھالنے
لگیں۔ جہاز آگ کا گولہ بن چکا تھا۔

ماریا اور ناگ جہاز کے ایک تختے پر بیٹھنے میں کامیاب ہو گئے تھے
انہوں نے بے ہوش راجکماری کو صندوق سے نکال کر اپنے تختے پر

ڈال لیا تھا۔ اس افراتفری میں وہ ڈاکو بھی خدا جانے کہاں گم ہو
چکے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ شعلوں میں جل کر بھسم ہو گئے ہوں جہاز شعلے
بلند کرتا سمندری لہروں پر دُور سے دُور ہوتا جا رہا تھا۔ ناگ اور ماریا
تختے پر بیٹھے جہاز کو دُور ہوتا دیکھ رہے تھے۔ جہاز اب جل بجھ کر سمندر
میں غرق ہونے والا تھا۔ رات کے پچھلے پہر جہاز جل کر سمندر میں ڈوب
گیا۔ طوفان کا زور صبح کے وقت تھم چکا تھا۔ سورج نکلا تو سمندر پر
سوائے ایک تختے کے اور کچھ نہ تھا جس پر ناگ اور ماریا خاموش بیٹھے
تھے اور ان کے سامنے راجکماری بے ہوش پڑی تھی۔ ناگ نے سانس
بھر کر ماریا سے کہا کہ کسی طرح سے راجکماری کو ہوش میں لانے کی تدبیر
کی جائے۔ ماریا نے کہا کہ وہ کوشش کرتی ہے۔ اس نے پہلے تو راجکماری
کے سر کو دبایا۔ ہاتھ پاؤں پر مالش کی اور پھر سمندری پانی کا چھینٹا مارا
تو راجکماری نے ہوش میں آکر آنکھیں کھول دیں۔

سانپ کا انتقام

راجکماری نے ناگ کو دیکھا۔

پھر اپنے اوپر آسمان اور ارد گرد سمندر ہی سمندر دیکھا تو حیران ہو کر ناگ سے پوچھا۔

"میں کہاں ہوں ؟ تم کون ہو ؟"

ماریا تختے پر راج کماری کے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔ اُسے کالے کالے لمبے بالوں، کالی آنکھوں اور ماتھے پر لگے تلک کے سرخ نشان والی راجکماری بڑی پیاری لگی۔ راجکماری ماریا کو نہیں دیکھ سکتی تھی ناگ نے ابھی اُسے اپنا تعارف کروانے سے منع کیا تھا کہ کہیں راجکماری ڈر نہ جائے راجکماری کو ناگ نے بڑے ادب، خلوص اور میٹھے لہجے میں کہا۔

"آپ یوں سمجھ لیں کہ اپنے بھائی کے پاس ہیں۔"

راجکماری نے آس پاس پانی ہی پانی دیکھ کر خوف سے پوچھا۔

"میں یہاں کیسے آگئی ؟ میرے پتا جی کہاں ہیں ؟"

ناگ نے راجکماری کو وہ ساری بات بیان کر دی جو اس نے دونوں ڈاکوؤں کی زبانی سنی تھی کہ انہوں نے راجکماری کو فرانس

کے شہر پیرس سے اغوا کیا تھا اور اب سپین لئے جا رہے تھے کہ اسے یرغمال بنا کر اس کے راجہ باپ سے دس لاکھ پونڈ کی قیمت کا سونا وصول کر سکیں کہ جہاز میں آگ لگ گئی اور وہ اسے بچا کر لے آیا۔

راجکماری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میرے راجہ پتا جی بڑے پریشان ہوں گے۔ اب میں کیا کروں ؟ کیسے اپنے باپ کے پاس پہنچوں گی ؟"

ناگ نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"راجکماری جی ! اس طرح گھبرانے سے سوائے پریشانی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ہم آپ کو بڑی مشکل سے جلتے ہوئے جہاز سے نکال کر لائے ہیں۔"

"ہم کون ؟ کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے ؟"

ناگ کے منہ سے غلطی سے "ہم" کا لفظ نکل گیا تھا۔ کیونکہ اُسے تو معلوم تھا کہ ماریا بھی اس کے ساتھ ہے۔ وہ جلدی سے بولا۔

"ارے ارے میرا مطلب تھا کہ میں۔ صرف میں تو میں کہہ رہا تھا کہ میں نے چونکہ ڈاکوؤں کی باتیں سن لی تھیں اس لئے فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ راجکماری کو ان کے پنجے سے نکال کر اس کے باپ کے پاس ضرور پہنچاؤں گا۔ اس لئے میں نے آپ کو بے ہوشی کی حالت میں ہی صندوق میں سے نکال کر اس تختے پر ڈالا اور سمندر میں لے کر روانہ ہو گیا۔"

اب راجکماری حالات کو اچھی طرح سمجھنے لگی تھی۔ اس نے
ناگ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پوچھا۔
"تمہارا نام کیا ہے؟"
"مجھے ناگ کہتے ہیں۔"
راج کماری نے کہا۔
"یہ تو ہم ہندوستان کے رہنے والوں کا ایسا نام
نہیں ہے۔ تمہارا سانپ سے بھی کوئی تعلق ہے؟"
ناگ پریشان سا ہوگیا۔ اس قسم کا سوال کسی نے پہلے اس کا
نام سُن کر کبھی نہیں کیا تھا۔ وہ بات کو ٹالنے کے انداز میں
مسکرا کر بولا۔
"میرے ماں باپ نے ویسے ہی میرا نام یہ رکھ دیا تھا۔
بھلا میرا سانپوں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"
راجکماری مسکراتے ہوئے تختے پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ناگ نے پوچھا۔
"تمہارا نام کیا ہے راجکماری؟"
"پھول کماری۔ میرا باپ ہندوستان کی ایک ریاست
جتیل گڑھ کا مہاراجہ ہے۔ میں اپنے پتاجی کے ساتھ
فرانس کی سیر کرنے آئی ہوئی تھی۔"
پھر وہ اداس ہو کر بولی۔
"میرے پتاجی میرے بغیر بہت پریشان ہوں گے

کاش کسی طرح انہیں خبر مل جاتی کہ میں زندہ ہوں
اور اپنے بھائی کے ساتھ ہوں۔"
ناگ نے کہا۔
"ابھی تو ہمیں خود پتہ نہیں کہ ہمارا انجام کیا ہوگا
خدا جانے سمندر کی موجیں ہم کو کون سے آدم خور جزیرے
میں لے جا کر پھینک دیں۔ ہاں اگر ہم کسی ملک کے ساحل
پر پہنچ گئے تو کوشش کروں گا کہ تمہیں وہاں سے لے کر
ہندوستان جاؤں اور تمہاری ریاست میں پہنچ کر تمہیں
تمہارے باپ کے حوالے کر دوں۔"
راجکماری پھول کماری نے ناگ کی طرف یوں دیکھا جیسے ایک
مصیبت زدہ بہن اپنے مدد کرنے والے بھائی کی طرف دیکھتی ہے۔
"ناگ بھیا! اگر قسمت میں مجھے اپنے پتاجی کے پاس پہنچا
دیا تو تمہارا یہ احسان ہمارا سارا خاندان کبھی نہیں بھلائے
گا۔ پتاجی تمہارا منہ ہیرے جواہرات سے بھر دیں گے۔"
ناگ نے ہنس کر کہا۔
"ہیرے جواہرات کی مجھے ضرورت نہیں پھول کماری۔"
"کیوں نہیں بھلا۔ ہر انسان کو دولت کی ضرورت ہوتی
ہے۔ اور پھر یہ تو ہمارا فرض ہوگا کہ ہم تمہیں دولت
سے مالا مال کر دیں تاکہ تم ساری زندگی آرام وسکون سے

رہ سکو۔"

ناگ نے پھول کماری کا جی رکھنے کے لئے کہا۔

"شکریہ پھول کماری شکریہ! مگر ابھی تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمارا یہ تختہ سمندر کی موجوں پر تیرتا ہوا کہاں اور کدھر جا رہا ہے۔"

پھول کماری نے چاروں طرف سمندر پر ایک نگاہ ڈالی پھر سورج کی سمت دیکھا اور کہا۔

"میں نے درباری نجومی سے جوتش پڑھی تھی مجھے ستاروں کے حساب کا پتہ ہے۔ میرا حساب کہتا ہے کہ اس وقت ہم جنوب مغرب کی طرف جا رہے ہیں اور ہم سمندر میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔

"ہمارا جہاز سپین جا رہا تھا۔ اصل میں میرا ایک بھائی ہے۔ جس کا نام عنبر ہے۔ وہ مجھ سے بچھڑ کر سپین چلا گیا ہوا ہے۔ میں اس سے ملنے سپین جا رہا تھا کہ جہاز میں آگ لگ گئی۔ اب اگر ہم تختے پر تیرتے ہندوستان کے ساحل پر جا لگیں تو یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہوگی۔ کیونکہ اس طرح ہمارا آدھا کام پہلے ہی ہو جائے گا۔ اگر سپین پہنچ گئے تو وہاں سے پھر ہمیں کسی جہاز میں بیٹھ کر ہندوستان جانا پڑے گا۔"

پھول کماری نے فضا کی نمی کو سونگھتے ہوئے کہا۔

"میرا حساب کہتا ہے کہ یہ جو ہوا میں نمی کی بو ہے یہ مغرب کے سمندروں کی نہیں بلکہ جنوبی ایشیا کے سمندروں کی ہے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم ہندوستان کے ساحل کی طرف بہہ رہے ہیں۔"

پھول کماری نے کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم ملک جاوا سماٹرا کی طرف نکل جائیں۔"

"میرے خدا!" ناگ بولا" وہ تو ہم بہت دور نکل جائیں گے۔"

پھول کماری کو پیاس اور بھوک محسوس ہونے لگی تھی۔ ناگ نے سوچا کہ پانی اور کھانے کا کیا کیا جائے؟ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ پھول کماری کو بھوک بھی لگے گی اور پیاس بھی لگے گی۔ کہنے لگا۔

"اس کا کوئی انتظام کریں گے۔ میرا خیال ہے ہم مچھلیاں پکڑ کر کھائیں گے۔ کیونکہ اس سمندر میں ہمیں سوائے مچھلی کے اور کچھ نہیں مل سکتا۔"

پھول کماری نے آہ بھر کر کہا۔

"اور پانی کہاں سے آئے گا؟"

"ہو سکتا ہے بارش ہو جائے۔"

"اور اگر ایک ہفتے تک بارش نہ ہوئی تو کیا کریں گے؟"

ناگ نے جواب میں کہا۔

"تمہارے لئے پانی کہیں نہ کہیں سے ضرور پیدا کروں گا
پھول کماری، فکر نہ کرو۔"

"اور کیا تم نہیں پیو گے؟"

"چلو میں بھی پی لوں گا۔"

ناگ نے تھوڑا ہنس کر کہا۔ وہ پھول کماری کو ہنستے ہنساتے رکھنا چاہتا تھا کیونکہ بھوک اور پیاس کا بھوت اُسے برباد کر سکتا تھا دوسری طرف ماریا اتنی دیر سے خاموش تھی۔ اُسے بڑی الجھن ہو رہی تھی۔ اتنے لمبے سمندری سفر میں وہ کہاں تک اور کب تک چپ رہ سکتی تھی؟ ناگ کو بھی احساس تھا کہ ماریا بڑی دیر سے خاموش ہے کہیں اچانک بول کر پھول کماری کو ہڑبڑا نہ دے۔ وہ تو بھوت سمجھ کر پھر بے ہوش ہو جائے گی۔ ناگ نے بہتر یہی سمجھا کہ ماریا کے غیبی ہونے کا راز خود ہی کھول دے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ماریا نے شرارت کر ڈالی۔

گرمی کی وجہ سے ناگ نے اپنی پرانی طرز کی بند کالر والی قمیض اتار کر تختے پر اپنے پاس ہی رکھی ہوئی تھی۔ ماریا کو جانے کیا سوجھی کہ بڑے آرام سے اُسے اٹھا لیا۔ راجکماری سمندر میں دور کسی شے کو تک رہی تھی کہ اچانک قمیض اوپر اٹھ گئی۔ اور ہوا میں رک کر سیدھی ہو گئی۔ راجکماری چیخ مار کر ناگ سے لپٹ گئی۔

"بھوت! بھوت!"

ناگ نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہا۔

"آخر تم باز نہیں رہ سکیں ماریا۔"

راجکماری نے ہڑبڑا کر پوچھا۔

"ماریا! کون ماریا؟ یہ قمیض کس نے اوپر اٹھا رکھی ہے؟
کیا یہ —— یہ کوئی بھوت ہے ناگ؟"

ناگ نے ماریا سے کہا۔

"اب اپنا تعارف ان سے کراؤ۔"

ماریا نے قمیض تختے پر رکھ دی اور بڑے نرم اور میٹھے لہجے میں راجکماری سے اپنا پورا تعارف کروایا۔ اسے بتایا کہ وہ ناگ کی بہن ہے۔ کوئی بھوت نہیں ہے۔ لیکن کسی کاہن اور درویش کی بددعا سے ایک خاص مدت کے لئے غائب کر دی گئی ہے۔

"ہمارا ایک بھائی عنبر بھی ہے۔ جو چین میں سنا ہے چلا گیا ہے ہم اس کی تلاش میں جا رہے تھے کہ تم مل گئیں۔ مجھ سے ڈرو نہیں راجکماری! میں تمہاری بہن ہی ہوں۔"

راجکماری کا ڈر دور ہوا تو اس نے کہا۔

"کیا میں تمہیں ہاتھ لگا کر چھو سکتی ہوں؟"

"نہیں راجکماری! تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ میں ایک غیر مادی جسم ہوں۔ کرنوں کی طرح ہوں۔ تم مجھے چھو نہیں سکتیں۔"

راج کماری کا ڈر خوف پوری طرح دُور ہو چکا تھا۔ اب وہ ناگ اور ماریا تینوں مل کر باتیں کرنے لگے۔ ان کا سب سے بڑا مسئلہ پانی کا تھا کیونکہ دوسرے روز راجکماری کا پیاس کے مارے بُرا حال ہونے لگا۔ ناگ اور ماریا پریشان ہو گئے۔ خوش قسمتی سے شام کو گھنگھور گھٹا چھا گئی اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ راج کماری نے جی بھر کر پانی پیا اور تختے کے ایک گڑھے میں پانی جمع بھی ہو گیا۔ ساری رات بارش ہوتی رہی۔

چوتھے روز اُن کا تختہ سمندری چٹانوں کے درمیان پہنچ گیا۔ یہ چٹانیں سمندر کے اندر سے باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ اصل میں یہ چھوٹے چھوٹے آتش فشاں پہاڑ تھے جن کے اندر کھولتا ہوا لاوا ابل رہا تھا اور پھٹ کر باہر نکلنے کو تیار تھا۔ اس کی خبر نہ ماریا کو تھی اور نہ ناگ کو۔ وہ تختے کو چٹانوں کے درمیان سے بچا کر لے جا رہے تھے کہ اچانک ایک زبردست دھماکے کے ساتھ ایک چٹان کا منہ پھٹ گیا اور سرخ رنگ کا کھولتا ہوا لاوا نکل کر سمندر میں گرنے لگا۔ ناگ نے راجکماری کو تختے پر اپنے پیچھے کر لیا۔ ماریا نے چیخ کر کہا۔

"تختے کو پیچھے کی طرف کرو۔ آگے آگ ہے۔"

لاوے کے سمندر میں گرنے سے خوفناک آواز اور زور کے دھماکے بلند ہو رہے تھے۔ ابھی ناگ اور راجکماری تختے کو بڑی مشکل سے پیچھے ہی کر رہے تھے کہ سامنے کی دو چٹانوں میں بھی دھماکے

ہوئے اور اُن کے اندر سے لاوا ابل ابل کر سمندر میں گرنے لگا۔ ان کا تختہ موت کی کھولتی ہوئی وادی میں آگیا تھا۔ ان کے چاروں طرف آگ ہی آگ تھی۔ ناگ نے چلّا کر ماریا سے کہا۔

"ماریا! راجکماری کو اپنے ساتھ غائب کر کے ان چٹانوں سے دُور لے جاؤ۔ میں تمہیں آگے جا کر سمندر میں ملوں گا۔ میں سمندر میں غوطہ لگا رہا ہوں۔"

ماریا نے راجکماری کو کندھوں پر اٹھا لیا۔ لاوا اب اُن کے تختے تک پہنچ گیا تھا اور تختہ آگ میں جلنے لگا تھا۔ ماریا کے کندھے پر آتے ہی راج کماری بھی ماریا کے ساتھ ہی غائب ہو گئی۔ ماریا اُسے غیبی حالت میں ہی چٹانوں سے دُور ایک ایسی چٹان پر لے گئی جو ٹھنڈی تھی اور جہاں آگ بالکل نہیں تھی۔ اس نے راجکماری کو چٹان کے پاس پتھروں پر رکھ دیا اور کہا۔

"ہمیں ناگ کا انتظار کرنا ہو گا۔"

راج کماری نے پریشانی سے کہا۔

"ناگ کو اگر کچھ ہو گیا تو؟"

ماریا نے کہا۔

"نہیں۔ وہ سمندر میں غوطہ لگا کر بچ جائے گا تم اس کی فکر نہ کرو بہن۔ وہ ابھی ہمارے پاس آجائے گا۔"

راج کماری خاموش ہو گئی۔ یہ ایک اکیلی سمندری چٹان تھی۔ اس

کے اردگرد سمندر کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں۔ دور آتش فشاں چٹانوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔ سمندر میں لاوا ابل رہا تھا۔ ناگ نے سانپ بن کر سمندر میں غوطہ لگا دیا تھا اور وہ سمندر کے اندر ہی اندر کافی نیچے گہرائی میں اتر گیا تھا۔ اس جگہ سمندر کے نیچے بےشمار چٹانیں ہی چٹانیں تھیں۔ یہ اوپر ابھری ہوئی آتش فشاں چٹانوں کی جڑیں تھیں جو سمندر کے اندر تک چلی گئی تھیں۔ ناگ سانپ بن کر پانی کے اندر ان چٹانوں کے درمیان سے ہو کر آگے نکلتا چلا جا رہا تھا۔

چٹانوں کا سلسلہ ختم ہونے میں ہی نہیں آتا تھا۔ یہاں تک کہ سامنے ایک غار آ گئی۔ یہ سمندر کے اندر کی غار تھی۔ ناگ نے سوچا کہ شاید اس میں سے گزر کر کوئی باہر نکلنے کا راستہ نکل آئے۔ پس وہ غار میں داخل ہو گیا۔ غار میں سمندر کی لہر بڑی تیز تھی۔ ایک زبردست طوفان تھا جو ناگ کو سمندری سُرنگ کے اندر آگے ہی آگے بہائے لئے جا رہا تھا۔ اس نے رُکنے کی بہت کوشش کی مگر پانی کا ریلا اس قدر تیز تھا کہ وہ کسی جگہ بھی نہ رُک سکا اور بہتا چلا گیا۔ سرنگ میں آہستہ آہستہ اندھیرا چھا گیا۔ یہاں پانی کا دباؤ بھی بڑھ گیا تھا۔ اور ناگ اپنے جسم کو یوں محسوس کر رہا تھا جیسے کوئی اسے سختی سے دبا رہا ہو۔

ناگ پر غشی طاری ہو گئی اور اس نے اپنے آپ کو سُرنگ

کے سمندری ریلے کے حوالے کر دیا۔ کافی دیر سُرنگ کے اندر بہنے کے بعد جب ناگ کو ہوش آیا تو وہ سرنگ سے باہر نکل چکا تھا۔ یہاں سمندر کے نیچے قسم قسم کے سمندری پھول کھلے تھے اور خوبصورت مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ یہاں سبز روشنی بھی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ سمندر کے اوپر سورج نکلا ہوا ہے اور اُسے اب باہر نکلنا چاہئے۔ ناگ نے منہ اوپر کر کے اوپر کی طرف آنا شروع کر دیا۔ یہاں بھی سمندر کافی گہرا تھا۔ ناگ کافی دیر کے بعد اوپر آیا۔ اس نے اپنا سر سمندر کی سطح سے باہر نکال کر دیکھا۔ وہ کسی عجیب سمندری علاقے میں آ گیا تھا۔ یہ ایک سمندری کھاڑی تھی جس کی تینوں جانب اونچے اونچے سرسبز پہاڑ تھے اور ایک طرف کھاڑی کھلے سمندر کو جاتی تھی۔ ناریل اور تاڑ کے درختوں کے جھنڈ ہوا میں لہرا رہے تھے۔ پہاڑ کے دامن میں کیلے کے باغ ہی باغ تھے۔ ایک طرف کھیت تھے۔ دور گول چھتوں والی کھپریل کی جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ ناگ سانپ کی شکل میں کھاڑی کے پانی میں تیرا ہوا کنارے پر نکل آیا۔

یہ کوئی آباد جزیرہ لگتا تھا۔ جہاں کافی لوگ آباد ہوں گے۔ جوار اور مکئی کے کھیت دور پہاڑوں تک چلے گئے تھے۔ ناگ سانپ کی شکل میں گیلی گھاس اور پھر ریت پر رینگتا ہوا

سمندر کی کھاڑی سے باہر آگیا۔ وہ انسانی شکل میں آنے ہی
والا تھا کہ اُسے بین کی آواز سنائی دی۔ سپیرے عام طور
پر بین بجا کر جنگلوں اور سمندروں اور دریاؤں کے کنارے زہریلے
سانپوں کو پکڑا کرتے ہیں۔ ناگ نے سوچا کہ چلو آج سپیرے
کے ہاں جاتے ہیں اور معلوم کرتے ہیں کہ یہ کونسا ملک ہے
اور یہاں کیسے لوگ رہتے ہیں بین کی آواز قریب آتی جارہی تھی۔
ناگ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک کالے
رنگ کا بوڑھا سپیرا دھوتی کرتہ پہنے سر پر پگڑ رکھے گال پھلائے
بین بجاتا ہوا اس کی طرف ہولے ہولے بڑھ رہا تھا۔ سپیرے نے
بھی ناگ کو دیکھ لیا تھا۔ ناگ نے وہیں اپنا پھن اٹھایا اور بین
کی آواز پر یونہی جھومنے لگا۔ سپیرا اس کے سامنے آکر زمین پر
بیٹھ گیا۔ وہ ایک ہاتھ سے بین بجا رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے
اپنا پٹاری آگے کھسکاتا جا رہا تھا۔ اس پٹاری میں وہ سانپ کو
کو بند کرنا چاہتا تھا۔

ناگ بھی پٹاری کے قریب آگیا۔ وہ ان سپیروں کا بھی تجربہ
کرنا چاہتا تھا۔ موت کا اُسے ڈر نہیں تھا۔ کیونکہ ذرا سے بھی
خطرے کی صورت میں وہ بڑی آسانی سے پٹاری سے باہر نکل
کر کوئی بھی جانور بن کر ہوا میں اُڑ سکتا تھا۔ ناگ پٹاری کے
پاس آکر جھومنے لگا۔ سپیرا بڑا خوش تھا کہ اس کو بڑا قیمتی اور

زہریلا سانپ مل گیا ہے۔ یہ مڈغاسکر کا ایک کافی بڑا جزیرہ تھا جو
آباد تھا اور جہاں فرانس کی حکومت تھی۔ اس جزیرے میں فرانس کی
ایک کروڑپتی بیوہ اپنے اکلوتے بچے کے ساتھ اپنے شاندار محل میں
رہتی تھی۔ اس اکلوتے بچے کی عمر آٹھ سال تھی۔ بیوہ کی موت کے بعد
یہی بچہ اس کی کروڑوں روپے کی جائیداد کا مالک بننے والا تھا اس
بیوہ کا بھائی نہیں چاہتا تھا کہ جائیداد اس لڑکے کو ملے۔ لڑکے کا
نام لوئی تھا۔ بھائی لڑکے لوئی کو اس طرح ہلاک کرنا چاہتا تھا کہ
اس کی موت قدرتی معلوم ہو اور کسی کو اُس پر شک نہ پڑے
اس نے سوچ سوچ کر ایک ترکیب نکالی کہ لڑکے کو سانپ سے
ڈسوا کر ہلاک کر دیا جائے۔

بیوہ کے بھائی پیری نے خفیہ طور پر ایک افریقی سپیرے کی
خدمات حاصل کیں اور اُسے کہا کہ کوئی زبردست زہریلا سانپ
لا کر دے۔ سپیرے کو دو سو پاؤنڈ معاوضہ دیا گیا تھا۔

سپیرا نے جو ناگ کو پٹاری کے قریب آکر جھومتے دیکھا تو
اپنی کامیابی پر بڑا خوش ہوا۔ اس نے بین بجاتے بجاتے پٹاری
کا منہ کھول کر اُسے آگے کر دیا۔ ناگ بڑے آرام سے پٹاری کے
اندر چلا گیا۔ سپیرے نے جھٹ پٹاری کا منہ بند کر دیا اور اسے
بغل میں دبا کر پیری کی شہر سے باہر والی کوٹھی کی طرف اٹھ دوڑا۔
پیری اپنی کوٹھی کے لان میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ سپیرے نے جا کر

پٹاری اس کے آگے رکھ دی اور کہا۔

"صاحب! ایسا سمندری زہریلا سانپ پکڑ کر لایا ہوں کہ جس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔"

اور سپیرے نے پٹاری کا منہ کھول کر پیری کو دکھایا۔ پیری نے ذرا گردن آگے کر کے پٹاری میں کنڈلی مار کر بیٹھے سانپ کو دیکھا تو فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ سبز اور سرخ دھاریوں والا یہ دبلا پتلا سانپ اپنے خطرناک زہر کی وجہ سے سارے علاقے میں مشہور تھا۔ پیری نے جیب سے بٹوہ نکالا۔ اس میں سے دو سو پاؤنڈ کے نوٹ نکال کر افریقی سپیرے کو دیئے اور کہا۔

"خبردار! کسی سے بات کی تو میرے آدمی تمہیں قتل کر کے لاش کھاڑی میں پھینک دیں گے۔"

سپیرے نے زمین پر سر رکھ کر کہا۔

"مالک! میں غلام ہوں۔ کسی سے بات نہیں کروں گا کبھی نہیں کروں گا۔ میں کل ہی اپنے ملک سوڈان چلا جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ لو پچاس پاؤنڈ کرایہ اور کل اس جزیرے سے دفع ہو جانا۔"

پیری نے پچاس پاؤنڈ کے نوٹ سپیرے کی طرف اچھال دیئے سپیرے نے نوٹ زمین سے اٹھا کر اپنی پگڑی میں رکھے اور جھک جھک کر سلام کرتا وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد پیری نے

مسکراتے ہوئے سانپ کی پٹاری اٹھائی اور کوٹھی میں آ گیا۔ یہ پرانی طرز کی ہی سجائی کوٹھی تھی جس کے بیڈ روم میں پتھر کے ستون کھڑے تھے ستونوں کے پاس لکڑی کی الماری تھی۔ پیری نے پٹاری اس الماری میں رکھ کر باہر سے تالا لگا دیا۔

اتنے میں اس کا رازدار دوست آ گیا۔ پیری نے اُسے بتایا کہ سانپ آ گیا ہے۔ دوست بولا۔

"بس ٹھیک ہے۔ آج رات لوئی کا کام تمام کر دیا جائے گا یہ پٹاری مجھے دے دو۔ میں آدھی رات کو لوئی کے بیڈ روم میں جا کر یہ سانپ اس کے بستر پر چھوڑ دوں گا۔ اس کے بعد صبح اس کی لاش ملے گی اور تمہارا راستہ صاف ہو جائے گا۔"

"پھر میں اپنی بوڑھی بہن کے مرنے کے بعد اس کی کروڑوں روپے کی جائداد کا اکیلا وارث ہوں گا۔"

"اور مجھے میرا حصہ مل جائے گا۔"

"ضرور۔ تمہیں تمہارا حصہ ضرور ملے گا دوست! تم میرے لئے راستہ صاف کر رہے ہو۔ میں اپنے وعدے پر قائم رہوں گا۔ لوئی کی موت کے بعد تمہیں بیس ہزار پاؤنڈ کی رقم سب سے پہلے ادا کروں گا۔"

"لاؤ، پٹاری مجھے دے دو۔ میں آج ہی رات یہ

قصہ ختم کر دوں گا۔"

پیری نے لکڑی کی الماری میں سے ناگ والی پٹاری نکال کر اپنے قاتل دوست کے حوالے کر دی۔ وہ پٹاری کپڑے میں لپیٹ کر وہاں سے نکل گیا۔ ان کی باتوں سے ناگ سمجھ گیا تھا کہ یہ ظالم لوگ صرف جائیداد کے چکر میں کسی معصوم بچے کی زندگی ختم کرنے کی شرمناک سازش پر عمل کرنے والے ہیں۔ ناگ کو خیال آیا کہ یقیناً وہ لڑکا خوش قسمت ہے اور جائیداد کا سچا وارث ہے کہ اسے کسی دوسرے سانپ کی جگہ ناگ مل گیا ہے۔ اگر ناگ کی جگہ وہاں کوئی دوسرا سانپ آجاتا تو وہ یقیناً بچے کو ہلاک کر دیتا۔ مگر ایسا خدا کو منظور نہیں تھا۔

قاتل سانپ کی پٹاری لئے آدھی رات کے وقت کروڑپتی بیوہ عورت کے محل میں کھڑکی کے راستے داخل ہوا۔ لڑکا محل کے کونے والے کمرے میں سوتا تھا۔ ساتھ ہی اس کی ماں کا کمرہ تھا۔ قاتل اس محل میں آتا جاتا رہتا تھا۔ مگر آدھی رات کو اُسے بھی جائداد کے وارث کے کمرے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ قاتل اندھیرے میں چھپتا چھپاتا لڑکے کے کمرے کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے پٹاری کا منہ کھول کر سانپ کو کمرے میں داخل کر دیا۔ ناگ نے کمرے میں پہنچ کر دیکھا کہ ایک شاندار بستر پر بڑا پیارا لڑکا سو رہا تھا۔ اسکے سرہانے کی طرف شمع روشن تھی۔ لڑکے کی شکل بالکل فرشتوں ایسی معصوم اور پاکیزہ تھی۔

ناگ اندر جاتے ہی انسانی شکل میں آگیا تھا۔ کچھ دیر لڑکے کو تکتے رہنے کے بعد ناگ نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ ان لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا جو جائیداد کے جائز حقدار کو قتل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ اپنی طرف سے تو اس بچے کو ہلاک ہی کر چکے تھے۔ ناگ دوبارہ سانپ بن کر کمرے سے باہر آگیا۔ راہ داری میں اندھیرا تھا۔ قاتل بیوہ کی حویلی کی کھڑکی میں سے نیچے اتر رہا تھا۔ وہ فوراً واپس جا کر ظالم پیری کو بتانا چاہتا تھا کہ اس نے سانپ بچے کے کمرے میں چھوڑ دیا ہے اور سانپ نے بچے کو ڈس کر ہلاک کر دیا ہوگا اس لئے میری رقم میرے حوالے کرو۔

ناگ دیوار پر سے رینگتا ہوا قاتل کے قریب آگیا۔ تاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں قاتل نے جو اپنے سامنے دیوار پر اُسی سانپ کو دیکھا جس کو وہ ابھی ابھی بچے کی خواب گاہ میں چھوڑ کر آیا تھا تو دہشت کے مارے اس کی چیخ نکل گئی۔ اور رسی اُس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی۔ اور وہ آدھی منزل اوپر سے پھسل کر دھڑام نیچے آن پڑا۔ سانپ نے اسے اٹھنے کی مہلت ہی نہ دی۔ وہ بھی دیوار کو چھوڑ کر اس کے اوپر گرا۔ قاتل نے ایک اور چیخ ماری۔ مگر ناگ نے اُسے تیسری بار چیخنے کی اجازت نہ دی اُس نے قاتل کی گردن پر بڑے پیار سے ڈسا اور اپنے منہ سے اچھا خاصا زہر اس کے جسم میں داخل کر دیا۔ زہر نے سب

سے پہلا کام یہ کیا کہ قاتل کو بالکل سُن کر دیا، پھر وہ لرزا کانپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔

ناگ اس کام سے فارغ ہو کر سیدھا جنگل والی کوٹھی میں اس آدمی کے پاس آگیا جس نے بچے کو سانپ ڈسوا کر ہلاک کرنے کے لئے اس بدنصیب قاتل کو بھیجا تھا۔

گمشدہ راجکماری

جنگل میں خاموشی تھی۔

قاتل کی کوٹھی میں اندھیرا تھا صرف کونے والی کھڑکی میں روشنی ہو رہی تھی۔ قاتل بچے کی موت کی خبر کا انتظار کر رہا تھا۔ ناگ گھاس میں رینگتا ہوا برآمدے میں سے گزر کر کوٹھی کی دیوار پر چڑھ گیا۔ اُس نے کھڑکی میں سے دیکھا۔ پیری اندر بڑی بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ ناگ کھڑکی میں سے پھسل کر کمرے میں آگیا۔ فانوس کی روشنی میں پیری نے سانپ کو دیکھا تو لاٹھی لے کر اس کی طرف بڑھا۔ اُسے ابھی تک یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ یہ وہی سانپ ہے جسے اس نے قاتل کے ہاتھ جائیداد کے حقیقی وارث کو ڈسوانے بھیجا تھا۔

ناگ نے لاٹھی کو اپنے اوپر آتے دیکھا تو ایکدم سے غائب ہو گیا پیری نے خیال کیا کہ سانپ پلنگ کے نیچے چلا گیا ہو گا۔ وہ جھک کر پلنگ کے پیچھے دیکھنے لگا تو ناگ فوراً انسان کی شکل میں آگیا اور اس نے پیچھے سے پیری کی کمر پہ انگلی سے ٹہوکا دے کر کہا۔

"کہو مسٹر! لوٹی کو سانپ ڈسوا دیا ہے؟"

بیری یہ سن کر ہڑبڑا کر بیٹھا۔ سامنے ایک اجنبی نوجوان کو دیکھا تو اور زیادہ حیران ہوا۔

"کون ہو تم ہے یہاں۔ یہاں کیسے آ گئے ہو؟"
ناگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویسے تو میں ہر جگہ چلا جاتا ہوں۔ مگر یہاں میں خاص طور پر تمہیں قتل کرنے آیا ہوں۔"

بیری اچھل کر پرے ہٹ گیا اور اس نے دیوار پر لٹکی ہوئی تلوار کھینچ کر ناگ پر حملہ کر دیا۔ بڑا مکارانہ اور چالاک حملہ تھا۔ اگر ناگ ہوشیاری سے کام نہ لیتا تو تلوار نے اس کا کام تمام کر دیا ہوتا ناگ نے سوچا کہ اس کے ساتھ ذرا مقابلہ ہو جائے۔ پرے ہٹتے ہی ناگ نے گہرا سانس لیا اور ایکدم سے شیر ببر بن کر سامنے آ گیا اس نے اتنے زور سے دھاڑ ماری کہ بیری کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گر پڑی۔ اسے پر شیر کی بھی دہشت تھی اور اس بات کی بھی دہشت تھی کہ ایک زندہ انسان دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھوں کے سامنے شیر ببر کیسے بن گیا۔

شیر نے بیری کی گردن پر ایک ہلکا سا پنجہ مارا۔ بیری چیخ مار کر نیچے گر پڑا۔ ناگ اس کے فوراً بعد ایک بار پھر کالے ناگ کی شکل میں ظاہر ہو گیا۔ وہ کنڈلی مار کر قالین پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا پھن اٹھایا اور سرخ زبان لہراتا۔ پھنکاریں مارتا قاتل کی طرف

بڑھنے لگا۔ قاتل بیری کا حلق خوف سے خشک ہو گیا تھا۔ بلکہ اس کا تو سارا خون ہی خشک ہو چکا تھا۔ ناگ نے انسانی زبان میں کہا۔

"تم نے ایک معصوم بچے کو صرف دولت کے لئے ہلاک کرنا چاہا تھا۔ خدا نے اسے بچا لیا۔ اب تم اپنے کئے کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ جو دوسروں کے لئے کنواں کھودتا ہے پہلے خود اس میں گرتا ہے۔"

بیری نے کہا۔

"مجھے معاف کر دو۔"

ناگ بولا۔ "تم معافی کے لائق نہیں ہو۔ تم میرے جانے کے بعد معصوم بچے کو قتل کر دو گے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم خود اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ۔ فکر نہ کرو۔ میرا زہر تمہیں ذرا جتنی بھی تکلیف نہیں دے گا۔"

اور ناگ سانپ کی شکل میں بیری کے بالکل سر پر آ گیا۔ پھر اس نے قاتل کے اوپر والے ہونٹ پر ڈس دیا۔ قاتل الٹ کر گرا اور اوندھا ہو گیا۔ زہر بے حد زہریلا اور خطرناک تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر ناگ رینگتا ہوا کوٹھی سے باہر آ گیا۔ رات ڈھلنا شروع ہو گئی تھی۔ ناگ کوٹھی کے باغ کی کیاریوں میں رینگتے ہوئے باہر ایک چھوٹی سی پکی سڑک پر آ گیا جو شہر کی طرف جاتی تھی اس نے سوچا کہ اب اسے دوبارہ انسانی شکل میں آ جانا چاہئے اور یہ

پتہ لگانا چاہیے کہ یہ جزیرہ سپین سے کتنی دور ہے؟

ناگ انسان بن گیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا رات کے اندھیرے میں شہر کو جانے والی کچی سڑک پر آکر رُک گیا۔ آج سے ایک سو پچاس برس پہلے جنوبی افریقہ کے مشرق کی طرف کے بہت بڑے جزیرے مڈغاسکر میں بھلا کیا ترقی ہو سکتی تھی۔ وہاں اگرچہ فرانس کی حکومت تھی لیکن ابھی تک پرانی وضع کی چھکڑا گاڑیاں چلتی تھیں اور مسافروں کو ڈاکو راستے میں لوٹ لیا کرتے تھے۔ ناگ کو ماریا کا بھی فکر تھا کہ وہ راجکماری کو لے کر سمندر میں کہاں ہوگی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ماریا بس زیادہ سے زیادہ ان آگ اُگلتے پہاڑوں کے اوپر تک ہی اُڑ سکتی تھی۔ ناگ اڑ کر وہاں پہنچ جاتا اگر اُسے یہ معلوم ہوتا کہ ماریا سمندر کے کس علاقے میں ہے۔ ابھی تک تو اُسے یہ بھی پوری طرح علم نہیں تھا کہ وہ کون سے علاقے میں ہے؟

ناگ کو سب سے زیادہ عنبر کا خیال آرہا تھا۔ کیونکہ اس کی کوئی خبر ابھی تک نہیں ملی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ سپین کی طرف نکل گیا ہوگا۔ ناگ نے دل میں یہی فیصلہ کیا کہ وہ یہاں سے سپین جانے کی کوشش کرے گا۔ ماریا اور راجکماری کی طرف سے وہ مطمئن تھا کیونکہ ماریا اتنی بہادر تھی کہ وہ راجکماری پھول کماری کو اس کے راجہ باپ کے پاس ہندوستان پہنچا دے۔ اس کے بعد ماریا کی ناگ سے ملاقات کہاں ہوتی ہے؟ یہ بات ناگ نے خدا کے سپرد کر دی

تھی۔ جیسا کہ آپ نے پچھلی قسطوں میں پڑھا ہوگا۔ ناگ، عنبر اور ماریا۔ یہ تینوں بہن بھائی ہزار سالہ زندگی کے خطرناک سفر میں کئی مقام پر جدا ہوئے اور پھر ڈرامائی انداز میں ایک دوسرے سے آن ملے۔

ناگ انہی خیالوں میں تھا کہ دُور سے اُسے گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ پھر پچھلے پہر کے ماند پڑتے اندھیرے میں اُسے ایک گھوڑا گاڑی آتی دکھائی دی۔ ناگ نے ہاتھ کا اشارہ کر کے اسے رکوا لیا۔ ایک گھنی مونچھوں والے آدمی نے سر باہر نکال کر غصے سے کہا۔

"کون ہو تم بدتمیز؟"

ناگ نے کہا۔

"مجھے شہر لے چلیں۔ میرا جانا ضروری ہے۔"

اس آدمی نے کچھ سوچا۔ پھر کہا۔

"آ جاؤ اندر۔"

بگھی کا دروازہ کھل گیا۔ ناگ اندر داخل ہو کر گھنی مونچھوں والے آدمی کے سامنے بیٹھ گیا۔ بگھی میں سوائے اس آدمی کے دوسرا کوئی نہیں تھا۔ اُس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟"

ناگ نے کہا۔ "میرا نام ناگ ہے۔ میں شمالی مصر کے علاقے

کا رہنے والا ہوں۔ اس ملک میں روزگار کی تلاش میں آیا ہوں۔"

گھنی مونچھوں والے نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"تمہارا نام مصری نہیں ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میرا نام ولیم ڈریک ہے۔ تم مجھے ولیم کہہ سکتے ہو۔ میرا اپنا سمندری جہاز ہے۔ میں مال لے کر ملک ملک کا سمندری سفر کرتا ہوں۔ کیا تم میرے جہاز پر نوکری کرو گے؟"

ناگ کو اور کیا چاہیے تھا۔ یہی تو وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جہاز میں بیٹھ کر سپین پہنچ جائے۔ اس نے جھٹ حامی بھر لی۔ گھنی مونچھوں والے ولیم نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"تم بڑے جلد باز ہو۔ مجھے جلد فیصلہ کرنے والے نوجوان پسند نہیں ہیں۔ لیکن میں تمہیں نوکر رکھتا ہوں آئندہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا کرو۔"

ولیم کی زبانی ناگ کو پتہ چلا کہ وہ مڈغاسکر کی بندرگاہ شہر روزن برگ میں ہے اور اس کا جہاز مال لے کر دو روز بعد پرتگال کے ملک کو جانے والا ہے۔ ولیم ناگ کو ساتھ لے کر اپنے جہاز پر آ گیا۔ یہ مال بردار جہاز زیادہ بڑا نہیں تھا۔ لیکن اس میں آرام کی ہر شے موجود تھی۔ دو دن ناگ نے شہر کی

سیر گشت میں گزار دیئے۔ تیسرے دن صبح صبح جہاز نے لنگر اٹھا دیا اور سمندر کے نیلے پانیوں میں اپنا طویل اور خطرناک سفر شروع کر دیا۔

٭ ٭ ٭ ٭

عنبر ابھی تک پُراسرار آسیبی محل کے تہہ خانے کے کنوئیں میں پڑا تھا۔ اس کے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ تہہ خانے میں چبوترے پر عمارہ کا تابوت رکھا تھا۔ عمارہ اس میں بے ہوش پڑی تھی۔ اور پورے چاند کی رات کو اس کی گردن کاٹ کر نقاب پوش جادوگر نے ایک طلسم تیار کرنا تھا جس کی مدد سے وہ ہزاروں سال تک زندہ رہ سکتا تھا۔ عنبر کبھی ناگ کے بارے میں سوچتا۔ کبھی اُسے ماریا کا خیال آتا کہ وہ کہاں ہو گی اور کبھی اس بات پر غور کرتے لگتا کہ وہ اس کنوئیں سے کیوں کر باہر نکل سکتا ہے۔

٭ ٭ ٭

دوسری طرف ماریا ایک چٹان پر راجکماری کو ساتھ لئے بیٹھی تھی۔ سمندر کی موجیں چٹان سے ٹکرا کر شور مچاتی واپس چلی جاتیں۔ رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ راج کماری سخت گھبرا رہی تھی۔ ان کے پاس نہ کچھ کھانے کو تھا نہ کچھ پینے کو تھا۔ ماریا بھی اسی فکر میں تھی کہ وہاں سے کہاں جائے؟ راج کماری

تو دو تین دن میں بھوکی پیاسی مر جائے گی۔ پھر بھی وہ راجکماری
کو تسلی دیتی اور یہی کہتی کہ کوئی نہ کوئی سبیل ان کے وہاں
سے نکلنے کی ضرور بن جائے گی۔ لیکن راجکماری بڑی مایوس ہو
چکی تھی۔ اس کی مایوسی درست بھی لگتی تھی۔ کیونکہ وہ بیچ سمندر
میں باہر کو نکلی ہوئی ایک چھوٹی سی چٹان پر بیٹھے تھے اُن
کے چاروں طرف سمندر ہی سمندر تھا۔ وہاں کسی جہاز کے
آنے کی امید بھی نہیں تھی۔ اُس نے کہا۔

"ماریا بہن! تم تو زندہ رہو گی۔ اس لئے کہ نہ
تمہیں کھانے کی ضرورت ہے نہ پینے کی حاجت۔ مگر
میں اسی چٹان پر دم توڑ دوں گی۔"

پھر وہ اپنے ماں باپ کو یاد کر کے رونے لگی جو فرانس میں
اُس کی یاد میں تڑپ رہے ہوں گے۔ ماریا نے اسے تسلی دیتے
ہوئے کہا۔

"پھول کماری! خداوند کی رحمت بے حد و حساب
ہے۔ وہ پتھر میں بھی کیڑے کو روزی دیتا ہے۔ کیا
معلوم وہ ہمارے لئے کوئی سبب پیدا کر دے۔"

مگر راجکماری سسکیاں بھرتی رہی۔ آج اُسے نیند آ گئی
اور وہ وہیں چٹان کے پہلو میں پتھریلی اور ڈھلانی جگہ پر لیٹ
کر سو گئی۔ کہتے ہیں۔ نیند بڑی بلا ہے۔ سُولی پر بھی آ جاتی ہے

رات اسی طرح گزر گئی۔ دن چڑھا تو ماریا نے دیکھا کہ سمندر
میں جہاں آتش فشاں پہاڑ پھٹے تھے وہاں سبز اور سرخ رنگ
کی بڑی بڑی سلیں تیر رہی تھیں۔ یہ وہ مواد تھا جو زمین
کے اندر سے اُبلتے ہوئے لاوے کے ساتھ باہر آ گیا تھا اور سمندر
کے پانی میں ٹھنڈا ہو کر تیر رہا تھا۔

راج کماری ابھی تک سو رہی تھی۔ دو تین سرخ اور سبز
سلیں تیرتی ہوئی اس چٹان کے قریب آ گئیں۔ جہاں ماریا اور
راجکماری نے پناہ لے رکھی تھی۔ ماریا نے پانی میں تھوڑا سا اتر
کر ایک سِل کو اپنی طرف کھینچ کر دیکھا۔ یہ دیکھنے میں پتھر لگتی
تھیں مگر اسفنج کی طرح نرم تھیں۔ خدا جانے یہ کس قسم کی دھات
تھی۔ اس قسم کے ہزاروں ٹکڑے سمندر کی موجوں پر تیر رہے تھے۔

ماریا ابھی ان پر غور ہی کر رہی تھی کہ ایک طرف سے چھ
سات کشتیاں نمودار ہوئیں۔ یہ ڈونگیاں تھیں اور انہیں جزیروں
میں رہنے والے جنگلی چلا رہے تھے۔ وہ ان سبز اور سرخ سِلوں
کو اٹھا اٹھا کر اپنی کشتیوں میں رکھ رہے تھے۔ ماریا اور تو سب
کچھ بھول گئی اُسے کشتیاں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ اب اُسے
امید پیدا ہو گئی تھی کہ وہ راجکماری کو وہاں سے نکال کر لے
جائے گی۔

اتنے میں راجکماری بھی جاگ پڑی۔ ماریا نے اُسے خاموش

رہنے کو کہا۔ کیونکہ ایک کشتی ان کی طرف آ رہی تھی۔

"جلدی سے کہیں چھپ جاؤ۔"

ماریا نے راجکماری کو چٹان کے پیچھے ایک اونچے نکونے پتھر کی آڑ میں چھپا دیا اور خود سامنے کی طرف آ کر دیکھنے لگی کہ جنگلی لوگ اُدھر کشتی کیوں لا رہے تھے۔ یہ کسی قریبی جزیرے کے جنگلی تھے۔ بدن پر صرف جھاڑیوں کے لنگوٹ سا باندھ رکھا تھا۔ ہاتھوں میں نیزے تھے۔ ہر کشتی میں چار چار جنگلی تھے۔ دو نیزوں کی مدد سے سرخ سلوں کو اپنی طرف کھینچ کر کشتی میں رکھے جاتے تھے۔ اور دو چپو چلا رہے تھے۔ چٹان پر آ کر جنگلی لوگوں نے کشتی پہاڑ کے ساتھ لگائی اور اس میں اکٹھی کی ہوئی سلوں کو اتار کر ایک جگہ جمع کرنے لگے۔ ماریا ان کے بالکل قریب کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔

اُسے بس ایک ہی ڈر تھا کہ اگر ان میں سے کوئی چٹان کی دوسری جانب چلا گیا تو راج کماری کو دیکھ کر شور مچا دیگا پھر ساری کشتیوں کے جنگلی وہاں جمع ہو جائیں گے اور ماریا کے لئے اتنے سارے دشمنوں میں راج کماری کی جان بچانی مشکل ہو جائے گی۔ چنانچہ ماریا بالکل تیار ہو چکی تھی کہ جونہی ان میں سے کوئی دوسری طرف گیا وہ اسے وہیں ختم کر دے گی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ چاروں جنگلی سلیں چٹان کے پاس رکھ کر انہیں

پانی سے صاف کرنے لگے۔ کشتی ان کے پاس ہی کھڑی تھی۔

ماریا کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب دماغ میں آ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ جنگلی آدمیوں کی طرف بڑھی۔ وہ کسی عجیب زبان میں ایک دوسرے سے باتیں بھی کر رہے تھے اور بڑے مزے سے اسفنجی سلوں کو پانی سے دھو رہے تھے۔ ماریا نے ایک جنگلی کے پیچھے جا کر زمین پر سے ایک پتھر اٹھایا اور جنگلی کی کھوپڑی پر دے مارا۔ ایک چیخ کے ساتھ جنگلی وہیں بے ہوش ہو کر ڈھیر ہو گیا۔ باقی جنگلی اس کی طرف بڑھے۔ ماریا نے پتھر سے دوسرے جنگلی کو بھی بے ہوش کر دیا۔ باقی دو گھبرا کر بھاگے کہ خدا جانے وہاں کوئی بدروح آ گئی ہے۔ وہ کشتی کی طرف آ گئے۔

لیکن ماریا کو کشتی ہی کی ضرورت تو تھی۔ وہ لپک کر کشتی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ جونہی دونوں جنگلی کشتی کے پاس آئے۔ ماریا نے اونچی آواز میں کہا

"بھاگ جاؤ، بھاگ جاؤ، بھاگ جاؤ۔"

ماریا کی زبان جنگلی آدمیوں کی سمجھ سے باہر تھی۔ مگر ان کے لئے کسی عورت کی غیبی آواز ہی کافی تھی۔ وہ ڈر کر سجدے میں گر پڑے اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہنے لگے۔

"دیوی ژلالہ! دیوی ژلالہ!"

جنگلی ماریا کی آواز کو اپنی دیوی ژلالہ کی آواز سمجھے اور انہوں
نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ ان کی آوازیں سن کر دوسرے
جنگلی بھی اپنی کشتیاں اُدھر لے آئے۔ ماریا پریشان ہو گئی
کہ ان کم بخت ساروں کے ساروں سے وہ کس طرح نمٹے گی۔ مگر
اس کا آدھے سے زیادہ کام ان جنگلیوں نے کر دیا جنہوں نے ماریا
کی آواز سن کر ژلالہ! کا نعرہ بلند کیا تھا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں
کو بتایا کہ چٹان پر دیوی ژلالہ کی رُوح آئی ہوئی ہے۔ وہ چٹان
سے دور ہٹ کر اس کے گرد چکر لگانے اور "ژلالہ! ژلالہ!"
کی آوازیں نکالنے لگے۔ اتنے میں ماریا نے راجکماری سے کہا۔

"کشتی پر چل کر بیٹھ جاؤ اور جنگلی لوگوں کی طرف دیکھ
کر ہاتھ ہلاؤ۔ انہیں یہ اثر دو کہ تم ہی انکی دیوی ژلالہ ہو"

راجکماری ڈر رہی تھی۔ ماریا نے کہا۔

"راجکماری! اگر ڈرتی رہیں تو تمہاری موت یقینی ہے
ہمت سے کام لو"

راج کماری آخر راجے مہاراجوں کے محل میں پیدا ہوئی تھی
اس میں ہمت آ گئی۔ وہ چٹان کے پتھر کی اوٹ سے نکل کر
کشتی میں آ گئی اور چٹان کے گرد چکر لگاتے جنگلیوں کی طرف
ہاتھ لہرا کر انہیں سلام کیا یا ان کے سلام اور آوازوں کا جواب
دیا۔ ایک خوبصورت لمبے سیاہ بالوں والی عورت کو چٹان سے

نکل کر کشتی میں سوار ہوتے دیکھ کر جنگلی اور زیادہ اونچی آواز
میں "ژلالہ! ژلالہ!" کا شور مچانے لگے۔ ماریا نے راجکماری سے کہا

"انہیں ژلالہ کی بچی کو یاد کرنے دو۔ تم جلدی سے
چپّو سنبھالو اور یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو"

ایک چپّو راجکماری نے اور دوسرا ماریا نے سنبھال لیا اور
وہ کشتی کو لے کر چٹان سے آگے نکلیں۔ اب سامنے جنگلی لوگوں
کی کشتیاں دائرہ بنا کر چکر لگا رہی تھیں۔ جونہی انہوں نے اپنی
"دیوی" کی کشتی آتے دیکھی تو فوراً ایک طرف ہٹ گئے۔ اب ماریا
کو خیال آیا کہ کیوں نہ ان لوگوں سے کھانے پینے کی چیزیں حاصل کی
جائیں۔ اس نے راجکماری کو پوری طرح سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ان جنگلی لوگوں سے کہو کہ جزیرے پر چلیں"

"میں تو ان کی زبان نہیں جانتی"

"تم اشاروں سے کام لو۔ بولنا تمہارے لئے خطرناک
ثابت ہو گا۔ بات ہر گز نہ کرنا"

راجکماری نے کمال کی اداکاری شروع کر دی۔ وہ کشتی میں کھڑی
ہو گئی اور اپنا ہاتھ اپنے منہ کے پاس لے جا کر کچھ اس قسم کا اشارہ
کیا کہ وہ پانی پینا چاہتی ہے۔ اتنا سننا تھا کہ سارے جنگلی اپنی اپنی
کشتیاں لے کر راجکماری کی کشتی کے قریب آ گئے۔ پھر انہوں نے
راجکماری کی کشتی کو اپنی کشتی کے ساتھ رسّے سے باندھا اور تین

بار اپنی اپنی کشتی میں سجدہ کر کے اُسے کھینچتے ہوئے اپنے جزیرے
کی طرف بڑھے۔ جزیرہ وہاں سے بیس میل کے فاصلے پر ہی تھا۔ یہ
بڑا سرسبز اور شاداب جزیرہ تھا۔ راجکماری اور ماریا کشتی سے اتر
کر کنارے کی ریت پر کھڑی ہو گئیں۔ جنگلی لوگوں کو ماریا کو دکھائی
نہیں دیتی تھی۔ انہوں نے راجکماری کے راستے کے آگے آگے چلنا
اور ژلالہ کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

جزیرے کے دوسرے جنگلی بھی درختوں میں سے نکل آئے اور ژلالہ
کا نام سُن کر وہیں سجدوں میں گر پڑے۔ راجکماری بڑے ٹھاٹھ سے
گردن اٹھا کر چل رہی تھی۔ ماریا بھی اس کے ساتھ تھی۔ راج کماری
کی خدمت میں پھل اور دودھ پیش کیا گیا جسے راجکماری نے بڑے
شوق سے کھایا اور پیا۔ جنگلیوں کا ایک مکار جادوگر بڑے حسد
سے راجکماری کو دیکھ رہا تھا۔ اُسے شک ہوا کہ یہ کوئی انسان
ہے اور جنگلی لوگوں کو بے وقوف بنا رہی ہے۔ اس نے نیزہ
اُچھال کر کہا۔

"یہ ژلالہ نہیں ہے۔ یہ کوئی عام عورت ہے اور
ہمیں الو بنا رہی ہے۔"

ماریا نے راجکماری کے کان میں کہا۔

"گھبرانا نہیں۔ میں اس حرامی کو سنبھال لوں گی۔"

کچھ اس جادوگر کی حمایت کرنے لگے اور کچھ اس کے خلاف

بولنے لگے۔ جادوگر نے کہا۔

"اگر یہ ژلالہ دیوی ہو گی تو اس پر میرے حملے کا
کوئی اثر نہیں ہو گا۔ اگر یہ جھوٹی عورت ہے تو میرا
نیزہ اس کے سینے سے آر پار ہو جائے گا۔"

سارے جنگلی ایکدم سے چپ ہو گئے۔ جیسے اُن کے ہونٹوں
پر خاموشی کی مہر لگ گئی ہو۔ راجکماری گھبرا رہی تھی
کیونکہ مکار جادوگر اس پر نیزہ پھینکنے کے لئے بالکل تیار
تھا۔ ماریا بھی چوکس ہو گئی تھی۔ اس نے راجکماری کے
کان میں سرگوشی کی۔

"اپنی جگہ سے مت ہلنا۔ میں اس حرامزادے کو
اس گستاخی کا مزہ چکھانے جا رہی ہوں۔"

اور ماریا لپک کر جادوگر کے پیچھے آ گئی۔ جادوگر نیزہ اوپر
اٹھا ہی رہا تھا کہ ماریا نے اس کی گردن پر اتنے زور کی اچھل
کر لات ماری کہ وہ چیخ مار کر منہ کے بل آگے کو گر پڑا۔ اس کی
گردن کا منکا ٹوٹ گیا اور وہیں مر گیا۔ پھر ماریا نے نیزہ اٹھا
کر اس کے پیٹ میں گاڑ دیا۔ یہ بھیانک منظر دیکھ کر جنگلی
دم بخود ہو کر رہ گئے۔ پھر انہوں نے اس قدر بلند آواز میں
"ژلالہ دیوی زندہ باد!" کا نعرہ لگایا کہ سارا جنگل گونج اٹھا۔
دو روز راجکماری نے ژلالہ دیوی بن کر جزیرے کے

جنگلی لوگوں کی زبردست مہمان نوازی کا مزہ اٹھایا۔ تیسرے روز "زکالہ" نے اشاروں میں انہیں بتایا کہ وہ آسمانوں میں جا رہی ہے۔ جنگلیوں نے ناریل اور کیلوں کے گچھوں سے بھری ہوئی ایک بڑی کشتی راجکماری کی کشتی کے ساتھ رسے سے باندھ دی۔ راجکماری کشتی میں سوار ہوگئی۔ ماریا پہلے ہی اس میں بیٹھ چکی تھی جنگلی لوگ اونچی آواز میں اپنے بھجن گانے لگے اور بار بار جھک جھک کر اپنی "دیوی" کو رخصت کرنے لگے۔ ماریا ہنس رہی تھی راجکماری خدا کا شکر ادا کر رہی تھی کہ وہ ان آدم خور قسم کے وحشی لوگوں کے درمیان سے صحیح وسالم واپس جا رہی تھی۔

جنگلی جزیرے سے کافی دور تک راجکماری کے ساتھ آئے اور اس کی کشتی کو خود کھینچتے رہے۔ پھر جب کشتی کھلے سمندر میں پہنچ گئی تو راجکماری سے ماریا نے کہا۔

"ان الوؤں سے کہو کہ اب دفع ہو جاؤ۔"

راجکماری نے ہاتھ سے اشارہ کر کے انہیں واپس جانے کو کہا۔

جنگلی اپنی اپنی کشتیوں میں ادب سے جھک گئے اور پھر نعرے بلند کرتے واپس اپنے جزیرے کی طرف روانہ ہو گئے۔ راجکماری نے سکھ کا سانس لیا اور ماتھے پر آیا ہوا پسینہ خشک کر کے بولی۔

"ماریا بہن! تم کشتی میں ہو ناں؟"

"میں اور کہاں جاؤں گی۔ تمہارے پاس ہوں۔" ماریا نے جواب دیا۔

"بھگوان نے کرپا کی کہ ان سے پیچھا چھوٹا۔"

ماریا نے کہا۔

"اب ایسا کرتے ہیں کہ کچھ پھل اور ناریل اپنی کشتی پر رکھ لیتے ہیں اور اس کشتی کو یہیں سمندر میں چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ رسے سے بندھی ہوئی یہ پھلوں سے لدی کشتی طوفان میں ہمیں بھی لے ڈوبے گی۔"

انہوں نے تھوڑے بہت پھل اور ناریل اپنی کشتی میں رکھ کر دوسری کشتی کو کھول کر سمندر کی وسیع لہروں کے حوالے کر دیا۔ کچھ دور تک وہ کشتی انہیں نظر آتی رہی۔ پھر سمندر کی بڑی بڑی موجوں کی اوٹ میں ہمیشہ کے لئے گم ہو گئی۔ اب ان کا ایک اور سمندری سفر شروع ہو گیا تھا۔ ماریا نے کہا۔

"کم بخت ان جنگلیوں کی زبان ہماری سمجھ سے باہر تھی ورنہ ان سے پوچھتے کہ یہاں سے قریبی ملک کا ساحل کتنی دور ہے۔"

پھر ماریا نے راجکماری سے پوچھا کہ وہ کچھ حساب لگا کر بتا سکتی ہے۔ راجکماری نے آسمان پر چمکتی دھوپ اور نیلے سمندر میں چاروں طرف دیکھا اور کہا۔

"میرے حساب کے مطابق ہماری کشتی مشرق کی طرف جا رہی ہے اور ہمارا ملک ہندوستان اسی طرف ہے۔"

ماریا نے سر کو جھٹک کر کہا۔

"یہ تو تم نے پہلے بھی بتایا تھا اور ہم آتش فشاں چٹانوں میں پھنس گئے تھے۔ خدا کے لئے اب کوئی اس قسم کی پیش گوئی مت کرنا۔"

سارا دن ان کی کشتی لہروں پر اپنے آپ بہتی رہی۔ کھلے سمندر میں پہنچ کر ماریا کو دُور ایک گول پہاڑ اتنی شے سمندر سے ابھرتی اور پھر ڈوبتی دکھائی دی۔ راج کماری اپنے ماں باپ نہیں دیکھا تھا۔ ماریا نے سمجھا کہ شاید یہ اس کا وہم ہو۔ راجکماری اپنے ماں باپ کی یاد میں اداس ہو گئی تھی۔ ماریا اس کی ڈھارس بندھا رہی تھی۔ اچانک دُور وہی گول چیز ایک بار پھر سمندر میں سے باہر نکلی۔ ماریا نے راجکماری سے کہا۔

"یہ کیا شے ہے راج کماری؟"

راجکماری اس گول شے کو غور سے تکنے لگی۔ دھوپ سمندر پر چمک رہی تھی۔ لیکن اُبھرتی ہوئی شے کافی فاصلے پر تھی۔ راج کماری ڈر گئی۔

"بھگوان کے لئے کشتی کا رُخ موڑ دو۔ یہ کوئی بڑی خطرناک بلا لگتی ہے۔"

ماریا غور سے دیکھ رہی تھی۔ سمندر سے اُبھرتی گول چیز اب زیادہ بڑی ہو گئی تھی۔ مگر صاف پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ کیا

چیز ہے۔ کوئی ویل مچھلی ہے کہ سمندری عفریت ہے۔ ماریا نے کشتی کا رخ دوسری طرف موڑنے کی کوشش کی مگر لہروں کا رخ اچانک اس ابھرتی ہوئی بلا کی طرف ہو گیا تھا کشتی سمندری عفریت کی طرف تیز تیز بھی جا رہی تھی۔ راجکماری نے گھبرا کر کہا۔

"ہم مصیبت میں پھنس گئے ہیں ماریا۔"

ماریا نے کہا۔

"حوصلہ مت ہارو۔ راجکماری! ہم ہر مصیبت کا مقابلہ کریں گے۔"

ماریا کی نگاہیں ابھرتی بلا پر لگی ہوئی تھیں۔ کشتی اس کے قریب جا رہی تھی۔ یہ بلا ایک سیاہ چٹان کی طرح سمندر کی لہروں سے آہستہ آہستہ اوپر اُٹھ رہی تھی۔ کیا سمندر میں کوئی نیا جزیرہ نمودار ہو رہا تھا؟ یا پھر دس لاکھ سال پہلے کا کوئی سمندری عفریت سمندر سے باہر نکل رہا تھا؟ ماریا کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ پریشان ضرور تھی۔ کیونکہ اگر یہ کوئی بلا ہوئی تو پھر اس سے چھٹکارا مشکل تھا۔ جہاں چاروں طرف سمندر ہی سمندر ہو وہاں ماریا کیا کر سکتی تھی۔ ابھرنے والی بلا اب کچھ کچھ نظر آنے لگی تھی۔ اچانک ماریا کانپ اٹھی۔ اس بلا کے سر پر کالے کالے لمبے بال تھے جو سمندر کی لہروں کے ساتھ لہرا رہے تھے۔ پھر اُس بلا کا ماتھا موجوں سے باہر

آگیا۔ اس کے ساتھ ہی بلا نے اپنا سر باہر نکال لیا۔ وہ ایک بہت بڑا انسانی سر تھا جس کی آنکھیں بڑے بڑے سرخ گنبدوں کی طرح باہر کو ابھری ہوئی تھیں اور لمبے لمبے دانت ہاتھی کے دانتوں سے بھی زیادہ لمبے تھے۔ یہ کوئی پہاڑ اتنا بڑا جن یا دیو تھا جس کے دونوں بازو بہت لمبے تھے اور سمندر کی موجوں پر اژدہا کی طرح تیر رہے تھے۔
اس سمندری دیو کو دیکھ کر راجکماری نے ایک چیخ ماری اور کشتی میں بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ سمندری دیو نے پورا منہ کھولا اور ایک ایسی چنگھاڑ کی آواز اس کے حلق سے نکل کر اس کے دھماکے سے سمندر میں طوفان آگیا۔
بڑی بڑی موجیں اٹھ کر سمندری دیو کے پہاڑ ایسے جسم سے ٹکرانے لگیں۔ ایک موج نے ماریا کی کشتی کو نیچے سے اوپر اچھال دیا۔ کشتی الٹ گئی اور ماریا راجکماری سمیت سمندر میں گر پڑی

- ماریا اور راجکماری پر سمندری طوفان میں کیا گزری؟
- سمندری دیو کہاں گیا؟
- عنبر پراسرار محل کے تہ خانے سے کیسے نکلا؟
- ناگ جب سپین پہنچا تو کیسے حالات پیش آئے؟
- یہ آپ اسی سیریز کی قسط نمبر ۹ "سانپ کی آواز" میں پڑھیں گے۔

موت کے تعاقب کی واپسی
آپ کے جانے پہچانے سلسلے
عنبر، ناگ، ماریا
۵ ہزار سالہ سفر کی پُراسرار اور سنسنی خیز داستان
مصنف: اے حمید
۱: لاش سے ملاقات
۲: جہاز ڈوب گیا
۳: مندر کی چڑیل
۴: پُراسرار کی مورتی
۵: ناگ لندن میں
۶: تابوت میں سانپ
۷: موت کا دریا
۸: سانپ کا انتقام
آئندہ شائع ہونے والی کتابیں
۹: سانپ کی آواز
۱۰: ناگ کا قتل
۱۱: شاہ بلوط کا خزانہ
۱۲: پتھر کا ہاتھ
۱۳: طوفانی سمندر کا بھوت
۱۴: ڈائنا سورس کا جزیرہ
۱۵: سیاہ پوش سایہ
۱۶: انسانی بلی
نیا مکتبہ اقراء
۱۴-بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

مراد انسپکٹر صدیقی اور موتی
صدیقی کے کارنامے
جس روز شہر میں قتل ہوا
بھوت اور موتی
ایک سے بڑھ کر ایک
موتی اور سمگلر
ٹیلی فون پر موت
پیلا لفافہ
شیشے کا آدمی
برف پر خون
ستار طاہر
کے
نئے
ناول
اپنے قریبی بک سٹال سے
خرید فرمائیے یا براہ راست ہم سے منگوائیے!
مکمل سیٹ منگوانے پر
ڈاک خرچ
ادارہ ادا کرے گا!
مکتبہ اقرأ
۱۴۔ بی شاہ عالم مارکیٹ، لاہور
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
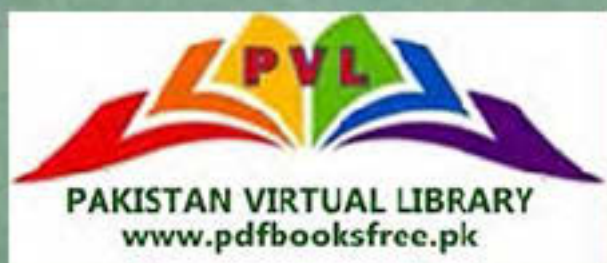
ناگ، ماریا اور عنبر کے پانچ ہزار سالہ....
اے حمید
1369
PDFBOOKSFREE.PK

سرکولیشن، پروڈکشن انچارج
جلال انور

قیمت پانچ روپے

بار اوّل : ستمبر ۱۹۸۰ء
تعداد : دو ہزار
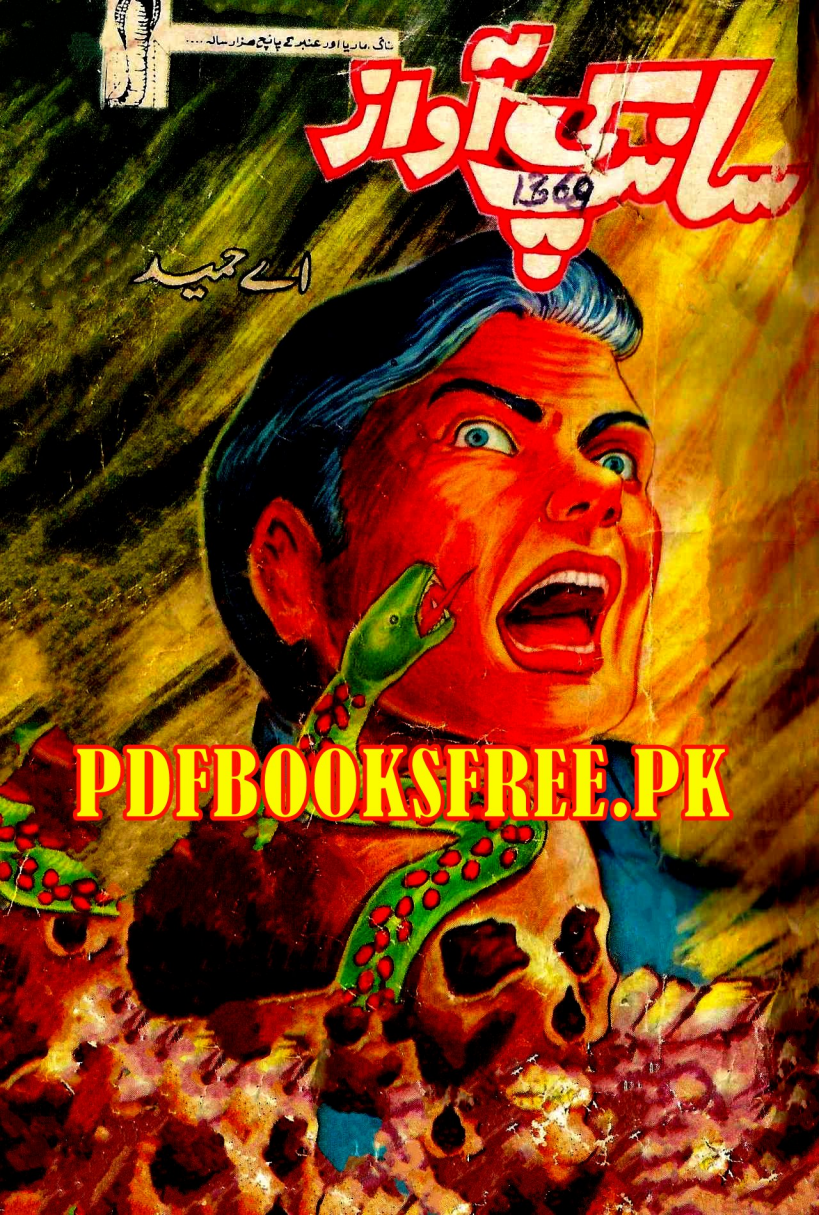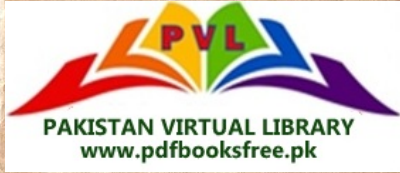
ناشر : مکتبہ اقراء ۱۰۰ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع : النجدہ پرنٹرز، لاہور

پیارے دوستو!

آپ اب تک عنبر، ناگ ماریا کی واپسی کے سلسلہ کی آٹھ کتابیں پڑھ چکے ہیں اور اپنی رائے سے مجھے آگاہ بھی کر رہے ہیں۔ میں آپ کی پسندیدگی کو تحسین کی نظروں سے دیکھتا ہوں اور آپ کے لیے اچھی سے اچھی کہانی لکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ کی حوصلہ افزائی میری محنت کو دوچند کر دیتی ہے۔ یہ تو دوستو تھی آپ کے شکریے کی بات!

اب آپ اپنے پسندیدہ کرداروں عنبر، ناگ ماریا سے ملیں اور دیکھیں کہ یہ کس کس حال میں سے گزر رہے ہیں اور آپ کی دلچسپی کے کیا کیا سامان کر رہے ہیں۔

آپ کا
اے۔ حمید

ترتیب
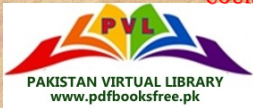
ماریا اور اژدہا

ماریا نے سمندر میں آنکھیں کھول کر دیکھا۔
وہ سمندر کی تہہ میں اُگی ہوئی جھاڑیوں میں الجھی ہوئی تھی۔ اس نے راجکماری کو بھی ایک جھاڑی میں پھنسے دیکھا۔ ماریا لپک کر اُدھر گئی اور اس نے راجکماری کو جھاڑیوں میں سے کھینچ کر لیا۔ وہ اُسے اٹھائے پانی میں سے اُوپر آنے کی کوشش کرنے لگی۔ سمندر کے پانی کا دباؤ اسے اوپر نہیں آنے دے رہا تھا۔ راجکماری غوطے کھا رہی تھی۔ ماریا اپنے جسم کی ساری طاقت لگا کر راجکماری کو سمندر کی سطح پر اُوپر لے آئی۔ اس نے سمندر کے نیچے سمندری دیو کی بڑی بڑی ٹانگیں دیکھ لی تھیں جو اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھیں۔ اس نے راجکماری کا منہ پانی کی موجوں کے اوپر کر دیا تاکہ وہ سانس لے سکے۔ سمندر سے باہر آتے ہی اس نے دیکھا وہ سمندری دیو سے زیادہ دُور نہیں ——— بلکہ وہ اس کے قریب

اور ماریا اور راجکماری کی ٹوٹی ہوئی کشتی کے ایک بڑے سے ٹکڑے
کو پکڑ کر بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بار بار چنگھاڑ رہا تھا،
جس نے طوفانی سمندر میں ایک دہشت پھیلا دی تھی — ماریا
نے راجکماری کو کندھے سے پکڑ رکھا تھا — جونہی وہ سمندر کے
اوپر آئی ایک بہت بڑی لہر نے اُسے نیچے سے اٹھایا اور بہا
کر کافی دُور لے گئی —

دیو اب اس سے کافی دُور چلا گیا تھا — ماریا نے
راجکماری کی طرف دیکھا — وہ ابھی تک بے ہوش تھی۔ ماریا نے
اُسے لے کر سمندر میں تیرنا شروع کر دیا — اس کے چاروں
طرف پانی ہی پانی تھا — کہیں کوئی چٹان بھی دکھائی نہیں دے
رہی تھی — راجکماری کو ساتھ لے کر تیرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ اُسے
لے کر اُڑ بھی جاتی تو ایک فرلانگ اُڑنے کے بعد اُسے دوبارا
سمندر میں اُترنا پڑتا —

ماریا نے محسوس کیا کہ راجکماری کو لے کر اگر وہ اسی طرح
تیرتی رہی تو وہ جسم میں پانی بھر جانے سے مرجائے گی — کیونکہ
سمندر کی بڑی بڑی لہریں ماریا کو تیرنے نہیں دے رہی تھیں۔
پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور سمندری لہروں میں تیرتی چلی
گئی — اُسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس طرف جا رہی ہے —
اور یہ لہریں اُسے کہاں لے جائیں گی —

بہت دُور تک تیرنے کے بعد ماریا کی طاقت بھی جواب
دینے لگی — وہ تھک گئی — اس کے ہاتھ ہلکے پڑ گئے اور بے
ہوش راجکماری اس کے ہاتھوں سے نیچے پانی میں گرنے لگی —
ماریا گھبرا گئی — وہ خود تو ایک رُوح تھی اور مر نہیں سکتی
تھی اگر وہ تیرنا چھوڑ بھی دیتی تو سمندر کی لہروں پر بے حس وحرکت
لیٹ کر بھی زندہ رہ سکتی تھی — مگر سب سے زیادہ پریشانی اُسے
راجکماری کی تھی — وہ راجکماری کو ہر حالت میں زندہ رکھنا اور
زندہ دیکھنا چاہتی تھی اور یہ بات اُسے ناممکن نظر آ رہی تھی۔
راجکماری کے پیٹ میں سمندر کا کچھ پانی چلا گیا تھا اور وہ
اسی طرح بے ہوش تھی — سمندری موجیں اُن دونوں کو بہت دُور
کھلے ویران سمندر میں لے آئی تھیں — ماریا نے اپنے سامنے راجکماری
کو موت کے قریب دیکھا تو اُس نے خدا سے دعا مانگی کہ اے
خدا ہماری مدد کر —

دُعا کے مانگتے ہی ماریا کو ایسا محسوس ہوا جیسے سمندر کے
نیچے اس کے پاؤں کسی شے سے لگ گئے ہیں — اس سخت
شے میں تھوڑی تھوڑی نرمی بھی تھی — وہ حیران ہوئی کہ اتنے
گہرے سمندر میں یہ کونسی چیز ہے جس پر اُس کے دونوں پیر
ٹِک گئے ہیں —

کیا یہ کوئی سمندری چٹان تھی ؟ اس نے سوچا، لیکن ایسا

کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر چٹان ہوتی تو وہ اپنی جگہ پر کھڑی ہوتی اور یہ شے ماریا کو اپنے سر پر اٹھائے سمندر میں آگے کو جا رہی تھی۔ پھر یہ کیا تھا۔ ماریا نے پہلا کام تو یہ کیا کہ راجکماری کو سمندر میں سے نکال کر اپنے کندھے پر اٹھا لیا۔ اس کے پاؤں چونکہ سمندر کے اندر کسی مضبوط شے پر ٹکے ہوئے تھے، اس لیے وہ بے فکر ہو گئی کہ اب وہ مر نہیں سکتی۔ لیکن وہ یہ ضرور جاننا چاہتی تھی کہ اس کے پاؤں کے نیچے کونسی چیز ہے جو اُسے لے کر آگے ہی آگے جا رہی تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ وہ شے سمندر میں ایک خاص سمت کی طرف سفر کر رہی تھی۔ پھر اُس شے نے ہولے ہولے سمندر میں اُوپر کو اُبھرنا شروع کر دیا۔

ماریا نے راجکماری کو اپنے کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ وہ پانی سے باہر آنے لگی۔ ہوتے ہوتے وہ سمندر سے بالکل ہی باہر آ گئی۔

اب اُس نے نیچے جھک کر دیکھنا چاہا کہ وہ کونسی چیز ہے جس نے ان دونوں کو اُٹھا رکھا ہے اور ان کے ساتھ ساتھ سمندر میں سفر بھی کر رہی ہے۔

جوں ہی ماریا کی نظریں اپنے پاؤں پر گئیں۔ کیا دیکھتی ہے کہ وہ ایک سات منہ والے ایک بہت بڑے اژدہا

سانپ کے پھن کے اُوپر کھڑی اور اژدہا سانپ اُسے لے کر بڑے سکون سے لہروں کو چیرتا آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اچانک ماریا کو ناگ کا خیال آ گیا۔ کہیں یہ ناگ تو نہیں ہے؟

ماریا نے ناگ کو آواز دی:

"ناگ بھائی، کیا یہ تم ہو؟"

اور اس کے ساتھ ہی ماریا نے بے ہوش راجکماری کو اس اژدہا سانپ کے پھن کے اوپر لٹا دیا۔ وہاں اتنی جگہ تھی کہ ماریا خود بھی لیٹ سکتی تھی۔ یہ بہت بڑا اژدہا سانپ تھا۔ اژدہا نے اپنی زبان میں جسے ماریا سمجھتی تھی، جواب دیا:

"مجھے بھی ناگ ہی سمجھو بہن ماریا۔"

"کیا تم واقعی ناگ ہو۔ تمہاری آواز کیوں بدلی ہوئی ہے؟"

ماریا کے اس سوال پر اژدہا سانپ نے کہا:

"ماریا بہن، میں ناگ نہیں ہوں۔ مگر ناگ کا دوست ہوں اور میرا نام سمندر کا شیش ناگ ہے۔ اتفاق سے میں اس سمندر کے نیچے سے گزر رہا تھا کہ مجھے تمہاری آواز سنائی دی۔ میں تمہاری طرف بڑھا تو مجھے تمہارے جسم اور کپڑوں

سے اپنے پرانے اور بہترین دوست ناگ کی خوشبو آئی — اسی وقت میں نے تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا — یہ بتاؤ کہ ناگ کو تم جانتی ہو؟"

ماریا نے کہا :

"کیوں نہیں، وہ تو میرا بھائی ہے اور ابھی اس سمندر میں میرے ساتھ تھا کہ آتش فشاں پہاڑ کے پھٹ جانے سے وہ مجھ سے بچھڑ گیا — مجھے نہیں معلوم کہ وہ کس حال میں ہے ؟ اور کہاں ہے ؟ میں اور ناگ اس راجکماری کو اس کے ماں باپ کے پاس ہندوستان لے کر جا رہے تھے — کیا ناگ سمندر میں نہیں ہے ؟"

اژدہا نے کہا :

"نہیں ماریا، ناگ اس سمندر میں کہیں نہیں ہے — اگر وہ ہوتا تو مجھے سمندر کی ایک ایک لہر آکر بتا دیتی —"

"پھر نہ جانے وہ کہاں جا چکا ہے —"

اژدہا بولا :

"وہ سمندر سے نکل کر ضرور کسی جزیرے یا کسی ساحلی ملک پہنچ گیا ہوگا — اگر سمندر میں ہوتا تو میں ضرور تمہیں اس کے پاس پہنچا دیتا —"

ماریا کہنے لگی :

"کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ ہمارا دوسرا بھائی عنبر کہاں ہے ؟"

اژدہا نے کہا :

"عنبر کا نام سُن کر مجھے خوشی ہوئی — میں عنبر کو مل چکا ہوں — ایک بار آج سے دو سو سال پہلے دریائے دجلہ میں ناگ نے میرا تعارف عنبر سے کرایا تھا — مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ عنبر اس وقت کہاں ہوگا. کیونکہ ایسا معلوم کرنا میری طاقت سے باہر ہے — کیا وہ بھی اس مہم میں تمہارے ساتھ تھا ؟"

"ہاں، وہ ہمارے ساتھ تھا، لیکن یہ بہت پہلے کی بات ہے — اصل میں ہم پانچ ہزار سال سے اکٹھے سفر کر رہے تھے اور اب اپنے واپسی کے سفر پر روانہ ہیں۔ ہم پانچ ہزار سالوں سے گزر کر واپس اپنے پرانے زمانے میں جا رہے ہیں — راہ میں ہمیں کئی نئی نئی مہموں سے واسطہ پڑتا ہے — کئی مصیبت میں پھنسے ہوتے لوگ ملتے ہیں، جن کی ہم مدد کرتے ہیں اور اس کے بعد اپنے سفر پر روانہ ہوتے ہیں — اس راجکماری کو بھی ہم ایک بہت بڑی مصیبت سے نکال کر اس کے ماں باپ کے گھر لے جا رہے ہیں — اس کا باپ ایک ریاست کا راجہ ہے۔"

اژدہا خاموشی سے ماریا کی باتیں سنتا رہا — وہ برابر سمندر

میں آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا — ماریا نے بات ختم کی تو
وہ کہنے لگا :

" ماریا بہن، میں تم تینوں بہن بھائیوں کی لمبی دلچسپ
اور خطروں مصیبتوں سے بھری ہوئی آپ بیتی سے اچھی طرح
واقف ہوں — کاش، میں تمہاری اس سے زیادہ مدد کر سکتا
کیونکہ ابھی میری زندگی کے صرف تین سو سال ہی گزرے ہیں
دو سو سال اور گزر جانے کے بعد میں بھی ناگ کی طرح جو
شکل چاہے اختیار کر سکوں گا، لیکن ابھی میں تمہارے لیے صرف
اتنا کر سکتا ہوں کہ تمہیں اس سمندر سے نکال کر کسی محفوظ
جگہ پہنچا دوں ۔"

راجکماری اسی طرح اژدہا کے سر کے اوپر بے ہوش پڑی
تھی — اژدہا نے کہا :

"کیا میں اس راجکماری کو ہوش میں لے آؤں ؟"

ماریا نے کچھ سوچ کر کہا :

"میرا خیال ہے، یہ اگر اس وقت ہوش میں آ گئی تو شاید
تمہیں..... میرا مطلب ہے اپنے آپ کو ایک اژدہا کے سر پر
لیٹے دیکھ کر پھر بے ہوش ہو جائے — اس لیے بہتر یہی ہے
کہ ہمارے کسی جگہ زمین پر پہنچنے کے بعد ہوش میں لایا جائے ۔"

" اچھا خیال ہے ۔" اژدہا نے کہا ۔

ماریا نے اس سے پوچھا کہ اس طرح زیادہ دیر بے ہوش
رہنے سے کہیں وہ مر تو نہیں جائے گی؟ اس کے جواب میں
اژدہا نے کہا :

"نہیں ایسا نہیں ہوگا — راجکماری کے بدن میں جو پانی
بھرا ہوا تھا، وہ میرے سر کی گرمی کی وجہ سے خشک ہو چکا
ہے — زمین پر اتر کر میں تمہیں ایک مہرہ دوں گا - وہ مہرہ
راجکماری کے گلے میں باندھ دینا، پھر اسے کچھ نہیں ہوگا —
اس پر زہریلے سے زہریلے سانپ کا بھی اثر نہیں ہوگا ۔"

ماریا نے پوچھا :

" لیکن یہاں اردگرد زمین کہاں ہے ؟"

اژدہا نے پوچھا :

" تم لوگ کہاں جانا چاہتے ہو ؟"

ماریا کہنے لگی :

" ہمیں ہندوستان جانا ہے جیسا کہ میں نے پہلے تمہیں بتایا
تاکہ میں راجکماری کو اس کے راجہ باپ کے حوالے کرنا چاہتی
ہوں ۔"

اژدہا بولا :

" فکر نہ کرو ماریا بہن، ہندوستان کا ساحل یہاں سے زیادہ دور
نہیں ہے اور میں تمہیں وہاں چھوڑ کر واپس آؤں گا ۔"

دوپہر تک اسی طرح سمندر میں اژدہا کے پھن پر بیٹھ کر
تیرتے رہنے کے بعد تیسرے پہر کے قریب دُور زمین کے
ساحل کی کالی لکیر نظر آنا شروع ہوگئی — اژدہا نے ماریا سے
کہا :

"وہ سامنے لکیر دیکھ رہی ہو ؟"

"کیا یہ ہندوستان کا ساحل ہے ؟"

"ہاں، یہ ہندوستان کا ہی ساحل ہے — مگر یہ جنوب
مغربی ساحل ہے — کیا تم اسی جگہ جانا چاہتی ہو ماریا بہن؟"
ماریا نے کہا :

"بس ٹھیک ہے، تم ہمیں اسی جگہ پہنچا دو — کیوں کہ
راجکماری نے کہا تھا کہ اس کے باپ کی ریاست جنوب مغربی
ساحل کے اندر ہی کسی جگہ ہے۔"

یہاں ماریا سے بھول ہوگئی تھی — کیوں کہ راجکماری نے اُسے
یہ بتایا تھا کہ اُس کے باپ کی ریاست ہندوستان کے درمیان
میں ایک جگہ ہے اور اژدہا اُسے جنوب مغرب کی طرف لیے
جا رہا تھا — جو کہ ہندوستان کا سب سے نچلا کنارا تھا — اژدہا
نے سمندر میں اپنی رفتار تیز کر دی تھی — کیوں کہ وہ چاہتا تھا
کہ شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے پہلے وہ انہیں زمین پر پہنچا دے۔
ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ اژدہا نے ماریا کو ہندوستان

کے جنوب مغربی ساحل پر پہنچا دیا — ماریا نے راجکماری کو کنارے
کی ٹھنڈی ریت پر لٹا دیا — اژدہا سانپ اپنا زبردست پھن
والا سر سمندر سے باہر نکالے کھڑا تھا —
اُس نے ماریا سے کہا :

"میں تمہیں مہرہ دیتا ہوں — اسے سنبھال کر رکھنا — تم جس
کسی کو میرا مہرہ دوگی، اس پر سانپ کے زہر کا اثر نہیں ہوگا
اور راجکماری کے ماتھے پر گھساؤ گی تو وہ ہوش میں آ جائے گی۔"
اس کے ساتھ ہی اژدہا نے اپنے منہ سے سبز رنگ کا
ایک چھوٹا سا پتھر ماریا کے آگے اُگل دیا — ماریا نے اُسے اُٹھا کر
اپنے پاس رکھ لیا اور اژدہا کا شکریہ ادا کرنے لگی :

"اگر تم نہ ہوتے تو ہمارا یہاں تک پہنچنا ناممکن تھا —
کیوں کہ میں راجکماری کو لے کر زیادہ دُور تک پرواز نہیں کر
سکتی تھی۔"

اژدہا نے کہا :

"ماریا، تم میرے جگری دوست ناگ کی بہن ہو۔ اس حساب
سے تم میری بہن بھی ہو اور بہنوں کی مصیبت میں مدد کرنا ہر بھائی
کا فرض ہوتا ہے — کاش، میں اس سے زیادہ تمہاری مدد کر
سکتا — اگر مجھے زمین پر زندگی بسر کرتے پورے پانچ سو برس
ہو چکے ہوتے تو اس وقت میں ناگ بن کر تمہارے ساتھ زمین

پر سفر کر سکتا تھا، مگر ابھی میری عمر کے دو سو سال باقی ہیں۔"
ماریا کہنے لگی:
"اژدہا بھائی، میں تو تمہیں بھی ناگ بابا ہی سمجھتی ہوں۔ میں
ایک بار پھر تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔"
اژدہا نے کہا:
"اچھا بہن، خدا حافظ۔ ناگ ملے تو اُسے میرا بہت
بہت سلام کہنا اور کہنا کہ کبھی اس کا گزر اس سمندر پر
سے ہو تو مجھے ضرور ملتا جائے۔"
ماریا نے کہا:
"میں تمہارا پیغام ناگ تک ضرور پہنچا دوں گی — خدا حافظ۔"
اور سات سروں والا اژدہا واپس سمندر میں گم ہو گیا —
اُس کے جاتے ہی سب سے پہلا کام ماریا نے یہ کیا کہ
راجکماری کے ماتھے پر مہرہ آہستہ سے رگڑا — وہ ہوش میں آ
گئی — اس کی طبیعت پہلے سے اچھی ہو گئی تھی — پیٹ کا سارا
سمندری پانی اژدہا کی گرمی نے جذب کر لیا تھا۔ وہ آنکھیں
کھول کر پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی:
"میں کہاں ہوں؟ وہ — وہ دیو —"
اور راجکماری نے سہم کر پھر آنکھیں بند کر لیں — اس خیال
سے کہ کہیں راجکماری پھر سے بے ہوش نہ ہو جائے — ماریا نے

راجکماری سے کہا:
"وہ دیو جا چکا ہے راجکماری — ہم سمندر سے نکل کر ہندوستان
کی زمین پر پہنچ گئے ہیں۔"
"ہندوستان؟ میرے باپ کے ملک میں؟"
راجکماری نے آنکھیں کھول کر حیرانی اور خوشی سے پوچھا —
"ہاں ہاں، دیکھ لو — کیا تم اپنے ملک کی زمین اور درختوں کو
نہیں پہچانتیں؟"
راجکماری نے اپنے اُوپر جھکے ہوئے ناریل اور تاڑ کے
لمبے ترچھے درختوں کو دیکھا تو خوشی سے مسکراتے ہوئے بولی:
"بالکل وہی درخت ہیں، میرے ملک کے درخت، ناریل اور
تاڑ کے درخت۔"
پھر وہ حیران ہو کر بولی:
"لیکن ہم اس سمندری دیو سے بچ کر یہاں کیسے آ گئیں؟"
ماریا نے ہنس کر کہا:
"ہمیں ایک دوسرا سمندر دیو یہاں تک لایا ہے۔"
راجکماری نے سہم کر پوچھا:
"وہ کہاں ہے؟"
ماریا نے اُسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا:
"میں تو تم سے مذاق کر رہی تھی۔ اس دیو سے [illegible] نے

تمہیں بچایا ہے اور میں اُڑا کر تمہیں یہاں لائی ہوں ۔"

پھر ماریا نے راجکماری سے پوچھا کہ وہ اندازہ لگا کر بتائے کہ وہ ہندوستان کے جس ساحل پر اُترے ہیں — وہاں سے اس کے راجہ باپ کا شہر کتنی دُور ہے — راجکماری نے بڑے غور سے چاروں طرف دیکھا، پھر درختوں کی طرف نگاہ ڈالی اور کہا:

"میرا خیال ہے، میں اپنے راجہ باپ کے شہر سے بہت دُور ہوں — ہم جنوبی علاقے میں ہیں، جبکہ میرے باپ کی ریاست درمیانی علاقے میں ہے ۔"

ماریا کو کچھ پریشانی ہوئی، کیوں کہ راجکماری کو اتنے خطرناک اور درندوں سے بھرے ہوئے جنگلوں سے اکیلے لے کر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا، مگر یہ کام ماریا کا فرض بن چکا تھا اور وہ اُسے اس کے باپ تک پہنچانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اُس نے راجکماری سے کہا کہ کوئی بات نہیں، ہمارا سفر جاری رہے گا — ہم جنگل کی ہر مصیبت کا مقابلہ کریں گی —

کھوپڑیاں سکیڑنے والے

ماریا ایک خطرناک سفر پر چل پڑی —

اسے ابھی تک یہ تجربہ نہیں ہوا تھا کہ ہندوستان کے گھنے جنگل کتنے خطرناک ہیں اور کیسے کیسے خوفناک درندے خونخوار آدم خور شیر، ہاتھی اور جن بھوت رہتے ہیں — وہ اس سے پہلے ان جنگلوں میں کبھی نہیں آئی تھی — ناگ اور عنبر نے اس علاقے میں کئی چکر لگائے تھے — راجکماری کو اُس نے اپنے پیچھے رکھا ہوا تھا — وہ ماریا کو دیکھ نہیں سکتی تھی کہ اس خیال سے کہ راجکماری اپنے آپ کو اکیلی سمجھ کر گھبرا نہ جائے — ماریا تھوڑی تھوڑی دیر بعد اُس سے کوئی نہ کوئی بات کر لیتی تھی —

سہ پہر بھی ڈھل چکی تھی اور سمندر میں سورج غروب ہو رہا تھا — پہلے ماریا نے سوچا تھا کہ وہ رات سمندر کے کنارے ریت پر ہی بسر کرے اور اگلے روز دن کی روشنی میں جنگل کا سفر شروع کرے — لیکن پھر یہ سوچ کر اس نے اپنا ارادہ بدل

لیا کہ وہ ہر قسم کی مشکل کا مقابلہ کر سکتی ہے — اس لیے وقت
ضائع کرنے کی بجائے یہی بہتر ہے کہ سفر جاری رکھا جائے۔
تاکہ وہ جلد سے جلد اپنی منزل پر پہنچ سکے۔

انہوں نے کچھ فاصلہ سمندر کے ساحل پر جنگل کے ساتھ
ساتھ طے کیا، پھر سورج کے حساب سے جنگل کے اندر جاتی
ایک کچی پگڈنڈی پر آ گئے — راجکماری کا حساب بالکل درست تھا
وہ ہندوستان کے درمیانی علاقے کی طرف جا رہے تھے، لیکن
راجکماری کا محل وہاں سے ہزاروں میل کے فاصلے پر تھا اور
راہ میں کئی دشوار گزار گھاٹیاں، شور مچاتے پتھروں سے سر ٹکراتے
دریا آبشاریں، دلدلیں، خونخوار درندے اور وحشی قبیلے تھے جو انسان
کو دیکھ کر اس پر فوراً زہریلا تیر چلا کر اُسے ہلاک کر دیتے
تھے — ماریا ایک بہادر مہم پسند لڑکی تھی۔

اسے کئی خطرناک، وحشتناک سفروں کا تجربہ بھی تھا —
جنگل گھنا نہیں تھا — تاڑ کے لمبے لمبے چھتریوں والے درخت
تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اُگے تھے زمین پتھریلی اور ناہموار
تھی — سوکھی گھاس کی جھاڑیاں یہاں وہاں نظر آ رہی تھیں
سورج کی سنہری روشنی دور چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے اوپر پڑ
رہی تھی —

جس پگ ڈنڈی پر وہ دونوں عورتیں چلی جا رہی تھیں

وہ اچھوتی سی تھی اور اس پر کہیں کہیں کسی جانور کے پنجوں کے
نشان دکھائی دے جاتے تھے — شاید یہ وہ جانور تھے جو
رات کو سمندر کنارے آتے ہوں گے — آگے جا کر یہ نشان
نیچے ڈھلان کی گھاٹیوں میں اُتر کر سوکھی گھاس میں گم
ہو گئے —

کسی وقت درخت پر کوئی پرندہ بولتا تو جنگل کی
خاموشی ٹوٹ جاتی — ماریا راجکماری سے باتیں کرتی جا رہی تھی۔
یونہی چلتے چلتے جب شام ہو گئی تو راج کماری تھک گئی،
کہنے لگی :

"ماریا بہن، میں اب نہیں چل سکتی — مجھے پیاس لگی
ہے اور بھوک بھی ستانے لگی ہے۔"

ماریا نے کہا :

"ٹھیک ہے، ہم کوئی مناسب جگہ دیکھ کر وہاں رات
بھر آرام کریں گے اور تمہارے کھانے پینے کا بھی بندوبست ہو
جاتا ہے۔"

اس وقت دونوں ایک چھوٹے سے ٹیلے کے سائے میں
چل رہی تھیں — یہاں کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا — بس ایک
پگ ڈنڈی سی بنی تھی، جس میں اُگی ہوئی لمبی گھاس یہ ظاہر کرتی
تھی کہ اس پر سے بہت کم کوئی گزرتا ہے — یہاں جانوروں کے

پاؤں کے نشان بھی نہیں تھے —

ٹیلے کا موڑ گھوم کر ماریا سامنے آئی تو اُسے ایک چشمہ نظر آیا جو ٹیلے کے پتھروں سے بہہ کر نیچے وادی میں جا رہا تھا — راجکماری نے چشمے کے ٹھنڈے پانی سے پیاس بجھائی —

یہاں جنگلی بیروں کے بہت درخت تھے — ماریا نے راجکماری کو بیر توڑ کر دیے جو اُس نے بڑی مشکل سے کھائے — محلوں میں رہنے والی راجکماری نے بھلا کب اس قسم کے کھٹے جنگلی بیر کھائے ہوں گے، لیکن مجبوری تھی — جب انسان پر کوئی بھاری مصیبت آجاتی ہے تو سب کچھ سہنا پڑتا ہے —

"میرا خیال ہے، اسی جگہ رات بسر کرتے ہیں" ماریا نے کہا —

راجکماری درختوں کو دیکھ کر بولی :

"بہتر ہوگا کہ ہم کسی درخت پر بسیرا کریں، کیوں کہ زمین پر رات کو جنگلی درندوں کا خطرہ ہوگا اور ہمارے پاس تو ایک چھوٹا سا چاقو تک نہیں ہے"

ان کے پاس واقعی کوئی ہتھیار نہیں تھا، لیکن ماریا کو اپنے اوپر بڑا اعتماد تھا اور خدا پر بھروسہ تھا — وہ ہر

مصیبت کا مقابلہ کر سکتی تھی، کہنے لگی :

"تم کسی درخت پر چڑھ جاؤ — میں یہاں زمین پر ہی پہرہ دوں گی —"

اس پر راجکماری نے بڑی بہادری سے کہا :

"اگر تم زمین پر رہو گی — تو میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گی — درخت پر سانپوں کا بھی خطرہ ہے —"

"ٹھیک ہے، آؤ مل کر اچھی سی جگہ بناتے ہیں"

انھوں نے چشمے کے پاس ہی ایک جگہ سے پتھر صاف کیے — اِدھر اُدھر سے خشک گھاس اور گرے پڑے پتے لاکر دو بستر تیار کیے اور اُن پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں — شام کے سائے جنگل میں اُتر آئے تھے — خاموشی اور زیادہ گہری ہوگئی تھی — درختوں کے نیچے اندھیرا دھیرے دھیرے پھیلنے لگا تھا اور پھر رات آگئی — چاروں طرف تاریکی کا راج ہوگیا۔ جنگل سنسان ہوگیا — درختوں پر بسیرا کرنے والے پرندے بھی خاموش ہوگئے —

اس خاموشی میں صرف چشمے کے پانی کے بہنے کی کل کل کی آواز آرہی تھی — راجکماری دل میں خوف سا محسوس کر رہی تھی۔ مگر اوپر سے وہ ایسے باتیں کر رہی تھی، جیسے کوئی خوف نہ ہو —

ماریا اُس کے دل کا حال جانتی تھی اور اس کی حفاظت
کا عہد کیے ہوئے تھی — راجکماری کو اس لیے بھی زیادہ تنہائی اور
خوف محسوس ہو رہا تھا کہ ماریا اُسے دکھائی نہیں دیتی تھی —
وہ صرف اس کی آواز سُن سکتی تھی —

" ماریا بہن، کیا تم مجھے نظر نہیں آسکتیں ـ"

ماریا ہنس پڑی :

"کاش، ایسا کرنا میرے اختیار میں ہوتا — میں مجبور ہوں
پھول کماری، خدا جانے وہ وقت کب آئے گا جب میں بھی
دوسرے انسانوں کی طرح ایک دوسرے کو نظر آسکوں گی ـ"

راجکماری نے کوئی جواب نہ دیا — خاموشی چھا گئی۔ اس
خاموشی سے اُسے پھر خوف محسوس ہونے لگا — وہ چاہتی تھی
کہ ماریا اس کے ساتھ باتیں کرتی جائے — ماریا بھی اب
بولتے بولتے تھک گئی تھی — اس نے راجکماری سے کہا :

" سونے کی کوشش کرو بہن اور ڈرو نہیں — میں تمہارے
پاس ہی بیٹھی ہوں — میں سوؤں گی نہیں، تمہارا پہرہ دوں گی ـ"

راجکماری نے کہا :

" تم باتیں کرتی جاؤ، میں سونے کی کوشش کرتی ہوں ـ"

اور راجکماری نے آنکھیں بند کرلیں — اُسے ماریا کی آواز
برابر آرہی تھی — وہ اُسے پُرانے مصر کی ہزاروں سال پُرانی

کوئی پُراسرار کہانی سُنا رہی تھی — اس پر غنودگی طاری ہونے
لگی اور پھر وہ سوگئی — ماریا نے اُسے آہستہ سے آواز دی —

"پھول کماری، سوگئیں ؟"

راجکماری نے کوئی جواب نہ دیا — وہ سوچکی تھی — ماریا
نے اطمینان کا سانس لیا — کیونکہ اگلے روز جنگل میں پیدل سفر
کرنے کے لیے راجکماری کا آرام کرنا بہت ضروری تھا۔ ماریا کو
سونے کی کبھی ضرورت نہیں ہوتی تھی — مگر وہ کبھی کبھی یونہی
شوقیہ سو جایا کرتی تھی — کمال کی بات یہ ہے کہ سوتے میں
اُسے کسی شے کی خبر نہیں رہتی تھی — اور اُسے کوئی خواب
بھی نہیں آتا تھا — آخری خواب ماریا نے چار ہزار سال پہلے
وادی دجلہ فرات کے ایک مکان کی چھت پر سوتے ہوئے دیکھا
تھا جس میں دیوی طلالہ کی بڑی بہن نے اُسے یہ خبر سنائی
تھی کہ دیوتاؤں نے ناراض ہو کر اُسے غائب کر دیا ہے اور
اب وہ تو سب کو دیکھ سکے گی مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔

راجکماری اتنی گہری نیند سو رہی تھی کہ اس کے ہلکے ہلکے
خراٹوں کی آواز آنے لگی تھی — ماریا خوش ہوگئی — اس نے بھی
ایک پتھر سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں —

خدا جانے کیا بات ہوئی کہ ماریا کی بھی آنکھ لگ گئی —
حالانکہ وہ اس قسم کے حالات میں کبھی نہیں سوئی تھی، لیکن

قسمت میں جو ہونا لکھا تھا اُسے بھی تو ہو کر رہنا تھا —

ماریا گھاس پر راجکماری سے چار پانچ فٹ کے فاصلے پر دوسری طرف منہ کیے سو رہی تھی — وہ سوتی ہوئی کسی کو بھی نظر نہیں آ سکتی تھی، لیکن جہاں وہ سوئی ہوئی تھی وہاں سے خشک گھاس اور پتے دب گئے تھے — یہ کوئی اندھیرے میں غور سے دیکھتا ہی تو اُسے معلوم ہو سکتا تھا — دونوں عورتیں اپنی اپنی جگہ پر نیند کی دنیا میں گم ہو چکی تھیں —

رات خاموش اور سنسان تھی — جنگل کے درختوں اور جھاڑیوں نے اُسے اور زیادہ ڈراؤنا بنا دیا تھا — سوائے چشمے کے بہتے پانی کے وہاں اور کوئی آواز نہیں تھی —

پھر اچانک دُور درختوں میں کوئی جنگلی پرندہ پھڑپھڑایا جیسے وہاں درختوں کے نیچے سے کوئی چیتا یا شیر گزرا ہو — کیوں کہ شیر عام طور پر آدھی رات کو ہی اپنے شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں —

جنگل میں بہت دُور کسی ہاتھی کے بولنے کی آواز سنائی دے گئی — اس کے بعد پھر گہرا سناٹا چھا گیا — چند لمحوں کے بعد ذرا قریب کے درختوں پر کوئی اُلّو بول کر چپ ہو گیا — فضا اور زیادہ ڈراؤنی ہو گئی —

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی شے ان عورتوں کی طرف

بڑھتی چلی آ رہی ہے — یہ کیا شے تھی؟ اس کی کسی کو بھی خبر نہیں تھی —

یہ جنوبی ہند کے ایک پُراسرار خونخوار قبیلے کے دو ناگے تھے جو آدھی رات کو انسانوں کی بُو پا کر ادھر کو بڑھے چلے آ رہے تھے جو ناگا قبیلہ جنوبی ہند کے گھنے جنگلوں کا سب سے بدنام اور ظالم قبیلہ سمجھا جاتا تھا —

یہ لوگ نہ صرف یہ کہ انسان کا گوشت بڑے شوق سے کھاتے تھے، بلکہ انسان کا سر کاٹ کر اُسے سکیڑ کر بلی کے سر جتنا بنانے کا فن بھی جانتے تھے — انسانی سر کاٹ کر یہ پندرہ بیس دن اس پر کوئی ایسا عمل کرتے کہ کٹا ہوا انسانی سر کی کھوپڑی منہ ناک اور کان چھوٹے ہوتے ہوتے بلی کے سر جتنی ہو جاتی — پھر وہ انسانی سر کو اپنی جھونپڑیوں کے باہر لٹکاتے اور ان کا سردار اپنے گلے میں انسانی سکڑی ہوئی کھوپڑیوں کا ہار بھی شوق سے پہنتا تھا —

یہ دونوں ناگے جنگلی انسان کی تلاش میں ساحل سمندر کی طرف جا رہے تھے، جہاں کوئی نہ کوئی ماہی گیر انہیں مل جاتا تھا۔ یہ لوگ اُسے پکڑ کر لے جاتے تھے۔ پہلے اس کا سر کاٹتے اور پھر اس کا گوشت ابال کر کھا جاتے اور اس کے بعد اس کی کھوپڑی کو سکیڑنا شروع کر دیتے — اچانک چلتے چلتے انہیں ہوا

میں کسی انسان کی بُو محسوس ہوئی — جنگلوں میں ہی ساری زندگی
بسر کرنے کی وجہ سے ان کے ناک بڑے تیز ہو گئے تھے اور یہ
بڑی دُور سے انسان کی بُو سونگھ لیتے تھے —

انہوں نے کافی دُور سے ہی راجکماری اور ماریا کے جسم کی
بُو سونگھ لی تھی اور وہ خونخوار درندوں کی طرح جھاڑیوں اور ندی
نالوں پر سے ہوتے اس چشمے کی طرف بڑھ رہے تھے، جہاں
راجکماری اور ماریا گہری نیند سو رہی تھیں — دونوں کے کانوں میں
لوہے کی بالیاں تھیں — گلے میں لوہے کے چکر تھے — سارا جسم
ریچھ کی طرح بالوں سے بھرا ہوا تھا، رنگ کالا اور آنکھیں لال
تھیں — ہاتھوں میں اُنہوں نے لمبے نیزے تھام رکھے تھے —
کاندھے پر تیر کمان لٹکے تھے — ان کے تیر زہر بھرے ہوتے تھے۔
اور نشانہ ایسا کہ اُڑتی چڑیا کو تیر مار کر گرا لیتے تھے —

جب انسانوں کی بُو زیادہ تیز ہو گئی تو دونوں ناگے جنگلی
رینگ رینگ کر چلنے لگے — آخر وہ جھاڑیوں میں سے اُس جگہ نکل
آئے جہاں چشمے کے پاس خشک پتوں پر انہوں نے ایک عورت
کو لیٹے ہوئے دیکھا — اگرچہ وہاں اندھیرا تھا، مگر ان کی آنکھیں اُلو
کی طرح اندھیرے میں ہر چیز کو دیکھ لیتی تھیں —

سوئی ہوئی راجکماری کو دیکھ کر ان کی آنکھیں خوشی سے
چمکنے لگیں — ہونٹ پھیل گئے اور لمبے لمبے زرد دانت باہر

نکل آتے — جب کوئی عورت مل جاتی تھی، تو ان کے ہاں بڑی
خوشی کی جاتی تھی — عورت کا سر کاٹ کر یہ اپنے سردار کے
حوالے کر دیتے تھے جو خود اُس کٹے ہوئے سر کی کھوپڑی کو
سکیڑ کر چھوٹا کرتا تھا اور پھر اس سکڑی ہوئی انسانی کھوپڑی کو
اپنے گلے میں ڈال کر خوش ہوتا تھا —

اب وہ آہستہ آہستہ سوئی ہوئی راجکماری کی طرف بڑھنے لگے۔
راجکماری ہلکے ہلکے نیند میں خراٹے لے رہی تھی — اس سے ذرا
ہٹ کر ماریا سو رہی تھی مگر ماریا ان جنگلی ناگوں کو دکھائی
نہیں دے رہی تھی۔

وہ چیتے کی طرح اپنی تھوتھنیاں زمین کے ساتھ لگائے رینگتے
ہوئے راجکماری کے سر کے اُوپر آ گئے — ایک ناگے نے اپنے
ہاتھ میں کسی بوٹی کے رس کو اچھی طرح رگڑا اور پھر اپنا ہاتھ
راجکماری کے منہ پر رکھ کر زور سے دبا دیا —

راجکماری ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی، مگر چونکہ اس کا منہ بند کر دیا
گیا تھا — اس لیے وہ کوئی آواز نہ نکال سکی — جونہی اس نے
ناک کے ذریعے سانس لی، اس کے پھیپھڑوں میں ایک بڑی ہی تیز
ناگوار بُو گھس گئی، جس کی وجہ سے اُسے زبردست چکر آ گیا —
راجکماری آواز نکالے بغیر بے ہوش ہو گئی —
وحشی ناگے اسے گھسیٹ کر ایک طرف لے گئے — اُنہیں

کسی دوسرے انسان کی بُو ابھی تک آ رہی تھی — اشاروں ہی
اشاروں میں ایک ناگے نے دوسرے سے پوچھا کہ یہ کس
انسان کی بُو ہے ؟ وہ انسان کہاں ہے ؟

دوسرے نے اشاروں ہی اشاروں میں کہا کہ وہ یہاں تو
کسی دوسرے انسان کو نہیں دیکھ رہا ، مگر ان کے ناک جھوٹ
نہیں کہہ رہے تھے — ماریا ان سے کوئی دس فٹ کے
فاصلے پر گھاس پتوں پر سو رہی تھی لیکن وہ اُسے دیکھ نہیں
سکتے تھے —

جب انہیں وہاں کوئی دوسرا انسان دکھائی نہ دیا تو وہ
بے ہوش راجکماری کو کندھے پر ڈال کر جنگل میں گم ہوگئے۔
جنگل آگے جاکر اتنا گنجان ہوگیا تھا کہ آدمی اُس کے اندر
بڑی مشکل سے چل سکتا تھا — سانپ اس جنگل میں جگہ جگہ
تھے اور درختوں کے ساتھ لپٹے ہوتے تھے — مگر ان جنگلی ناگوں
کو سانپ پکڑنے میں بڑی مہارت حاصل تھی — یہ سانپ کو لپک
کر پکڑتے اور اس کی گردن کاٹ کر پھینک دیتے اور باقی جسم
مولی کی طرح بڑے شوق سے کھا جاتے — سانپ بھی شاید اپنے
دشمن کو پہچاننے لگے تھے — وہ بھی ان ناگوں کے جنگلی اور
گندے بالوں بھرے جسموں سے اٹھنے والی تیز بو کو فوراً محسوس
کر لیتے تھے اور جہاں سے یہ گزرتے، وہاں سے وہ بھاگ جاتے

تھے — دونوں ناگے گنجان جنگل کے گہرے اندھیرے میں یوں
آسانی سے جھاڑیوں میں سے گزرتے چلے جا رہے تھے جیسے وہ
کسی شہر کی گلیوں میں گزر رہے ہوں —

جنگل میں ایک جگہ پہاڑی ٹیلے کی سرنگ آگئی۔ دونوں
اس سرنگ میں داخل ہوگئے — اس سرنگ میں گہرا اندھیرا
تھا اور کونوں سے سانپوں کی سیٹیوں اور اژدہوں کی پھنکاروں کی
آوازیں آ رہی تھیں، لیکن دونوں ناگے بے فکر ہو کر چلے جا
رہے تھے — ہاں، تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ منہ سے سیٹی کی
ایک عجیب سی آواز نکالتے — جس کے بعد اژدہوں اور سانپوں
کی پھنکاریں بند ہو جاتی تھیں —

سرنگ آگے جا کر ایک اور جنگل میں نکل آئی۔ یہاں اچانک
ایک بہت بڑا ریچھ ان کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ دونوں ناگے
رُک گئے — انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا — ایک ناگے
نے بے ہوش راجکماری کو زمین پر لٹا دیا — پھر دونوں تیر
کمان لے کر زمین پر ایک گھٹنا رکھ کر نشانہ باندھنے لگے —
ریچھ زور سے غرایا اور ان کی طرف بڑھا — انہوں نے زہریلے
تیر ریچھ کی طرف چلائے — دونوں تیر ریچھ کی گردن میں آکر
کھُب گئے —

ریچھ کے خون میں زہر داخل ہوگیا — یہ زہر اس قدر

خوفناک اور تیز تھا کہ ریچھ منہ کے بل گر پڑا اور تڑپ تڑپ کر اسی وقت ٹھنڈا ہوگیا —

دونوں ناںگے راجکماری کو اٹھا کر دوبارا جنگل میں روانہ ہوگئے۔ وہ ایک ٹیلے کی ڈھلان اُترنے لگے — نیچے دُور ایک جگہ درختوں کے جھنڈوں میں آگ کا الاؤ روشن تھا اور شعلوں کی روشنی میں وہاں کے درختوں کے تنے چمک رہے تھے — یہاں ان خونخوار وحشی ناںگوں کا قبیلہ رہتا تھا — انہوں نے جاتے ہی الاؤ کے پاس کھڑے ہوکر منہ سے ایک خاص قسم کی آواز نکالی — ارد گرد کی تنگ چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں میں سے ناںگے مرد اور عورتیں شور مچاتے باہر نکل آئے — انہوں نے راجکماری کو دیکھا تو خوشی سے ناچنے لگے —

سردار بھی اپنی جھونپڑی سے سر پر گینڈے کے سینگوں والا تاج پہنے باہر نکل آیا — سب ناںگے خاموش ہوکر جُھک گئے۔ سردار نے بے ہوش راجکماری کے منہ پر ایک خاص قسم کی دوائی چھڑکی — تھوڑی ہی دیر میں راجکماری کو ہوش آگیا —

اُس نے جو آگ کی روشنی میں اپنے ارد گرد وحشی جنگلیوں کو دیکھا تو خوف سے اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ سردار نے راجکماری کو بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اس کی کھوپڑی پر ہاتھ پھیر کر اپنی زبان میں ناںگوں سے بولا:

"یہ کھوپڑی نرم ہے — ایک ہفتے میں سکڑ جائے گی —"

راجکماری نے اپنے بال چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

"میں راجہ وشالہ کی بیٹی ہوں — مجھے چھوڑ دو —"

کوئی بھی ناںگا جنگلی اس کی زبان نہیں سمجھتا تھا۔ انہوں نے راجکماری کی چیخ و پکار کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور سردار کے حکم پر اس کی کھوپڑی کے عین درمیان میں سے خنجر کی مدد سے بال کاٹ کر ایک چھوٹا سا دائرہ بنا دیا — راجکماری کا رنگ زرد ہوگیا اور خوف سے ٹانگیں کانپنے لگیں — خدا جانے یہ وحشی ناںگے اس کی کھوپڑی میں سوراخ کرنے لگے تھے شاید — وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے اور چیخنے چلانے لگی۔ ایک ناںگے نے راجکماری کے قریب آکر زور سے اُس کے منہ پر تھپڑ مار دیا — راجکماری کے منہ سے خون نکل آیا اور وہ دہ موئی سی ہو کر خاموش ہوگئی — سردار نے کہا:

"اسے لے جاکر قید کر دو — کھوپڑی نرم ہے۔ ایک ہفتے میں سکڑ جائے گی — پہلے میں اس کے ساتھ شادی کروں گا۔ پھر اس کا سر کاٹ کر اپنے گلے میں ڈالوں گا — کل رات ہماری شادی ہوگی — پرسوں میں اس کی گردن خود کاٹوں گا اور سر نیزے پر رکھ کر آگ میں بھونوں گا —"

سارے ناںگے نعرے لگا کر خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ وہ

روتی ہوئی راجکماری کو اٹھا کر لے گئے اور ایک برگد کے گھنے
درخت کے نیچے بنے ہوئے جھونپڑے میں لے جا کر قید کر دیا۔
چار نانگے نیزے لے کر جھونپڑے کے اردگرد گھوم پھر کر پہرہ
دینے لگے۔

راجکماری جھونپڑے میں جاتے ہی سسکیاں بھر کر رونے لگی۔
اُسے ماریا اور اپنے ماں باپ کی یاد آ گئی اور وہ منہ سے
پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی لیکن وہاں اس کے آنسوؤں پر ترس
کھانے والا کوئی بھی نہیں تھا۔

تھک ہار کر وہ گھاس پر نیم بے ہوش ہو کر پڑ گئی۔

اُدھر اچانک ماریا کی آنکھ کھلی تو یہ دیکھ کر پریشان سی
ہوئی کہ راجکماری وہاں سے غائب ہے۔ پہلے وہ سمجھی کہ شاید
چشمے پر پانی وغیرہ پینے گئی ہوگی۔ اُٹھ کر اس نے چشمے پر
بھی دیکھا۔ وہاں بھی وہ نہیں تھی۔ ماریا نے اردگرد سارے
جنگل میں راجکماری کو تلاش کیا۔ اُسے آوازیں بھی دیں مگر
سوائے اُلّو کی آواز کے کسی نے جواب نہ دیا۔ اُلّو بھی ماریا
کو شاید یہی بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ نانگے وحشی
راجکماری کو پکڑ کر لے گئے ہیں، لیکن ماریا اُلّو کی زبان نہیں
سمجھتی تھی۔ ناگ ان کی بولی سمجھ لیتا تھا۔

لیکن ناگ تو ماریا سے ہزاروں میل دُور پرتگالی جہاز میں
سوار ہو کر پرتگال کی طرف سمندر میں سفر کر رہا تھا۔

عنبر بے چارہ ابھی تک سمندر کے بیچ میں پہاڑ کی چوٹی
والے پُراسرار نقاب پوش جادوگروں کے محل کے تہ خانے
کے کنوئیں میں پڑا باہر نکلنے کی تدبیریں سوچ رہا تھا اور عمارہ
کا بے ہوش جسم اُسی تہ خانے کے کونے میں رکھے تابوت میں
بند تھا۔

ناگ اور عنبر کی خبر ہم بعد میں لیں گے، پہلے ذرا یہ معلوم
کریں کہ ماریا پر کیا گزر رہی ہے۔

ماریا بہت پریشان تھی۔ راجکماری کا اچانک گم ہو جانا
اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہیں اُسے کوئی درندہ نہ اُٹھا
کر لے گیا ہو؟ لیکن اگر درندہ اُٹھا کر لے جاتا تو راجکماری
ضرور چیخ مارتی اور ماریا جاگ پڑتی۔ یہ اتنی خاموشی اور
پُراسرار طریقے سے اُسے کون اغوا کر کے لے جا سکتا تھا؟

جنگل میں اندھیرا کم ہونے لگا، کیونکہ درختوں کے اوپر
چاند نکل آیا تھا جس کی روشنی شاخوں کے پتوں سے چھن چھن کر
زمین پر پڑ رہی تھی۔ اس روشنی میں ماریا نے دیکھا کہ جن پتوں
پر راجکماری لیٹی ہوئی تھی، وہ اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہیں اور
کہیں کہیں سے کچلے گئے ہیں۔

ماریا ایک ذہین لڑکی تھی۔ اُس کی نظروں سے ایسے

واقعات گزر چکے تھے — وہ سمجھ گئی کہ یہاں کے جنگلی لوگ رات کو آ کر سوئی ہوئی راجکماری کو اُٹھا کر لے گئے ہیں اور انھوں نے ضرور راجکماری کو کسی جنگلی بُوٹی کی دوائی سُنگھا کر پہلے بے ہوش کر دیا ہوگا — جنگل میں ایسی ہزاروں بوٹیاں مل جاتی تھیں — جس کے عرق کو سُونگھ کر انسان بے ہوش ہو جاتا تھا۔ اور جنگل کے وحشی لوگ ایسی جڑی بوٹیوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ ماریا نے گھاس پر جنگلی آدمیوں کے پاؤں کے نشان بھی دیکھ لیے۔ وہ ان نشانوں کے تعاقب میں جنگل میں روانہ ہو گئی۔

ظالم شلانگو

جنگل ویران اور دہشت بھرا تھا —
درختوں سے چاندنی چھن کر آ رہی تھی — ماریا اپنے اندازے سے آگے بڑھ رہی تھی — کیوں کہ گھاس پر جنگلیوں کے پیروں کے نشان اب کہیں نظر نہیں آتے تھے — ماریا اگرچہ نظر نہیں آ رہی تھی مگر اس کے وجود کو جنگلی جانور اور پرندے اور کیڑے مکوڑے بڑی شدت سے محسوس کر رہے تھے —

ایک درخت کے نیچے سے ماریا گزری تو جنگلی بلی چیخ مار کر بھاگ گئی — جانور اور درندے، بھوت پریت اور نظر نہ آنے والی بدروحوں سے بڑا گھبراتے ہیں اور ان پر اکثر لرزہ طاری ہو جاتا ہے، صرف شیر نہیں گھبراتا اور بھوت، بدروح اور چڑیل کی پروا نہیں کرتا — بلی چیخ مار کر بھاگی تو درخت پر بیٹھے پرندے بھی ماریا کے وجود کو محسوس کر کے سہم کر سمٹ گئے — سانپ اور اژدہے ان باتوں سے بے نیاز تھے — وہ اسی طرح

درختوں کی شاخوں سے لپٹے پھنکار رہے تھے — انہیں ماریا
کے وجود کا احساس تک نہیں ہو رہا تھا —

ماریا جنگل میں پیتی چلی گئی — کافی آگے جا کر ایک
بہت بڑا اژدہا اس کے راستے کے بیچ میں بیٹھا تھا — ماریا
اس کے قریب سے ہو کر گزرنے لگی تو خدا جانے اژدہا نے
کیسے محسوس کر لیا کہ کوئی انسان اس کے پاس سے گزر رہا
ہے — اژدہے نے زور سے پھنکار ماری اور اس کے منہ سے
آگ کے شرارے نکلنے لگے —

ماریا نے اژدہا کو کچھ نہ کہا اور اپنے سفر پر روانہ رہی۔
آگے جا کر ایک ٹیلا آگیا، جس کے نیچے ایک سرنگ کا چھوٹا
سا منہ کھلا تھا، ماریا وہاں کھڑی ہو کر سوچنے لگی کہ سرنگ کے
اندر جائے یا دوسری طرف سے ہو کر ٹیلے کے آگے نکل جائے۔
اس کے دماغ نے بڑا ٹھیک فیصلہ کیا اور ماریا سرنگ کے اندر
داخل ہو گئی —

انسان کی نیت نیک ہو اور دل میں دوسرے انسانوں سے
بھلائی کرنے کا خیال ہو تو اللہ تعالیٰ دل میں نیک اور صحیح
خیال ڈال کر رہنمائی کرتا ہے —

ایسا ہی ماریا کے ساتھ ہوا تھا، کیونکہ اس کا بھی دل صاف
تھا اور نیت نیک تھی، وہ بغیر کسی غرض کے راجکماری کی مدد

کر رہی تھی اگر کوئی خیال تھا تو صرف انسانی ہمدردی اور
ماں باپ کے پیار کا تھا کہ اس طرح سے ایک بچھڑی ہوئی
بیٹی اپنے غمزدہ ماں باپ کو مل جائے گی —

سرنگ میں اندھیرا تھا لیکن ماریا ایسے کئی اندھیرے سرنگوں
سے گزر چکی تھی — یہ سرنگ اس کے لیے کوئی نئی نہیں تھی — وہ
آگے بڑھتی چلی گئی —

اندھیرے میں کافی دیر چلنے کے بعد ماریا نے دور سرنگ میں
روشنی کا دھندلا سا دھبہ دیکھا جو بڑا ہوتا چلا گیا۔ یہاں سرنگ
ختم ہو جاتی تھی اور جنگل شروع ہوتا تھا — اس سے آگے
ٹیلے کے پار وحشی ناگوں کی بستی تھی اور راجکماری بھی وہیں
قیدی تھی —

یہاں پہنچتے پہنچتے پو پھٹنے لگی اور آسمان پر نیلی نیلی
روشنی پھیل گئی — ماریا کو ابھی تک کوئی جنگلی بستی نظر نہیں
آئی تھی — وہ کچھ نا امید سی ہو گئی تھی کہ شاید وہ غلط طرف
نکل آئی ہے اور اسے جنگل میں دوسری طرف جانا چاہیے تھا۔

یہ وہی جگہ تھی جہاں کالے جنگلی ریچھ نے ننگے وحشیوں
پر حملہ کیا تھا اور ریچھ ان کے تیر کھا کر مر گیا تھا۔ اس جگہ
ریچھ کی لاش پڑی تھی، جس پر لاکھوں چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔
ماریا ریچھ سے ہٹ کر آگے گزر گئی — یہاں اسے غلطی

ہو گئی — بجائے اس کے کہ وہ سامنے والے درختوں سے ہو کر ٹیلے
کی طرف جاتی — وہ مرے ہوئے ریچھ کی لاش کے پہلو سے
ہو کر دوسری طرف نکل گئی، جدھر اُسے پانی کے چشمے کی ہلکی
ہلکی آواز آ رہی تھی — اس کا خیال تھا کہ جہاں چشمہ ہو گا
وہاں جنگلی لوگوں کی آبادی ضرور ہو گی —

اس طرف چھوٹی چھوٹی چٹانیں کھڑی تھیں جن کی دیواروں پر
گہری سبز اور سیاہ کائی جمی ہوئی تھی — صبح کی ہلکی روشنی نے
جنگل کے اندھیرے کو دُور کر دیا تھا — جنگل کی ہر چیز نظر آنے
لگی تھی — ماریا ایک چشمے پر آ کر رُک گئی — جسے وہ چشمہ سمجھ
رہی تھی وہ ایک چٹان کی دراڑ تھی، جس کے اندر سے پانی
کے قطرے نیچے چھوٹے سے تالاب میں ٹپک رہے تھے۔ اس
تالاب میں بے شمار کالی اور نسواری جونکیں تیر رہی تھیں — یہ
جونکیں انسان کے جسم سے چمٹ جائیں تو جب تک سارا خون
نہ پی لیں، نیچے نہیں گرتی تھیں — ماریا نے ایک جھرجھری سی لی اور
پتھر پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ کہیں وہ غلط سمت کو تو نہیں
نکل آئی —

اتنے میں اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی جھاڑیوں
میں سے گزر کر اس چٹان کی طرف چلا آ رہا ہے جس کے
پاس وہ بیٹھی ہوئی تھی — اس نے جھاڑیوں کی طرف دیکھا۔ ایک

جگہ سے جھاڑیاں ہل رہی تھیں۔ کوئی ادھر کو ہی آ رہا تھا۔ ماریا
کو تو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لیے کوئی پریشانی نہیں
تھی کہ وہ بھاگ کر چھپ جاتی — وہ اسی جگہ بیٹھی رہی۔

اتنے میں جھاڑیوں میں سے ایک ننگا وحشی باہر نکلا۔ ماریا
نے اُسے دیکھا کہ اس کے سارے بدن پر سیاہ بال تھے — کمر
کے گرد صرف ایک پتوں بھری ٹہنی لپٹی تھی — سر پر بالوں
کا گنجان گچھا سا پڑا تھا اور ہاتھ میں نیزہ تھا — اس جنگل میں
اتنی دُور آنے کے بعد پہلی بار یہاں کوئی جنگلی نظر آیا تھا —
اب اُس کی ہمت بندھی کہ راجکماری کا پتا چل جائے گا۔ وہ
اس جنگلی کا پیچھا کرے گی — راجکماری ضرور ان جنگلیوں کی
قید میں ہو گی — ماریا غور سے وحشی ننگے کو تکنے لگی —

وحشی ننگا چٹان والے پانی کے تالاب کی طرف آ رہا
تھا۔ شاید وہ پانی پینے آیا تھا — اتنے میں اچانک جنگل میں
شیر کی دھاڑ گونجی — ننگا جہاں تھا وہیں کھڑے کا کھڑا رہ
گیا — ماریا بھی چوکنی ہو گئی — شیر تالاب پر پانی پینے آ رہا
تھا — ننگے نے پیچھے ہٹ کر ایک درخت کی آڑ لی اور نیزے
پر ہاتھ کی گرفت مضبوط کر لی —

اتنے میں ایک دھاری دار شیر درختوں میں سے نکلا،
اور تالاب پر آ کر رُک گیا — فضا میں شیر نے بھی دو انسانوں

کی بُو سُونگھ لی تھی اور خطرہ محسوس کر لیا تھا — نانگے وحشی نے یہاں ایک زبردست حماقت کی کہ نیزہ لے کر درخت کی آڑ سے باہر نکل آیا اور شیر کو للکار دیا — یہ اس کی بہادری بھی تھی، مگر ایسی بہادری تھی جس میں عقل شامل نہیں ہوتی اور ایسی بہادری کا انجام موت کی صورت میں ہوا کرتا ہے —

شیر نے جو اپنے پیچھے ایک انسان کی للکار سُنی تو پلٹ کر دیکھا — ایک ننگا نیزہ تانے اس کی طرف بڑھ رہا تھا —

شیر کی دُم غصے سے تن گئی — ایک جنگلی کی یہ جرأت شیر کو پسند نہ آئی تھی۔ وہ دھاڑا اور سمٹ کر اس نے جو چھلانگ لگائی تو سیدھا جنگلی نانگے کے اوپر جا گرا — شیر نے نانگے کا منہ گردن تک اپنے جبڑوں میں دبوچ لیا تھا اور اس کی کھوپڑی کو دانتوں سے کچل رہا تھا — مگر نانگے کا نیزہ بھی اپنا کام کر چکا تھا — نیزہ شیر کے پیٹ میں گھُس کر دوسری طرف سے آر پار ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں نے دم توڑ دیا —

ماریا اس خونی کھیل کو اپنی آنکھوں سے دیکھتی رہی — اس قسم کا بہادرانہ کھیل اُسے بہت پسند تھا — اُس نے افریقہ کے جنگل میں خود تین شیر ہلاک کر ڈالے تھے — وہ اُٹھی اور اُس

طرف روانہ ہو گئی — جدھر سے ننگا وحشی چل کر آیا تھا — اُس کا خیال تھا کہ جنگلیوں کے جھونپڑے اسی طرف ہوں گے، لیکن یہ بھی اس کی بھول تھی — جنگل کے جس راستے پر وہ چلی جا رہی تھی، وہ ایک بڑے ہی چالاک جادوگر کے غار کی طرف جاتا تھا —

اس جادوگر کا نام شلانگو تھا — وہ جادو کے زور سے آدمی کو پتھر کر دیتا تھا — اور بدروحوں اور بھُوتوں چڑیلوں کو آتے جاتے دیکھ لیتا تھا — اس وقت شلانگو جادوگر اپنی غار کے باہر آگ جلائے اس پر کڑاہی رکھے بلّیوں کتّوں کے پنجے اور سانپوں کے سر اُبال کر کوئی جادو کی خاص دوا تیار کر رہا تھا۔

ماریا جنگل میں چلتے چلتے جب اس غار کے پاس پہنچی تو اس نے دیکھا کہ ایک کالا کلوٹا بن مانس قسم کا بدصورت آدمی جو کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا، سر پر مرغ کے پروں کا تاج رکھے گلے میں ہڈیوں کی مالا ڈالے آگ کے پاس بیٹھا کڑاہی میں لکڑی ہلا رہا تھا —

ماریا نے سوچا کہ ہو سکتا ہے، اسی آدمی نے راجکماری کو غار میں چھپا رکھا ہو —

ماریا اس آدمی کے غار کی طرف بڑھی — وہ صرف اتنا چاہتی تھی کہ اس بدصورت آدمی کے پیچھے سے ہو کر غار کے اندر

جائے اور راجکماری کو وہ وہاں ہو تو ساتھ لے کر باہر آ جائے — اگر یہ کالا جنگلی اسے پکڑنے کی کوشش کرے تو اُس کا کام تمام کر دے —

ماریا درختوں کے پیچھے سے نکل کر غار کے سامنے آئی تو شلانگو جادوگر نے اُسے دیکھ لیا — کئی سو سال کے بعد ماریا کی غیبی زندگی میں دوسرا موقع آیا تھا کہ کسی جادوگر نے اُسے دیکھ لیا تھا —

شلانگو جادوگر کو فوراً ہی پتا چل گیا کہ یہ کوئی غیبی روح ہے اور سوائے اُس کے اور کسی کو دکھائی نہیں دے رہی — اس نے بھی اپنے جادو کے زور سے اُسے دیکھا تھا —

شلانگو نے اب ایک چال چلی — وہ چپکے سے اس طرح اپنے دھیان میں کڑاہی کے آگے آگ کے پاس بیٹھا رہا جیسے اس نے ماریا کو دیکھا ہی نہیں — ماریا بڑے مزے اور بے فکری سے شلانگو کے پاس سے گزر کر غار کے اندر چلی گئی۔ غار کے اندر جادوگری کے بارے میں سامان پڑا تھا — اُلّو کا سر، انسانی کھوپڑیاں، کوّے کی چونچ، شیر کے پنجے اور ریچھ کے ناخن اور ہڈیوں کی مالائیں — وہ سمجھ گئی کہ یہ شخص کوئی جنگلی جادوگر ہے اور اپنے جھوٹ موٹ کے جادو سے جنگلی لوگوں پر اثر ڈال کر ان سے کھانے پینے کی چیزیں اینٹھ

راجکماری غار کے اندر نہیں تھی — ماریا باہر آگئی۔ شلانگو آگ کے پاس اکڑوں بیٹھا کانی آنکھوں سے ماریا کو دیکھ رہا تھا — ماریا کچھ دیر غار کے باہر کھڑی جنگل کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ کدھر کی طرف جائے اور راجکماری کو تلاش کرے —

دن ڈھل رہا تھا اور شام سر پر آ رہی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ رات آگئی تو پھر اتنے گھنے اور گنجان جنگل میں راجکماری کی تلاش مشکل ہو جائے گی — شلانگو جادوگر نے تھیلے میں سے کچھ ہڈیوں کے ٹکڑے نکال کر اپنے سامنے زمین پر پھینکے جیسے وہ کوئی فال نکال رہا ہو۔

ہڈیوں کے زمین پر گرنے کی آواز سُن کر ماریا جادوگر کے قریب آگئی — اس وقت جادوگر زمین پر گری ہوئی ہڈیوں کو تک رہا تھا — پھر اُس نے دو ہڈیاں اُٹھالیں — تھوڑی دیر بعد چار ہڈیاں اور اُٹھالیں — ماریا کو شرارت سُوجھی۔ اُس نے ہاتھ آگے بڑھا کر زمین پر سے باقی ہڈیاں اُٹھالیں۔ ہڈیاں اس کے ہاتھ میں جاتے ہی غائب ہوگئیں — وہ مسکرا رہی تھی۔ شلانگو جادوگر ماریا کو اپنے قریب بیٹھے صاف دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ اس طرح سے مگن تھا، جیسے وہ ماریا کو نہیں دیکھ رہا۔

ماریا بھی خوش تھی کہ اُس نے جادوگر کو پریشان کیا ہے —

ماریا نے چاروں ہڈیاں دوبارا زمین پر گرا دیں۔ شلانگو جادوگر انہیں اٹھانے لگا تو ماریا نے جھٹ ہاتھ بڑھا کر ہڈیوں کو غائب کر دیا — اس کا خیال تھا کہ جادوگر حیرت سے دنگ رہ جائے گا، مگر اس پر جیسے کوئی اثر نہ ہوا۔ ماریا کو تعجب ہوا کہ اس شخص پر ہڈیوں کے اچانک غائب ہو جانے کا اثر کیوں نہیں ہوا —

ماریا ہڈیاں ہاتھ میں تھامے یہ سوچ ہی رہی تھی کہ شلانگو جادوگر نے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے وہ ماریا کو دیکھ رہا ہو — ماریا گھبرا گئی —

جادوگر نے کہا :

"میری ہڈیاں واپس کر دو۔"

اب تو ماریا کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ کتنے ہی سالوں کے بعد یہ موقع آیا تھا کہ کسی نے ماریا کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے جھٹ ہڈیاں جادوگر کے آگے پھینک دیں اور حیرانی سے پوچھا :

"کیا — کیا تم مجھے دیکھ رہے ہو ؟"

"کیوں نہیں، تم ایک نوجوان سانولی لڑکی ہو۔ تمہارے بال تمہارے شانوں پر کھلے ہیں اور تمہارے کپڑے آج سے

پچاس برس پہلے کے زمانے کے ہیں — تمہارا نام کیا ہے ؟"

اب تو ماریا پریشان ہو گئی — اُسے ایک دم سے خیال آیا کہ کہیں اس پر جادو کا اثر ختم تو نہیں ہو گیا ! کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اب ہر کوئی اُسے دیکھ سکے گا ؟ اس نے جادوگر سے کہا :

"تم نے مجھے کیسے دیکھ لیا ؟ میرا نام ماریا ہے۔"

شلانگو جادوگر نے کہا :

"میں اس علاقے کا سب سے بڑا جادوگر ہوں — میرے پاس جادو کی اتنی طاقت ہے کہ میں جن بھوت بدروح اور چڑیلوں کو دیکھ سکتا ہوں —"

ماریا شلانگو جادوگر سے ذرا دُور ہٹ گئی — اب وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی — کیونکہ نظر آنے کے بعد وہ ایک عام کمزور لڑکی بن گئی تھی اور اُسے جادوگر نقصان پہنچا سکتا تھا —

جادوگر نے ماریا کو کھسکتے دیکھا تو اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا :

"ماریا، تم یہاں سے بھاگ نہیں سکتیں — میرے جادو نے تمہارے سب راستے بند کر دیے ہیں — تمہارے اندر اب پہلے والی طاقت نہیں رہی — تم ایک عام کمزور لڑکی بن چکی

ہو۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ جس طرح میں کہتا ہوں ویسے ہی کرو۔"

ماریا نے اپنے ارد گرد نگاہ ڈالی تو اسے ایسا لگا جیسے اس کے چاروں طرف درختوں کو آگ لگی ہوئی ہے اور وہ اس آگ میں سے باہر نہیں نکل سکتی — وہ اپنے آپ کو پہلی بار بے بس محسوس کرنے لگی —

جادوگر نے کہا :

"میرے ساتھ اس غار کے اندر چلو۔"

ماریا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا :

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو ؟"

تشلانگو جادوگر بڑی مکاری سے ہنسا — اس کے بینگے ٹیڑھے زرد دانت آگ کی روشنی میں چمکنے لگے —

"یہ ایک راز ہے اور یہ راز میں تمہیں غار کے اندر جا کر بتادوں گا — ایک بات یاد رکھو، تم یہاں سے اب بھاگ نہیں سکتیں — اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو وہ آگ جو تمہیں جنگل کے درختوں پر رقص کرتی نظر آرہی ہے وہ تمہیں جلا کر بھسم کر دے گی — یہ میرے جادو کی آگ ہے اور اس کا وار کبھی خالی نہیں گیا — بولو اب تم کیا کہتی ہو ؟"

ماریا نے ہتھیار پھینک دیے — وہ جادوگر کے پنجے میں

بُری طرح پھنس چکی تھی — اُسے جنگل کی طرف سے آگ کے شعلے اپنی طرف بڑھتے دکھائی دیے — اُس نے جھٹ کہا :

"تم جیسا کہو گے میں ویسے ہی کروں گی — میں تمہارے غار میں جا رہی ہوں۔"

اور ماریا سر جھکائے ایک بے بس قیدی کی طرح غار کے اندر چلی گئی — غار میں جہاں جادوگری کا سامان اور انسانی کھوپڑیاں پڑی تھیں وہاں ایک دیا جل رہا تھا۔ اُس کی روشنی بھیانک اور ڈراؤنی تھی — کھوپڑیوں کے سائے سامنے دیوار پر پڑ رہے تھے — اس کے پیچھے پیچھے جادوگر بھی غار کے اندر آگیا — اس نے آتے ہی پتھر کے چبوترے پر سے ایک کھوپڑی اُٹھا کر اُس کے اندر بیٹھے ہوئے مکڑے کو باہر نکالا اور اسے ہوا میں ماریا کے آگے اچھال دیا —

مکڑے نے بجلی ایسی تیزی کے ساتھ فرش سے لے کر چھت تک ماریا کے آگے ایک جال بُن ڈالا — جادوگر نے مکڑے کو پکڑ کر واپس کھوپڑی میں ڈالا اور ماریا کی طرف دیکھ کر کہنے لگا :

"اسے تم مکڑے کا کمزور جال مت سمجھنا — یہ اتنا مضبوط ہے کہ تم اگر ساری رات سارا دن اس پر تلوار کا وار کرتے رہو تو یہاں سے نکل کر باہر نہیں جا سکتیں — یہ جال لوہے

کے تاروں سے بھی مضبوط تار ہے۔"

ماریا نے تار کو ہاتھ لگایا تو اسے یوں لگا جیسے اس نے فولاد کے موٹے تاروں پر ہاتھ رکھ دیا ہو — جال اپنی جگہ پر فولاد کا جنگلہ بن کر اس کے سامنے آن گرا تھا اور وہ اس کے اندر قید ہو کر رہ گئی تھی —

ماریا پہلے مکا مار کر ہاتھی کی گردن توڑ دیا کرتی تھی، لیکن اس کے جسم میں وہ طاقت نہ رہی تھی — وہ اپنے آپ کو بہت کمزور محسوس کر رہی تھی — اس نے زچ ہو کر جادوگر سے کہا:

"آخر تم نے مجھے یہاں کس لیے قید کر لیا ہے۔ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

شلانگو جادوگر نے کہا:

"ابھی بتاتا ہوں۔"

پھر وہ انسانی کھوپڑی کو اٹھا کر اس پر آنکھیں بند کر کے کوئی جادو کے منتر پڑھتا رہا — منتر پڑھ کر کھوپڑی پر پھونک ماری تو وہ کھوپڑی ہڈیوں کا پورا ڈھانچہ بن گئی — اس ڈھانچے کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور وہ فولادی جال کے آگے کھڑا ہو کر پہرہ دینے لگا —

جادوگر نے ڈھانچے کو حکم دیا:

"اس عورت کی پہرے داری کرنا — اگر اس نے کسی طریقے سے بھاگنے کی کوشش کی تو اس کی گردن ایک پل کے اندر اندر اتار کر رکھ دینا۔"

ہڈیوں کے ڈھانچے نے ہوا میں زور سے تلوار لہرا کر اپنے سر کی کھوپڑی ہلائی اور اس کے منہ کے سوراخ میں سے آواز آئی —

"میں اس کی گردن کاٹ دوں گا۔"

اور ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑکھڑانے لگا — ماریا ڈر گئی — اتنی مدت بعد اسے کسی شے سے ڈر محسوس ہوا تھا — وہ سچ مچ بہت کمزور ہو گئی تھی — جادوگر شلانگو نے ماریا کے پیر میں لوہے کی ایک زنجیر ڈال دی اور زنجیر کو پتھر میں جکڑ دیا —

"آخر تم مجھے کس لیے قید کر رہے ہو؟" ماریا نے تنگ آ کر پوچھا۔

"اس لیے کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔" شلانگو مکاری سے ہنسا —

ماریا سر پکڑ کر پتھروں پر بیٹھ گئی — خدا نے ضرور اس کے کسی بڑے بول کی سزا دی تھی — اس نے دل ہی دل میں خداوند کریم سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور دعا کی کہ وہ اسے اس کی طاقت واپس کر دے — مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ا

کے ساتھ جو لکھا تھا وہ ہو کر رہتا تھا —

شلانگو نے کہا:

"ماریا! میں جادوگروں کے بادشاہ افراسیاب بادشاہ کا ایک طلسم کر رہا ہوں — اس طلسم کو کامیابی کے بعد میں سارے افریقہ کے جن بھوتوں اور چڑیلوں کا بادشاہ بن جاؤں گا لیکن اس طلسم کی ایک شرط تھی جو مجھ سے پوری نہیں ہو رہی تھی اور میرا طلسم کئی دنوں سے ادھورا پڑا تھا۔ وہ شرط یہ تھی کہ کسی ایسی عورت کا سر کاٹ کر میں اس کا خون کالی بلی کو پورے چاند کی رات کو پلاؤں جو عورت کسی کو دکھائی نہ دیتی ہو۔ میں ایک عرصے سے ایسی عورت کی تلاش میں تھا — خدا کا شکر ہے کہ تم اپنے آپ میرے غار میں آگئیں — اب میں تمہیں ہرگز ہرگز نہیں چھوڑوں گا — دو روز بعد پورے چاند کی رات ہوگی اور میں رات کو تمہاری گردن کاٹ کر تمہارا خون کالی بلی کو پلاؤں گا اور پھر سارے افریقہ کے جن بھوت اور چڑیلیں میرے قبضہ میں آجائیں گی۔ ہاہاہاہا!"

جادوگر مکروہ انداز میں قہقہہ لگا کر ہنس پڑا — ماریا اس کی باتیں سن کر سمجھ گئی کہ یہ شخص اسے زندہ نہیں چھوڑے گا اب دنیا کی کوئی طاقت اسے اس ظالم شیطان کے پنجے سے نہیں چھڑا سکتی — اسے راجکماری کا خیال آگیا کہ جانے وہ کس

حال میں ہوگی — اس نے جادوگر سے کہا:

"میں تمہارے قبضے میں آگئی ہوں۔ اب بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتی، لیکن کیا تم میری سہیلی راجکماری کے بارے میں بتا سکتے ہو کہ وہ کہاں ہے؟"

شلانگو جادوگر نے ہڈیاں پھینک کر زمین پر دو لکیریں کھینچیں اور اپنی لال لال آنکھیں اٹھا کر بولا:

"راجکماری اس وقت اس جنگل کے سب سے خوفناک قبیلے نانگا کے قبضے میں ہے اور وہ لوگ آج رات کے آخری حصے میں اس کا سر کاٹ کر اس کی کھوپڑی سیکڑنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"

ماریا کانپ گئی — یا خدا، وہ دونوں کس مصیبت میں پھنس گئی تھیں — اس سے تو بہتر تھا کہ وہ اس ہندوستان کے ساحل پر کبھی نہ آتیں — یہاں آتے ہی دونوں کی جان خطرے میں پڑ گئی ہے، بلکہ اب تو یہ کہنا چاہیے کہ زندگی کے چراغ کی لو ٹمٹا رہی ہے — ان کی زندگی کوئی دم کی محتاج ہے —

شلانگو جادوگر سے ماریا نے کہا:

"کیا تم میری سہیلی کی جان بچا سکتے ہو؟"

جادوگر نے دانت نکال کر کہا:

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے کیا — میں اپنے دوست نانگا

قبیلے کے سردار کے خلاف کیسے کوئی کام کر سکتا ہوں، بلکہ میں
تو تمہاری سہیلی کی ہڈیاں حاصل کر کے اس کا ہار بنا کر گلے میں
ڈالوں گا ۔ کیونکہ جوان لڑکی کی ہڈیاں ہمارے طلسم کو زیادہ
طاقت ور بناتی ہیں ۔"

ماریا خاموش ہوگئی — اس شیطان سے انسانی ہمدردی کی
امید رکھنا فضول بات تھی — اس نے عنبر اور ناگ کو یاد کیا۔
خدا جانے وہ کہاں چلے گئے ہیں — کاش، انہیں خبر ہوجائے۔
کہ اُن کی بہن ماریا کس مصیبت میں پھنس گئی ہے اور صرف
دو دن کی مہمان ہے — پورے چاند کی رات کو اس کا سر کاٹ
دیا جائے گا اور اس کے جسم سے بہتے خون کو کالی بلی چاٹ
رہی ہوگی —

رات ڈھل رہی تھی، مگر رات کی خاموشی اور اندھیرا جنگل
میں اُسی طرح چھایا ہوا تھا — راجکماری جھونپڑی میں قید تھی —
وہ جاگ رہی تھی — اُس کی جھونپڑی کے باہر چار ننگے جنگلی
چل پھر کر پہرہ دے رہے تھے — راجکماری کی موت اس کے
سامنے کھڑی تھی — آخر وہ راجہ کی بیٹی تھی — اس کا شاہی خون
کھول اُٹھا اور اُس نے زندگی بچانے کے لیے آخری داؤ لگانے
کا فیصلہ کر لیا — مرنا تو اُسے تھا ہی — تو پھر کیوں نہ ایک بار
فرار ہونے کی بھرپور کوشش کی جائے —

راجکماری نے جھونپڑی کے بانسوں میں سے باہر دیکھا۔ ایک
جنگلی عورت راجکماری کے لیے کوئی شے تھال میں رکھے اس کی
جھونپڑی کی طرف بڑھ رہی تھی —

ماریا پھنس گئی

جنگلی عورت راجکماری کی جھونپڑی میں داخل ہوئی ۔
اُسے کسی نے نہ روکا — راجکماری کی آج گردن اُتاری
جانے والی تھی اور یہ جنگلی عورت سردار کی طرف سے ایک رسم
پوری کرنے آئی تھی جو بہت ضروری تھی — اس رسم میں ہلاک
ہونے والی کنواری لڑکی کے گلے میں قتل ہونے والی رات کے
پچھلے پہر سرخ گلاب کے پھولوں کی مالا پہنائی جاتی تھی — آج
راجکماری کے قتل کی رات تھی — آج صبح صبح اُسے ہلاک کر دیا
جانا تھا —

چنانچہ سردار نے رات کے پچھلے پہر کے اندھیرے میں ایک
جنگلی عورت کو گلاب کی مالا دے کر راجکماری کے پاس بھیجا تاکہ
آخری رسم پوری کی جائے ۔

جنگلی عورت کو دیکھتے ہی راجکماری کے دماغ میں ایک خیال
بجلی کی طرح چمکا اور اُس نے اس خیال کو پورا کرنے کا اسی

وقت فیصلہ کر لیا — معلوم ہوا کہ جنگلی عورت گونگی ہے اور صرف
غوں غاں غوں میں ہی بات کرتی ہے — جھونپڑی میں اُس
وقت سوائے راجکماری اور اس جنگلی عورت کے اور کوئی نہیں
تھا —

جنگلی عورت نے تھال میں سے گلاب کے پھولوں کا ہار
اٹھایا اور آگے بڑھ کر راجکماری کے گلے میں ڈال دیا اور
پھر غوں غاں غوں کرکے ہنسنے اور خوش ہونے لگی — پھر اس
نے ہاتھ سے اپنی گردن پر ایسا اشارہ کیا، جیسے چھری پھیر رہی ہو۔
گویا راجکماری سے کہہ رہی تھی کہ صبح اس کی گردن کاٹ دی
جائے گی اور کھوپڑی آگ میں ڈال کر چھوٹی کر دی جائے گی۔
اور پھر خود ہی ہنس پڑی ؛ گویا راجکماری کی ہونے والی موت پر
خوش ہو رہی تھی ۔

راجکماری کے جسم میں خدا جانے یہ پھرتی یہ جرأت اور یہ
طاقت کہاں سے آگئی تھی — شاید اس لیے بھی کہ جب چراغ
بجھنے والا ہوتا ہے تو بڑی زور سے بھڑکتا ہے — راجکماری نے
جنگلی عورت کو اشارے سے قریب بلایا — جب وہ قریب آئی
تو چیتے کی طرح اچھل کر اس کی گردن کو اپنے دونوں ہاتھوں
میں اتنی مضبوطی سے دبوچ لیا کہ جنگلی عورت کے منہ سے ہلکی
سی آواز بھی نہ نکل سکی — یہی راجکماری چاہتی تھی — اگر ذرا سی

بھی آواز نکل جاتی تو اس کا سارا منصوبہ خاک میں مل جاتا تھا۔ یہ اس کی زندگی اور موت کا معاملہ تھا۔ اُس جنگلی عورت راجکماری کے ہاتھوں کو اپنے ناخنوں سے نوچ رہی تھی۔ لیکن راجکماری کی انگلیوں کی گرفت ڈھیلی ہونے کی بجائے اور زیادہ سخت ہو رہی تھی —

راجکماری تو جیسے ایک خونخوار شیرنی بن گئی تھی — جنگلی عورت کا گلا بند ہو گیا — اور پھر دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھیں بھی بند ہو گئیں اور ایک منٹ کے اندر اندر اس کا دل بھی بند ہو گیا —

یہ سارا کام ڈیڑھ منٹ میں ہو گیا تھا۔ کوئی آواز نہیں نکلی تھی — کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی — جھونپڑی کا دیا اسی طرح جل رہا تھا — باہر چاروں جنگلی ناگے اُسی طرح پہرہ دے رہے تھے — رات اُسی طرح ڈھل رہی تھی — ہر طرف ویسی ہی گہری خاموشی تھی — کسی کو معلوم تک نہ ہو سکا تھا کہ اُن کے قبیلے کی ایک جنگلی عورت کی جھونپڑی کے اندر لاش پڑی ہے اور راجکماری بھاگنے کی کوشش کر رہی ہے —

راجکماری کی سکیم کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا تھا۔ بڑی کامیابی سے مکمل ہو گیا تھا۔ اب اُس کی سکیم کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا۔ اس نے جلدی جلدی اپنے سارے کپڑے اتار کر کونے میں پھینک

دیئے — پھر جنگلی عورت کی لاش کی کمر کے گرد بندھی ہوئی کیلے کے پتوں کی شاخ اُتار کر اپنی کمر کے گرد باندھی۔ اپنے گلے کا گلاب کا ہار اُتار کر پھینک دیا — جنگلی عورت کے گلے سے منکوں اور ہڈیوں کی مالائیں اُتار کر اپنے گلے میں ڈالیں — مٹی کے دیے کے نیچے سے کالک ہاتھوں پر لگا کر اپنے چہرے اور جسم پر زور زور سے ملی — جس سے راجکماری کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ سر کے بالوں کو بکھیر کر جنگلی عورت کے بالوں کی طرح بنا دیا — زمین پر سے مٹی اٹھا کر اپنے جسم پر ڈالی، کچھ بالوں میں ڈالی۔ گویا بالکل میلی کچیلی کالی کلوٹی جنگلی عورت بن گئی —

راجکماری کی سکیم کا اب سب سے آخری اور سب سے خطرناک مرحلہ شروع ہونے والا تھا — اس نے تھال اُٹھا کر سر پر رکھا اور دھڑکتے دل کے ساتھ جھونپڑی سے باہر آ گئی۔ چاروں پہرے دار رات کے گم ہوتے اندھیرے میں باری باری پہرہ دیتے اس کے قریب سے گزرے۔ کسی نے اُس پر شک نہ کیا۔ وہ یہی سمجھے کہ جنگلی عورت راجکماری کے گلے میں پھولوں کی مرگ مالا یعنی موت کا ہار پہنا کر ایک ضروری رسم پوری کر کے واپس جا رہی ہے —

راجکماری نے تھالی سر پر اٹھا رکھی تھی اور جنگلی عورت کی طرح اِٹھلا اِٹھلا کر چلتی پہرہ دینے والے ناگوں کے قریب سے

گزری — ایک ذرا سی غلطی، ایک ذرا سا غلط قدم اسی وقت
اس کی موت کی وجہ بن سکتا تھا — چاروں طرف سے خنجر اور
نیزے اس کے جسم میں گھونپے جا سکتے تھے —

لیکن راجکماری بہت حوصلے اور ہمت سے کام لے رہی
تھی — وہ ہر حالت میں زندہ رہنا اور اپنے ماں باپ سے
ملنا چاہتی تھی — ماں باپ کی محبت اور ان سے ملاقات کرنے
کی شدید خواہش نے راجکماری کے جسم میں فولاد کی طاقت
بھر دی تھی — وہ درختوں کے نیچے سے واپس جا رہی تھی کہ ایک
ناگے نے اسے چھیڑا اور ہنسا — جنگلی عورت یعنی راجکماری نے
اس کی طرف سے منہ پھیر کر ہنستے ہوئے غوں غاں غوں کیا
اور بھاگ گئی —

جنگلی ناگا ایک پل کے لیے بڑا حیران ہوا کہ اس
عورت کو آج کیا ہو گیا ہے — کیونکہ اس سے پہلے کبھی
اس نے ایسی حرکت نہیں کی تھی — وہ جب بھی اسے چھیڑتا
تھا وہ اس کے منہ پر ایک زبردست تھپڑ مار دیا کرتی تھی —
جنگلی ناگے کا دماغ کچھ نہ سمجھ سکا اور اپنی راہ ہو لیا۔
راجکماری اب سردار کی بڑی جھونپڑی کے آگے سے ہو کر گزر
رہی تھی — جھونپڑی کے باہر دو ناگے تلواریں لیے پہرہ دے
رہے تھے — اندھیرے کی وجہ سے وہ راجکماری کو پہچان نہ سکے۔

انہوں نے اسے جنگلی عورت ہی خیال کیا اور خاموش آنکھوں
سے جنگل میں عورتوں کی جھونپڑیوں کی طرف جاتے دیکھتے رہے۔
راجکماری جھونپڑیوں سے نکل گئی —

آگے درختوں کا گھنا جنگل شروع ہوتا تھا — یہاں آ کر اس
نے ایک طرف بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا — بھاگتے بھاگتے
اسے دن چڑھ آیا — درختوں میں سے دن کی روشنی چھن چھن کر
جنگل میں آنے لگی — راجکماری نے صرف کمر کے گرد کیلے کی
ٹہنی لپیٹ رکھی تھی — اسے کوئی دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ جنگلی ناگے
کی بیوی یا بہن جنگل میں جا رہی ہے — اس کا سارا جسم کالا
ہو رہا تھا — بال بکھرے ہوئے تھے اور ان میں مٹی جمی ہوئی
تھی — اب تو وہ یوں لگ رہی تھی، جیسے جنگل میں چڑیل
چلی جا رہی ہے —

راجکماری بھاگتے بھاگتے، چلتے چلتے اس جگہ پہنچ گئی
جہاں وہ اور ماریا سوئی ہوئی تھیں۔ اس نے دیکھا، ماریا وہاں
نہیں تھی — چشمے کا پانی اسی طرح چٹان کی دراڑ میں سے نکل
کر نیچے چھوٹے سے تالاب میں گر رہا تھا۔

راجکماری نے وہاں سے درخت کی شاخ اتار کر اسے اپنے
جسم کے اوپر والے حصے پر لپیٹ لیا اور سوچا کہ کیا اسے
ماریا کی تلاش میں جانا چاہیئے؟ لیکن اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ

ماریا کہاں اور کس طرف کو گئی ہے —

وہاں رُکنا بڑا خطرناک تھا — دن چڑھ آیا تھا اور اب کسی بھی وقت جنگلی ناگوں کو راجکماری کے فرار کا پتا چل سکتا تھا اور وہ اس کی تلاش میں طوفان بن کر جنگل میں نکلنے والے تھے —

راجکماری نے اس طرف چلنا شروع کر دیا جس طرف سے وہ ماریا کے ساتھ جنگل میں داخل ہوئی تھی — وہ سمندر کے ساحل پر پہنچ کر چٹانوں کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف نکل جانا چاہتی تھی۔ کیونکہ اس کے راجہ باپ کی ریاست شمال کی طرف ہی تھی — اگرچہ وہاں سے وہ ریاست بہت زیادہ دُور تھی۔ لیکن راجکماری کھوپڑیاں سکیڑ دینے والے جنگلی خونخواروں کی دنیا سے زیادہ سے زیادہ دُور نکل جانا چاہتی تھی — وہ بھاگتی چلی گئی۔ جب تھک گئی تو ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سانس درست کیا اور پھر بھاگنا شروع کر دیا —

اُدھر دن چڑھا تو جنگلی ناگوں میں شور مچ گیا — راجکماری کے کپڑے ان کی اپنی گونگی جنگلی عورت کی لاش کے پاس پڑے تھے اور راجکماری غائب تھی —

سردار کا غصے کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا — یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی شکار اس کے چنگل سے بھاگ نکلا تھا — اُس نے

نیزہ اُٹھا کر چیخ مار کر کہا :

"وہ جہاں کہیں ہے، اس کی گردن کاٹ کر میرے پاس لاؤ —"

ناگے نیزے لہراتے شور مچاتے جنگل میں راجکماری کی تلاش میں بھاگ نکلے — دس ایک طرف، دس ایک طرف اور دس ناگے ایک طرف جنگل میں گھس کر گم ہو گئے —

راجکماری جنگل میں بھاگی جا رہی تھی — سمندر کا ساحل اب قریب تھا — جنگلی ناگے بھی اس کے تعاقب میں چیختے چلاتے دوڑے چلے آ رہے تھے —

دوسری طرف ماریا بے بسی کی حالت میں غار کے اندر مکڑے کے فولادی جال میں پھنسی قید کی حالت میں اپنی موت کا انتظار کر رہی تھی — کہ اچانک اسے اپنی قمیص کے اندر سینے کے ساتھ کسی سخت سی چیز کا احساس ہوا — اس نے ہاتھ لگا کر دیکھا کہ یہ کیا ہے ؟

اچانک اُمید کی ایک کرن اس کے چہرے پر روشن ہو گئی — کیونکہ یہ وہ سانپ کا مہرہ تھا جو اسے چھ منہ والے سمندری اژدہا نے دیا تھا کہ مصیبت کے وقت تمہارے کام گا —

ماریا نے دیکھا، شلانگو جادوگر غار کے باہر کڑاہی میں سے اُبلا

ہوا بدبُودار پانی نکال کر ایک مٹکے میں ڈال رہا تھا — پھر وہ
مٹکا لے کر شاید اُسے کسی خفیہ جگہ رکھنے جنگل کی طرف چلا گیا۔
اس کے جاتے ہی ماریا نے سانپ کے مہرے کو گھے میں سے
نکال کر ہاتھ میں لیا اور اس کی طرف دیکھ کر کہا:
"اے میرے بھائی عظیم ناگ کے دوست اژدہا، اگر تو میری
آواز سن رہا ہے تو میری مدد کر — میں ناگ دیوتا کی بہن ہوں۔
یا اسے میرے حال کی خبر کر یا تو میری جان بچا —"
ماریا مہرے کو ہتھیلی پر رکھے غور سے دیکھ رہی تھی۔ غار
میں گہری خاموشی چھاگئی تھی — اچانک اُس کی نظروں کے سامنے
ہتھیلی پر سانپ کا مہرہ ہلنے لگا — ہلتے ہلتے مہرہ ایک دم سے
الٹا ہوکر ہتھیلی پر رُک گیا — اس کے ساتھ ہی ماریا نے دیکھا کہ
غار کے کونے میں اس کے سامنے وہی چھ منہ والا اژدہا کھڑا
ہے — اژدہا نے ماریا سے کہا:
"ماریا بہن، میں ناگ کا دوست ہوں — تم ناگ کی بہن ہو
تو میری بھی بہن ہے — جب تک میں زندہ ہوں، تمہیں ناگ
سے مدد لینے کی ضرورت محسوس نہیں ہونے دوں گا — تمہیں یہاں کس
نے قید کر رکھا ہے؟"
ماریانے اُسے شلانگو جادوگر کا سارا قصہ سنایا اور یہ بھی
بتایا کہ اس نے اُسے دیکھ لیا ہے — اژدہا نے کہا:

"وہ کہاں ہے؟"
ماریا نے بتایا کہ جنگل میں گیا ہے اور بہت طاقت ور
جادوگر ہے —
اژدہا نے کہا:
"تمہارے پاس جو مہرہ ہے، اُسے اپنے جسم پر مَل کر
جیب میں رکھ لو — تم اس جادوگر کی نظروں سے دوبارا غائب
ہو جاؤگی اور یہ پھر تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔"
ماریانے اُسی وقت سانپ کے مہرے کو اپنے سارے جسم
پر رگڑ رگڑ کر ملنا شروع کر دیا — اس کے ساتھ ہی ماریا کو اپنے
اندر بے پناہ طاقت کا احساس ہوا — اُسے ایسے لگا، جیسے
اُس کی ساری کھوئی ہوئی طاقت واپس آگئی ہے —
اژدہا نے کہا:
"میں تو تمہیں ہر حالت میں ہمیشہ دیکھ سکتا ہوں، لیکن اب
تمہیں جادوگر نہیں دیکھ سکے گا۔"
ماریا نے کہا:
"کیا شلانگو جادوگر کا جادو بھی مجھ پر اثر نہیں کرے گا؟"
"ہرگز نہیں ماریا بہن، اس کا جادو اب تمہارے سامنے کوئی
حیثیت نہیں رکھتا — تم پھر سے وہی پہلے والی ماریا بن گئی ہو —
طاقت ور اور کسی کو نہ دکھائی دینے والی ماریا — اگر یقین نہ ہو تو

ابھی جادوگر واپس آئے تو آزما کر دیکھ لینا — میں تمہاری اور کیا خدمت کر سکتا ہوں ؟"

ماریا نے ناگ کے بارے میں پوچھا تو اژدہا نے کہا کہ اُسے ناگ کے بارے میں صرف اتنا ہی معلوم ہوا ہے کہ وہ کسی سمندری جہاز میں سفر کر رہا ہے اور یہ جہاز پرتگال کی طرف جا رہا ہے۔

ماریا نے راجکماری کے بارے میں دریافت کیا تو اژدہا بولا:

"میری آنکھیں تمہاری سہیلی راجکماری کو اس وقت یہاں سے دُور جنگل میں پریشانی کی حالت میں بھاگتے ہوئے دیکھ رہی ہیں۔ خونخوار جنگلی ناگے نیزے لہراتے اس کے پیچھے لگے ہیں۔ وہ اس کا سر کاٹنا چاہتے ہیں۔"

ماریا نے جلدی سے کہا:

"کیا تم اُسے بچانے میں میری مدد نہ کرو گے میرے اژدہا بھائی؟"

"ضرور مدد کروں گا ماریا بہن، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنے دوست ناگ کی بہن کی مدد نہ کروں۔ لیکن مجھے آج ہی شام سمندر کے نیچے سانپوں کے ملک میں ضروری پہنچنا ہے — وہاں ہمارے بادشاہ کا دربار لگ رہا ہے۔"

ماریا نے کہا:

"مجھے راجکماری کے پاس پہنچا کر تم بے شک واپس چلے جانا۔"

"بہتر ہے، جادوگر آ رہا ہے — تم اس فولادی جال سے بڑی

آسانی سے نکل جاؤگی — وہ تمہیں نہیں دیکھ سکے گا — بے شک آزما۔ میں غائب ہوتا ہوں اور ہاں، تم اس ظالم جادوگر کو کچھ نہ کہنا۔ اس کی میں خبر لوں گا۔"

اتنا کہہ کر اژدہا غائب ہو گیا۔

ماریا فولادی جال کی طرف بڑھی تو جال کے سخت تاروں نے اُسے نہ روکا — وہ بڑی آسانی سے جال میں سے دُھوئیں کی لہر کی طرح نکل گئی —

اس میں اور دُھوئیں میں یہ فرق تھا کہ دھواں نظر آتا تھا اور ماریا نظر نہیں آتی تھی — ماریا غار کے باہر آکر کھڑی ہو گئی۔ سامنے سے جادوگر شلاگو چلا آ رہا تھا — وہ ماریا کے قریب سے گزر گیا اور ماریا کو نہ دیکھ سکا — حالانکہ ماریا اس کے راستے میں غار کے دروازے پر کھڑی تھی —

اب اُسے یقین ہو گیا کہ وہ دوبارا غائب ہو گئی ہے اگر جادوگر اُسے نہیں دیکھ سکا تو پھر کوئی بھی اُسے نہیں دیکھ سکتا۔ جادوگر سیدھا غار کے اندر چلا گیا — اس نے جاتے ہی دیکھا کہ مکڑے کے جال کے دوسری جانب ماریا غائب تھی، اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے — بھاگ کر غار سے باہر آ گیا — باہر بھی کوئی نہیں تھا — ماریا قریب ہی کھڑی مسکرا رہی تھی — اس نے زمین پر سے ایک پتھر اُٹھا کر جادوگر کے آگے پھینک کر کہا:

"شلانگو، یہ میں ہوں ماریا — اب تم اپنے انجام کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

جادوگر بوکھلا کر جدھر سے ماریا کی آواز آئی تھی اُدھر کو دیکھنے لگا — وہاں اسے ماریا بالکل نظر نہیں آ رہی تھی؛ حالانکہ وہاں ماریا کھڑی تھی — ماریا زور سے ہنس پڑی —

"مجھ پر تمہارا جادو اب اثر نہیں کر سکتا — تم نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی — اگر میرا دوست میری مدد کو نہ پہنچتا تو تم میری گردن کاٹ چکے تھے — اب اپنی گردن بچاؤ۔"

اژدہا غار میں غائب ہو کر باہر جنگل میں غار کے منہ کے قریب ہی نکل آیا —

شلانگو جادوگر نے اژدہا کو پھنکار کر اپنی طرف آتے دیکھا تو منہ ہی منہ میں منتر پڑھ پڑھ کر اژدہا پر پھونکنے لگا — لیکن اس کا ایک بھی جادو کام نہیں آ رہا تھا — کسی منتر کا اژدہا پر اثر نہیں ہو رہا تھا — اژدہا اس کے قریب سے قریب آ گیا تھا —

جادوگر نے آگ میں سے جلتی ہوئی لکڑی اُٹھا کر اژدہا پر ماری — لکڑی کی آگ اژدہا کے قریب جاتے ہی بجھ گئی اور وہ ٹھنڈی ہو کر زمین پر گر پڑی — جادوگر نے دوسرا جادو کیا تو ایک بہت بڑا مگرمچھ غار میں سے نکل کر چنگھاڑتا ہوا اژدہا کی طرف بڑھا اور اُسے جبڑوں میں دبوچنا چاہا — اژدہا بھی غافل نہیں

تھا — اس نے ہوا میں چھلانگ لگائی اور ایک دم سے مگرمچھ کی گردن کے گرد اپنا سارا بدن لپیٹ کر کَسنا شروع کر دیا —

مگرمچھ کا دم گھٹ گیا اور اس کی آنکھیں مرنے سے پہلے اپنے سوراخوں کے اندر پلٹ گئیں — جادوگر نے جب اپنا ہر منتر بے کار جاتے دیکھا تو اُٹھ دوڑا — اژدہا کے لیے اب وہ بڑا آسان شکار تھا —

ماریا نے اژدہا سے کہا:

"اس ظالم شیطان کو چھوڑنا نہیں اژدہا بھائی۔"

اژدہا نے کہا:

"یہ اب مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتا۔"

ساتھ ہی اژدہا نے اپنے چھ جبڑے کھول کر زور سے سانس اندر کو کھینچا — جادوگر اس وقت تاڑ کے درختوں میں پہنچ چکا تھا۔ اژدہا کے سانس نے اُسے پہلے تو وہیں کھڑا کر لیا — وہ آگے کو دوڑ رہا تھا اور اژدہا کا سانس اُسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جادوگر اُسی جگہ کھڑا ٹانگیں چلانے لگا —

اژدہا نے اور زور سے سانس کھینچا تو جادوگر نے اژدہا کی طرف کھنچنا شروع کیا — قریب آتے آتے وہ اژدہا کے سات منہ والے پھن کے بالکل قریب آ گیا — اژدہا کا ہر منہ زور سے سانس اندر کو کھینچ رہا تھا — جادوگر کا جسم چھ ٹکڑے ہو کر اژدہا کے منہ کے

اندر چلا گیا۔ جادوگر کی آخری چیخ اس وقت بلند ہوئی جب
اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہونا شروع ہوئے تھے۔ ماریا نے
آگے بڑھ کر اژدہا سے کہا:
"اژدہا۔ تم نے دنیا کو ایک ظالم انسان سے نجات دلائی
ہے۔ اب مجھے راجکماری کے پاس لے چلو۔ اُسے یقیناً میری
ضرورت ہوگی۔"
اژدہا نے کہا:
"میرے پھن کے اُوپر چڑھ کر بیٹھ جاؤ۔"
اژدہا نے اپنا پھن نیچے کیا۔ ماریا اُچھل کر اُس کے سر
کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئی۔
"اچھی طرح بیٹھ گئی ہو نا ماریا بہن"
"ہاں بالکل ٹھیک بیٹھی ہوں"
"بہتر ہے۔"
اس کے ساتھ ہی اژدہا نے پوری تیز رفتار کے ساتھ
رینگنا شروع کر دیا۔ چلتے چلتے وہ جنگل میں عین اُس جگہ پہنچ گئے
جہاں وحشی ناگے راجکماری کو پکڑ کر واپس لا رہے تھے۔ وہ بڑے
خوش تھے اور نیزے اچھال رہے تھے۔
ماریا نے اژدہا سے کہا:
"راجکماری مصیبت میں ہے۔ مجھے یہاں اتار دو۔ میں راجکماری

کو ان خونخوار درندوں سے چھڑا لوں گی۔"
اژدہا نے ماریا کی طرف دیکھ کر پھر وہی بات دہرائی۔
"بھائی کے ہوتے بہن کو تکلیف کرنے کی کوئی ضرورت
نہیں۔ تم آرام سے دیکھو کہ میں ان آدم خور درندوں کے ساتھ
کیا کرتا ہوں۔"
ماریا کو اژدہا نے درخت کے پیچھے اُتار دیا اور خود اُس
راستے میں جا کر پھن اٹھائے بیٹھ گیا۔ جدھر سے ناگا درندوں
نے ابھی گزرنا تھا۔
یہ وحشی ناگے خوشی سے جھومتے لہراتے شور مچاتے، اچھلتے
کودتے راجکماری کو پکڑ کر سردار کے پاس لے جا رہے تھے کہ اچانک
جنگل ایک زور دار پھنکار کی گرج سے دہل اُٹھا۔ سارے کے سارے
ناگے وہیں جم کر رہ گئے۔ وہ دہشت زدہ تھے۔ ایسی گرج انہوں
نے پہلے کبھی نہیں سُنی تھی۔
اژدہا نے دوسری پھنکار ماری اور درخت کی اوٹ سے نکل
کر ان جنگلیوں کے سامنے آ کر لہرانے اور ان کی طرف آہستہ آہستہ
بڑھنے لگا۔
ناگوں نے اژدہا پر نیزے پھینکنے شروع کیے۔ اژدہا کی پھنکار
کی اس قدر گرمی تھی کہ نیزہ اس کے منہ کے قریب جاتے ہی
پگھل کر بھاپ بن کر اُڑ جاتا۔ کئی درختوں کو اژدہا کی پھنکار نے

آگ لگادی — ناگوں نے راجکماری کو تو چھوڑ دیا اور اب اپنی جان
بچانے کے لیے ادھر ادھر بھاگنے لگے —
لیکن اژدہا نے ان کے سارے رستے بند کر دیے تھے۔
جنگل میں ان درندوں کے چاروں طرف آگ لگی تھی — ماریا
نے لپک کر راجکماری کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف کھینچ
لیا اور کہا :
"گھبراؤ نہیں، یہ میں ہوں ماریا —"
"ماریا بہن، تم ؟"
"جلدی سے اس طرف آ جاؤ —"
ماریا راجکماری کو کھینچ کر آگ میں جلتے درختوں سے دور
لے گئی —
راجکماری کا رنگ زرد ہو رہا تھا — اژدہا کو دیکھ کر اس
کا اور زیادہ دم خشک ہو گیا —
ماریا نے کہا :
"فکر نہ کرو — اب تم میرے ساتھ ایک خوفناک جنگل
کے سفر پر ہو۔ اس لیے بہادر بن کر حالات کا مقابلہ کرو۔ میں تمہیں
یہ بھی بتا دینا چاہتی ہوں کہ یہ اژدہا ہمارا دوست ہے اور اس
نے ہم دونوں کو سمندر کے طوفان سے نکال کر ہندوستان کے ساحل
تک پہنچایا تھا —"

راجکماری نے اژدہا کے نتھنوں اور منہ سے آگ کے نیلے
سرخ اور زرد شعلے نکلتے دیکھے تو وہ ششدر ہو کر رہ گئی —
"کیا یہ اژدہا ہمارا دوست ہے ؟"
"ہاں راجکماری، کیا تم دیکھ نہیں رہی کہ یہ کس دلیری سے
ہمارے دشمنوں کو ہلاک کر رہا ہے —"
اژدہا نے تقریباً سارے ناگوں کو جلا کر بھسم کر دیا — اس
کے سانس سے نکلنے والی آگ اتنی زیادہ تباہ کن تھی کہ جس
جنگلی کے جسم کو آگ لگتی، اس کی ہڈیاں تک آگ میں جل کر
راکھ ہو جاتیں —
راجکماری کے سارے دشمن ناگوں کو جلا کر اژدہا نے ماریا
اور راجکماری سے کہا :
"اب میں واپس اپنی سمندری دنیا میں جانا چاہتا ہوں —
میں تمہاری اور کیا مدد کر سکتا ہوں —"
راجکماری ڈر کر ایک درخت کی اوٹ میں ہو گئی — اصل
میں وہ ڈر کر ماریا کے پیچھے ہو جانا چاہتی تھی — مگر ماریا تو
اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی — اس لیے مجبوراً اسے درخت کی
اوٹ میں ہونا پڑا —
ماریا نے راج کماری کو درخت کے پیچھے جاتے دیکھا تو
ہنس کر کہا :

"یہ بہت ڈرتی ہے اژدہا بھائی ۔"

اژدہا نے کہا :

"ہر آدم زاد مجھے دیکھ کر چیخ مار کر بھاگ جائے گا ۔ اب یہ بتاؤ ماریا بہن کہ میں تمہارے اور کیا کام آ سکتا ہوں ؟"

ماریا نے کہا :

"میں اسے لے کر یہاں سے سیدھا وسطی ہندوستان کی ریاست میں جاؤں گی ۔ راستہ بڑا دُور ہے ، کیا تم ہمیں ہندوستان کے وسط میں پہنچا سکتے ہو تاکہ ہمارا جنگل کا خطرناک راستہ تو کٹ جائے ۔"

اژدہا نے کہا :

"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے ماریا بہن ۔ تمہیں چھوڑ کر مجھے واپس بھی آنا ہے ۔ کوشش کرتا ہوں کہ تمہیں زیادہ سے زیادہ منزل کے قریب پہنچا دوں ۔ میرے سر کے اُوپر بیٹھ جاؤ ۔"

راجکماری کا تو اژدہا کے پاس آتے ہوئے دم نکلا جا رہا تھا ۔ ماریا نے اس کی آنکھیں بند کرا کے اُسے اُٹھا کر اپنے ساتھ اژدہا کے سر کے اُوپر بٹھا لیا ۔ اور کہا :

"تم سمندری طوفان سے اسی اژدہا کے سر پر بیٹھ کر نکلی تھیں ۔"

"مگر اس وقت میں بے ہوش تھی ۔"

ماریا ہنس دی ۔ اژدہا ان دونوں کو لے کر جنگل کے گھنے درختوں میں سے تیز تیز رینگتا ہندوستان کے درمیان کے علاقوں کی طرف دوڑنے لگا ۔

سانپ کی آواز

اژدہا کئی دریاؤں اور پہاڑوں اور جنگلوں سے گزر گیا — بہت دُور آگے جا کر اژدہا نے راجکماری اور ماریا کو ایک بہت بڑے دریا کے پار اُتار دیا اور کہا :

"بہن ماریا، اب اگر میں اور آگے گیا تو مجھے واپسی میں دیر ہو جائے گی — بہتر یہی ہے کہ اس جگہ سے واپس چلا جاؤں تاکہ وقت پر سمندری ناگ بادشاہ کے دربار میں پہنچ جاؤں ۔"

ماریا نے اژدہا کو اجازت دے دی اور وہ واپس ہو گیا — اژدہا کے جانے کے بعد ماریا نے راجکماری سے پوچھا :

"کیا تم بتا سکتی ہو کہ یہاں سے تمہاری ریاست کتنی دُور ہو گی ؟"

راجکماری نے اردگرد دیکھا — پھر زمین پر سے پتھر اُٹھا کر اسے غور سے دیکھا اور کہا :

"میرا خیال ہے کہ ہم اپنی منزل سے زیادہ دُور نہیں ہیں — یہ دکن کا علاقہ ہے — یہاں سے اُوپر کی طرف سات سو کوس پر ہماری ریاست ہے — لیکن ابھی ہمیں بڑے خطرناک جنگلوں سے گزرنا پڑے گا —"

ماریا نے کہا :

"دنیا کا ایسا کوئی خطرناک جنگل نہیں، جس میں سے نہ گزری ہوں راجکماری — تم فکر نہ کرو، میں تمہیں تمہارے محل میں پہنچا کر ہی دم لوں گی ۔"

اور وہ دونوں دریا کے کنارے کنارے شمال کی طرف روانہ ہو گئیں —

اب ہم ان دونوں کو ہندوستان کے جنگلوں میں چھوڑتے ہیں اور ناگ کی طرف آتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے ؟

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں — ناگ نے ایک پرتگالی جہاز کے مالک ولیم ڈریک کے مال بردار جہاز پر نوکری کر لی تھی اور جہاز سمندر میں پرتگال کی ایک بندرگاہ کی طرف سفر کر رہا تھا — ناگ کے بارے میں جہاز کے مالک ولیم کو صرف اتنا ہی علم تھا کہ وہ ایک بے کار نوجوان تھا جسے اس نے اپنے جہاز پر ترس کھا کر نوکر رکھ لیا —

جہاز بادبان کھولے ہوا میں اپنی منزل کی طرف بڑھا چلا جا

رہا تھا۔ ناگ کے دل میں بس ایک ہی تھا کہ کسی طرح وہ پرتگال سے سپین پہنچ جائے اور عنبر کا سراغ لگائے ۔

ایک رات موسم بہت خراب ہوگیا ۔ طوفانی ہوائیں چلنے لگیں ۔ مگر ولیم کا جہاز بڑا مضبوط تھا ۔ وہ طوفانی موجوں میں بھی سفر کرتا رہا ۔ لیکن صبح ہوئی ایک قیامت اس جہاز کا انتظار کر رہی تھی ۔

جہاز کا لنگر ٹوٹ گیا اور اس کا سمت دکھانے والا آلہ طوفان کی نذر ہوگیا ۔ اب جہاز یہی کر سکتا تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے واپس چلا جائے ۔ ناگ واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ ولیم نے اعلان کر دیا کہ جہاز واپس جائے گا ۔

ناگ نے کہا :

"میں واپس نہیں جاؤں گا ۔"

ولیم بولا :

"پھر تمہیں سمندر میں اُتر جانا ہوگا ۔ کیونکہ میں تمہارے لیے اپنا جہاز تباہ نہیں کر سکتا ۔"

ناگ کو ولیم پر بڑا غصہ آیا ، کہنے لگا :

"میں اُتروں گا نہیں ، بلکہ اُڑ جاؤں گا ۔"

ولیم نے زور سے ناگ کے کندھے پر ہاتھ مارا اور قہقہہ لگا کر کہا :

"ذرا اُڑ کر تو دکھاؤ بیٹے ۔"

ناگ نے کہا :

"میں اُڑ کر واپس نہیں آؤں گا ۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم جہاز کو آگے نہیں لے جاؤ گے ۔ مجھے صرف اتنا بتا دو ، کہ یہاں سے سپین کتنی دُور ہے ۔"

ولیم یہی سمجھ رہا تھا کہ ناگ اس سے مذاق کر رہا ہے ۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا :

"سپین یہاں سے ایک ہزار میل مغرب کی طرف ہے ۔ اچھا اب اُڑ کر تو دکھاؤ ننھے میاں ۔"

ناگ نے ایک گہرا سانس لیا ۔ اس کے ساتھ ہی وہ سفید رنگ کا باز بن گیا اور پروں کو پھڑپھڑا کر جہاز کے عرشے پر سے اُڑ گیا ۔ ولیم ڈریک اور دوسرے ملاح منہ کھولے اسے دیکھتے ہی رہ گئے ۔

ناگ نے اُڑتے اُڑتے جہاز کے اوپر ایک گول چکر لگایا ۔ اور پھر ایک غوطہ لگا کر جیسے جہاز کے ملاحوں کو سلامی دی اور سمندر میں مغرب کی طرف اُڑنا شروع کر دیا ۔ یہ وہ منظر تھا جو سمندری ملاحوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا ۔

ناگ سمندر سے کافی بلندی پر اُڑا چلا جا رہا تھا ۔ اس کا اپنا اندازہ یہی تھا کہ وہ مغرب کی طرف اُڑ رہا ہے ، جدھر سپین

کا ملک تھا —

اُڑتے اُڑتے اُسے شام ہونے لگی تو آسمان پر ایک بار پھر کالی گھٹائیں اُمڈ آئیں اور بڑی تیز ہوائیں چلنے لگیں تھوڑی ہی دیر بعد آندھی نے طوفان کی شکل اختیار کر لی۔ ہوا کے تھپیڑوں نے ناگ کو سمندر کے اوپر پھینک دیا — اس کے پَر بھیگ گئے — اب وہ باز بن کر نہیں اُڑ سکتا تھا — اس نے فوراً سانپ کی شکل بنائی اور سمندری لہروں پر تیرنا شروع کر دیا — بڑی بڑی لہروں میں تیر کی طرح تیرتا چلا جا رہا تھا —

سمندر میں آکر اُسے سمت کا اندازہ نہیں رہا تھا۔ جونہی وہ سمندر میں آیا، اس کے پُرانے دوست شیش ناگ یعنی چھ مُنہ والے بڑے اژدہا نے اس کی بُو سونگھ لی — وہ بھی سمندر میں ہی تھا —

بُو کے تعاقب میں وہ ناگ کے پاس آکر سمندر سے باہر نکل آیا — ناگ نے اپنے پُرانے دوست شیش ناگ کو دیکھا تو بہت خوش ہوا — شیش ناگ نے ناگ کو اپنے سر پر بٹھا لیا اور کہا:

"مجھے تمہاری بہن ماریا ملی تھی —"

ناگ نے چونک کر پوچھا:

"کہاں؟"

اس کے بعد شیش ناگ اُسے ساری کہانی بیان کر دی — اُس نے ناگ کو یہ بھی بتایا کہ ماریا سمندری طوفان میں پھنس گئی تھی اور اُس نے اُسے نکال کر ہندوستان کے ساحل پر پہنچا دیا ہے —

"کیا راجکماری اس کے ساتھ تھی؟" ناگ نے پوچھا۔

اژدہا نے کہا:

"ہاں، وہ اس کے ساتھ تھی — اب وہ دونوں ہندوستان کے جنگلوں میں جا رہی ہیں —"

اژدہا نے ناگ کو یہ بھی بتایا کہ ماریا راجکماری کو اُس کے باپ کی ریاست میں پہنچانے کے بعد سپین میں عنبر کو تلاش کرنے کی کوشش کرے گی —

ناگ نے پوچھا:

"کیا ماریا نے عنبر کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی؟"

"نہیں، بس صرف اتنا کہا تھا کہ عنبر کی اُسے کوئی خبر نہیں ہے —"

ناگ نے اژدہا سے سپین کے ساحل کے بارے میں بھی پوچھا — اژدہا کو سپین کے ساحل کا زیادہ علم نہیں تھا — ساری رات دونوں پرانے دوست سمندر میں سفر کرتے رہے —

دن نکلا تو انہیں دُور ایک پہاڑی سمندر سے اُبھری ہوئی دکھائی
دی — اس پہاڑی کے اوپر ایک پُرانا محل سا بنا تھا، جس
کے گول گول گنبد بھی تھے —

ناگ نے اژدہا سے پوچھا :

" یہ پُراسرار محل کس کا ہے ؟ "

اژدہا نے کہا :

" میں ادھر کبھی نہیں آیا ، خدا جانے کس کا محل ہے یہ۔
میرا خیال ہے کہ یہ ویران ہوگا، کیونکہ اس پہاڑی پر کوئی
انسان نہیں رہ سکتا ۔"

" تمہارا خیال درست لگتا ہے ۔"

وہ پہاڑی پر پہنچ گئے اژدہا کو واپس بھی جانا تھا —
کیونکہ وہ اپنے علاقے سے سیکڑوں میل دُور نکل آیا تھا —
اُس نے ناگ سے واپس جانے کی اجازت مانگی تو اُس نے
بڑی خوشی سے اسے اجازت دے دی اور کہا :

" اچھا دوست خدا حافظ ! پھر ملیں گے ۔"

اژدہا ناگ کو سلام کرکے واپس سمندر میں اُتر گیا — اس
اکیلی پہاڑی کے پاس ناگ اکیلا رہ گیا — وہ ابھی تک سانپ
کی شکل میں تھا — اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ پھر سے انسان
بن جائے ۔ مگر یہ سوچ کر اس نے ارادہ بدل لیا کہ اُسے سانپ

کی شکل میں ہی اوپر والے محل کا جائزہ لینا چاہیے کہ اس
محل میں کون کون سے لوگ رہتے ہیں —

ناگ نے اوپر جاتی سیڑھیاں چڑھنی شروع کر دیں، وہ
سیڑھیوں کے ساتھ بنی ہوئی بے حد پختہ پتھر کی دیوار پر رینگتا اُوپر
چلا جا رہا تھا — جب وہ پہاڑی کا پورا چکر کاٹ چکا تو سامنے
محل کا وہی دروازہ آگیا جس کے اندر عنبر جا کر نقاب پوش
جادوگروں کی قید میں پھنس گیا تھا —

ناگ دروازے پر رینگ کر چڑھ گیا — دروازہ بند تھا اور
کوئی سوراخ بھی ایسا نہیں تھا کہ جس کی مدد سے وہ محل کے
اندر داخل ہو سکتا — محل کی آخری منزل کافی اونچی تھی ۔ ناگ
نے سوچا کہ پہلی منزل سے ہی محل میں داخل ہونا چاہیے — وہ
دوبارہ دروازے سے اُتر کر نیچے آگیا —

نقاب پوش جادوگروں کا جہاز سمندر میں اب نہیں کھڑا
تھا — وہ کہیں چلا گیا تھا — اتنے میں ناگ نے آواز سُنی ۔
یہ آواز دروازے کے کھلنے کی تھی، جیسے اندر سے کوئی دروازہ
کھول رہا ہو — وہ جلدی سے ایک خشک جھاڑی کے پیچھے
ہوگیا —

محل کا بڑا دروازہ آہستہ آہستہ کھل گیا اور اندر سے دو
نقاب پوش ایک تابوت کو لے کر باہر نکلے — اس قسم کے تابوت

یہیں لاش رکھی ہوتی ہے۔ ناگ نے سوچا، شاید یہ نقاب پوش
اس قلعے میں رہتے ہیں اور کسی مُردے کو سمندر میں پھینکنے جا
رہے ہیں — وہ انہیں غور سے دیکھنے لگا —

نقاب پوش محل کی دیوار کے ساتھ ساتھ اُوپر جانے والی
گول سیڑھیاں چڑھنے لگے — ناگ نے محل کے اندر جانے کی
بجائے یہ سوچا کہ پہلے ان لوگوں کے بارے میں معلوم کرنا
چاہیے کہ یہ کون ہیں اور تابوت اُٹھا کر کہاں جا رہے ہیں۔

نقاب پوش محل کی سب سے اوپر والی منزل پر آ
گئے — یہاں پہنچ کر انہوں نے تابوت کو گنبد کے نیچے سیاہ
پتھر کے بڑے چبوترے پر رکھا اور واپس چلے گئے —

ناگ کو تابوت کی لاش سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ وہ
ان نقاب پوشوں کا پتا چلانا چاہتا تھا — کہ وہ کون لوگ
ہیں اور دُور دراز سمندر کے خطرناک جزیرے میں کیا کر رہے ہیں۔
اس محل کا راز کیا ہے؟

نقاب پوش آگے آگے جا رہے تھے اور ناگ سانپ کی
شکل میں رینگتا ہوا پیچھے پیچھے جا رہا تھا — محل کے دروازے میں
سے گزر کر یہ لوگ محل کے باغ میں آگئے — یہاں دیواروں پر
سبز بیلیں چڑھی ہوئی تھیں —

پھر وہ ایک ڈیوڑھی میں سے نکل کر سُرنگ میں سے باہر

نکل آئے — ناگ اُن کے پیچھے پیچھے تھا — دونوں نقاب پوش
تہ خانے میں آگئے — یہی وہ تہ خانہ تھا جس کے کنویں میں
عنبر کئی روز سے گرا ہوا تھا اور باہر نکلنے کا اسے راستہ دکھائی
نہیں دے رہا تھا —

کنویں کے پاس ایک چبوترہ تھا — اس چبوترے پر سے یہ
نقاب پوش اس تابوت کو اُٹھا لے گئے تھے، جس کے اندر
عمارہ بے ہوش تھی اور جسے عنبر نے سپین پہنچانا تھا — ناگ
کو کچھ خبر نہیں تھی کہ عنبر کنویں میں پڑا ہے۔

نقاب پوش چبوترے پر کوئی منتر پڑھ کر اگربتی جلا کر
واپس چلے گئے — اس کے ساتھ ہی ناگ نے محسوس کیا کہ
وہاں اس کے بھائی عنبر کی خوشبو اسے آرہی ہے — وہ چوکنا
ہو گیا — ادھر کنویں میں گرے ہوئے عنبر کو بھی ناگ کی بُو
محسوس ہوئی — وہ سر جھٹک کر ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا اور اپنی
پوری آواز سے بولا:

"اُوپر کون ہے؟ ناگ، کیا تم ہو؟"

ناگ نے عنبر کی آواز سُنی تو جلدی سے کنویں کی منڈیر پر
آ کر اپنا سر نیچے لے جا کر جھانکا — اندھیرے میں اُسے عنبر پتھروں
پر بے بس و مجبوری کی حالت میں پڑا اُسے صاف نظر آگیا۔ اُس
نے اُوپر ہی سے آواز دی:

"عنبر بھائی۔ میں ہوں ناگ — تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"
عنبر نے کہا:
"وہی جو میں اس قسم کے کنوؤں میں گرنے کے بعد اکثر کرتا ہوں — یعنی یہاں سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں اور ابھی تک اس میں کامیاب نہیں ہوا۔"
ناگ نے کہا:
"فکر نہ کرو — میں تمہاری مدد کروں گا۔"
ناگ نے ایک دم سے آدمی کی شکل اختیار کی۔ کنوئیں میں ایک بار پھر جھک کر انسانی آواز میں عنبر کو تسلی دی اور کہا:
"میں اپنا آپ رسّی بن کر نیچے پھینک رہا ہوں — اسے پکڑ کر اُوپر چڑھنے کی کوشش کرنا۔"
ناگ نے گہرا سانس لیا — وہ اس دفعہ ایک لمبا سرخ سانپ بن گیا جو رسّی جتنا موٹا تھا — اس نے اپنا منہ کنوئیں کے باہر رکھا اور باقی سارا دھڑ رسّی کی طرح کنوئیں کے اندر لٹکا دیا — عنبر نے ناگ کی دُم کو جلدی سے پکڑ لیا اور اوپر چڑھنا شروع کر دیا —
عنبر جب کنوئیں سے باہر آیا تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔
دونوں دوست جلدی جلدی ایک دوسرے کے گلے لگ کر ملے — دونوں نے جلدی جلدی ایک دوسرے کو اپنی اپنی داستان بیان کی۔

ناگ نے عنبر کو بتایا:
"ماریا، راجکماری کو لے کر ہندوستان کے جنگلوں میں سفر کر رہی ہے — یہ بات مجھے اژدہا نے بتائی ہے اور خیال ہے کہ وہ وہاں سے ہو کر واپس سپین آنے کا ارادہ رکھتی ہے۔"
عنبر نے کہا:
"میرا خیال ہے کہ ہمیں ماریا کی مدد کرنی چاہیے۔ وہ اکیلی ہے۔"
ناگ نے کہا:
"میں تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔"
اس پر عنبر نے کہا:
"مگر میرے ذمّے بھی ایک ذمّے داری ہے۔"
"کون سی ذمّے داری ہے؟" ناگ نے پوچھا۔
عنبر بولا:
"میں عمارہ کو ابھی تک اس کے گھر سپین نہیں پہنچا سکا۔"
ناگ بولا:
"عمارہ کہاں ہے؟"
عنبر نے کہا:
"اس کنوئیں میں گرنے سے پہلے میں نے دیکھا تھا کہ یہاں ایک تابوت ہے۔ اس تابوت کے اندر عمارہ بے ہوش تھی۔"

ناگ نے جلدی سے کہا:

"اس صندوق کو تو دو نقاب پوش انسان اٹھا کر محل کی سب سے اُوپر والی منزل میں چھوڑ آئے ہیں۔"

"بس اسی صندوق میں عمارہ بند ہے۔ آؤ اُوپر چل کر اُسے آزاد کراتے ہیں۔"

ناگ اور عنبر اوپر والی منزل کی طرف بھاگے۔ راستے میں ناگ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟

عنبر نے اُسے کہا:

"یہ لوگ جادوگر ہیں — بڑے خوف ناک قسم کے جادوگر ہیں اور ایک ان کا نقاب پوش سردار ہے — یہ سردار عمارہ کا سر کاٹ کر کوئی جادو کا تجربہ کرنا چاہتا ہے —"

"پھر تو ہمیں چاہیے کہ فوراً عمارہ کو جا کر تابوت سے نکال لیں —"

"ہاں، اسی لیے تو میں تمہیں لے کر اوپر جا رہا ہوں۔"

وہ ابھی پہلی منزل سے نکل کر دوسری منزل کی اندھیری سیڑھیوں میں ہی تھے کہ اچانک ایک خوف ناک گرج سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی سارا کمرہ بلکہ سارا محل اندھیرے میں ڈوب گیا — انہیں سامنے اور پیچھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا — ناگ چونکہ سانپ کی شکل میں تھا۔ اس لیے وہ اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرنے لگا —

اُس نے دیکھا کہ سامنے پتھر کی بڑی مضبوط دیوار آن گری ہے اور وہ سیڑھیوں میں قید ہو کر رہ گئے ہیں — اس نے عنبر سے کہا:

"ان لوگوں کو شاید پتا چل گیا ہے۔"

عنبر کہنے لگا:

"یہ لوگ جادوگر ہیں — میں نے ان کے سمندری جہاز پر انسانی لاشیں اور غیبی آوازیں سُنی تھیں — ان کو ضرور ہمارا علم ہو گیا ہے —"

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

ناگ نے کچھ سوچ کر کہا:

"میرا خیال ہے کہ میں چھوٹی چڑیا بن کر تمہاری جیب میں چھپ جاتا ہوں — کوئی نہ کوئی جادوگر یہاں ضرور آئے گا، پھر جو ہو گا، دیکھ لیں گے —"

"ٹھیک ہے ایسا ہی کرتے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی دیوار میں ہیبت ناک گرج ایک بار پھر پیدا ہوئی اور اُس کی بڑی بڑی پتھر کی سلوں نے کھسکنا شروع کر دیا — ناگ اسی وقت ایک زرد رنگ کی چھوٹی سی چڑیا بن گیا —

عنبر نے چڑیا کو اپنی جیکٹ کی اندر والی جیب میں چھپا لیا۔

اور خود سامنے والی دیوار کے ساتھ لگ کر انتظار کرنے لگا کہ
اب کیا ہوتا ہے؟

پتھر کی بڑی سِل پرے ہٹ گئی۔

اندر سے دو سینگوں والا بڑا جادوگر نکل کر سامنے آ گیا —
نقاب کے پیچھے اس کی دو سُرخ آنکھیں روشنی کی کرنیں باہر پھینک
رہی تھیں —

عنبر کی طرف نظریں گاڑتے ہوئے جادوگر نے ہاتھ اٹھا کر
اشارہ کیا — اس کے ہاتھ کی انگلیوں میں سے ایک نیلے رنگ کی تیز
شعاع نکل کر عنبر کے جسم پر پڑی — عنبر کو یوں لگا جیسے کسی
نے اُسے اُٹھا کر اوپر چھت کی طرف اچھال دیا ہے۔ وہ اُوپر
اُٹھ کر نیچے گر پڑا —

جادوگر نے آگے بڑھ کر عنبر کے سر پر اپنی انگلی رکھ دی۔
یہ انگلی ہڈی تھی — گوشت اس پر بالکل نہیں تھا — انگلی میں
سے گرم آگ نکل کر عنبر کی کھوپڑی میں اترنے لگی — عنبر کو ویسے
تو کچھ نہیں ہو سکتا تھا اور نہ اُسے کوئی جادو ہلاک کر سکتا تھا —
اُسے اپنی جیب میں رکھی ہوئی چڑیا یعنی ناگ کی فکر تھی کہ کہیں
اس پر جادو اثر نہ کر جائے۔

عنبر نے فوراً ہاتھ اوپر اٹھا لیے اور کہا:

"اے عظیم جادوگر، مجھے معاف کر دے — میں تو اس محل

کی سیر کرنے آ گیا تھا — میں بے قصور ہوں:"

عنبر چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو جادوگر بادشاہ کے حوالے تاکہ
ناگ کی جان بچ جائے اور اس کے بعد وہ سوچ کر اس
پُر اسرار محل سے عمارہ کو ساتھ لے کر نکلنے کی کوشش کرے۔

جادوگر بادشاہ نے عنبر سے کہا:

"میرے پیچھے پیچھے آؤ —"

جادوگر عنبر کو لے کر محل کے ایک تاریک تہ خانے میں
آ گیا جہاں دو نقاب پوش جادوگر ایک انسانی کھوپڑی سامنے
رکھے اس کے سر پر ایک کالے سانپ کو خون پلا رہے تھے۔
جادوگر بادشاہ نے ان جادوگروں سے کہا:

"اسے قید کر لیا جائے — کل اس کا خون دوسرے سانپوں
کو پلا دیا جائے گا —"

"جو حکم آقا —"

دونوں نقاب پوش جھک کر آداب بجا لائے — جادوگر
بادشاہ یہ کہہ کر واپس چلا گیا —

نقاب پوش جادوگروں نے عنبر کو ایک زنجیر سے دیوار
کے ساتھ باندھ دیا اور سانپ کے منہ میں قطرہ قطرہ خون ڈالنے
لگے —

اچانک انسانی کھوپڑی پر بیٹھے ہوئے سانپ نے ایک جھرجھری

سی لی اور کھوپڑی سے اُتر کر چبوترے پر آگیا اور اس طرح لیٹ گیا جیسے بے ہوش ہو گیا ہو۔ دونوں نقاب پوش بڑے حیران ہوتے کہ یہ سانپ جو ابھی چست و چالاک تھا اسے اچانک کیا ہو گیا ہے۔

اصل میں سانپ نے ناگ دیوتا کی تیز بُو محسوس کر لی تھی جو چڑیا کی شکل میں عنبر کی جیب میں تھا۔ عنبر نے بھی سانپ کی اس تبدیلی کو دیکھ لیا تھا۔ مگر ابھی وہ ناگ کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس طرح سے اس کی سکیم کے ناکام ہو جانے کا خطرہ تھا اور عمارہ کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ مگر یہ کام سانپ نے خود ہی کر دیا۔

ناگ نے عنبر کی جیب میں ہی سانپ کی بُو پا لی تھی۔ اس نے اندر ہی سے سانپ کو اپنی زبان میں حکم دیا کہ دونوں نقاب پوش جادوگروں کو ہلاک کر دو۔

چبوترے پر نیم بے ہوش پڑے ہوتے سانپ نے عظیم ناگ دیوتا کا حکم سُنا تو ایک دم سے پھنکار مار کر اُٹھ کر پھن پھیلائے کھڑا ہو گیا اور اچھل کر ایک نقاب پوش کی گردن پر ڈس دیا۔

ابھی وہ جادوگر سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ سانپ اُچھل کر دوسرے جادوگر کی گردن پر گرا اور اس کی گردن پر بھی ڈس

اس سانپ کا زہر ناگ کے حکم سے بہت تیز ہو گیا تھا۔ دونوں جادوگر زمین پر گرے اور ایک سیکنڈ کے اندر اندر دونوں کے جسم پھٹ گئے۔

ناگ عنبر کی جیب سے نکل کر باہر آ گیا۔ اس نے انسانی شکل اختیار کر لی۔ اور عنبر سے کہا:

"یہ سانپ ہماری مدد کرے گا۔"

سانپ عنبر کے سامنے سر زمین پر رکھے بیٹھا تھا۔ ناگ نے اس سے پوچھا:

"اس پُراسرار محل کا راز کیا ہے۔ یہ لوگ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟"

- سانپ نے ناگ کو کیا بتایا؟
- عنبر اور ناگ پر اس پُراسرار محل میں کیا گزری؟
- ماریا اور راجکماری کیسے حالات سے نکل کر ریاست میں پہنچی؟
- ماریا کی عنبر اور ناگ سے کیسے ملاقات ہوئی۔ اژدہا پھر ناگ سے کہاں ملا؟

— ان سوالوں کا جواب آپ کو اگلی قسط ۱۰ "ناگ کا قتل" میں ملے گا۔ ضرور پڑھیے گا۔

موت کے تعاقب کی واپسی

آپکے جانے پہچانے سلسلے

عنبر، ناگ، ماریا

۵ ہزار سالہ سفر کی پُراسرار اور سنسنی خیز داستان

مصنف: اے۔ حمید

۱: لاش سے ملاقات	۲: جہاز ڈوب گیا
۳: مندر کی چڑیل	۴: پراسرار غار کی مورتی
۵: ناگ لندن میں	۶: تابوت میں سانپ
۷: موت کا دریا	۸: سانپ کا انتقام

آئندہ شائع ہونیوالی کتابیں

۹: سانپ کی آواز	۱۰: ناگ کا قتل
۱۱: شاہ طبوط کا خزانہ	۱۲: پتھر کا ہاتھ
۱۳: طوفانی سمندر کا بھوت	۱۴: طوآناسوس کا جزیرہ
۱۵: سیاہ پوش سایہ	۱۶: انسانی بلی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK
قدم قدم حیرانی، ہر موڑ پر نئی کہانی
نیا سلسلہ
عمران ریحان ایڈونچر
دو دوست دُنیا کے سفر پر پیدل گھر سے نکلے
سنسنی خیز واقعات اور حیرت انگیز حالات سے گزرتے ہوئے اُن کا یہ دلچسپ اور معلوماتی سفر ایک مُلک سے دوسرے مُلک تک جاری رہتا ہے۔
اس سفر میں اُن کا واسطہ خطرناک جنگلات، تپتے ریگستانوں، پُراسرار گلی کوچوں کے آسیبی مکانوں اور غیر مُلکی جاسوسوں کے جال سے پڑتا ہے۔
ایڈونچر، سسپنس، سراغرسانی، جاسوسی اور معلوماتی سفر کا انتہائی دلچسپ سلسلہ!
مُصنّف: اے حمید
۱ لنڈی کوتل کا بھوت
۴ ہیروں کے چور
ورقیدی
۵ شاہی تاج کی چوری
۳ ہینڈز اَپ
۶ خُونی راز
مکتبہ اقرأ
۱۴-بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

۱۰
ناگ کا قتل
ناگ، ماریا اور عنبر کے پانچ ہزار سالہ ....
اے حمید

قیمت پانچ روپے

بار اول : ستمبر ۱۹۸۰ء
تعداد : دو ہزار

ملنے کا پتہ : مکتبہ اشتراک ۱۰۰ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
[illegible] مسجد چوک لاہور

پیارے دوستو :

عنبر پُر اسرار قلعے کے تہہ خانے میں مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ ناگ، سانپ بن کر اس کی مدد کو آیا۔ اُس نے نقاب پوش جادوگر پر حملہ کر دیا، لیکن ناگ کی بدقسمتی سے نقاب پوش کی تلوار نے ناگ کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ عنبر کسی طرح ناگ کی لاش لے کر پُر اسرار قلعے سے فرار ہو گیا۔ ثمادہ اس کے ساتھ تھی۔ ایک کشتی میں بیٹھ کر وہ سمندر میں نکل کھڑے ہوئے۔ کئی مہموں اور مشکلوں سے مقابلہ کرنے کے بعد عنبر اپنے دوست اور پُرانے ساتھی ناگ کی لاش کے ٹکڑے لے کر ہمالیہ کے پہاڑوں میں واقع ناگ مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ کیونکہ ناگ کی لاش کو اب ناگ مندر کے مقدس تالاب کا پانی ہی پھر سے زندہ کر سکتا تھا۔ ہمالیہ کے پہاڑوں تک ایک خطروں سے بھرا ہوا لمبا اور ڈراؤنا سفر سامنے ہے۔ عنبر چلا جا رہا ہے۔

دوسری طرف ماریا بھی ان ہی جنگلوں میں سفر کر رہی ہے۔ اُسے ایک سادھو ملتا ہے جو اسے دیکھ لیتا ہے۔ ماریا ایک دلچسپ مصیبت میں پھنس جاتی ہے۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ آپ خود پڑھیے۔
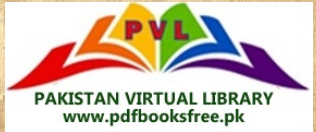
ترتیب

ناگ کا قتل

سانپ نے کہا :

"اے سانپوں کے دیوتا عظیم ناگ ، یہ لوگ سمندری جادوگر ہیں۔ ان کی سمندر کے نیچے حکومت تھی — سمندر میں لاوا پھٹ پڑنے سے ان کا ملک غرق ہوگیا — انہوں نے اوپر آکر اس محل میں حکومت بنالی — یہ لوگ اپنا جادو کا جہاز لے کر سمندر میں نکل جاتے ہیں اور انسانوں کو پکڑ کر یہاں لاتے ہیں اور ان کی گردن کاٹ کر خون پر منتر پڑھ کر پی جاتے ہیں — اس طرح سے ان کا خیال ہے کہ یہ کبھی دوبارا لاوے سے غرق نہ ہوسکیں گے۔"

ناگ نے پوچھا :

"یہ کہاں سے جادو حاصل کرتے ہیں ؟"

سانپ کہنے لگا :

"ان کا جادوگر بادشاہ کے نقاب کے اندر اپنے گلے میں ایک تعویذ چھپائے ہوئے ہے — سارا جادو اسی تعویذ میں ہے۔ اگر یہ تعویذ سمندر میں پھینک دیا جائے تو ان کا سارا جادو ختم ہو
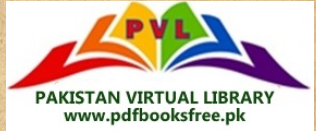
جائے گا۔"

ناگ نے کہا :

"اب تم جا سکتے ہو۔"

سانپ نے جھک کر سلام کیا اور غائب ہو گیا۔ ناگ نے
عنبر سے کہا :

"سب سے پہلے ہمیں عمارہ کو اپنی حفاظت میں لینا چاہیے۔
تاکہ جب ہم حملہ کریں کہ یہ نقاب پوش جادوگر اُسے کوئی نقصان
نہ پہنچا سکیں۔"

عنبر بولا :

"عمارہ اس محل کے اُوپر والی بارہ دری میں تابوت کے اندر
بند ہے۔ آؤ میرے ساتھ ہم اوپر جاتے ہیں۔"

"چلو۔" پھر کچھ سوچ کر ناگ نے کہا :

"مگر ٹھہرو، میرا خیال ہے، مجھے انسان کی شکل میں نہیں جانا
چاہیے۔ میں سانپ بن کر تمہارے ساتھ جاتا ہوں۔"

ناگ سانپ بن گیا۔ چھوٹا سا سانوری رنگ کا سبز آنکھوں والا
بڑا زہریلا سانپ۔ عنبر نے ناگ کو اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ
لیا۔ ناگ نے اُسے سمجھا دیا تھا کہ اگر خطرہ ہو تو وہ اسے کسی
طرح زمین پر چھوڑ دے۔ عنبر تہہ خانے سے نکل کر محل کے
اُوپر جانے والی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ سب سے اُوپر والی سیڑھی

پر ایک نقاب پوش پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ نے عنبر کی جیب میں
سے سر نکال کر کہا :

"عنبر، تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں اس پہرے دار کو راستے
سے ہٹاتا ہوں۔"

ناگ سانپ کی شکل میں عنبر کی جیب سے نکل کر سیڑھی
کی دیوار پر رینگتا اور دروازے کے پاس چلا گیا۔ نقاب پوش
پہرے دار کے ہاتھ میں تلوار تھی اور ٹہل ٹہل کر پہرہ دے رہا تھا۔
کیونکہ سامنے وہ بارہ دری تھی، جس کے اندر عمارہ کا تابوت رکھا
تھا۔

نقاب پوش پہرے دار نے سانپ کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ پہرہ
دے رہا تھا۔ رات کا آخری پہر آسمان پر ستاروں کی چمک
پھیکی پڑ رہی تھی، کیونکہ صبح ہونے والی تھی۔

سانپ آخری سیڑھی پر سے رینگ کر سامنے والی دیوار کی
طرف جانے لگا تو نقاب پوش کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ اُس نے
بجلی ایسی تیزی کے ساتھ جھک کر سانپ پر تلوار پھینک دی۔
ناگ کا خیال کیا بلکہ اُسے یقین تھا کہ وہ سامنے والی دیوار پر
پہنچ جائے گا۔ اس دیوار سے وہ پہرے دار پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔
مگر ایسا نہ ہو سکا۔ ایک ہزار سال کے بعد ناگ پر ایسی آفت
دوسری دفعہ آن پڑی تھی۔ تلوار سیدھی ناگ کے جسم پر آ کر پڑی

اور سانپ کے جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے۔
ناگ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا — پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا —

یہ ناگ کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ تھا جو دوسری بار ہوا تھا — ہمارے پڑھنے والے دوستوں نے اگر ناگ عنبر کی پہلی قسطیں پڑھی ہیں تو انہیں معلوم ہو گا کہ ایک بار پہلے بھی ناگ کے جسم کے ٹکڑے ہو گئے تھے اور پھر اُسے ہمالیہ پہاڑ کے اوپر جھیل مانسرور کے ناگ مندر کے تالاب میں لے جا کر چھ مہینے تک ڈبو کر رکھا گیا تھا اور ناگ دیوتا نے خود آکر ناگ کے جسم کو پھر سے جوڑ دیا تھا —

اب ایک ہزار سال کے بعد ناگ پر پھر وہی مصیبت نازل ہو گئی تھی اور بالکل اتفاق سے ایسا ہو گیا تھا۔ ناگ نے بے ہوش ہوتے ہوتے ایک عقل مندی کی بات کی کہ جب اُس کے جسم پر تلوار پڑی اور جسم دو ٹکڑے ہو گیا تو اس نے بے ہوش ہوتے ہوتے بھی اپنے آپ کو سیڑھیوں میں لڑھکا دیا تاکہ وہ واپس سیدھا عنبر کے پاس پہنچ جائے، کیونکہ خطرہ تھا کہ نقاب پوش پہرے دار اُس کے جسم کا تلوار مار مار کر قیمہ نہ بنا دے —

ایسی حالت میں ناگ کا پھر سے زندہ ہونا بڑا مشکل تھا۔
عنبر سیڑھیوں میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا اوپر پہرے دار کو

ڈسے گا اور وہ گر کر مر جائے گا — لیکن عنبر نے دیکھا کہ نقاب پوش پہرے دار نے زور سے تلوار پھینکی ہے —

اس کے ساتھ ہی پہرے دار کی بجائے سانپ کے دو ٹکڑے لڑھکتے ہوتے اس کے قدموں میں آن گرے — عنبر کی تو جان ہی نکل گئی —

یہ ناگ کے جسم کے ٹکڑے تھے — یہ کیا ہو گیا؟ کیسے ہو گیا؟ عنبر کا دماغ چکر کھانے لگا — اُس نے حوصلے سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو سنبھالا اور جلدی سے ناگ کے جسم کے دونوں ٹکڑے جو سانپ کی شکل میں تھے، اٹھا کر رومال میں لپیٹ کر جیب میں رکھ لیے اور اُوپر چڑھنے لگا —

اب وہ نقاب پوش پہرے دار سے سب سے پہلے تو اپنے پیارے دوست اور بھائی ناگ کے قتل کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ وہ اوپر محل کی چھت پر آ گیا — پہرے دار نقاب پوش نے عنبر کو اپنے سامنے دیکھا تو تلوار لہرا کر اُس پر حملہ کر دیا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ اُس نے چیخ نہیں ماری تھی؛ ورنہ سارے نقاب پوش ہوشیار ہو جاتے اور پھر عمادہ کو وہاں سے لے جانا مشکل ہو جاتا اور اُس کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی — عنبر نے بڑے آرام سے نقاب پوش پہرے دار کے ہاتھ سے تلوار چھین کر اسے اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لیا — نقاب پوش نے

خنجر نکال لیا اور لپک کر عنبر کے سینے میں گھونپ دیا۔ عنبر نے
خنجر بھی چھین کر محل سے نیچے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں
پھینک دیا۔

عنبر نے نقاب پوش پہرے دار کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
کیونکہ اب خطرہ تھا کہ وہ چیخ مار کر اپنے ساتھیوں کو مدد کے
لیے بلا لیتا۔ نقاب پوش نے عنبر کی گردن کو دبوچ کر دبانا
شروع کر دیا۔ عنبر کو بھلا کیا ہو سکتا تھا۔ یہ تو ایسی ہی بات
تھی کہ کوئی آدمی پتھر کے ستون کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر
دبانا شروع کر دے۔

عنبر نے نقاب پوش کو نیچے گرا کر اُس کی گردن پر
پاؤں رکھ دیا۔ اب وہ آواز نہیں نکال سکتا تھا۔ عنبر نے اس
کا نقاب اُتار دیا۔ وہ کانپ گیا، اس کی ناک غائب تھی۔
ناک کی جگہ ایک چھوٹا سا سوراخ تھا۔ آنکھوں میں گہرے گڑھے
تھے۔ ان گڑھوں میں دو چھوٹے سے ڈیلے حرکت کر رہے تھے۔
عنبر نے پہرے دار کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تاکہ آواز پیدا نہ ہو،
پھر اُس نے خنجر سے پہرے دار کی دونوں آنکھیں نکال کر باہر
پھینک دیں۔ اس کے بعد عنبر نے نقاب پوش کی شہ رگ کاٹ
ڈالی۔ اس کے جسم سے خون کی جگہ نیلا پانی باہر نکلنے لگا۔ اُسے
سانپ کی بات یاد آ گئی کہ یہ سمندری مخلوق تھی۔ شاید اسی لیے

ان کی رگوں میں سمندر کا پانی گردش کر رہا تھا۔
نقاب پوش پہرے دار کی جان نکل رہی تھی۔

عنبر کا جوشِ انتقام اب بھی ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ اس نے
پہرے دار کی لاش کو اٹھا کر محل پر سے نیچے سمندری چٹانوں
میں پھینک دی۔ نوکیلی چٹانوں پر گرتے ہی لاش کے ٹکڑے اُڑ
گئے اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر سمندر میں گر پڑی۔

عنبر کا غصّہ کچھ ٹھنڈا ہوا تھا۔ اُس کے بہترین دوست
اور ہزاروں سال کے ساتھی ناگ کی لاش، سانپ کی شکل میں
اُس کے جسم کے دو ٹکڑے اُس کی جیب میں پڑے تھے۔ سامنے
بارہ دری میں عمارہ کا تابوت تھا۔ عنبر نے آگے بڑھ کر تابوت
کو کھولا۔ اس کے اندر عمارہ بے ہوش پڑی تھی۔ عنبر نے
عمارہ کے بے ہوش جسم کو اُٹھا کر کندھے پر ڈالا اور سیڑھیاں
اُتر کر محل کی پہلی منزل میں آ گیا۔ یہاں خاموشی تھی۔ رات
کا پچھلا پہر ہونے کی وجہ سے شاید نقاب پوش بڑے آرام سے
میٹھی نیند سو رہے تھے۔

عنبر کے لیے یہ اچھا موقع تھا۔ ویسے بھی عنبر سخت
غیض کی حالت میں تھا۔ اُس نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ جو کوئی
سامنے آیا وہ اُسے اُڑا کر رکھ دے گا۔ چاہے عمارہ اور ناگ
کی زندگیاں ہی ہمیشہ کے لیے خطرے میں کیوں نہ پڑ جائیں۔ خدا

کا شکر تھا کہ اُسے محل کی ڈیوڑھی تک کوئی نہ ملا ؛ ورنہ یہ بات ناگ اور عمارہ کے لیے سخت خطرناک ہو سکتی تھی۔ ڈیوڑھی میں ایک لیمپ جل رہا تھا۔

اس کی روشنی میں عنبر نے ایک نقاب پوش کو دیکھا جو چھوٹے سے تخت کے پاس کھڑا ہاتھ میں لمبا نیزہ پکڑے پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر نے بے ہوش عمارہ کو دیوار کے ساتھ زمین پر اندھیرے میں لٹا دیا اور خود دیوار کے سائے میں آگے بڑھا۔ نقاب پوش سپاہی کو آہٹ سی محسوس ہوئی۔

اُس نے نیزہ سیدھا کر دیا اور پوچھا :

"کون ہے ؟"

عنبر نے اسی زبان میں کہا :

"تمہارا باپ"

اصل میں عنبر سخت غضب ناک ہو چکا تھا۔ ناگ کے قتل ہو جانے سے اُسے اس قدر دُکھ ہوا تھا کہ وہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ نقاب پوش نے جب یہ لفظ سُنے تو نیزہ لہراتا اُسے حملہ کرنے کے انداز میں جُھکاتا آگے بڑھا۔ عنبر اندھیرے سے باہر نکل آیا۔ اُس نے کہا :

"آؤ میرے شکار، میں تمہاری گردن توڑ کر اس کا گیند بناؤں گا"

پہرے دار نے چلّا کر کہا :

"کون ہو تم بدبخت، موت کو خود آوازیں دے رہے ہو"

عنبر نے کہا :

"میں خود موت ہوں تمہاری، مر جاؤ"

اور عنبر نے چھلانگ لگا کر نقاب پوش سپاہی کی کمر کے گرد دونوں ہاتھ ڈال کر اُسے اتنے زور سے جھٹکا دیا کہ اس کی کمر کی ہڈی کڑ کڑ کر کے چھ سات جگہوں سے ٹوٹ گئی اور وہ عنبر کے بازوؤں میں یوں جھولنے لگا جیسے کھونٹی سے گری ہوئی اچکن ہو۔

عنبر نے اسے زمین پر لٹا دیا اور اُسی کا نیزہ اچھال کر اس کے سینے میں گاڑ دیا۔

پھر وہ عمارہ کو اٹھا کر محل کی ڈیوڑھی سے باہر نکل آیا۔ باہر سمندر اس کے سامنے کافی نیچے ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ دن کا ہلکا ہلکا اُجالا پھیل رہا تھا۔ بادبانی جہاز وہاں سے خدا جانے کہاں غائب ہو چکا تھا۔

عنبر نے پہاڑی سے اُترنا شروع کیا۔ چکر کھاتی گول سڑک پر سے ہو کر وہ سمندر کے کنارے چٹانوں کے پاس آیا تو اُسے ایک کشتی دکھائی دی، جسے ریت پر کھینچ کر ایک پتھر سے باندھ دیا گیا تھا۔

عنبر نے عمارہ کو کشتی میں لٹا دیا اور رسی کو ہاتھ سے ایک ہی جھٹکے سے توڑ ڈالا۔ کشتی گھسیٹ کر اُس نے سمندر میں ڈالی اور چپّو چلانے لگا۔

پہاڑ کے ارد گرد سمندر میں بڑی بڑی لہریں اُٹھ رہی تھیں، مگر سمندر آگے جا کر پُرسکون ہو گیا تھا۔ عنبر کشتی کو چلائے جا رہا تھا۔ اس کے تھکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کچھ دُور تک اُسے پہاڑی کے اُوپر محل کا سنہری گنبد دکھائی دیتا رہا۔ پھر وہ پہاڑی سمیت نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ عنبر کی کشتی اب کھُلے سمندر میں تھی۔

وہ سورج کے حساب سے مغرب کی طرف کشتی چلا رہا تھا۔ کیونکہ اندلس کا ملک وہاں سے مغرب کی طرف ہی تھا۔ اُس کے سامنے اب دو سب سے اہم کام تھے۔ ایک تو عمارہ کو اندلس میں اس کے ماں باپ کے پاس پہنچانا تھا اور دوسرا جو سب سے بڑا کام تھا اور جس کے بارے میں عنبر بہت زیادہ پریشان تھا۔ وہ ناگ کو لے کر ہمالیہ کی چوٹی پر جھیل مانسرور پر جانے کا تھا۔ جہاں ناگ کو صندل کی لکڑی کی صندوقچی میں بند کر کے جھیل مانسرور کے عظیم الشان ناگ مندر کے تالاب میں چھ مہینے بند رکھنا تھا۔

عنبر نے عمارہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ اس کے

منہ پر پانی کے بار بار چھینٹے مارے۔ آخر وہ ہوش میں آ گئی۔ اُس نے چونک کر عنبر کو دیکھا اور پوچھا:

"عنبر بھائی، ہم کہاں ہیں؟"

عنبر نے اُسے ساری کہانی بیان کی اور پھر جیب کے اندر سے ناگ کے جسم کے دونوں ٹکڑے نکال کر دکھائے۔ عمارہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ناگ کی لاش اُس سے نہ دیکھی گئی۔

"اب اس کا کیا بنے گا عنبر بھائی؟" عمارہ نے پوچھا۔

عنبر نے کہا:

"تمہیں تمہارے گھر چھوڑ کر میں ناگ کی لاش لے کر ہمالیہ پہاڑ کی طرف نکل جاؤں گا۔ وہاں اس کا علاج ہو گا اور خدا نے چاہا تو اسے پھر سے زندگی مل جائے گی۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔"

کشتی نامعلوم سمندر میں بھی چلی جا رہی تھی۔ اب لہریں اُسے اپنے آپ مغرب کی طرف بہائے لیے جا رہی تھیں۔ عنبر کو سب سے زیادہ اب اس بات کی پریشانی تھی کہ عمارہ کے کھانے اور پینے کا کیا بندوبست ہو گا اور کچھ نہیں تو کم از کم اُسے پینے کو پانی تو ملنا چاہیے، مگر اتنے بڑے سمندر میں بھی پینے کے لیے پانی کا ایک قطرہ نہیں تھا۔ اس لیے کہ سمندر کا پانی کڑوا ہوتا ہے اور انسان اگر پی لے تو طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔

دوپہر کو عمارہ نے کہا کہ اُسے سخت پیاس لگی ہے۔ عنبر
اُسے کیا جواب دیتا؟ وہاں پانی کہاں سے لاتا؟ آسمان پر پرندہ
تک دکھائی نہیں دیتا تھا — مچھلیاں بھی کشتی کے قریب نظر
نہیں آتی تھیں —

عنبر نے کہا:

"عمارہ بہن، پانی کے لیے تمہیں تھوڑا صبر کرنا پڑے گا —
شاید کوئی جزیرہ آ جائے اور وہاں پانی کے ساتھ ساتھ ہمیں
کھانے کو بھی مل جائے۔"

لیکن جزیرہ تو نہ ملا، ہاں دُور عنبر کو ایک چٹان سی سمندر
میں اُبھری ہوئی دکھائی دی —

عنبر نے کہا:

"شاید یہ کوئی پہاڑی ہے جو سمندر سے باہر نکل آئی ہے
اس قسم کے پہاڑ یہاں سمندر کے نیچے اکثر ملتے ہیں جن کی چوٹیاں
سمندر سے باہر نکلی ہوتی ہیں۔"

دوپہر ڈھل رہی تھی — عمارہ کا پیاس کے مارے بُرا حال ہو
رہا تھا کہ عنبر نے اس چٹان کے ساتھ کشتی لگا دی — عنبر اور عمارہ
کشتی سے اُتر آئے — یہ چٹان کافی بڑی تھی — اس کے اردگرد
بڑے بڑے پتھر بکھرے پڑے تھے — عنبر نے عمارہ کو ایک جگہ
بٹھایا اور خود اِدھر اُدھر جا کر پانی تلاش کرنے کی کوشش کی —

عمارہ کی خوش قسمتی تھی کہ ایک جگہ عنبر نے دیکھا کہ چٹان کے اندر
سے قطرہ قطرہ پانی پتھروں میں جمع ہو رہا ہے، وہاں ایک چھوٹا
سا چشمہ بن گیا تھا —

پانی میٹھا تھا — عمارہ نے اپنی پیاس بجھائی اور خدا کا
شکر ادا کیا — عنبر نے کہا کہ اس جگہ انہیں رات کی رات
آرام کرنا چاہیے — عمارہ کو بھوک بھی لگ رہی تھی۔ وہ بولی:

"یہاں رُکنے کی بجائے بہتر ہے کہ ہم سمندر میں ہی
نکل چلیں، شاید آدھی رات کو کسی جزیرے پر پہنچ جائیں۔"

عنبر نے کہا:

"جیسے تمہاری مرضی —"

عمارہ کشتی میں بیٹھ گئی — عنبر کشتی کو چٹان سے دُور لے
جانے ہی لگا تھا کہ اچانک اُس کی نظر دُور اس طرف سمندر میں
پڑ گئی، جدھر سورج غروب ہو رہا تھا اور سمندر سرخ ہو گیا تھا۔
اُدھر عنبر کو ایک کشتی چٹان کی طرف آتی نظر آئی —

"یہ لوگ کون ہو سکتے ہیں؟"

عنبر نے جیسے اپنے آپ سے سوال کیا — عمارہ بھی اُدھر
ہی تک رہی تھی — سورج کی سنہری روشنی میں انہیں کشتی میں تین
چار آدمیوں کے خاکے دکھائی دے رہے تھے —

عنبر نے کہا:

"ہو سکتا ہے یہ خطرناک آدم خور ہوں — تم اس چٹان
کے پیچھے پتھروں کی اوٹ میں چلی جاؤ۔"

عنبر کشتی کو چٹان کے پیچھے پتھروں کی اوٹ میں لے
گیا — وہ خود بھی عمارہ کے ساتھ ایک اونچے پتھر کے
پیچھے چھپ گیا اور آنے والی کشتی کو دیکھنے لگا۔

کشتی آہستہ آہستہ سمندر میں سفر کرتی چٹان کے قریب آ
رہی تھی —

اب وہ بڑی آسانی سے دیکھ رہے تھے کہ کشتی میں تین
ملاح سروں پر سرخ رومال باندھے کھڑے ہیں — ان کے ہاتھوں
میں خنجر ہیں اور ایک آدمی کشتی میں سر جھکائے بیٹھا ہے۔

عنبر نے کہا:

"معاملہ خطرناک لگ رہا ہے۔"

عمارہ نے ڈرتے ہوئے کہا:

"کیا ہم بھاگ چلیں؟"

"شی —"

کشتی چٹان کے پاس آکر رک گئی — تینوں ڈاکوؤں ایسے
چہرے والے ملاحوں نے بیٹھے ہوئے آدمی کی رسیاں کھولنا
شروع کیں۔

اس صحت مند بھاری بھرکم بارعب چہرے والے قیدی کی

رسیاں کھول کر ایک ملاح نے کہا:

"جاؤ، اور اس چٹان پر بھوکے پیاسے رہ کر موت
کا انتظار کرو — تمہاری یہی سزا ہے کہ تم سسک سسک
کر مرو۔"

اور پھر وہ قہقہے لگاتے ہوئے قیدی کو چٹان پر چھوڑ
کر کشتی میں بیٹھ کر واپس روانہ ہو گئے — قیدی نے ایک
نظر سمندری چٹان کو اوپر سے نیچے تک دیکھا، پھر سر پکڑ
کر وہیں ایک پتھر پر بیٹھ گیا — کیونکہ یہاں اسے اپنی موت
صاف نظر آ رہی تھی —

جب ڈاکو ملاحوں کی کشتی سمندر میں کافی دور نکل گئی تو
عنبر نے عمارہ کو ساتھ لیا اور جلا وطن قیدی کے سامنے جا کر
کھڑا ہو گیا — ایک بار تو قیدی چونک کر پیچھے کو گرتے گرتے
بچا — اسے کبھی یہ خیال نہیں آ سکتا تھا کہ اس قسم کی ویران
چٹان پر بھی ایک آدمی اور ایک عورت اسے مل سکتے ہیں۔ اس
نے ہونٹوں پر آیا ہوا پسینہ پونچھ کر کہا:

"تم، تم لوگ کون ہو؟"

وہ ہسپانوی زبان بول رہا تھا —

خونی ڈاکو

عمارہ چونکہ ہسپانیہ کی رہنے والی تھی، اس لیے وہ بڑی
خوش ہوئی کہ اسے اپنے وطن کا آدمی مل گیا ہے۔ اس نے
بھی ہسپانوی زبان میں کہا کہ وہ اور عنبر بڑی مصیبتیں
یہاں تک پہنچے ہیں اور وہ سپین اپنے ماں باپ کے پاس جا
رہی ہے جو میڈرڈ میں تجارت کرتے ہیں —

عنبر بھی یہ زبان سمجھتا تھا — جلاوطن قیدی عمارہ سے
بڑا خوش ہوا —

عنبر نے پوچھا :

"دوست تم کون ہو؟ تمہارا نام کیا ہے اور یہ لوگ کون
جو تمہیں یہاں مرنے کے لیے چھوڑ گئے ہیں ؟"

جلاوطن قیدی بولا :

"میرا نام ڈان پیڈرو ہے — میں ایک تجارتی جہاز کا
کپتان ہوں — یہاں سے پچاس میل کے فاصلے پر ایک گمنام
جزیرہ ہے — اس جزیرے پر میرا مال سے بھرا ہوا جہاز کھڑا
ہے — اس جہاز پر بحری ڈاکوؤں نے قبضہ کر لیا ہے — انہوں
نے میرے ساتوں کے ساتوں ملاحوں کو ہلاک کر دیا ہے اور مجھے
مرنے کے لیے اس چٹان پر چھوڑ گئے ہیں —"

عنبر نے پوچھا :

"بحری ڈاکوؤں کا جہاز کہاں ہے ؟"

ڈان پیڈرو نے کہا :

"ان کا جہاز بھی اسی جزیرے پر ہے۔ وہ آج رات شاید
وہاں رکیں گے اور کل میرے جہاز کا سارا سامان اپنے جہاز پر
لاد کر میرے جہاز کو آگ لگا کر چلے جائیں گے"

عمارہ بولی :

"عنبر، ہمیں پیڈرو کی مدد کرنی چاہیے"

کپتان پیڈرو ہنس پڑا :

"تم لوگ خود میری طرح یہاں بے بسی کی موت کا انتظار کر
رہے ہو، تم میری مدد کیا کر سکو گے — بہتر یہی ہے کہ ہم اچھی
اچھی باتیں کریں — خدا کو یاد کریں اور موت کا انتظار کریں"

عنبر مسکرایا —

"ہم جلاوطن نہیں ہیں پیڈرو — ہمارے پاس ایک کشتی
بھی ہے — اور ہم تمہاری مدد کر سکتے ہیں"

"کشتی بھی ہے؟ کہاں ہے؟" پیڈرو نے حیرانی سے پوچھا

"چٹان کے دوسری طرف کھڑی ہے۔"

عنبر کے اس جواب پر پیڈرو نے عنبر اور عمارہ کو غور سے دیکھا اور کہا:

"تم لوگ یہاں کیسے آ گئے؟"

عنبر نے کہا:

"یہ ایک لمبی کہانی ہے — تمہیں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ میں عمارہ کو اس کے ماں باپ کے پاس سپین کے شہر میڈرڈ چھوڑنے جا رہا ہوں — ہمارا جہاز طوفان میں غرق ہو گیا اور ہم ایک کشتی میں بیٹھ کر اس چٹان پر پہنچ گئے۔"

پیڈرو کہنے لگا:

"یہ تو ٹھیک ہے، مگر ہم دونوں مل کر خونخوار سمندری ڈاکوؤں کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے؟ ان کے جہاز پر دو توپیں بھی لگی ہیں اور وہ پچاس ڈاکو ہیں — ہر ایک کے پاس تیز دھار والے خنجر اور تلواریں ہیں — کپتان کے پاس تو ہر وقت بارود سے بھرا ہوا پستول رہتا ہے۔"

عنبر ایک بار پھر مسکرایا اور کہنے لگا:

"فکر نہ کرو، خدا ہماری مدد کرے گا — ہم اسی وقت یہاں سے چلے چلیں گے تاکہ رات ہونے تک جزیرے پر پہنچ جائیں۔ کیا

تم جزیرے تک ہمیں سمندر کا راستہ بتا سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں۔ میں نے اس سمندر میں بہت سفر کیا ہے۔"

"تو پھر ہمارے ساتھ آؤ۔"

عنبر نے پیڈرو کپتان کو ساتھ لیا اور چٹان کے دوسری طرف لے جا کر کشتی دکھائی، جسے ایک پتھر کے ساتھ باندھا ہوا تھا — پیڈرو نے کہا:

"ہمارے پاس ہتھیار بھی نہیں ہیں — ہم نہتے اور اکیلے اتنے خونخوار ڈاکوؤں کا کیسے مقابلہ کر سکیں گے — ہمیں ایک بار پھر اچھی طرح سوچ سمجھ لینا چاہیے — کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم تینوں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں — مجھے اس عورت کے مرنے کا بڑا افسوس ہو گا۔"

پیڈرو نے عمارہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

عنبر بولا:

"یہ سارا کام تم مجھ پر چھوڑ دو پیڈرو۔"

"مگر تم اکیلے کیا کرو گے؟"

عنبر نے کہا:

"یہ تمہیں وہاں جا کر معلوم ہو جائے گا کہ میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں۔"

پیڈرو نے سر جھٹک دیا — جیسے اسے عنبر کی کسی بات پر

بھروسا نہ ہو۔ مجبوراً وہ کشتی میں سوار ہو گیا۔ عنبر نے کشتی کو کھینچ کر سمندر میں ڈال دیا اور کشتی کا رُخ کپتان پیڈرو کی ہدایت کے مطابق جزیرے کی طرف کر دیا۔

سورج غروب ہو رہا تھا کہ ان کی کشتی ایک چھوٹے سے گمنام اور ویران مگر سرسبز جزیرے کے قریب پہنچ گئی۔ پیڈرو بڑا ماہر سمندری ملاح تھا وہ کشتی کو جزیرے کے پیچھے کی طرف لے کر آیا تھا تاکہ ڈاکوؤں کی اس پر نگاہ نہ پڑ سکے۔

سنہری دھوپ میں جزیرے کے درخت چمک رہے تھے۔ سمندر کی ہوا اُن کی شاخوں کو ہولے ہولے جُھلا رہی تھی۔

جزیرے کا یہ ساحل بالکل ویران تھا۔ نہ کوئی کشتی دکھائی دیتی تھی اور نہ کوئی آدمی نظر آ رہا تھا۔ پیڈرو نے کشتی ایک طرف جزیرے کے ساحل کے ساتھ جھاڑیوں میں لگا دی اور اُسے اچھی طرح سے باندھ دیا۔

عنبر نے آہستہ سے کہا:

"اس کشتی کی اب ہمیں ضرورت نہیں پڑے گی۔ کیونکہ ہم واپس تمہارے جہاز پر جائیں گے۔"

پیڈرو پھیکی سی ہنسی ہنسا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم یا تو دیوانے ہو اور یا پھر

خواب میں باتیں کر رہے ہو۔"

عنبر بھی ہنس دیا:

"ہاں، میں سچ مچ دیوانہ ہوں۔"

عمارہ بولی:

"اب آگے بھی چلو کہ یہاں باتیں کرتے رہ جاؤ گے۔"

عنبر نے پیڈرو سے پوچھا:

"تمہارا جہاز کہاں ہے؟"

پیڈرو نے بتایا کہ اس کا جہاز سمندری ڈاکوؤں کے جہاز کے ساتھ جزیرے کے دوسری طرف سمندر میں کھڑا ہے۔

عنبر نے کہا:

"ہمیں جزیرے کے دوسری طرف جانا ہوگا۔ کیا تم نے یہ جزیرہ پہلے بھی دیکھا ہے؟"

"ہاں، دور سے دیکھا ہے مگر یہاں آج پہلی بار آیا ہوں۔ میں اس کے جنگلوں سے واقف نہیں ہوں۔"

عنبر نے کہا:

"ہم جنگل میں سے نہیں گزریں گے، بلکہ ساحل کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف بڑھیں گے جہاں تمہارا جہاز کھڑا ہے۔"

عمارہ بولی:

"یہ راستہ لمبا نہیں پڑے گا۔"

پیڈرو نے کہا :

" نہیں، کیونکہ یہ جزیرہ زیادہ بڑا نہیں ہے ۔ اس کی گولائی زیادہ سے زیادہ چار میل کی ہے — اس حساب سے ہمیں دو میل کا سفر طے کرنا ہوگا ۔"

عمارہ نے کہا :

" رات ہونے سے پہلے پہلے ہمیں وہاں پہنچ جانا چاہیے ۔"

عنبر بولا :

" رات کے بعد بھی پہنچ جائیں تو کوئی ہرج نہیں ہوگا عمارہ ۔"

یہ تینوں جزیرے کے ساحل کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف چل پڑے — جزیرہ بڑا ہرا بھرا تھا — درختوں پر پھولوں والی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں — یہاں جنگلی انگور بہت تھا اور ناریل کے درخت بھی کافی تھے — عمارہ نے جنگلی انگوروں سے اپنا پیٹ بھرا اور زمین پر گرے ہوئے ناریل توڑ کر اپنی پیاس بجھائی — وہ آگے بڑھ رہے تھے اور سورج غروب ہو رہا تھا — جزیرے پر رات کے سائے چھانے لگے تھے ۔

آگے جا کر ساحل مغرب کی طرف گھوم گیا — یہاں سمندری چٹانیں ساحل پر دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھیں — بھورے اور گہرے سبز رنگ کی چٹانیں تھیں، جن پر کہیں کہیں جھاڑیاں اُگی ہوئی

تھیں — ابھی تک وہ ساحل کی ریت پر چل رہے تھے — جہاز کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے — عنبر نے پیڈرو سے پوچھا :

" جہاز کیوں دکھائی نہیں دے رہے ؟"

پیڈرو نے سمندر کی طرف نگاہ جما کر کہا :

" میرا خیال ہے شاید ابھی ہمیں کچھ دُور اور چلنا ہوگا — ہو سکتا ہے، دو ایک میل کا سفر باقی ہو ۔"

وہ چلتے چلے جا رہے تھے — اسی طرح سفر کرتے کرتے انہیں رات ہو گئی —

جہاز کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے — عمارہ بے حد تھک گئی تھی — آخر وہ ایک جگہ بیٹھ گئی —

" اب مجھ سے نہیں چلا جاتا ۔"

عنبر نے پیڈرو سے کہا :

" کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم عمارہ کے پاس ٹھہرو اور میں آگے جا کر جہازوں کا پتا کروں، کیونکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ سمندری ڈاکو کوچ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہوں — ایسی صورت میں وہ تمہارے جہاز کو آگ لگا دیں گے ۔"

" میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا ۔"

" نہیں، میں عمارہ کو اس ویران جزیرے کے جنگل میں اکیلی نہیں چھوڑنا چاہتا ۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔"

عنبر نے کپتان پیڈرو اور عمارہ کو پیچھے ایک جگہ جزیرے کے ساحل کے پاس چٹان کی اوٹ میں چھوڑا اور خود آگے روانہ ہو گیا۔

رات کے وقت جزیرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور ایسا خاموش اور سنسان تھا کہ دیکھ کر ڈر لگتا تھا۔ عنبر کافی دُور آگے نکل گیا۔

جزیرے کا ساحل ایک بار پھر اُس طرف گھوم گیا۔ یہاں پہنچ کر عنبر کو پہلی بار سمندر میں کھڑے دو جہازوں کے خاکے دکھائی دیے، جن میں سے ایک جہاز میں لالٹینیں جل رہی تھیں۔ عنبر کو بڑی خوشی ہوئی۔ آخر وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا۔ دوسرے جہاز کا صرف کالا کالا سایہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ عنبر تیز تیز چلنے لگا۔

جب وہ جہازوں کے قریب پہنچا، تو جنگل کی طرف ہو گیا۔ یہاں درختوں کے درمیان سے گزر کر وہ جنگل کے آخری کنارے پر آ کر رُک گیا۔ آگے ریت کا ساحل شروع ہوتا تھا۔ پھر سمندر تھا اور سمندر میں دونوں جہاز کھڑے تھے۔ کنارے پر سمندری ڈاکو بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔ کوئی لیٹا ہوا تھا اور کوئی کرتب دکھا رہا تھا اور ریت پر قلابازیاں لگا رہا تھا۔

اُن کے درمیان آگ جل رہی تھی، جس پر وہ ایک سالم بکرا بھون رہے تھے۔ عنبر کو ان کے قہقہوں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ دونوں جہازوں میں سے ایک جہاز مال بردار جہاز تھا اور اُس کا مالک پیڈرو تھا۔ دوسرا جہاز سمندری ڈاکوؤں کا تھا۔

عنبر غور کرنے لگا کہ حملہ کس طریقے سے اور کس طرح سے کیا جائے۔ عنبر نے اندازہ لگایا کہ ڈاکو پچاس سے زیادہ تھے۔ عنبر کو اس وقت ناگ بہت یاد آیا جو دو ٹکڑے ہو کر اس کی جیب میں رومال میں لپٹا پڑا تھا اور جیسے دو مہینوں کے اندر اندر اُسے ہمالیہ کے عظیم ناگ مندر میں لے کر جانا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ شاید ابھی ڈاکوؤں نے دوسرے جہاز کا سامان اپنے جہاز پر نہیں لادا تھا یا ہو سکتا تھا کہ مال لاد لیا ہو اور اب سفر کرنے کے لیے صبح کا انتظار کر رہے ہوں۔ اس وقت اگر ناگ ہوتا تو اُڑ کر جہاز کے اوپر جا کر پتا لگا سکتا تھا کہ مال لادا جا چکا ہے کہ نہیں۔ عنبر کو اتنی دُور سے اندھیرے میں کچھ پتا نہیں لگ رہا تھا۔ عنبر واپس ہوا تاکہ پیڈرو کو جا کر خبر کر دے۔

دوسری طرف عنبر کے جاتے ہی پیڈرو نے عمارہ سے کہا:

"تم یہاں آرام کرو۔ میں تمہارے لیے پانی کا پتا چلاتا

ہوں "

عمارہ نے کہا :

" نہیں پیڈرو بھائی، تم مت جاؤ ۔ اکیلی مجھے ڈر لگتا ہے "

پیڈرو نے ہنستے ہوئے کہا :

" ڈرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ اس جزیرے پر تو کوئی بھی نہیں ہے اور پھر مجھے بھی سخت پیاس لگی ہے۔ بس میں ابھی آیا کہ آیا ۔"

عمارہ کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ اکیلی رہے لیکن پیڈرو کچھ ضدی اور کچھ نادان شخص ثابت ہو رہا تھا ۔ وہ عمارہ کو اکیلی چھوڑ کر جنگل میں پانی کی تلاش میں چلا گیا ۔ عمارہ کو ڈر لگنے لگا، کیونکہ وہاں گھپ اندھیرا تھا ۔ عمارہ بے چاری ایک پتھر کے پیچھے ہو کر سہمی سہمی سی بیٹھ گئی ۔ عمارہ نے عنبر کو یاد کیا، کاش وہ جلد واپس آ جائے ۔

اتفاق سے دو سمندری ڈاکو بھی اُدھر پانی تلاش کرتے پھر رہے تھے ۔ وہ پانی کا کھوج لگاتے ان چٹانوں کی طرف آ گئے جس کے قریب ہی عمارہ چھپی ہوئی تھی ۔ عمارہ نے بھی ستاروں کی ہلکی روشنی میں انہیں دیکھ لیا تھا ۔ اس کا سارا جسم خوف سے ٹھنڈا پڑ گیا ۔ وہ پیڈرو یا عنبر کو آواز بھی نہیں دے سکتی تھی ۔ خطرہ تھا کہ ڈاکو آواز سُن کر اس کی طرف

آ جائیں گے، مگر ڈاکوؤں نے عمارہ کو اندھیرے میں بھی چٹان کے پیچھے بیٹھے دیکھ لیا تھا ۔ وہ اسی جگہ رُک گئے اور پھر رینگ رینگ کر عمارہ کی طرف بڑھنے لگے ۔

عمارہ بے خبر بیٹھی تھی۔ ڈاکو اُس کے سامنے سے غائب ہو گئے تھے ۔ وہ یہ سمجھی کہ شاید وہ چلے گئے ہیں۔ مگر اُسے کیا خبر تھی کہ دونوں سمندری ڈاکو اس کے پیچھے رینگتے ہوئے آ رہے ہیں ۔

اچانک ایک ڈاکو اچھل کر عمارہ کے اُوپر گرا اور اُس نے عمارہ کا منہ اپنے ہاتھ سے بند کر دیا ۔ دوسرے نے عمارہ کی گردن میں کپڑا ڈال کر اسے زور سے کَسنا شروع کر دیا۔ عمارہ کا دم گھٹ گیا۔ اس کی آنکھوں کے ارد گرد تارے ناچنے لگے۔ اور وہ بے ہوش ہو گئی ۔ سمندری ڈاکوؤں نے عمارہ کو اٹھایا اور جنگل میں غائب ہو گئے ۔

احمق کپتان پیڈرو کو نہیں چاہیے تھا کہ وہ عمارہ کو وہاں اکیلا چھوڑ کر چلا جاتا ۔ واپس آیا تو عمارہ غائب تھی ۔ بڑا پریشان ہوا ۔ اُونچی آواز بھی نہیں نکال سکتا تھا۔ ادھر ادھر اندھیرے میں تلاش کیا، مگر وہاں عمارہ ہوتی تو اسے ملتی۔ اُسے تو سمندری ڈاکو سیدھا اپنے جہاز پر لے گئے تھے اور اپنے سردار کے سامنے پیش کر دیا تھا ۔

اب عمارہ کو تلاش کرتے ہیں ۔"

عنبر بولا :

"میں تمہارا اور سمندری ڈاکوؤں کا جہاز دیکھ آیا ہوں ۔ ضرور عمارہ کو ڈاکو ان جہازوں کی طرف لے گئے ہیں ۔"

پیڈرو بولا :

" یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس جزیرے کا کوئی جنگلی اسے اٹھا کر لے گیا ہو ، کیونکہ رات کے وقت سمندری ڈاکوؤں کو اس جنگل میں آنے کی بھلا کیا ضرورت تھی ؟"

عنبر سوچ میں پڑ گیا ، پھر کہنے لگا :

" تمہارا خیال بھی درست ہو سکتا ہے ، لیکن ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے — فوراً آگے چلو ۔"

اتنے میں انہیں پاؤں کی چاپ سنائی دی ۔ جیسے کوئی سوکھے پتوں پر چل رہا ہو — عنبر نے پیڈرو کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر زور سے دبایا جیسے اُسے نیچے بیٹھ جانے کے لیے کہہ رہا ہو — پیڈرو وہیں گھاس پر بیٹھ گیا — عنبر بھی ایک جھاڑی کے پیچھے چھپ گیا — جزیرے کے اوپر چونکہ چاند نکل آیا تھا — اس لیے چاندنی میں جھاڑیاں اور درخت صاف نظر آ رہے تھے —

اُن کے سامنے ایک چھوٹا سا کھلا میدان تھا جہاں کہیں کہیں جھاڑیوں کے جھنڈ تھے — سامنے کے درختوں میں سے دبی

عمارہ بے ہوش تھی — سردار نے عمارہ کو غور سے دیکھا اور بڑا حیران ہوا کہ یہ عورت اس سنسان و ویران جزیرے میں کہاں سے آگئی ؟

اُس نے غراتے ہوئے کہا :

" یہاں ضرور اس کا کوئی ساتھی بھی ہو گا — یہ عورت اکیلی اس جزیرے پر نہیں آ سکتی — اس کا لباس بتاتا ہے کہ یہ شہر کی عورت ہے — جنگلی نہیں ہے — جاؤ ، جہاں سے یہ عورت اٹھائی ہے ، وہاں اس کے ساتھی کو تلاش کرو اور اس کا سر کاٹ کر میرے سامنے پیش کرو ۔"

" جو حکم سرکار ۔"

اور دونوں سمندری ڈاکو خنجر لے کر واپس جنگل میں اُس چٹان کی طرف چل دیے جہاں سے انہیں عمارہ ملی تھی ۔ دوسری طرف عنبر واپس آ گیا — پیڈرو پریشانی کی حالت میں اُسے ملا اور سارا قصہ سُنایا —

عنبر نے قدرے غصے سے کہا :

" تمہیں کس نے کہا تھا کہ اُسے اکیلی چھوڑ کر چلے جاؤ ۔ ضرور سمندری ڈاکو اسے پکڑ کر لے گئے ہیں "

پیڈرو نے افسوس کرتے ہوئے کہا :

" دوست عنبر ، میں اپنی غلطی مانتا ہوں ، مجھے معاف کر دو ۔ آؤ

دو سمندری ڈاکو اِدھر اُدھر تکتے احتیاط سے چلتے ہوئے باہر نکلے
عنبر نے پیڈرو کے کان میں کہا:
"تم نے سمندری ڈاکوؤں کو دیکھا ہوا ہے — کیا یہ وہی
ہیں یا جنگلی لوگ ہیں؟"
چاندنی میں پیڈرو نے انہیں غور سے دیکھ کر کہا:
"یہ سمندری ڈاکو ہیں —"
عنبر بولا:
"یہی لوگ عمارہ کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ عمارہ
کو اذیت دے کر انہوں نے ہمارے بارے میں پوچھ لیا
ہوگا — اور اب یہ ہمیں پکڑنے یہاں آئے ہیں —"
پیڈرو نے کہا:
"اب کیا کریں، ہم نہتے ہیں اور ان کے پاس خنجر ہیں"
عنبر نے آہستہ سے پیڈرو کا کندھا دبا کر کہا:
"اب یہ ہوگا کہ میں تمہیں ایک تماشا دکھاؤں گا۔ تم
یہاں آرام سے بیٹھ کر تماشا دیکھو —"
پیڈرو کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ عنبر کا مطلب کیا ہے
اور وہ کس قسم کا تماشا دکھانا چاہتا ہے — شاید وہ مذاق کر
رہا ہے، مگر یہ مذاق کرنے کا وقت نہیں تھا —
اُس نے کہا:

"کیا تم مذاق کر رہے ہو؟"
لیکن عنبر آگے جا چکا تھا — وہ جھاڑیوں میں سے رینگتا
ہوا سامنے والی چھوٹی سی کھلی جگہ میں آگیا — ابھی تک وہ
گھاس پر ہی رینگ رہا تھا —
چاندنی رات میں پیڈرو اُسے گھاس پر رینگتے ہوئے دیکھ
رہا تھا —
سمندری ڈاکو بھی آگے بڑھتے چلے آرہے تھے۔ عنبر کو
تو کوئی ضرورت نہیں تھی کہ ڈاکوؤں پر چھپ کر وار کرتا —
جونہی سمندری ڈاکو ذرا قریب آتے — عنبر اُٹھ کر سامنے
آگیا —
ڈاکو ایک سیکنڈ کے اندر اندر سمجھ گئے کہ جس شکار کو
وہ تلاش کرتے پھرتے ہیں وہ یہی ہے — دونوں ڈاکو خنجر لہراتے
ہوئے عنبر پر ٹوٹ پڑے —
وہ عنبر کو بڑا آسان شکار سمجھ رہے تھے اور بات بھی
ایسی ہی تھی — کیونکہ عنبر اکیلا اور نہتا تھا — ڈاکو دو تھے
اور خنجر ان کے ہاتھوں میں تھے —
جس وقت ڈاکوؤں نے عنبر پر حملہ کیا تو پیڈرو کا دل
ڈوب گیا — اسے یقین تھا کہ عنبر ان ڈاکوؤں کے ہاتھوں قتل
ہو چکا ہے اور اب اُسے عنبر کی لاش اسی جنگل میں ڈاکوؤں

کے جانے کے بعد دفن کرنی ہو گی ــــ

اُسے عنبر سے بڑا اُنس ہو گیا تھا اور پیڈرو نہیں چاہتا تھا کہ اپنے دوست کی لاش گدھوں اور درندوں کے حوالے کرکے اس جزیرے سے واپس جائے ۔

جھاڑی کے پیچھے چھپا پیڈرو بڑی بے بسی سے دیکھ رہا تھا ۔ کہ ڈاکوؤں نے عنبر کو نیچے گرایا ہوا ہے اور اس پر خنجروں کے وار کر رہے ہیں ــــ

عنبر چاہتا تھا کہ ڈاکو اپنی حسرت نکال لیں ۔ مرنے کے بعد اُن کی روحوں کو یہ پچھتاوا نہ لگے کہ انہوں نے عنبر پر وار نہیں کیے تھے ــــ

ڈاکو اب کچھ کچھ حیران سے ہونے لگے تھے ۔ کیونکہ انہوں نے عنبر پر اتنے خنجر مارے تھے کہ اس کا تو قیمہ ہو جانا چاہیے تھا ، لیکن وہاں معاملہ بالکل الٹ تھا ــ عنبر بڑے آرام سے نیچے پڑا مُسکرا رہا تھا ۔

جب دونوں ڈاکو تھک گئے اور خنجر ان کے ہاتھوں کو زخمی کرتے ہوتے ٹوٹ گئے تو عنبر نے دونوں کے ہاتھ پکڑ لیے اور پھر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا ــ پھر اس نے دونوں کی گردنیں پکڑ کر پوری طاقت سے ان کے سر ایک دوسرے سے ٹکرا دیے ــــ

ٹھاہ کی آواز آئی اور دونوں کی کھوپڑیاں ٹوٹ پھوٹ گئیں ــ اور دماغ باہر نکل آئے ــ عنبر اُن کی لاشیں وہیں چھوڑ کر پیڈرو کی طرف واپس مُڑا ــ

پیڈرو کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا ــ ایسا منظر اُس نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ــ عنبر میں اس قدر طاقت ہو گی ، اُسے معلوم نہیں تھا ــ ابھی تک وہ یہی سمجھا تھا کہ عنبر نے نیچے پڑے پڑے ڈاکوؤں کے وار بچائے تھے اور پھر اپنی جسمانی طاقت کے بل بوتے پر دونوں کے سر ٹکرا کر انہیں ہلاک کر دیا تھا ــ

عنبر آیا تو پیڈرو نے کہا :

" تمہارے جسم میں ایک پہلوان ایسی طاقت کہاں سے آ گئی ہے ؟ تم تو ایک دبلے پتلے نوجوان ہو عنبر ؟ "

عنبر بھی سمجھ گیا کہ پیڈرو یہی سمجھ رہا ہے کہ اُس نے خنجروں کے وار بچائے ہیں ــ

عنبر ہنس دیا اور صرف اتنا کہا کہ وہ اس قسم کی لڑائیوں کا بڑا ماہر ہے ــ

" اب آگے بڑھو ، ہمیں دن نکلنے سے پہلے پہلے ڈاکوؤں کے جہاز پر پہنچ کر عمارہ کو رہا کروانا ہے ــ اگر وہ چلے گئے تو بڑی مشکل ہو جائے گی ! "

اور وہ دونوں جزیرے کے تاریک جنگل میں سمندر کی طرف بڑھنے لگے — جہاں سمندری ڈاکوؤں کا جہاز کھڑا تھا —

جہاز جل گیا

سامنے ڈاکوؤں کا جہاز سمندر میں کھڑا تھا —
اس کے ساتھ ہی کپتان پیڈرو کا تجارتی جہاز بھی تھا —
چاندنی رات میں دونوں جہاز ساتھ ساتھ کھڑے صاف نظر آ رہے تھے — عنبر اور پیڈرو درختوں کے پیچھے ان جہازوں کو دیکھ رہے تھے — جہاں خاموشی تھی — شاید سارے ڈاکو سو رہے تھے —

عنبر نے کہا :

"ہمیں اسی وقت حملہ کر دینا چاہیے —"

پیڈرو بولا :

"حملے سے تمہاری کیا مراد ہے ؟ یعنی ہم دو نہتے ان تلواروں والے ڈاکوؤں پر حملہ کریں گے ؟"

عنبر نے کہا :

"بہت سی باتیں ابھی تم ایسی دیکھو گے جو تمہاری سمجھ میں

نہیں آئیں گی۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ تم مجھ سے کوئی سوال
نہ کرو اور خاموشی سے دیکھتے جاؤ کہ میں کیا کرتا ہوں۔ تم
صرف ایسا کرو کہ جو میں کہوں چپ چاپ کرتے جاؤ۔"

عنبر نے ایک نظر سے دونوں جہازوں کا جائزہ لیا۔ اُسے
یقین تھا کہ عمارہ کو ڈاکوؤں نے اپنے جہاز میں ہی رکھا ہوگا۔
عنبر سے ایک غلطی ہوگئی تھی۔ اُسے چاہیے تھا کہ دونوں ڈاکوؤں
کو ہلاک کرنے سے پہلے پوچھ لیتا کہ عمارہ جہاز میں کس جگہ پر
قید ہے، پھر اسے خیال آتا کہ ہو سکتا ہے، عمارہ ان ڈاکوؤں
کے قبضے میں نہ ہو بلکہ اسے کوئی درندہ اُٹھا کر لے گیا ہو،
لیکن اگر درندہ اٹھا کر لے جاتا تو وہ ضرور شور مچاتی اور پیڈرو
اُس کی چیخوں کی آواز سُن سکتا تھا۔ اس کا مطلب یہی نکلتا
تھا کہ ڈاکوؤں نے پہلے کسی طریقے سے عمارہ کو بے ہوش کیا
ہوگا اور پھر اسے اُٹھا کر جہاز پر لے گئے۔

عنبر نے پیڈرو سے کہا:

"تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں ڈاکوؤں کے جہاز کی طرف جا
رہا ہوں۔"

پیڈرو نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا:

"کیا تم اکیلے جاؤ گے؟"

عنبر نے کہا:

"ہاں، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم اپنی جان سے ہاتھ
دھوؤ۔"

پیڈرو نے کہا:

"مگر تم اتنے سارے ڈاکوؤں میں کیسے زندہ رہو گے؟"

عنبر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

"میری زندگی اور موت خدا کے ہاتھوں میں ہے۔ تم
یہاں سے مت جانا۔ میں واپس اسی جگہ آ رہا ہوں۔"

پیڈرو چُپ چاپ سا ہو کر اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ عنبر درختوں
سے نکل کر سمندر کے ساحل کی طرف گیا۔ پیڈرو نے دیکھا،
پھیکی چاندنی میں عنبر پرلی طرف سے ہو کر جہاز کی طرف بڑھ
رہا تھا۔

تھوڑی دُور تک وہ پیڈرو کو دکھائی دیتا رہا، پھر رات
کے اندھیرے اور چاندنی میں گم ہوگیا۔ پیڈرو نے اوپر درختوں
کی طرف دیکھا، ایک خاموشی اور اندھیرا تھا اور کچھ بھی نہیں
تھا۔ جزیرے کے ساحل کی طرف سے سمندری ہوا آ رہی تھی۔
جنگل اس کے پیچھے سنسان تھا۔ اگر پیچھے جنگل سے نکل کر کوئی
درندہ اُس پر حملہ کر دے تو اس کے پاس مقابلہ کرنے کے لیے
کوئی معمولی سا چاقو بھی نہیں تھا۔ مگر ابھی تک یہی ثابت ہوا
تھا کہ اس جزیرے میں درندہ کوئی نہیں ہے۔

پیڈرو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سامنے اپنے جہاز کو دیکھ رہا
تھا جس میں اس کا لاکھوں روپے کا سامان بھرا ہوا تھا اور
جو اب ڈاکوؤں کے قبضے میں تھا —

عنبر کی باتوں پر اُسے زیادہ اعتبار نہیں تھا — اعتبار کرتا
بھی کیسے؟ بھلا ایک دُبلا پتلا سا نوجوان اتنے ڈاکوؤں کا اکیلا
کیسے مقابلہ کر سکتا تھا — بس وہ خاموشی سے اس ڈرامے کو
دیکھے جا رہا تھا جو عنبر اسے دکھا رہا تھا — دونوں جہازوں پر
موت کی خاموشی تھی۔

عنبر اوپر سے ہو کر سمندر کی لہروں کے ساتھ ساتھ جہازوں
کی طرف چلا جا رہا تھا — رات اتنی سنسان تھی کہ ہلکی چاندنی
کے باوجود وہاں کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا — دونوں جہاز
ایک بہت بڑے پہاڑوں کی طرح اپنی جگہ پر جمے ہوئے تھے۔
دونوں کے بادبان لپٹے ہوئے تھے اور لنگر سمندر میں گرے ہوئے
تھے — عنبر بڑی احتیاط سے چھپ چھپ کر آگے بڑھ رہا تھا۔
کیونکہ عمارہ ڈاکوؤں کے قبضے میں تھی اور ڈاکو اسے نقصان
پہنچا سکتے تھے۔

عنبر کی جیب میں ناگ کی لاش سانپ کے دو ٹکڑوں کی شکل
میں رکھی ہوئی تھی — جب بھی اس کا خیال اپنے بھائی اور پرانے
دوست کی اس لاش کی طرف جاتا تو اس کا دل دھک سے

رہ جاتا — ماریا بھی اس کے پاس نہیں تھی اور راجکماری کو لے
کر ہندوستان کے جنگلوں میں سفر کر رہی تھی۔ اُسے بھی ابھی تک
کچھ خبر نہیں تھی کہ ناگ کے ساتھ کیا بھیانک حادثہ گزر چکا
ہے —

عنبر کو پیڈرو نے دور ہی سے بتا دیا تھا کہ اس کا جہاز
کون سا ہے اور ڈاکوؤں کا جہاز کون سا ہے۔ وہ ڈاکوؤں کے
جہاز کے پہلو میں آ گیا — وہ سامنے سے جہاز پر سوار ہونا
نہیں چاہتا تھا؛ حالانکہ سامنے جہاز پر سیڑھی بھی لگی ہوئی تھی۔
وہ ڈاکوؤں کے جہاز پر بے خبری میں جانا چاہتا تھا تاکہ خاموشی
ہی خاموشی میں عمارہ تک پہنچ جائے — اس کی ایک ہی
صورت تھی کہ وہ سمندر میں سے ہو کر جہاز کے دوسری طرف
آ جائے — وہاں کوئی کشتی بھی نہیں تھی —

عنبر نے سمندر میں آہستہ سے چھلانگ لگا دی — سمندر
کی لمبی لمبی لہریں دُور دُور سے آ کر ساحل سے ٹکرا کر واپس چلی
جاتی تھیں۔ جب ایک لہر واپس جانے والی تھی تو عنبر سمندر میں
اترا۔ یہ لہر اُسے اپنے ساتھ دُور تک لے گئی — یہاں سے عنبر
واپس تیرتا ہوا رات کی خاموشی میں جہاز کے قریب آ گیا —
لنگر کا رسّہ آدھا سمندر میں تھا اور باقی آدھا اوپر جہاز کے
عرشے کے جنگلے کی طرف جا رہا تھا — عنبر تیرتا تیرتا رستے کے

پاس آ گیا — پھر وہ رسّے پر آہستہ آہستہ چڑھنے لگا — وہ بلی
کی طرح اُوپر جا رہا تھا —

بس اُسے ایک ہی ڈر تھا کہ اگر ڈاکوؤں نے اُسے دیکھ
لیا یا پکڑ لیا تو ہو سکتا ہے، وہ عمارہ کو قتل کر دیں — کیونکہ
وہ عنبر کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے — ہو سکتا ہے، طیش
میں آ کر وہ اپنی ناکامی کا بدلہ عمارہ کو ہلاک کر کے لینے کی
کوشش کریں —

اگر عمارہ وہاں نہ ہوتی یا عنبر کو خیال نہ ہوتا کہ عمارہ
وہاں ہو سکتی ہے تو وہ بے دھڑک ڈاکوؤں پر جا کر حملہ کر
دیتا — مگر اب ایسا نہیں تھا — اُسے ہر قدم سوچ سمجھ کر
اٹھانا پڑ رہا تھا —

عنبر نے جہاز کے عرشے پر سر نکال کر دیکھا — عرشہ خالی
پڑا تھا، جہاں سے ایک لکڑی کی سیڑھی والا راستہ جہاز کے نیچے
جاتا تھا۔ وہاں ایک ڈاکو پہرہ دے رہا تھا اور اُونگھ بھی رہا
تھا — کبھی وہ اُٹھ کر چلنے پھرنے لگتا اور کبھی بیٹھ کر اُونگھنے
لگ جاتا — اُس کے ہاتھ میں ایک ننگی تلوار تھی —

جس وقت پہرے دار نے اُونگھنا شروع کیا — اس وقت
عنبر جلدی سے جنگلہ پھلانگ کر عرشے پر آ گیا اور جھک کر
دبے پاؤں بھاگ کر جہاز کے بڑے ہوادان کے پاس آ کر

نیچے ہو کر ایکدم بیٹھ گیا، کیونکہ اس مسخرے پہرے دار نے اب
پھر اُٹھ کر سیڑھیوں کے دروازے کے آگے چلنا پھرنا شروع
کر دیا تھا — پہرے دار کو خبر ہی نہ ہوئی کہ عنبر اس کے جہاز
پر پہنچ چکا ہے — اب اُس کے سامنے جہاز کے نیچے جانے
کا مرحلہ تھا —

عنبر کے دماغ میں ایک ترکیب آئی — اس نے سوچا کہ
کیوں نہ وہ اس پہرے دار ڈاکو کا حُلیہ بدل کر نیچے جائے۔
اس طرح سے کچھ دیر تک اور خاص طور پر رات کے اندھیرے
میں اُسے کوئی نہ پہچان سکے گا —

یہ سوچ کر عنبر نے ہوادان کی دوسری طرف آ کر جہاں
رسّوں کے بڑے بڑے گچھے پڑے تھے، وہاں سے آگے کھسکنا
شروع کیا اور پہرے دار کے عقب میں آ گیا —

خدا جانے پہرے دار کو اس کی موت نے آواز دی تھی
یا اُس نے سچ مچ عنبر کے قدموں کی آواز سُن لی تھی کہ وہ
ایکدم سے رُکا — گردن گھما کر اُن رسّوں کے گچھوں کی طرف
دیکھا جہاں عنبر چھپا ہوا تھا اور تلوار لیے اُس طرف آ گیا۔ عنبر
یہی تو چاہتا تھا کہ کسی طرح سے وہ دروازے سے کچھ دور ہٹ
جائے — عنبر ایک طرف اندھیرے میں ہو گیا — ڈاکو جونہی
رسّوں کے پاس اندھیرے میں آیا، اُس کی گردن پر جیسے کوئی

بھاری شے آکر زور سے گری اور وہ منہ کے بل رسّوں پر گر
پڑا — اس کے بعد اس پہرے دار ڈاکو کے اُٹھنے کا سوال
ہی پیدا ہوتا تھا — کیونکہ عنبر نے کافی زور سے مُکّا مارا تھا
اور اُسے مُکّا لگتے ہی گردن کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز بھی
آئی تھی — یہی وجہ تھی کہ عنبر نے پہرے دار کے جسم کو فوراً
لاش سمجھ لیا اور اُسے گھسیٹ کر اندھیرے میں لے گیا۔ وہاں
لے جا کر اُس کے کپڑے اتار کر خود پہنے — سر پر لال رومال
باندھا — اپنے بالوں کو بکھرا دیا اور ہاتھ میں تلوار پکڑ لی۔ عنبر
کا رنگ گندمی تھا — جیسا کہ قدیم مصر کے لوگوں کا ہوا کرتا
تھا۔ اس لیے وہ بڑی آسانی سے ڈاکو لگ رہا تھا —

پھر ڈاکو کی لاش کو اُس نے رسّوں کے گچھوں کے
درمیان جو چھوٹا سا کنواں بن گیا تھا، وہاں پھینک دیا۔ کیونکہ
سمندر میں لاش پھینکنے سے آواز پیدا ہوتی اور ڈاکو خبردار ہو
سکتے تھے —

عنبر ڈاکوؤں کے حُلیے میں سیڑھیوں کے پاس آ کر پہرہ
دینے لگا — ناگ کی لاش کے دونوں ٹکڑے رومال میں
لپیٹ کر اُس نے اپنی کمر کے گرد باندھ لیے تھے —

اس نے سیڑھیوں میں جُھک کر دیکھا — کوئی اُوپر آ
رہا تھا — عنبر جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور چل پھر کر پہرہ

دینے لگا — دل میں وہ آنے والے کو کوس رہا تھا کہ اس
کمبخت کو بھی اوپر آنے کے لیے یہی وقت رہ گیا تھا۔ کیونکہ
اس وقت رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی — آنے والا بھی
ایک ڈاکو ہی تھا — جو شاید نیچے کی گرمی سے تنگ آ کر
اوپر کھلی ہوا میں سونے آ گیا تھا —

عنبر نے اس سے کوئی بات نہ کی کہ کہیں اُس کی
آواز پر ڈاکو کو شک نہ ہو جائے — ویسے بھی وہ آنے
والے ڈاکو سے دُور رہنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پہچانا نہ
جائے — آنے والا ڈاکو بھی ایک ہی اُلّو کی دُم تھا۔ آتے
ہی اس نے عنبر سے کہا :

"کیوں دوست مارنیو، صبح میرے سو روپے دے رہے
ہو نا؟"

عنبر کی بلا جانے کہ یہ کیسے سو روپے تھے جو وہ احمق
ڈاکو اس سے یا اُس پہرے دار سے لینا چاہتا تھا جس کی
لاش رسّے کے گچھوں کے درمیان پڑی تھی — اُس نے معمولی
سی ہوں ہاں کر دی — اس پر تو جیسے اس خبیث ڈاکو کو
غصّہ آ گیا — غرّا کر بولا :

"مارنیو، تم مُکر رہے ہو — میں ابھی یہ خنجر تمہارے
دل کے پار کر دوں گا — بولو، سو روپے دو گے کہ نہیں —

بولو — بولو۔"

کمبخت ڈاکو کا پارہ ایک دم چڑھ گیا تھا — یہ تو سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتا تھا —

عنبر نے کہا :

" ہاں، دوں گا — ضرور سو روپے دوں گا۔"

عنبر نے یہ جملہ جلدی سے اس لیے ادا کر دیا تھا کہ اس کا منہ بند ہو جائے گا اور وہ پرے ہٹ کر سو جائے گا۔ لیکن اس بدنصیب کی بھی موت اسے بار بار آوازیں دے رہی تھی — اس نے چونک کر کہا :

" مارینو، تمہاری آواز کیوں بدل گئی ہے ؟ تم — تم کون ہو ؟"

اور اس کے ساتھ ہی ڈاکو خنجر لے کر عنبر کی طرف بھاگ کر بلکہ چھلانگ لگا کر آ گیا اور عنبر کی گردن کو پکڑ کر اس کا چہرہ دیکھا تو چیخ مار کر سارے جہازی ڈاکوؤں کو وہاں جمع کرنے ہی والا تھا کہ عنبر نے عین وقت پر اس کی شہ رگ پر اپنا انگوٹھا رکھ دیا —

اب سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کہ اس کی آواز حلق سے باہر نکل سکتی — بس اس کے ناک میں سے خرخراہٹ کی دو تین آوازیں نکلیں اور ہاتھ سے خنجر اپنے آپ چھٹ کر لکڑی کے

فرش پر گر پڑا —

عنبر کو اب ایک اور ڈاکو کی لاش کو ٹھکانے لگانا پڑ گیا تھا — اسے اور تو کچھ نہ سوجھا، اس نے دوسرے ڈاکو کی لاش بھی پہلے والے ڈاکو کی لاش کے اوپر پھینک دی — وہ دبے پاؤں چلتا دروازے کے پاس آ گیا۔ نیچے دوسری منزل کو جاتی سیڑھی خالی تھی — عنبر نیچے اتر گیا —

پرانے زمانے کے بادبانی جہازوں کی دوسری منزل میں بڑے تنگ راستے ہوا کرتے تھے — دو چار کوٹھڑیاں بنی ہوتی تھیں — اور سب سے نچلی منزل میں کاٹھ کباڑ اور گودام بنا ہوتا تھا۔ یہ منزل سمندر کے پانی میں ڈوبی رہتی تھی —

دوسری منزل کا راستہ ایک تنگ گلی کی طرح تھا — عنبر نے چونکہ ڈاکوؤں کا لباس پہن رکھا تھا — اس لیے وہ ذرا بے فکری سے چل رہا تھا — لیکن وہ چوکنا بھی تھا کہ کسی پر اس کا راز نہ کھل جائے — آمنے سامنے جو لکڑی کی چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں بنی تھیں وہ چار پانچ ہی تھیں — ان میں خاموشی تھی۔ ڈاکوؤں نے شاید ان کوٹھڑیوں میں بھی لوٹ کا مال بھر رکھا تھا — ڈاکو شاید نچلی منزل کے عرشے پر ہوادان کی ٹھنڈی ہوا کے نیچے سو رہے تھے، کیونکہ وہاں ہوا کی اتنی تیزی نہیں ہوتی جتنی جہاز کے اوپر ہوتی ہے —

عنبر اس جگہ کی تلاش میں تھا جہاں ان ڈاکوؤں نے عمارہ کو قید کر رکھا تھا — وہ جگہ یا تو کوئی کوٹھڑی یا نچلی منزل کا گودام ہی ہو سکتا تھا — عنبر نے فیصلہ کیا کہ پہلے جلدی جلدی ان کوٹھڑیوں کی تلاشی لی جائے —

ایک کوٹھڑی کے دروازے کو اس نے آہستہ سے اندر کی طرف دھکا دیا — دروازہ تھوڑی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا — اندر اندھیرا تھا — عنبر نے اندر جا کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا — کوٹھڑی میں کوئی انسان نہ تھا — صرف بڑے بڑے ٹاٹ کے بنڈل پڑے تھے —

اسی طرح دوسری کوٹھڑی میں بھی لوٹ مار کا سامان بھرا پڑا تھا — تیسری کوٹھڑی کا دروازہ باہر سے بند تھا — عنبر کے دل میں شک ہوا کہ شاید اسی کوٹھڑی میں ڈاکوؤں نے عمارہ کو قید کر کے باہر سے تالا لگا دیا ہے — تالا کھولنا اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا — اس نے تالے کو ہاتھ میں پکڑ کر آہستہ سے جھٹکا دیا — تالا قبضے اور کنڈے سمیت اکھڑ کر عنبر کے ہاتھ میں آ گیا —

وہ کوٹھڑی میں آ گیا اندھیرے میں بھی اندر رکھے ہوئے مسافروں کے لوٹے ہوئے صندوق اور ریشمی کپڑوں کے تھان، چاندی کے میز، گلدان، گلاب پاش اور پلنگ پڑے تھے —

عمارہ یہاں بھی نہیں تھی — عنبر اب چوتھی کوٹھڑی کی طرف بڑھا —

وہ تیسری کوٹھڑی سے نکل ہی رہا تھا کہ ایک ڈاکو تلوار کمر میں لٹکائے جمائی لیتا اس کی طرف آ گیا اور عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر رازداری سے بولا :

"چوری کرنا تھی دوست تو مجھے بھی ساتھ ملا لیتے۔ اب تمہیں مجھے بھی حصہ دینا ہو گا — نہیں تو میں ابھی سردار کو آواز دے کر بلا لیتا ہوں اور دوسرے لمحے تمہاری گردن کے بغیر لاش سمندر میں مچھلیاں کھا رہی ہوں گی :"

عنبر نے آہستہ سے کہا :

"میرے ساتھ اندر آؤ —"

اور عنبر اُس تیسرے بدنصیب ڈاکو کو لے کر کوٹھڑی کے اندر آ گیا — یہ وہ ڈاکو تھے، جنہوں نے نہ جانے کتنے لوگوں کا سامان لوٹ کر اُن کے اور اُن کے بال بچوں کو ہلاک کیا تھا — ان پر کوئی بھی رحم نہیں کھا سکتا تھا — کوٹھڑی کے اندھیرے میں آتے ہی عنبر نے دروازہ بند کر دیا اور کہا :

"پہلے یہ بتاؤ کہ وہ لڑکی کہاں ہے جو جنگل سے ملی تھی"

ڈاکو نے کہا :

"کیا تمہیں نہیں معلوم؟ تمہاری آواز ہمارے دوستوں ایسی

نہیں ہے — تم، تم کون ہو ؟"

اس اُلو کے پٹھے نے بھی وہی حرکت کی جو اس سے پہلے اس کا ڈاکو بھائی کر چکا تھا — یعنی کمر کے ساتھ بندھی ہوئی تلوار نکال کر عنبر پر حملہ کر دیا —

دروازہ عنبر پہلے ہی بند کر چکا تھا — اندھیرے میں عنبر نے ڈاکو کی گردن کا نشانہ لے لیا تھا — ڈاکو نے تو اپنی تلوار پوری طاقت سے عنبر کی گردن پر دے ماری تھی اور تلوار عنبر کی گردن سے ٹکرا کر ٹیڑھی ہو گئی تھی، لیکن عنبر نے اس طرف دھیان دیے بغیر بڑے سکون کے ساتھ ڈاکو کی شہ رگ انگوٹھے اور انگلی سے پکڑ لی اور ایک زوردار جھٹکے سے اُس کے گلے کے اندر سے باہر کھینچ لیا — اس قسم کا طریقہ عنبر نے پہلے کسی پر نہیں آزمایا تھا — یہ ایک بالکل ہی نئی بات تھی —

ڈاکو کی گردن پھاڑ کر لال لال شہ رگ کٹ کر عنبر کے ہاتھ میں آ گئی تھی اور ڈاکو پھٹی پھٹی پھیلی ہوئی آنکھوں سے عنبر کو اندھیرے میں دیکھتے دیکھتے نیچے فرش پر گر کر تڑپنے لگا تھا، کیونکہ اس کی گردن سے خون پرنالے کی طرح اُبل رہا تھا —

کمبخت نے عمارہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا؛ بہرحال

سمجھ گیا تھا کہ عمارہ دوسری منزل میں کہیں نہیں ہے۔ اب نچلی منزل کا گودام ہی دیکھنا رہ گیا تھا —

عنبر اس قسم کے پُرانے بادبانی جہازوں میں بہت سفر کر چکا تھا — وہ جانتا تھا کہ کون سا راستہ کدھر کو جاتا ہے۔ وہ بڑی آسانی سے جہاز کی نچلی منزل میں اُتر گیا۔ یہاں ایک جانب وہ ڈیک تھا جہاں ڈاکو سوئے ہوئے تھے اور فراٹے بھر رہے تھے — دوسری جانب گودام تھا — گودام کا دروازہ بند تھا اور باہر پُرانی طرز کا موٹا سا تالا لگا تھا —

عنبر نے تالے کو اکھاڑ ڈالا — کیونکہ ٹوٹنے سے آواز پیدا ہونے کا خطرہ تھا — دروازہ تھوڑا سا کھول کر عنبر گودام میں چلا گیا — یہاں بھی اندھیرا تھا، مگر عنبر کی نظریں اندھیرے میں بھی تھوڑا بہت دیکھ لیا کرتی تھیں — گودام مختلف قسم کی کاٹھ کباڑ چیزوں سے بھرا ہوا تھا — دیواروں کے ساتھ ساتھ سامان کا ڈھیر لگا تھا — کونے میں اسے ایک پرانا پلنگ دکھائی دیا. جس پر کوئی اوندھے منہ پڑا تھا — عنبر لپک کر پلنگ کے پاس گیا —

یہ عمارہ تھی —

اس کے بال بکھرے ہوئے تھے — جسم پسینے میں تر بتر تھا. اور وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ عنبر نے آہستہ سے اُسے

بیدار کیا۔۔ عمارہ نے آنکھیں کھول کر عنبر کو دیکھا اور اس کے ویران چہرے پر خوشی کی لہریں پھیل گئیں ۔۔ عنبر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا :

" بولنا نہیں ، میرے ساتھ آؤ "

عمارہ پہلے تو عنبر کو ڈاکوؤں کے لباس میں پہچان نہ سکی تھی ، لیکن جب وہ اُس پر جھکا تو وہ اس کی آنکھوں کی چمک کو فوراً پہچان گئی ۔۔ وہ پلنگ پر سے اٹھی اور عنبر کے پیچھے پیچھے چلتی گودام سے باہر آگئی ۔

ڈاکو سو رہے تھے ۔۔ گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے ۔۔ اُن کے خراٹوں کی آوازیں اب چھت سے ٹکرا کر نیچے آ رہی تھیں ۔ عنبر عمارہ کو ساتھ لیے سیڑھیاں چڑھ کر جہاز کی دوسری منزل کے تنگ راستے میں سے گزرنے لگا اچانک ایک کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور اندر سے جہاز کا سردار ، خونی ڈاکوؤں کا سردار کسی کو گالیاں بکتا باہر نکلا ، اس کی نظر جو عمارہ پر پڑی تو تلوار کھینچ کر گرجا :

" تم کو یہ کون اغوا کر کے لے جا رہا ہے ؟ "

اس نے عنبر کو اپنا ہی ڈاکو سمجھا تھا جو سردار کی امانت میں خیانت کر کے اُسے اغوا کر کے لے جا رہا تھا ۔۔ سردار نے تلوار کا بھرپور وار کیا ۔۔ تلوار عنبر کے سر پر لگی اور ٹیڑھی ہوگئی ۔

سردار نے اپنی تلوار کو اور پھر عنبر کو حیرت سے دیکھا ۔۔

" تم نے سر پر لوہے کا توا باندھ رکھا ہے بد بخت ، تیری موت آگئی ہے ۔۔ "

اور سردار نے عنبر کی گردن پر تلوار کا دوسرا وار کیا ۔ اس بار ڈاکوؤں کے سردار کی تلوار ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہوگئی ۔ اُس نے خنجر نکال لیا ۔۔

خوش قسمتی کی بات یہ ہوئی تھی کہ سردار نے ابھی تک اپنے ساتھی ڈاکوؤں کو آواز نہیں دی تھی ۔۔ اگر وہ دوسرے ڈاکوؤں کو بھی بُلا لیتا تو عمارہ کا قتل ہو جانا یقینی تھا ۔ عنبر نے سوچا کہ جتنی جلدی ہو سکے اس ڈاکوؤں کے سردار کو ہلاک کر دینا چاہیے تاکہ اسے شور مچانے کا موقع ہی نہ مل سکے ۔ پس جب ڈاکوؤں کے سردار نے خنجر نکالا تو عنبر نے ایک بازو اُٹھا کر اپنا بھرپور ہاتھ سردار کی گردن پر دے مارا ۔

سردار کی گردن ایک دم ٹیڑھی ہوگئی ۔۔ اس کی گردن کی ہڈی کئی جگہوں سے ٹوٹ گئی تھی ۔۔ وہ دھڑام سے تاریک راہداری میں گر پڑا ۔۔

عنبر نے عمارہ سے کہا :

" جلدی سے اسے گھسیٹ کر اندر لے چلو ۔۔ "

دونوں مل کر سردار کی لاش کو گھسیٹ کر اس کے کیبن

بیں لے گئے —

لاش کو کیبن میں بند کر کے عنبر نے اندر لالٹین میں سے مٹی کا تیل چھڑک دیا — دونوں تیزی سے باورچی خانے کی طرف گئے — وہاں مٹی کے تیل کا ڈرم پڑا تھا — عنبر نے نچلے عرشے سے اوپر آنے والا راستہ بند کر دیا تھا — پھر اس نے مٹی کا تیل سارے رستے میں پھیلا دیا اور دو پتھروں کو ٹکرا کر ایک کپڑے کے ٹکڑے کو آگ لگائی اور وہ جلتا ہوا ٹکڑا آگ پر ڈال دیا —

عنبر نے عمارہ کو ساتھ لیا اور جہاز کے لنگر پر سے اُتر کر ساتھ والے پیڈرو کے تجارتی جہاز پر عمارہ کو چڑھایا اور خود پیڈرو کو لینے ساحل سے جنگل کی طرف بھاگا — پیڈرو نے بھی عنبر کو دیکھ لیا تھا، وہ سمجھا کہ شاید کوئی گڑ بڑ ہو گئی ہے جو عنبر یوں دیوانہ وار بھاگا آ رہا ہے — قریب آ کر عنبر نے کہا :

" جلدی سے اپنے جہاز پر آؤ "

پیڈرو بھی اپنے جہاز کی طرف اُٹھ دوڑا — اس وقت ڈاکوؤں کے جہاز میں سے کہیں کہیں سے دھواں اُٹھنے لگا تھا — جب یہ لوگ اپنے جہاز پر پہنچے تو ڈاکوؤں کے جہاز کے اوپر والے دروازے میں سے آگ کا ایک شعلہ بھڑک کر باہر نکل آیا — ڈاکو اندر بند ہو گئے تھے — وہ شور مچا رہے تھے اور دروازے

کو توڑنے کی کوشش کر رہے تھے —

کپتان پیڈرو نے عنبر کے ساتھ مل کر اپنے جہاز کا لنگر اٹھا دیا — اور بادبان کھول دیے — پچھلے پہر کی ہوا چلنے لگی تھی — اس ہوا نے بادبانوں کو پھُلا دیا اور جہاز چلنے لگا — دوسرے جہاز کے ڈاکوؤں نے دروازہ توڑ دیا تھا — اور جلتے ہوئے جہاز میں سے سمندر میں چھلانگیں لگا رہے تھے — وہ پیڈرو کے جہاز کی طرف آنے کی کوشش کر رہے تھے مگر سمندر کی لہریں انہیں قریب نہیں آنے دے رہی تھیں — ویسے بھی پیڈرو کے جہاز کی رفتار کچھ تیز ہو گئی تھی —

بہت جلد ڈاکوؤں کے جہاز کو آگ نے اپنے شعلوں کی لپیٹ میں لے لیا — اس کے بادبان پھڑکنے لگے، جیسے سمندر میں آتشبازی چل رہی ہو — عنبر، عمارہ اور پیڈرو اپنے جہاز کے عرشے پر کھڑے اس آگ کا نظارہ کر رہے تھے — بحری ڈاکو جزیرے کے ساحل کی طرف تیرتے ہوئے جا رہے تھے — کئی ایک اندر ہی جل کر سیاہ ہو گئے تھے —

پیڈرو نے کہا :

" ان لوگوں کو خدا نے ظلم کی سزا دی ہے — اب یہ اس جزیرے پر ہی باقی زندگی بسر کریں گے — کیونکہ اس طرف شاید ہی کبھی کوئی جہاز آتا ہے "

عنبر نے کہا :

" ہاں ، ظلم کا بدلہ مل کر رہتا ہے ۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ کسی پر ظلم نہ کرے ۔ "

عمارہ بڑی خوش تھی کہ اب وہ اپنے وطن جا سکے گی ۔

عنبر نے پیڈرو سے پوچھا کہ اس مقام سے سپین کی بندرگاہ کا فاصلہ کتنا ہے اور انہیں وہاں تک پہنچنے میں کتنے دن لگ جائیں گے ۔

پیڈرو نے جہاز کی بڑی چرخی کو ایک جگہ پر سیٹ کر دیا تھا اور مضبوط رسّے کے ساتھ باندھ دیا تھا ۔ کیونکہ وہ اکیلا آدمی تھا جسے جہاز کا رُخ بھی بدلنا تھا اور بادبانوں کا بھی خیال رکھنا تھا ۔

پیڈرو نے عنبر کو بتایا :

" اگر ہوا ٹھیک چلتی رہی اور راستے میں کوئی حادثہ پیش نہ آیا تو وہ پندرہ دنوں کے بعد سپین پہنچ جائیں گے ۔ " جہاز پر کئی ماہ کی خوراک اور پانی تھا ۔ عنبر نے ناگ کے جسم کو ایک صندوقچی میں بند کر کے جہاز میں اپنے کیبن میں رکھ دیا اور جہاز نے سپین کی طرف اپنا لمبا سفر شروع کر دیا ۔

کالا جادوگر اور چڑیل عورت

سمندری سفر آرام سے کٹ گیا ۔

جہاز سولہویں دن سپین کی بندرگاہ پر جا کر لگ گیا ۔ عنبر کو واپسی کی جلدی تھی ۔ وہ جتنی جلدی ہو سکے کوہ ہمالیہ کے ناگ مندر میں جا کر ناگ کے کٹے ہوئے جسم کو مقدس تالاب میں رکھنا چاہتا تھا ۔

عمارہ اپنے وطن سپین پہنچ گئی تھی ۔ اب اُسے اپنے ماں باپ کے گھر تک پہنچنے میں کوئی مشکل نہیں تھی ۔ بندرگاہ سے اُن کا گھر ایک دن کے فاصلے پر تھا ۔ کپتان پیڈرو نے یہ ذمّے داری لی کہ وہ عمارہ کو اس کے گھر پہنچا دے گا ۔

عنبر نے عمارہ کو پیڈرو کے حوالے کیا اور اسی شام ایک ایسے سمندری جہاز میں سوار ہو گیا جو ہندوستان جا رہا تھا ۔ یہ ایک پرتگالی جہاز تھا جو ہندوستان جا رہا تھا ۔ رات کو سپین کی بندرگاہ سے روانہ ہو کر وہ دوسرے روز کھلے سمندر میں پہنچ گیا ۔

تیز ہوا کی وجہ سے جہاز کی رفتار بھی خاصی تیز تھی — جہاز کا
کپتان بڑا ہنس مکھ اور خوش اخلاق تھا۔ وہ عنبر کا دوست
بن گیا — عنبر نے اُسے یہی بتایا کہ وہ اپنے ایک دوست
سے ملنے ہندوستان جا رہا ہے —

جہاز افریقہ، مڈغاسکر اور برما سے ہوتا ہوا ہندوستان
کی بندرگاہ کالی کٹ پر جا کر ٹھہر گیا — یہی عنبر کی پہلی منزل
تھی۔ کالی کٹ اُتر کر عنبر نے ایک رات ہوٹل میں قیام کیا۔
اس کے پاس ایک چھوٹی صندوقچی تھی، جس میں ناگ کی
لاش پڑی تھی — ایک چھوٹی ڈلی سونے کی تھی — یہ ڈلی اُس
نے بازار میں جا کر فروخت کر دی، جو رقم ملی اس کی مدد سے
وہ ہمالیہ کے پہاڑوں کو جاتے راستے پر ایک قافلے کے ساتھ
روانہ ہو گیا —

سات دن کے بعد عنبر ایک چھوٹے سے قصبے میں پہنچا،
جہاں سے ہمالیہ پہاڑ کا سلسلہ شروع ہوتا تھا — آج سے سو
برس پہلے نہ موٹر گاڑیاں تھیں نہ بسیں تھیں — مسافر خچروں وغیرہ
پر یا پیدل سفر کرتے تھے —

عنبر نے ناگ کی لاش کے ٹکڑے صندوقچی میں سے نکال
کر دوبارہ رومال میں ڈالے اور اپنی کمر کے گرد باندھ دیے۔
اس خیال سے کہ صندوقچی کہیں گم نہ ہو جائے۔ جھیل مانسرور کا

ناگ مندر وہاں سے کافی دُور بلند پہاڑیوں میں تھا — وہاں تک
جانے والا راستہ بڑا خطرناک تھا اور تنگ گھاٹیوں، نوکیلی چٹانوں
خطرناک چڑھائیوں اور برفانی علاقوں سے ہو کر گزرتا تھا۔

عنبر کو ان سارے خطروں کا مقابلہ کرنا تھا اور وہ اس
کے لیے تیار تھا — قصبے میں ایک رات بسر کرنے کے بعد
دوسرے روز وہ ایک چھوٹے سے مندر میں پہنچا — وہ ناگ کے
بارے میں یہاں کے کسی پجاری سے پوری معلومات حاصل کرنا
چاہتا تھا — ان علاقوں میں وہ ایک ہزار سال پہلے آیا تھا،
مگر تب سے لے کر اب تک زمانہ بدل گیا تھا — پہلے والا مندر
ڈھے چکا تھا اور اُس کی جگہ جھیل مانسرور کے کنارے ایک
دوسرا ناگ مندر بن گیا تھا —

پجاری تو عنبر کو نہ ملا؛ البتہ وہاں ایک بوڑھا سادھو
اسے مل گیا — جب عنبر نے اُسے بتایا کہ وہ مسلمان سیاح ہے،
اور ناگ مندر کی سیر کرنا چاہتا ہے تو سادھو نے کہا:

"بیٹا، میں تمہاری ہمت کی قدر کرتا ہوں — لیکن تم مسلمان
سیاح کی حیثیت سے وہاں نہیں جا سکو گے"

"پھر میں کیا کروں؟"

"میں کچھ نہیں بتا سکتا — مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ
ناگ مندر میں صرف ہندو لوگ ہی جا سکتے ہیں"

اس کے ساتھ ہی عنبر کے دماغ میں ایک خیال آیا کہ
کیوں نہ وہ ہندو جوگی بن کر وہاں کا سفر کرے، پھر تو کوئی
اس پر شک نہیں کرے گا اور وہ بڑے اطمینان سے اپنا مشن
بھی پورا کرے گا —

عنبر وہاں سے واپس سرائے میں آگیا —

اسی روز شام کو اس نے سر منڈوا دیا — ماتھے پر سیندور
کا تلک لگا — جسم کو موٹے سیاہ کمبل میں چھپایا — ہاتھ میں
ترشول لیا اور ہری اوم ہری اوم کرتا ناگ مندر کے ملبے اور
خطرناک پہاڑی سفر پر روانہ ہوگیا۔

* * *

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم ماریا کا حال بھی معلوم کریں —
ماریا، راجکماری کو لے کر اس کے باپ کی ریاست کے قریب
پہنچ گئی تھی —

وہ ایک جنگل کی پگ ڈنڈی سے گزر رہی تھیں ——————
راجکماری ایک بیل گاڑی پر سوار تھی — یہ بیل گاڑی ماریا اور
راجکماری نے راستے میں ایک دیہاتی سے لے لی تھی — راجکماری
بیل گاڑی چلا رہی تھی — ماریا اس کے ساتھ ہی بیٹھی تھی —

شام کا وقت تھا — جنگل میں اندھیرا ہو رہا تھا۔ ایک
دریا جنگل کے ساتھ درختوں سے دور ساتھ ساتھ بہہ رہا تھا —
ماریا اور راجکماری باتیں کرتی جا رہی تھیں — انہیں جنگل میں
گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی —

ماریا نے کہا :

" خاموش، بیل گاڑی کو درختوں کے نیچے کر لو "

اس کا خیال تھا کہ وہ کچا راستہ چھوڑ دیں تاکہ جو گھوڑ سوار
ادھر آرہے ہیں، وہ آگے گزر جائیں — راجکماری نے بیل گاڑی
سڑک سے اتار کر گھنے درختوں میں جھاڑیوں کی اوٹ میں کر لی۔
بیل بڑے آرام سے کھڑا گھاس کھانے لگا — راجکماری کو لے
کر ماریا جھاڑیوں کے پاس آکر بولی :

" تم ان جھاڑیوں کے پیچھے بیٹھی رہو — میں آگے چل کر
دیکھتی ہوں کہ یہ گھوڑ سوار کون ہیں "

راجکماری کو اونچی جھاڑیوں کے درمیان چھوڑ کر ماریا کچے
راستے پر آکر جدھر سے گھوڑوں کی آواز آئی تھی، ادھر کو
چلنے لگی — وہ ابھی چند قدم ہی چلی ہوگی کہ تین گھوڑ سوار بڑی
تیزی سے گھوڑے دوڑاتے آئے اور جہاں راجکماری چھپی تھی، وہاں
سے قریب ہی درختوں کے نیچے جا کر رک گئے — گھوڑوں سے اتر
کر انہوں نے ایک بڑا تھیلا کھول لیا اور اس میں سے چیزیں

نکال نکال کر دیکھنے لگے۔

ماریا واپس مڑ کر ان گھوڑ سواروں کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ یہ کون لوگ ہیں اور تھیلے میں کیا دیکھ رہے ہیں۔ قریب جا کر ماریا نے دیکھا کہ ان لوگوں نے تھیلے میں سے ایک انسانی سر باہر نکال رکھا تھا۔ اور خنجر سے اس کی آنکھیں کھرچ کر نکال رہے تھے۔

ماریا ان لوگوں کے اس ظلم پر کانپ گئی۔ کس قدر پتھر دل تھے یہ لوگ۔ خدا جانے کس کا سر کاٹ کر لے آئے تھے اور اب اس کی آنکھیں نکال رہے تھے۔

ماریا نے غور سے دیکھا۔ سر کسی عورت کا تھا۔ کیونکہ سر پر لمبے لمبے بال تھے۔ ماریا کے دیکھتے دیکھتے انہوں نے عورت کے کٹے ہوئے سر کی دونوں آنکھیں نکال کر پھینک دیں اور قہقہے مار کر ہنس پڑے۔ وہ بڑے خوش ہو رہے تھے۔ یہ تینوں قاتل تھے۔ ان کی باتوں سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی عورت کا ابھی ابھی سر قلم کر کے لائے ہیں۔ اتنے میں گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔

تینوں قاتل ہوشیار ہوگئے۔ ایک نے دور درختوں کی طرف دیکھ کر کہا:

"اس کٹے سر والی عورت کا خاوند ہے۔"

"آنے دو۔" دوسرے قاتل نے تلوار کھینچ کر کہا۔

"اس کا بھی سر کاٹ کر اس کی بیوی کے سر کے ساتھ لے جا کر کھوپڑیاں فروخت کر دیں گے۔"

قتل ہو چکی عورت کا خاوند تلوار لہراتا وہاں آن پہنچا۔ اس نے تینوں قاتلوں کو للکارا کہ وہ ان سے اپنی بیوی کے قتل کا بدلہ لینے آیا ہے۔ یہ ایک بہادرانہ کام تھا۔ ماریا اس آدمی کی بہادری کے احساس سے بڑی خوش ہوئی۔ لیکن اس کا مر جانا یقینی تھا، کیونکہ وہ اکیلا تھا۔ اور اس کا مقابلہ تین ڈاکوؤں سے تھا جو تلوار چلانے میں ماہر تھے۔

تینوں قاتل تلواریں لے کر بے چاری مری ہوئی عورت کے خاوند پر پل پڑے۔ جھاڑی کے پیچھے چھپی راجکماری یہ خونی ڈرامہ بالکل صاف دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ یہ ڈرامہ اس کی آنکھوں کے سامنے کھیلا جا رہا تھا۔ خاوند پر تینوں قاتل اوپر تلے حملے کر رہے تھے۔

وہ تلوار چلاتا ہوا پیچھے ہٹ رہا تھا۔ قاتلوں کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ وہ اس کی بھی گردن اڑانے ہی والے تھے کہ ماریا اس کی مدد کو پہنچ گئی۔

جاتے ہی پہلا کام اس نے یہ کیا کہ ایک ڈاکو کی پیٹھ پر لات مار کر اسے زمین پر گرایا اور اس کی تلوار چھین لی۔

ڈاکو کی سمجھ میں یہی آیا کہ اس کے دشمن نے لات ماری ہوگی — پھر اس نے سوچا کہ اس کا دشمن تو سامنے ہے پھر یہ پیچھے سے اس کو لات کس نے ماردی؟ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ماریا نے تلوار کا ہاتھ مار کر اس کی گردن کاٹ کر سر الگ کر دیا — خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔

عورت کا خاوند بھی دیکھ کر ششدر سا ہوا کہ یہ گردن کس نے اڑا دی، کیونکہ اس نے تو کوئی وار نہیں کیا تھا۔ اتنے میں دوسرے قاتل کی بھی گردن کٹ کر سر نیچے گر پڑا — اب ایک ڈاکو باقی رہ گیا تھا، جس نے جنگل میں ایک طرف بھاگ کر چھپ جانے کی کوشش کی — مگر ماریا نے اس کی کوشش کو ناکام بنا دیا — اس نے دور ہی سے تلوار زور سے پھینکی — تلوار کی نوک بھاگتے ہوئے قاتل کے جسم میں اترتی چلی گئی اور وہ وہیں گر کر تڑپنے لگا۔

مقتول عورت کا خاوند حیران و پریشان کھڑا یہ سب کچھ منہ کھولے تک رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ یہ اپنے آپ تینوں قاتلوں کے سر کیونکر قلم ہو گئے —

ماریا اس پر اپنی آواز بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کی خاص ضرورت بھی نہیں تھی — ماریا نے اپنا کام کر لیا تھا — وہ راجکماری کے پاس آگئی اور اسے سارا قصّہ سنایا — راجکماری نے

آہستہ سے کہا:

"تم نے قاتلوں سے اس کی بیوی کے خون کا بدلہ لے لیا۔ بڑا اچھا کیا۔"

وہ آدمی کچھ دیر اپنی بیوی کا کٹا ہوا سر اپنی گود میں رکھ کر آنسو بہاتا رہا — پھر اس نے تینوں قاتلوں کے سر درخت کی ٹہنی کے ساتھ لٹکا دیئے اور بیوی کے سر کو تھیلے میں ڈال کر واپس روانہ ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد راجکماری اور ماریا نے بیل گاڑی کو جھاڑیوں کے پیچھے سے باہر نکالا اور جنگل کے کچے راستے پر ڈال دیا — آدھی رات تک وہ جنگل میں سفر کرتی رہیں — پھر راجکماری کو نیند آگئی اور ماریا نے بیل گاڑی روک دی —

وہ باقی رات آرام کرنا چاہتی تھی — راجکماری بیل گاڑی میں ہی لیٹ گئی تھی — بیل بھی آرام کرنے لگا — ماریا کو سونے کی ضرورت ہی نہیں تھی — وہ اتر کر جنگل میں ادھر ادھر ٹہلنے لگی —

اس نے جنگل میں ایک سادھو کو دیکھا جو ایک درخت کے نیچے آسن جمائے آنکھیں بند کیے خدا کی عبادت کر رہا تھا۔ ماریا اس کے قریب جاکر بڑی دلچسپی سے دیکھنے لگی —

سادھو کی بند آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ جسم بھوک
اور فاقوں سے سُوکھ کر کانٹا بن گیا تھا — سر کے بالوں میں
مٹی جمی تھی — یُوں لگتا تھا، جیسے یہ سادھو یہاں کئی سالوں
سے اسی طرح بیٹھا خدا کی یاد میں مگن ہے — اس قسم کی
عبادت ماریا کی سمجھ میں نہیں آتی تھی —

پُرانے زمانے کے آریا ہندو سادھو اسی طرح جنگلوں
میں عبادت کیا کرتے تھے۔ ماریا اسے نہیں سمجھتی تھی —
وہ جُھک کر سادھو کی آنکھوں کو دیکھنے لگی۔

اچانک سادھو کے ہونٹ ذرا سے ہلے اور مدھم آواز آئی:

"بیٹی کیا دیکھ رہی ہو؟"

ماریا تو اُچھل کر دو گز دُور جا کھڑی ہوئی۔ اس زندہ
لاش نے مجھے کیسے دیکھ لیا۔ وہ سوچنے لگی۔ اُس کی اس
سوچ کا بھی جیسے سادھو کو پتا چل گیا تھا — اس کے ہونٹ
پھر ہلے اور وہی آواز پھر بلند ہوئی:

"بیٹی، میں تمہیں ہر جگہ دیکھ سکتا ہوں — میں تمہیں اس
وقت بھی دیکھ رہا ہوں جب ابھی تم اس دنیا میں پیدا نہیں
ہوئی تھیں اور اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں جب تم اس دُنیا
میں نہیں ہوگی — تم ماریا ہو اور اپنے دو بھائیوں عنبر اور ناگ
سے بچھڑی ہوئی ہو — لیکن دیوتا تم پر خوش ہیں — کیونکہ تم

صرف انسانی ہمدردی کے لیے ایک ماں باپ سے بچھڑی ہوئی
لڑکی کو اس کے گھر چھوڑنے جا رہی ہو۔"

ماریا کا سارا راز اس سادھو پر کھل چکا تھا — ماریا ہاتھ باندھ
کر کھڑی ہوگئی اور بولی:

"سادھو مہاراج، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ میرے بھائی عنبر
اور ناگ اس وقت کہاں ہیں؟"

سادھو نے کہا:

"صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ عنبر اس وقت ہمالیہ کی
طرف پہاڑوں میں اکیلا سفر کر رہا ہے اور وہ ایک جوگی کے
بھیس میں ہے اور اس کی جیب میں تمہارے بھائی ناگ کی کٹی
ہوئی لاش ہے —"

"لاش؟" ماریا نے چیخ کر کہا۔

"ہاں، مگر وہ سانپ کی شکل میں ہے اور عنبر اُسے جھیل
مانسرور کے عظیم ناگ مندر لے جا رہا ہے تاکہ ناگ کی لاش کو
چھ ماہ تک مقدس تالاب کے پانی میں رکھا جا سکے۔"

ماریا نے سر پکڑ لیا:

"اوہ — خدایا، تو کیا ناگ کو کسی نے قتل کر دیا تھا؟"

سادھو نے کہا:

"ہاں، اس کی موت ابھی نہیں لکھی تھی، اسی لیے وہ بچ گیا۔"

"میں بہت جلد عنبر سے جا کر ملنا چاہتی ہوں۔"

سادھو نے کہا:

"تم اپنے وقت پر ہی وہاں جا سکو گی — ابھی تمہیں اس راجکماری کو اس کے ماں باپ کے پاس پہنچانا ہے۔ اب تم جاؤ اور مجھے عبادت کرنے دو۔"

سادھو خاموش ہوگیا — ماریا واپس آگئی۔

وہ ناگ کے بارے میں سُن کر پریشان ہوگئی تھی۔ اُس نے راجکماری سے کوئی بات نہ کی — جب وہ سو کر اُٹھی تو انہوں نے بیل گاڑی پر اپنا سفر پھر سے شروع کر دیا —

بارشوں کا موسم ابھی شروع نہیں ہوا تھا، نہیں تو ان جنگلوں میں سے گزرنا بہت مشکل تھا — بیل گاڑی راجکماری اور ماریا کو لے کر چھ روز کے بعد گھنے جنگلوں سے باہر نکل آئی — سہ پہر کا وقت ہوگیا تھا۔ سامنے ہرے بھرے کھیت پھیلے تھے، جن کے درمیان ایک کچا راستہ دُور ایک شہر کی فصیل کی طرف جاتا تھا —

راجکماری نے شہر کی فصیل کو دیکھ کر خوش ہو کر کہا:

"یہی میرا شہر ہے — اس شہر کے اندر میرے باپ کا محل ہے۔"

ماریا کو بھی یہ سُن کر تسلی ہوئی، کیونکہ وہ جلد سے جلد راجکماری

کو اس کے ماں باپ کے حوالے کر کے اپنے سفر پر روانہ ہونا چاہتی تھی — بیل گاڑی شہر کے دروازے پر پہنچی تو چوکیداروں اور پہرہ دینے والے سپاہیوں نے راجکماری کو پہچان کر نعرے لگانے شروع کر دیے —

مہارانی اور مہاراجہ کو جب پتا چلا کہ ان کی بیٹی واپس آگئی ہے تو وہ خوشی خوشی محل سے نکل آئے اور بیٹی کو گلے لگا لیا —

مہاراجہ نے پوچھا:

"بیٹی، تم نے اتنا لمبا اور خطرناک سفر اکیلے کیسے طے کیا؟"

راجکماری نے کہا:

"میں اکیلی نہیں تھی پتا جی، یہ — یہ میرے ساتھ ہیں۔"

راج کماری نے یوں ہی ایک طرف اشارا کیا — اُس کا خیال تھا کہ ماریا وہاں ہی کھڑی ہوگی — مگر ماریا وہاں پر نہیں تھی۔ وہ تو راجکماری کو شہر میں داخل ہوتا دیکھ کر وہاں سے واپس ہوگئی تھی —

وہ اکیلی کھیتوں میں چلی جا رہی تھی — اب اُس کی منزل ہمالیہ کے برفانی پہاڑوں کی وادی تھی — اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ اتنا خطرناک، لمبا اور مشکل سفر اکیلی کیسے طے کرے گی۔ مگر اُس کے دل میں حوصلہ تھا — ہمّت تھی — اُس نے ارادہ

کر رکھا تھا کہ وہ ہر حالت میں عنبر کو پاکر عظیم ناگ دیوتا کے مندر میں ضرور ملے گی ۔

راجکماری کی ریاست سے نکلتے ہی ماریا شمالی پہاڑی راستے پر ہو گئی ۔ یہ راستے اوپر ہمالیہ کے پہاڑی سلسلوں کی طرف جاتے تھے کافی عرصہ گزرا کہ ماریا عنبر کے ساتھ ان راستوں پر سے گزری تھی ۔ اب وہ ان راستوں کو بھول چکی تھی ۔

یہ ہندوستان کے بڑے ہی خطرناک جنگل تھے ۔ ان جنگلوں میں شیر، چیتے، ڈاکو اور اژدہا بہت تھے ۔ یہ ہمالیہ کی ترائی کا علاقہ کہلاتا تھا ۔ اور یہاں کے شیر، ہاتھیوں اور جن بھوتوں کا نام سن کر لوگ کانوں پر ہاتھ رکھتے تھے ۔

ماریا کے لیے ان جنگلوں میں سے پیدل گزرنا بہت مشکل کام تھا ۔ سواری یہاں کبھی کبھی کوئی بیل گاڑی جاتی ہی مل سکتی تھی یا کوئی گھوڑا یا خچر مل جائے ۔ کہ جس میں بیٹھ کر کچھ راستہ طے ہو جائے ۔

ماریا دن کے وقت راجکماری کی ریاست سے نکلی تھی اور اب دوپہر ہو رہی تھی ۔ بھوک پیاس تو اسے نہ لگتی تھی ۔ ہاں اب ایسا ضرور ہوتا تھا کہ وہ کبھی کبھی تھک جاتی تھی ۔ پیدل چلتے چلتے وہ تھک گئی تھی ۔

راستے میں ایک پہاڑی چشمہ آیا ۔ اوپر گھنے اونچے سایادار

درخت تھے ۔ بانس کے جھنڈ دور دور کھڑے تھے ۔ ماریا کچھ دیر آرام کرنے کے لیے یہاں رک گئی ۔

اس نے یہاں کپڑے دھوئے ۔ نہائی ۔ کپڑے سکھا کر پہنے ۔ بال نچوڑ کر ان میں کنگھی کی اور تھوڑی دیر کے لیے سو گئی ۔

جب سو کر اٹھی تو دھوپ ڈھل چکی تھی ۔ شام کا اندھیرا بڑھتا چلا آ رہا تھا ۔ ایک درخت کے ساتھ اناناس لگے تھے ۔ ماریا کو یہ پھل بہت پسند تھا ۔ اس نے ایک اناناس توڑ کر کھایا اور یہ سوچ کر پھر آگے روانہ ہوئی کہ رات ہونے سے پہلے پہلے کچھ اور سفر طے کر لے ۔

رات اسے اسی گھنے جنگل میں آگئی ۔

جنگل کی رات بہت جلد چھا جاتی ہے اور بڑی ڈراؤنی ہوتی ہے ۔ لیکن ماریا ان جنگلوں کی راتوں کی عادی تھی ۔ وہ افریقہ کے گھنے جنگلوں میں راتوں کو اکیلی سفر کر چکی تھی ۔ پھر بھی وہ ایسے جنگلوں میں راتوں کو مجبوری کی حالت میں ہی سفر کیا کرتی تھی ۔

اس نے ایک ندی دیکھی جس پر ایک جگہ ایک چٹان نے سایا ڈال رکھا تھا ۔ اس چٹان پر جنگلی انگوروں کی بیل چڑھی تھی ۔ یہاں بڑی ٹھنڈک تھی ۔ چٹان کے پیچھے

کے نیچے تھوڑی سی جگہ خالی تھی، جہاں چھوٹی چھوٹی گھاس اُگی ہوئی تھی — ماریا کو یہ جگہ بہت پسند آئی —

وہ آرام کرنے کے لیے یہاں رُک گئی —

رات کا اندھیرا پھیل گیا — سارا جنگل درختوں پر بسیرا کرتے اور دُور دُور سے اپنے گھونسلوں کو واپس آتے پرندوں سے گونج اُٹھا —

کچھ دیر بعد یہ آوازیں خاموش ہوگئیں — سارا جنگل سنسان ہوگیا — پرندے اپنے اپنے گھونسلوں میں سو گئے — ماریا کو بھی نیند آنے لگی اور وہ بھی سو گئی —

آدھی رات کو اچانک اُس کی آنکھ کھُل گئی — نیند میں اس نے ایسی آواز سُنی تھی، جیسے کوئی اُڑن طشتری زمین پر اُتری ہو — آنکھیں کھُلتے ہی کیا دیکھتی ہے کہ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے اور ایک کالا بدشکل آدمی اس کے قریب دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے کھڑا ستاروں کو تک رہا ہے — اس کے حلق سے گھُر گھُر کی عجیب سی آوازیں نکل رہی ہیں وہ کوئی منتر پڑھ پڑھ کر آسمان کی طرف پھُونک رہا ہے —

ماریا اُس کے قریب ہی سوئی ہوئی تھی — مگر اس نے ماریا کو نہیں دیکھا تھا —

شکل صورت سے یہ کوئی مکروہ جادوگر لگتا تھا جو کالے علم کے منتر پڑھ رہا تھا —

جوں جوں اُس کی آواز بلند ہو رہی تھی اس کا قد بھی بڑھ رہا تھا — وہ لمبا ہوتا جا رہا تھا — یہاں تک کہ وہ درختوں سے بھی لمبا ہوگیا اور ماریا کو ایسا محسوس ہوا، جیسے اس کے ہاتھ ستاروں کو چھُو رہے ہوں — ماریا کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے — اس قسم کی جادوگری، اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی —

پھر آہستہ آہستہ کالے جادوگر کا قد چھوٹا ہونے لگا اور اصلی لمبائی پر آگیا — جادوگر خاموش ہوگیا تھا۔ اس کے سر کے بال کھڑے ہوگئے تھے — آنکھوں سے روشنی کی تیز لکیر نکل کر آسمان کی طرف جا رہی تھی — ماریا بڑے غور سے اُسے دیکھ رہی تھی کہ یہ کس چیز پر جادو کر رہا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ ایک بات کی ماریا کو تسلی تھی کہ کالا جادوگر اُسے دیکھ نہیں سکتا تھا —

جب جادوگر نے دونوں ہاتھ نیچے کر لیے تو آسمان پر سے ایک سیاہ بلا نیچے جنگل پر اترتی نظر آئی — یہ بلا ایک بہت بڑے پرندے کی شکل کی تھی، جس کی چونچ گدھ ایسی تھی اور سرخ آنکھوں میں جیسے انگارے دہک رہے تھے! اس بلا نے پنجوں میں ایک ٹوکرا تھام رکھا تھا، جس کے اندر ایک چڑیل

کی شکل والی عورت بیٹھی تھی ۔

اس چڑیل عورت کی ناک آگے سے مڑی ہوئی تھی اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں ۔ اس کے گلے میں بچوں کی کھوپڑیوں کا ہار تھا ۔

بلا پرندہ جنگل میں آکر درختوں کے اوپر پر پھیلا کر رک گیا ۔ جنگل پر ایک چھت سی پڑ گئی ۔ چڑیل عورت نیچے اتر آئی ۔ اس نے کالے جادوگر کے آگے سات بار جھک کر کوّے ایسی آواز میں کائیں کائیں کرتے ہوئے کہا :

" میرے آقا ، میں حاضر ہوں ۔ حکم کرو ۔ کیا کسی بچے کی گردن کاٹ کر لانی ہے ؟ کیا کسی بچے کی آنکھیں نکال کر لانی ہیں ؟ حکم کرو ۔"

اور چڑیل عورت قہقہہ لگا کر ہنس دی ۔

اس کے قہقہے کی آواز بڑی مکروہ تھی ۔ لیکن چڑیل عورت بھی ماریا کو نہ دیکھ سکی تھی ۔ جو اس سے ذرا فاصلے پر کھڑی تھی ۔

کالے جادوگر نے کہا :

" سنو ، ہمالیہ کے پہاڑوں میں تبت کے شہر لاسہ میں جاؤ ۔ وہاں ایک نیلی آنکھوں والا شالانگ نام کا لڑکا اپنے باپ کے ساتھ رہتا ہے ۔ مجھے ایک خاص جادو کے لیے اس کی

نیلی آنکھیں نکال کر لا دو ۔"

ماریا کالے جادوگر کا یہ ظالمانہ حکم سن کر تڑپ اٹھی ۔ اسی وقت اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ چڑیل عورت کو ایسا نہیں کرنے دے گی ۔

چڑیل عورت نے جادوگر آقا کا حکم سن کر قہقہہ لگایا ، اور کہا :

" جو حکم میرے آقا ، میں ابھی تبت جا کر شالانگ کی آنکھیں نکال کر لاتی ہوں ۔"

کالے جادوگر نے کہا :

" میں تمہارا اسی جنگل میں انتظار کروں گا ۔ جاؤ ۔ تمہارا راستہ لمبا ہے ۔ یہ کام کیے بغیر آؤ گی تو میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا ۔"

چڑیل عورت نے کہا :

" نہیں آقا نہیں ۔ میرے ٹکڑے نہ کرنا ۔ میں بچے کی آنکھیں ضرور لاؤں گی ۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا ۔"

اور چڑیل چھلانگ لگا کر ٹوکرے کے اندر بیٹھ گئی ۔ ماریا نے بھی فوراً چھلانگ لگائی اور ٹوکرے کی دوسری طرف ہو کر جا کھڑی ہوئی ۔

اسے نہ کالا جادوگر دیکھ سکا اور نہ چڑیل عورت کو پتا

چل سکا۔

ماریا نے ویسے بھی ہمالیہ کے پہاڑی علاقے کی طرف ہی جانا تھا۔ تبت ہمالیہ کے پہاڑوں میں واقع تھا۔

چڑیل نے زور سے چیخ ماری۔

رات کے اندھیرے میں سارا جنگل دہل گیا۔ پرندے نے اپنے پر پھڑپھڑائے، جس سے تیز ہوا کا جھونکا درختوں کو دُہرا کر گیا۔ اس کے ساتھ ہی پرندہ آسمان کی طرف اُڑ گیا۔

ماریا ٹوکرے کے کونے میں بیٹھی تھی۔ چڑیل عورت ٹوکرے کے اوپر پرندے کے نوکیلے پنجوں کے درمیان کھڑی تھی اور اس کے سیاہ بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔

پرندہ اپنے جہاز ایسے پَر زور زور سے پھڑپھڑاتا آسمان پر اُڑا چلا جا رہا تھا۔ اُس کی رفتار بے حد تیز تھی۔ ماریا نے نیچے دیکھا۔ جنگل پیچھے رہ گئے تھے۔ اب ایک دریا گزر رہا تھا۔ دریا بھی پیچھے رہ گیا اور اب چھوٹے چھوٹے پہاڑوں اور چٹانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

چڑیل عورت کسی وقت زور سے چیخ مار کر پرندے کے پنجوں پر دانت سے کاٹ دیتی تھی۔ پرندہ بلبلاتا اور اپنی رفتار اور تیز کر دیتا۔

اندھا کنواں

راتوں رات چڑیل عورت ہمالیہ کے پہاڑوں میں پہنچ گئی۔

ماریا نے ٹوکرے میں سے نیچے جھانک کر دیکھا۔ رات کے اندھیرے میں پہاڑوں پر جمی ہوئی برف صاف دکھائی دے رہی تھی۔ یہ ہمالیہ کے پہاڑوں کا سلسلہ تھا۔

عنبر ناگ کی کٹی ہوئی لاش کو لے کر انہی پہاڑوں کے ناگ مندر میں کسی جگہ آنے والا تھا۔ لیکن ماریا سب سے پہلے اُس بچّے کو چڑیل کے ظلم سے بچانا چاہتی تھی، جس کی نیلی آنکھیں نکالنے کے لیے کالے جادوگر نے اس چڑیل کو یہاں بھیجا تھا۔

دیو ایسے پرندے نے زمین کی طرف اُترنا شروع کر دیا۔ پہاڑ قریب آ رہے تھے۔ ایک وادی دکھائی دی، جہاں برف کے میدان تھے۔ اور درمیان میں ایک جگہ درختوں کا جھرمٹ تھا۔ چڑیل نے پرندے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نیچے کی جانب

اشارہ کر کے کہا:

"اس جُھرمٹ میں چلو۔"

پرندہ درختوں کے درمیان ایک خالی جگہ پر اُتر آیا۔ چڑیل ٹوکرے سے باہر آگئی۔ ماریا بھی باہر نکل گئی۔ چڑیل کو ماریا کی بالکل خبر نہ ہو سکی۔ چڑیل عورت نے پرندے کی طرف بازو اٹھا کر کہا۔

"چلے جاؤ۔ تمہاری ضرورت ہوگی تو بُلا لوں گی۔"

پرندہ اُڑ گیا۔ چڑیل عورت اندھیرے درختوں کے جُھرمٹ میں اکیلی رہ گئی۔ مشرق کی طرف اونچے ہمالیہ کے پہاڑ کھڑے تھے جن پر برف جمی تھی۔ سردی بے حد زیادہ تھی۔ بڑی یخ ہوا چل رہی تھی، مگر سردی نہ تو چڑیل کو لگ رہی تھی اور نہ ماریا کو۔

چڑیل نے درختوں کی طرف دیکھا۔ دُور ان درختوں میں چند ایک گول چھتوں والے مکان نظر آرہے تھے۔ چڑیل نے مکروہ انداز میں ہنس کر اپنے آپ سے کہا:

"انہی گھروں میں وہ نیلی آنکھوں والا لڑکا شالانگ رہتا ہے۔ وہ مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتا۔ اُس کی خالہ نیپال گئی ہوئی ہے۔ میں اس کی خالہ بن کر اس سے ملوں گی۔"

اور چڑیل نے قہقہہ لگایا۔ درختوں پر ایک دہشت سی

طاری ہوگئی۔

ماریا کسی طرح اُڑ کر شالانگ کے گھر پہنچ جانا چاہتی تھی۔ مگر وہ دو ایک فرلانگ سے زیادہ نہ اڑ سکتی تھی۔ اُس نے اندازہ لگایا تو بستی کے مکانوں کا فاصلہ اتنا ہی تھا۔ پس ماریا نے ہوا میں ایک زور دار چھلانگ لگائی۔

اس نے ہوا میں اُڑنا شروع کر دیا۔ جیسے کوئی آسمان کی طرف گیند اُچھالتا ہے اور وہ گیند آسمان پر آدھا دائرہ بناتی آگے جا کر گر پڑتی ہے۔ بالکل اسی طرح ماریا ایک فرلانگ کے فاصلے پر جا کر زمین کی طرف گرنے لگی۔ ماریا نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بستی کے مکانوں کے درمیان اُتر گئی۔

ایک دو مکانوں کی چمنیوں میں سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔ جیسے اندر کھانا یا قہوہ تیار ہو رہا تھا۔

ماریا نیلی آنکھوں والے لڑکے کا گھر نہیں جانتی تھی۔ اُسے لڑکے کا نام ضرور یاد تھا۔ وہ چڑیل کے پہنچنے سے پہلے پہلے نیلی آنکھوں والے لڑکے کے گھر والوں کو خبردار کر دینا چاہتی تھی۔ اس بچے کی ماں نہیں تھی، باپ ہی اُسے پال رہا تھا۔ ماریا نے ایک مکان میں جھانک کر دیکھا۔ اندر کوئی نیلی آنکھوں والا چھوٹا بچہ وہاں نہیں تھا۔

وہ دوسرے اور تیسرے مکان میں گئی۔ وہاں بھی ...

ایسا بچہ نہیں تھا —

چھٹے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک بوڑھی عورت نے دروازہ کھول دیا — اس نے باہر جھانک کر دیکھا — سخت ہوا کا جھونکا اس کے منہ سے ٹکرایا — اس نے دیکھا کہ باہر تو کوئی بھی نہیں ہے — ماریا حالانکہ وہاں کھڑی تھی لیکن اُسے نظر نہیں آ رہی تھی —

بوڑھی عورت کچھ حیران سی ہوئی — پھر یہ سوچ کر کہ شاید یہ ہوا کے تھپیڑے کی شرارت تھی، وہ دروازہ بند کرکے واپس ہونے لگی تو ماریا اس سے پہلے مکان کے اندر جا چکی تھی —

ماریا نے دیکھا کہ ایک نیچی چھت والے کمرے میں لکڑی کے فرش پر بہت بڑا لحاف بچھا ہے، جس کے اندر کونے میں نیلی آنکھوں والا شالانگ اپنے باپ کے پاس بیٹھا خدا کی عبادت کر رہا ہے —

ماریا نے آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں کو دیکھا — وہ بہت خوش ہوئی — اس بچے کی آنکھیں نیلی تھیں — اس کی عمر سات آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی اور چہرہ بڑا معصوم تھا — بوڑھی عورت بچے کی دادی تھی — بچے کا باپ بچے کے ساتھ ہی لحاف میں بیٹھا ہوا تھا —

اُس نے دادی سے پوچھا :

" اماں، باہر کون تھا ؟"

دادی نے کہا :

" ہوا تھی شاید —"

باپ نے کہا :

" قہوے کے لیے پانی رکھ دو —"

پھر اُس نے خدا کی عبادت کرتے اپنے بچے کی پیشانی چوم کر کہا :

" شالانگ بیٹا، اب دُعا مانگو —"

دونوں باپ بیٹا دُعا مانگنے لگے — ماریا کو ثبوت مل گیا کہ یہی شالانگ ہے — وہ اس گھر میں ایک طرف کھڑی ہوگئی اور دروازے کی درزوں میں سے باہر صبح کی ہلکی ہلکی سفید دُھند میں چڑیل کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگی — جو اس بچے کی نیپال والی خالہ کے رُوپ میں چلی آ رہی تھی —

ماریا نے سوچا کہ کیوں نہ وہ چڑیل خالہ کے آنے سے پہلے ہی ان لوگوں کو اس کے مکر سے خبردار کردے — مصیبت یہ تھی کہ وہ اُنہیں دکھائی نہیں دے سکتی تھی — اور اگر وہ انہیں آواز دیتی تو ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ ڈر کر گھر سے بھاگ جاتے اور یوں چڑیل کے قابو میں آ سکتے تھے، لیکن وقت کم تھا اور ماریا کو یہ خطرہ ہر حالت میں مول لینا ہی تھا —

اُس نے شالانگ کے باپ کے قریب جا کر آہستہ
سے کہا :

"میں تمھاری بہن کی رُوح ہوں — میری بات غور سے
سُنو ۔"

پہلے تو شالانگ کے باپ کو یقین نہ آیا کہ اس نے
کوئی آواز سُنی ہے — لیکن جب ماریا نے دوسری بار فقرہ دہرایا
تو شالانگ کا باپ اُچھل کر پرے ہٹ گیا — اس کی ماں
نے گھبرا کر پوچھا :

"کیا ہوا بیٹے ؟"

" اماں، تم نے آواز نہیں سُنی ؟"

"کون سی آواز ؟"

ماریا نے کہا :

" اماں، تم بھی غور سے سُنو — میں تمہاری بیٹی کی رُوح
ہوں اور تمہیں خبردار کرنے آئی ہوں کہ ابھی ایک عورت تمہاری
بہن کی شکل بنا کر تمہارے گھر میں آنے والی ہے — وہ مکار چڑیل
جادوگرنی ہے اور تمہارے پوتے کی آنکھیں نکالنے آ رہی ہے۔"

دادی کا رنگ سفید پڑ گیا — اس نے جھک کر اشلوک پڑھے
اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا :

"اے خدا! مجھے اس بد روح سے بچانا۔"

پھر اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر بولی :

" بیٹا، شالانگ کو لے کر دوسرے گھر میں بھاگ جا۔ میں
ابھی اس بدروح کی خبر لیتی ہوں — میں اشلوک پڑھ کر اس
بدروح کو جلا ڈالوں گی — جلدی کرو، بھاگو۔"

وہی ہوا، جس کا ماریا کو ڈر تھا — یہ لوگ اُسے بدروح
سمجھ بیٹھے تھے —

شالانگ کا باپ بیٹے کو روئی کی توشک میں لپیٹ کر مکان
سے باہر بھاگ گیا اور اس کی ماں نے اگربتیاں اور لوبان سلگا
کر اونچی آواز میں اشلوک پڑھنے شروع کر دیے — اتنے میں
دروازے پر دستک ہوئی اور باہر سے آواز آئی :

" لیلاگ بہن دروازہ کھولو، میں وغالا ہوں، تمہاری نیپال
والی بہن ۔"

اماں نے اپنی چھوٹی بہن کی آواز صاف پہچان لی۔ وہ لپک
کر دروازے کی طرف گئی اور دروازہ کھول دیا — اُس کا چہرہ
اپنی بہن کو دیکھ کر کھل اُٹھا — ماریا نے دیکھا کہ چڑیل عورت
ایک ادھیڑ عمر تبتی عورت کی شکل میں گرم سموری ٹوپی سر پر
پہنے دروازے میں کھڑی مسکرا رہی تھی —

ایک بار تو ماریا بھی دھوکا کھا گئی اور یہی سمجھ بیٹھی کہ یہ
چڑیل نہیں، بلکہ ضرور اس عورت کی بہن ہے —

اماں نے اپنی بہن دغالا کو گلے لگا لیا — اسے اندر لا کر بٹھایا — اور پوچھا کہ وہ اچانک کیسے آ گئی؟ چھوٹے بھائی کا کیا حال ہے؟

وہ عورت چونکہ چڑیل تھی، اس لیے اس کے گھر کے ایک ایک آدمی اور عورت سے باخبر تھی اور سب کا حال اسے جادو کے زور سے معلوم تھا —

اس نے جب نیپال میں رہنے والے اماں کے بھائی اور دوسرے رشتہ داروں کا ٹھیک ٹھیک حال پتا بتایا تو اماں کو ایک پل کے لیے بھی یہ شک نہیں پڑ سکتا تھا کہ وہ اس کی بہن نہیں بلکہ چڑیل ہے —

ماریا تو سر پکڑ کر رہ گئی — اس نے سوچا کہ اب کسی دوسرے طریقے سے بچے کی جان اس چڑیل سے بچانی چاہیے

چڑیل عورت نے شالانگ کا پوچھا تو اُس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک آ گئی — اُس نے آگے بڑھ کر شالانگ کے بستر پر پڑی ہوئی اُس کی اُونی ٹوپی اُٹھا کر کہا:

"اُسے تم نے صبح صبح سردی میں بغیر ٹوپی کے باہر کیوں بھیج دیا —"

شالانگ کی دادی نے کہا:

"کیا بتاؤں بہن، ابھی ابھی ایک بدروح یہاں آئی تھی —"

"بدروح —" چڑیل چونکی —

"ہاں بدروح تھی — میری بیٹی کی روح بن کر آئی تھی اور کہہ رہی تھی کہ ابھی ایک عورت تمہارے گھر میں تمہاری چھوٹی بہن دغالا کی شکل بدل کر آئے گی — اُس سے خبردار رہنا — وہ چڑیل ہوگی —"

اتنا سُننا تھا کہ چڑیل کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی — وہ اچھل سی پڑی کہ یہ روح کون ہے جو اس کا راز فاش کرنے اُس سے پہلے وہاں پہنچ گئی ہے —

چڑیل کا روحوں پر کوئی اختیار نہیں تھا — وہ پریشان سی ہوگئی — کیونکہ اگر وہاں کوئی سچ مچ کی بدروح آ گئی تھی تو پھر اس کے لیے شالانگ کی آنکھیں نکالنا مشکل بھی ہو سکتا ہے — اُس نے زبردستی قہقہہ لگا کر کہا:

"میلاگ بہن، آج کل تبت میں بدروحیں بڑی عام ہو گئی ہیں اور وہ لوگوں کو طرح طرح کی باتیں کر کے ڈراتی پھرتی ہیں — بھلا میں کوئی چڑیل ہوں؟"

اس کی بڑی بہن نے چڑیل عورت کو اپنی بہن سمجھ کر گلے لگا لیا اور بولی:

"چڑیل ہو تمہاری دشمن، تم تو میرا خون ہو — میری اپنی پیاری بہن ہو — دیوتاؤں کا شکر ہے کہ تم سے اتنے دنوں

بعد اچانک ملاقات ہوئی ۔"

چڑیل خالہ نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس عورت کے دل سے شک دُور ہوگیا تھا ۔ اُس نے باتوں ہی باتوں میں پوچھا ۔

" شالانگ بیٹیا کہاں ہے ، اس کا باپ کہاں ہے ؟"

بڑی بہن نے کہا :

" میں بدروح کو بھگانے کے لیے چلّہ کرنے لگی تھی اس لیے دونوں کو ساتھ والے گھر میں بھجوا دیا تھا ۔"

چڑیل خالہ ہنسنے لگی :

" کوئی بات نہیں ۔ میں وہیں جا کر اپنے پیارے بھانجے سے مل لوں گی ۔ اصل میں جب بھی میں آؤں تو یہی جی چاہتا ہے کہ اپنے نیلی آنکھوں والے شہزادے بھانجے کو سب سے پہلے دیکھوں ۔"

بڑی بہن کہنے لگی :

" آؤ وہیں چلتے ہیں ۔ بدروح بھاگ گئی ہے شاید ۔ اس کی آواز پھر نہیں سنائی دی ۔"

دونوں مکان سے نکل کر گلی کی برف پر چلتی ہوئیں تیسرے مکان میں داخل ہوگئیں ۔ ماریا بھی ان کے ساتھ تھی ۔ اب وہ شالانگ کی دادی اور باپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی ۔

اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ اس چڑیل کو ہلاک کر کے شالانگ کی زندگی بچائے گی ۔ اور پھر عنبر کی تلاش میں ناگ مندر جائے گی ۔

تیسرے مکان میں چڑیل خالہ نے شالانگ کی نیلی آنکھوں اور سر کے سنہری بالوں کو دیکھا تو بڑی خوش ہوئی ۔ یہی اُس کا شکار تھا ۔ اسی بچے کی اُس نے نیلی آنکھیں نکال کر کالے جادوگر کو جا کر دینا تھیں ۔

کالے جادوگر کے وہ قبضے میں تھی ۔ اس کے حکم کو وہ کبھی نہ ٹال سکتی تھی ۔ کیونکہ وہ اُسے جلا کر بھسم کر سکتا تھا ۔ اس وقت دن نکل آیا تھا ۔

چڑیل جادوگرنی نے سوچا کہ آدھی رات کو جب گھر کے سارے لوگ سو رہے ہوں گے تو وہ شالانگ کی آنکھیں نکال کر فرار ہو جائے گی ۔

ماریا بھی چوکس ہوگئی تھی ۔ وہ شالانگ کی نگرانی کر رہی تھی ۔

ماریا کے دل میں خیال آیا ، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی طاقت کا چڑیل پر کوئی اثر ہی نہ ہو اور وہ اس کے دیکھتے دیکھتے معصوم بچے کی آنکھیں نکال کر لے جائے ۔

ایک دم سے ماریا نے دوسرا فیصلہ کر لیا ۔ کیوں نہ وہ

خود شالانگ کو وہاں سے اُٹھا کر پہاڑوں میں لے جائے۔
اور بچے کو کسی محفوظ جگہ پر چھپا کر واپس آئے اور چڑیل کا
مقابلہ کرکے اُسے ہلاک کرنے کی کوشش کرے — یہ اچھا خیال
تھا — اس میں کم از کم معصوم بچے کی آنکھیں بچ جاتی تھیں —
ماریا ساتھ والے گھر میں گئی — شالانگ کا باپ باہر گیا ہوا
تھا — اس کی دادی اپنی نقلی بہن کی آؤ بھگت کرنے میں لگی
تھی اور چڑیل بہن مکار آنکھوں سے شالانگ کو دیکھ رہی تھی —
جو قریب ہی لحاف پر بیٹھا لکڑی کی سلیٹ میں میخ ٹھونک رہا
تھا — چڑیل اُسے آنکھوں سے دُور نہیں ہونے دیتی تھی۔ کہتی
یہ تھی کہ اُسے بچے سے بڑی محبت ہے — اصل میں وہ
شالانگ کو نگاہوں سے اس لیے اوجھل نہ ہونے دیتی تھی
کہ کہیں وہ اِدھر اُدھر بھاگ نہ جائے —

ماریا کو ایک ترکیب سُوجھی — اس بستی کے ساتھ ہی
پہاڑی ڈھلان پر ایک برف کا تودہ رُکا ہوا تھا۔ وہ اپنی
جگہ پر جم گیا تھا — ماریا نے پہاڑی پر جا کر اس تودے کو
اپنی جگہ سے ہلا دیا تو وہ ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ رینگنے لگا۔
ساری بستی میں شور مچ گیا کہ برف کا پہاڑ گرنے والا ہے۔
بھاگو بھاگو —

شالانگ کی دادی اور خالہ بھی اپنے مکان سے شالانگ کو

لے کر باہر نکل آئیں — وہاں شور مچ گیا — چڑیل خالہ نے
اس افراتفری میں شالانگ کی آنکھوں پر جھپٹا مارنا چاہا مگر
ماریا نے اُسے دھکا دے کر ہر بار پرے گرا دیا — شالانگ کے
باپ نے بچے کو ایک چٹان کے اُوپر بٹھا دیا اور کہا :

" شالانگ بیٹا، یہاں سے نیچے مت اترنا "

اور خود اماں اور چڑیل خالہ کو لے کر سامان نکالنے لگا۔
برف کا تودہ رینگتا چلا آ رہا تھا — اس کے رینگنے سے بڑی
بھیانک گونج پیدا ہو رہی تھی —

ماریا کے لیے یہ سنہری موقع تھا — وہ ہوا میں اُڑتی ہوئی
چٹان کی دوسری طرف سے اُوپر آ گئی — اس نے آتے ہی
شالانگ کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا — شالانگ ایک دم گہری
نیند سو گیا — پھر اُس نے اُسے اٹھایا اور چٹان کے اوپر
سے دوسری جانب چھلانگ لگا کر ہوا میں اُڑنا شروع کر دیا۔
وہ شالانگ کو لے کر ایک پہاڑی غار میں آ گئی — اس غار میں
سخت اندھیرا تھا —

ماریا شالانگ کے لیے کوئی اچھی پناہ گاہ تلاش کر رہی
تھی — غار آگے جا کر بند ہو گئی — اس کی چھت پر ایک چھجہ
سا باہر نکلا ہوا تھا — ماریا نے شالانگ کو اس چھجے کے اوپر
لٹا دیا اور خود غار سے باہر نکل کر اس کے منہ پتھروں سے بند

کر دیا — صرف اتنی جگہ خالی رکھی کہ اندر سے تازہ ہوا جاتی رہے —

اس کام سے فارغ ہوکر وہ واپس بستی کی طرف چل پڑی بستی میں جا کر اُس نے دیکھا کہ پہاڑی ڈھلان پر برف کا تودہ اپنے آپ رُک گیا تھا اور بستی والے واپس اپنے اپنے مکانوں میں آگئے تھے، مگر شالانگ کے گھر میں کہرام مچا تھا — کیونکہ شالانگ گم ہوگیا تھا — اس کی دادی اور باپ غم کے مارے بُرا حال تھا — چڑیل بھی بے حد پریشان تھا — وہ تو اسس لیے پریشان تھی کہ اس کا شکار اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اور اب اُسے اپنی جان کا خطرہ تھا کہ اگر بچے کی نیلی آنکھیں لیے بغیر واپس گئی تو کالا جادوگر اسے زندہ نہیں چھوڑے گا — چڑیل پریشانی کی حالت میں اِدھر اُدھر پھر رہی تھی اور شالانگ کو آوازیں دے رہی تھی — دل میں وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ سارا کارنامہ اسی بدروح کا ہے — جو اس کے مقابلے پر آچکی ہے — چڑیل چپکے سے شالانگ کے گھر سے کھسک گئی — وہاں اب اُسے کیا لینا تھا — وہ شالانگ کو پہاڑوں میں تلاش کرنا چاہتی تھی —

چڑیل بستی سے دُور آگئی — یہاں آکر اُس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور ہوا میں اُڑنا شروع کر دیا — ماریا بھی

ایک ایک فرلانگ کی چھلانگ لگاتی اس کے پیچھے پیچھے چل دی — چڑیل کو جیسے شالانگ کی بُو آرہی تھی — وہ سیدھی کھڈ کی طرف آگئی — کھڈ میں اُترتے ہی اُس نے غار کی طرف چلنا شروع کر دیا — غار کا منہ پتھروں سے بند تھا چڑیل نے پتھروں کو ناک لگا کر سونگھا اور چیخ کر کہا:

"میرے آقا، تمہارا شکار اسی غار میں ہے"

اور پھر وہ دیوانوں کی طرح زور زور سے قہقہے لگانے اور ناچنے لگی —

"کہاں ہو تم اے بدروح، تم ہار گئی ہو — میں جیت گئی — میں کالے پانیوں کی چڑیل ہوں — تم میرا مقابلہ نہیں کر سکتیں، تم ہار گئیں —"

چڑیل بال کھولے سر کو ہلا ہلا کر قہقہے لگا رہی تھی۔ اب وہ اصل چڑیل کی شکل میں سامنے آگئی تھی — اس کی صورت دیکھ کر خوف آتا تھا —

چڑیل غار کے منہ پر رکھے ہوئے پتھروں کو ہٹانے لگی۔ ماریا نے سوچا کہ اگر یہ اندر چلی گئی تو بچے کی زندگی خطرے میں ہوگی — اُسے کسی نہ کسی طرح بچانا چاہیے —

یہ سوچ کر وہ غار کے پتھروں کے درمیان سے گزر گئی — وہ ایک روح کی طرح ہر شے کے اندر سے گزر سکتی تھی — غار

میں داخل ہوتے ہی ماریا بھاگ کر شالانگ کے پاس پہنچی۔ وہ چھت کے ساتھ باہر کو اُبھرے ہوئے پتھر پر اسی طرح بے ہوش پڑا تھا — ماریا نے پوری طاقت کے ساتھ غار کی سامنے والی دیوار کو ٹھوکر ماری۔

دیوار میں ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ شگاف پڑ گیا اور دوسری طرف سے ہلکی ہلکی روشنی آنے لگی —

ماریا نے شالانگ کو گود میں اٹھایا اور شگاف کے اندر داخل ہو گئی — اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ دوسری طرف کیا ہے۔ مگر وہ ہر حالت میں چڑیل کے پنجے سے بچے کو بچانا چاہتی تھی۔ اس کے پیچھے چڑیل بھی پتھروں کو ہٹا کر غار میں داخل ہو گئی تھی — اُسے بچے کی بڑی تیز بُو آ رہی تھی۔ وہ غار کے آگے آئی تو دیکھا کہ ایک شگاف دیوار میں بنا ہوا ہے جس میں سے روشنی آ رہی ہے — چڑیل بھی اس شگاف میں سے گزر گئی —

دوسری جانب ایک پتھروں سے بھرا ہوا تنگ سا راستہ دو اُونچے اُونچے پہاڑوں کے بیچ میں سے جاتا تھا۔ ماریا اس راستے پر لمبی لمبی چھلانگوں کی صورت میں اُڑتی چلی جا رہی تھی۔ چڑیل نے بھی پیچھے اُڑنا شروع کر دیا —

ماریا کو اپنے پیچھے چڑیل کے بھیانک قہقہے سنائی دے

رہے تھے — اس کے دونوں جانب پہاڑ اس قدر بلند تھے کہ ان کی چوٹیاں آسمان کو چھوتی دکھائی دے رہی تھیں — چڑیل کے بھیانک قہقہوں سے پہاڑوں میں زبردست گونج پیدا ہو رہی تھی —

اس گونج کی وجہ سے ایک جگہ پہاڑ کے اُوپر سے برف کی ایک چٹان اکھڑ کر نیچے ایک خوفناک دھماکے کے ساتھ آن گری۔ راستہ بند ہو گیا — ہر طرف برف ہی برف بکھر گئی۔ ماریا کے لیے اس برف کی چٹان کے اندر سے گزرنا کوئی مشکل کام نہ تھا — وہ چٹان کے اندر سے گزر گئی — اُس نے صرف اتنا کیا کہ چٹان سے گزرتے وقت شالانگ کو اپنے بازوؤں میں چھپا لیا — کیونکہ برف کی چٹان کا اندر کا حصہ بے حد سرد تھا —

آگے پھر وہی پتھریلا راستہ تھا اور اردگرد پہاڑوں کی بلند چوٹیاں تھیں — نہ جانے یہ راستہ کہاں جا کر ختم ہوتا تھا اور کدھر کو جا رہا تھا — ماریا بھاگی جا رہی تھی — چڑیل بھی چٹان کے اُوپر سے اُڑ کر آگے آ گئی تھی اور اب بچے کی بُو کے پیچھے لگی اُڑتی چلی آ رہی تھی —

بہت آگے جا کر پتھریلا راستہ ایک پرانے اور ویران پہاڑی مندر میں داخل ہو گیا — اس مندر میں گھُپ اندھیرا تھا اور پتھر

کی سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔

ماریا بچے کو لے کر سیڑھیاں اتر گئی۔ آگے ایک دالان آگیا، جہاں اونچے اونچے پتھر کے ستون تھے۔ ماریا ان ستونوں سے گزر کر آگے گئی تو ایک اندھا کنواں آگیا۔ ماریا کو اپنے پیچھے دور چڑیل کی بھیانک آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ چڑیل اس کا برابر پیچھا کر رہی تھی۔ آگے کوئی راستہ نہیں تھا۔ ماریا نے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی۔ وہ پرندے کے ہلکے پھلکے پر کی طرح کنوئیں کے اندر اترتے چلی گئی۔ کنوئیں میں روشنی بالکل نہیں تھی۔ وہ نیچے ہی نیچے چلی جا رہی تھی اور اس کے پاؤں زمین پر نہیں لگ رہے تھے۔

چڑیل کی آواز بہت دور سے آتی سنائی دے رہی تھی۔

- کنوئیں کے نیچے کیا تھا؟
- چڑیل عورت کی موت کیسے ہوئی؟
- عنبر ناگ کی لاش لے کر کس حالت میں ناگ مندر پہنچا؟
- ماریا عنبر سے کہاں اور کیسے ملی؟
- کیا ناگ پھر زندہ ہو سکا؟

ان سوالوں کے جواب آپ کو اگلی قسط ۱۱
"شاہ بلوط کا خزانہ" میں ملیں گے۔ اپنے قریبی بک سٹال سے طلب کیجیے۔

قدم قدم حیرانی، ہر موڑ پر نئی کہانی

نیا سلسلہ

عمران ریحان ایڈونچر

- دو دوست دُنیا کے سفر پر پیدل گھر سے نکلے
- سنسنی خیز واقعات اور حیرت انگیز حالات سے گزرتے ہُوئے اُن کا یہ دلچسپ اور معلوماتی سفر ایک مُلک سے دوسرے مُلک تک جاری رہتا ہے۔
- اس سفر میں اُن کا واسطہ خطرناک جنگلات، تپتے ریگستانوں، پُراسرار گلی کوچوں کے آسیبی مکانوں اور غیر مُلکی جاسوسوں کے جال سے پڑتا ہے۔
- ایڈونچر، سسپنس، سراغرسانی، جاسوسی اور معلوماتی سفر کا انتہائی دلچسپ سلسلہ!

مُصنّف: اے حمید

1. لنڈی کوتل کا بھوت
2. مفرور قیدی
3. ہینڈز اَپ
4. ہیروں کے چور
5. شاہی تاج کی چوری
6. خُونی راز

نیا مکتبہ اقرأ
۱۴-بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور